واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

مؤلف

عبداللہ فارانی

مکتبہ عمر فاروقؓ

شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی

عبداللہ فارانی
واقعات صحابہ
قدم بہ قدم

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

شمارہ 511 میں اسلامی جنگیں قدم بہ قدم کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو ایک سوال میرے سامنے پہاڑ بن کر آ کھڑا ہوا۔ سوال یہ تھا:

"اب کون سا قدم بہ قدم سلسلہ شروع کیا جائے۔"

اس سوال نے مجھے پریشان کر دیا... اگرچہ اس پریشانی نے کافی دن پہلے ہی مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا... کیونکہ یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ اب یہ سلسلہ ختم ہونے والا ہے... تو ظاہر ہے، یہ سوال بھی ذہن میں گونجتا رہا تھا کہ اب کیا شروع کیا جائے... لیکن آخری قسط لکھے جانے کے بعد بھی اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تھا...

مرتا کیا نہ کرتا، چند قریبی عالم فاضل لوگوں سے مشورہ کیا... کسی نے کوئی مشورہ دیا، کسی نے کوئی... مفتی جمیل الرحمٰن عباسی صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا، آپ نے جو بھی آزادی قدم بہ قدم مکمل کی ہے، اسی کو قسط وار شروع کر دیں... میں نے انھیں بتایا کہ وہ تو ایم آئی ایس پبلشرز نے علیحدہ لکھوائی ہے اور وہ اسے شائع کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں... کوئی اور مشورہ دیں... اس لیے انھوں نے ایک مشورہ یہ دیا کہ علمائے دیوبند قدم بہ قدم شروع کر دیں... اس سلسلے میں میرے نزدیک بہت مشکلات تھیں... ان کے بعد محمد اسماعیل ریحان صاحب کو فون کیا... اس مسئلے پر ان سے کافی دیر بات کی... لیکن کوئی بات بن نہ سکی...

آخر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ عنوان ذہن میں آیا، "واقعات صحابہ کے" فوراً ہی ذہن مائل ہو گیا... اب اس میں مشکل یہ تھی کہ اس عنوان کے ساتھ قدم بہ قدم لفظ کیسے لگایا جائے... کیونکہ واقعات ایک ترتیب سے تو بیان کیے ہی نہیں جا سکتے تھے... اعتراض کیا جاتا... یہ آپ قدم بہ قدم واقعات بیان کر رہے ہیں... ہے کوئی تک، یہ واقعات قدم بہ قدم ہیں... آخر سوچا، اس سلسلے کو صرف اس عنوان کے تحت شروع کر لیتے ہیں... واقعات صحابہ کے... پھر سوچا، اتنی مدت ہو گئی... قدم بہ قدم اور اس سلسلے کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے... اس ساتھ کو ساتھ نہ کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا... اچانک ایک بات ذہن میں آئی، قدم بہ قدم کا صرف یہی مطلب نہیں کہ واقعات ترتیب وار بیان کیے جائیں، بلکہ ایک مطلب یہ بھی ہے، چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی ساتھ ساتھ بیان ہوں اور سچ تو یہی ہے کہ جب سیرت النبی قدم بہ قدم نام رکھا تو یہی معنی ذہن میں تھے... یہ خیال آتے ہی اس سلسلے کا عنوان یہ لکھ دیا... واقعات صحابہ کے قدم بہ قدم۔

امید ہے... آپ اس عنوان کو پسند فرمائیں گے... اور قدم بہ قدم ساتھ رہیں گے... یہی درویش کی صدا ہے... ایک تو یہ حضرت درویش نہ جانے کہاں سے جب چاہیں، ٹپک پڑتے ہیں اور تو اور گذشتہ ہفتے ضرب مومن کے لیے جو کالم لکھا، اس کا نام بھی ضرب مومن کے مہربانوں نے درویش کی صدا رکھ دیا... حالانکہ میں نے کوئی اور نام رکھا تھا... جہاں تک میرا خیال ہے... لفظ درویش بچپن میں پلے پڑ گیا تھا... جی ہاں! قصہ چہار درویش جو پڑھ لیا تھا... سچ کہا ہے کسی نے... بچپن کی باتیں بھلائے نہیں بھولتیں... آخر ان کو بھلانے کی ضرورت ہی کیا ہے... لہٰذا اس درویش سے بھی پیچھا چھڑانے کی ضرورت نہیں... اسی لیے میں کہتا ہوں... اور درویش کی صدا کیا ہے...

والسلام

[signature]

سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی www.dailyislam.pk ای میل bkislam4u@gmail.com

وہ ایک یہودی عالم تھے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پڑھا تھا۔ ان کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں تھیں۔ انھوں نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو نبوت کی تمام نشانیاں نظر آ گئیں، البتہ دو نشانیاں ایسی تھیں کہ جن کو وہ آزمانا چاہتے تھے۔ ایک یہ کہ اللہ کے نبیوں میں بردباری یعنی نرم مزاجی زیادہ ہوتی ہے، وہ جلد غصے میں نہیں آتے۔ دوسرے یہ کہ نبی کے ساتھ جتنا نادانی کا معاملہ کیا جائے، ان کی بردباری اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ ان دو باتوں کو وہ آزمانا چاہتے تھے۔ ان کا نام زید بن سعنہ تھا۔

ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایسے میں ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ وہ اونٹنی پر سوار تھا۔ کوئی دیہاتی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! فلاں قبیلے کی بستی میں میرے چند ساتھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کا رزق پہلے کی نسبت زیادہ ہو جائے گا، لیکن وہاں قحط سالی آ گئی ہے۔ بارش بالکل نہیں ہو رہی اور فصلیں سوکھ گئی ہیں۔ اے اللہ کے رسول! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ جس طرح رزق کی فراخی کی بات سن کر وہ اسلام لے آئے ہیں، اسی طرح کہیں قحط کی وجہ سے اسلام سے نکل نہ جائیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی مدد کریں۔ کچھ غلہ ان کے لیے بھجوا دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کا مطلب سمجھ گئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! جو مال آپ نے مجھے تقسیم کرنے کے لیے دیا تھا، وہ تمام تقسیم ہو چکا ہے، اس میں سے کچھ نہیں بچا۔"

یہ سن کر زید بن سعنہ آگے بڑھے اور بولے:

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کچھ مال ہے۔ میں وہ آپ کو دے سکتا ہوں، اس مال کے بدلے میں آپ مجھے فلاں قبیلے کے باغ کی اتنی کھجوریں فلاں وقت دے دیجیے گا۔"

ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

"کسی کا باغ مقرر نہ کرو، میں تمھیں کسی بھی باغ کی کھجوریں دے دوں گا۔"

یہ سن کر زید بن سعنہ نے کہا:

"چلیے یونہی سہی۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ سودا کر لیا۔ انھوں نے اپنے پاس موجود سونا آپ کو دے دیا۔ آپ نے وہ سارا سونا اس دیہاتی کو دیا اور اس سے فرمایا:

"یہ ان کی مدد کے لیے لے جاؤ اور ان میں برابر برابر تقسیم کر دینا۔"

اس سودے کی مدت ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ دو تین دن باقی تھے کہ زید بن سعنہ آ گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور چند دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے اس وقت کسی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور ایک دیوار کے سائے میں بیٹھنے کے لیے قدم اٹھا رہے تھے کہ زید بن سعنہ نے آگے بڑھ کر آپ کا گریبان پکڑ لیا اور غصے کی حالت میں آپ کی طرف دیکھا، پھر نہایت بدتمیزی سے بولے:

"اے محمد! آپ میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم! عبدالمطلب کی اولاد نے ٹال مٹول ہی کرنا سیکھا ہے اور اب بھی ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔"

ان کے یہ کہنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ انھوں نے زید بن سعنہ کو گھور کر دیکھا، پھر بولے:

"اے اللہ کے دشمن! یہ تو کیا کہہ رہا ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا خیال نہ ہوتا تو ابھی اپنی تلوار سے تمہارا سر اڑا دیتا۔"

ادھر تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصے کا یہ عالم تھا اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زید بن سعنہ کی طرف دیکھ کر برابر مسکرائے جا رہے تھے، پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمر! تمھیں ایسا نہیں کہنا چاہیے، تم مجھے اچھی طرح ادائیگی کرنے کا کہتے اور انھیں نرمی سے مطالبہ کرنے کے لیے کہتے۔ انھیں لے جاؤ اور جتنا ان کا حق بنتا ہے، وہ انھیں دے دو اور تم نے جو انھیں دھمکایا ہے، اس کے بدلے میں انھیں بیس صاع کھجور اور دے دو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں لے چلے، اس

وقت انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے عمر! کیا تم مجھے جانتے ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''نہیں۔''

انھوں نے کہا:

''میں زید بن سعنہ ہوں۔''

یہ سن کر حضرت عمر حیران ہوئے اور بولے:

''وہ! یہودیوں کے بڑے عالم؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''ہاں!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اتنے بڑے عالم ہو کر تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سلوک کیا؟''

اس پر انھوں نے کہا:

''اے عمر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے ہی میں نے نبوت کی تمام نشانیاں دیکھ لی تھیں، لیکن دو نشانیاں ایسی تھیں کہ ان کو میں نے ابھی تک نہیں آزمایا تھا۔ ایک یہ کہ نبی کی بردباری اس کے جلد غصے میں آجانے سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ نبی کے ساتھ جتنا جی چاہے نادانی کا معاملہ کیا جائے، اس کی بردباری اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ میں نے ان دونوں باتوں کو آزما لیا ہے۔ اے عمر! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں، اللہ کے نزدیک رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہوں اور اس بات پر بھی گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لیے وقف ہے اور میں مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ساری امت نہ کہو، کیونکہ تم ساری امت کو دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔''

یہ سن کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اچھا بعض امت کے لیے وقف ہے۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت زید نے وہاں پہنچتے ہی کہا:

''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔''

حضرت زید بن سعنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ آپ کی تصدیق کی، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ بہت سے غزوات میں شریک رہے۔ غزوہ تبوک کے لیے جاتے ہوئے آپ نے راستے میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

مجاہدین کے لیے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جنت میں سو درجات ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے کے مجاہدین کے لیے تیار کیا ہے اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنی زمین اور آسمان کے درمیان دوری ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس مانگو، اس لیے کہ وہ جنت کا مرکزی حصہ ہے۔ میں نے اس کے اوپر عرشِ الٰہی دیکھا ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''

عمران الحق رشیدی۔ کراچی

واقعات صحابہؓ

2

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

اسلام لانے والے مردوں کی تعداد جب 38 ہو گئی تو ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! کیوں نہ اب کھل کر اسلام کی دعوت دی جائے۔"

اس وقت تک اسلام کی دعوت خفیہ طور پر دی جاتی رہی تھی۔ اعلانیہ یہ کام نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

"ابوبکر! ابھی ہم لوگ تھوڑے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اب تو اعلانیہ دعوت کی اجازت دے ہی دیں۔"

آخر آپ نے فرمایا:

"اچھا ٹھیک ہے۔"

اجازت ملتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمان خانہ کعبہ میں آگئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام میں سب سے پہلے کھلم کھلا بیان کرنے والے ہیں۔

جونہی آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، تمام مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ خانہ کعبہ کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو خوب مارا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو پیروں تلے روندا بھی گیا۔ عتبہ بن ربیعہ مشرک نے اپنے بھاری بھرکم جوتے سے آپ کو مارنے لگا۔ اس نے اپنا جوتا آپ کے منہ پر بھی بار بار مارا، بلکہ جوتے کو ٹیڑھا کر کے مارا۔ وہ آپ کے پیٹ پر کودا بھی۔ آپ کو اور لوگوں نے بھی خوب مارا۔ اس قدر مار پڑی کہ چہرہ سوج گیا۔ اس قدر سوجا کہ ناک نظر نہیں آرہی تھی۔ چہرہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔

آپ کے قبیلے بنو تیم کو خبر لگی تو دوڑتے ہوئے آئے اور مشرکین سے آپ کو بچایا۔ آپ کو ایک کپڑے میں ڈال کر گھر لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر انھوں نے اندازہ لگایا کہ یہ بچ نہیں سکیں گے، چنانچہ

خانہ کعبہ میں گئے اور اعلان کیا:

"خدا کی قسم! اگر ابوبکر فوت ہوگئے تو ہم بھی بدلے میں عتبہ بن ربیعہ کو مار ڈالیں گے۔"

یہ اعلان کر کے آپ کے قبیلے کے لوگ واپس آپ کے پاس آگئے۔ آپ کے والد ابو قحافہ اور دوسرے لوگ آپ سے بات کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن آپ مکمل طور پر بے ہوش تھے۔ تمام دن بے ہوش رہے، کسی کی بات کا جواب نہ دے سکے۔ شام ہونے پر قدرے ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی پہلی بات آپ کے منہ سے نکلی:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔"

یہ سن کر آپ کے قبیلے کے لوگ بھی آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور پھر اٹھ کر چل دیے۔ جاتے ہوئے آپ کی والدہ ام خیر سے کہہ گئے۔

"ان کا دھیان رکھیں اور انھیں کچھ کھلا پلا دیں۔"

وہ لوگ تو چلے گئے۔ اب آپ کی والدہ نے کہا:

"بیٹا! کچھ کھا لو۔"

آپ نے پوچھا:

"پہلے یہ بتائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔"

آپ کی والدہ ام خیر بولیں:

"اللہ کی قسم! تمہارے حضرت کی مجھے کوئی خبر نہیں۔"

یہ سن کر آپ نے کہا:

"تب پھر آپ ایسا کریں کہ ام جمیل کے پاس جائیں۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھ کر آئیں۔"

آپ کی والدہ چاہتی تھیں... زخموں سے چور بیٹا پہلے کچھ کھا لے... لیکن آپ چاہتے تھے، پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم ہو جائے... دراصل جب مشرکین کی مار پیٹ شروع ہوئی تھی تو کسی کو کسی کے حال کا پتا نہیں رہا تھا... اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال جاننے کے لیے بے چین تھے...

آخر آپ کی والدہ ام جمیل رضی اللہ عنھا کے پاس پہنچیں۔ آپ نے ان سے کہا:

"ابوبکر تم سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"

ام جمیل فوراً بولیں:

"نہ تو میں ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ

کو... ہاں اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر تمہارے بیٹے کے پاس چلی چلتی ہوں۔"

یہ بات ام جمیل نے احتیاط کے طور پر کہی... کیونکہ مشرکین ہر طرف تاڑ میں تھے...

ام جمیل نے ان کی بات سن کر کہا:

"ٹھیک ہے! چلو۔"

ام جمیل، ام خیر کے ساتھ ان کے گھر آئیں... انھوں نے دیکھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، بیٹھنے کی سکت تو ان میں تھی ہی نہیں... حالت اس قدر بری تھی کہ حضرت ام جمیل حالت دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئیں اور زور زور سے رونے لگیں... ساتھ ہی آپ نے کہا:

"اللہ کی قسم! آپ کو جن لوگوں نے یہ تکلیف پہنچائی ہے، وہ بڑے فاسق اور کافر لوگ ہیں، مجھے یقین ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ کا بدلہ ضرور لیں گے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا بنا۔"

حضرت ام جمیل دبے لفظوں میں بولیں:

"یہ! یہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔"

یہ بات انھوں نے اس لیے کہی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ان سے تمھیں کوئی خطرہ نہیں۔"

اب حضرت ام جمیل نے بتایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"آپ ہیں کہاں؟"

انھوں نے بتایا:

"دار ارقم میں ہیں۔" (یعنی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہیں)

دار ارقم وہ گھر ہے جس میں مسلمان جمع ہوتے تھے اور دین سیکھتے تھے۔ حضرت ام جمیل کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہو جاؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لوں گا، اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔"

ام جمیل اور ام خیر دونوں گھر میں ہی ٹھہری رہیں، جب کافی رات ہو گئی اور لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی، تب دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر باہر نکلیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ دونوں نے انھیں سہارا دیا، تب وہ چلنے کے قابل ہوئے، یہاں تک کہ دار ارقم میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ان پر جھک گئے اور ان کا بوسہ لیا۔ باقی مسلمان بھی ان پر جھک گئے۔

ان کی حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی۔ اس حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے اور کوئی تکلیف نہیں، بس اس فاسق نے میرے چہرے کو بہت تکلیف پہنچائی ہے اور یہ میری والدہ ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ آپ بہت برکت والے ہیں، ان کے لیے دعا کریں، انھیں اسلام کی دعوت دیں، شاید اللہ انھیں آپ کے ذریعے جہنم سے بچالے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور پھر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کی تعداد 39 تھی۔ جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا گیا، اسی روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے تھے۔ اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور ابوجہل بن ہشام کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی تھی، یعنی یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول فرمائی تھی۔ آپ نے یہ دعا بدھ کے دن کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعرات کو مسلمان ہوئے تھے۔ (جاری ہے)

آٹھواں عجوبہ

مرزا کو یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ فلاں کتاب میں کیا بات لکھ آیا ہے... اور موجودہ کتاب میں کیا لکھ گیا ہے... نتیجہ یہ کہ اس سے زبردست قسم کی گڑبڑیں ہوئیں اور ہوتی کیوں نہ... وہ تو تھا ہی گڑبڑ کی پیداوار... اس طرح اس کی حساب میں کمزوری بھی ثابت ہے... ایک میٹرک پاس طالب علم بھی حساب میں اتنی بڑی غلطیاں نہیں کر سکتا جتنی بڑی مرزا نے کیں... ثبوت ملاحظہ ہوں...

مرزا نے اپنی کتاب اعجاز احمدی صفحہ 3 پر لکھا۔

اس وقت میری عمر (1896ء میں) 64 برس کی ہے۔

پھر ضمیمہ حقیقت الوحی کے صفحہ 5 پر لکھا۔

اس وقت میری عمر (1903ء میں) 70 برس کی ہے۔

پھر ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم میں لکھا ہے۔

اس وقت میری عمر (1904ء میں) 65 برس کی ہے۔

اس وقت (1905ء میں) میری عمر 70 برس کے قریب ہے۔

پھر حقیقت الوحی کے صفحہ 201 پر لکھا۔

اس وقت میری عمر (1907ء میں) 68 برس کی ہے۔

اب ذرا غور کریں اور خوب ہنسیں... (مرزا کی باتوں پر ہنسنا ثواب ہے) اگر 1896ء میں عمر 64 سال ہے تو 1904ء میں 65 کیسے ہو گی... کیا آٹھ برس بعد مرزا کی عمر میں صرف ایک برس کا اضافہ ہوا تھا... اگر ایسا ہوا تھا تو یہ پھر ایک عجوبہ بات ہو گی... اور مرزائیوں کو مرزا کو نبی نہیں، دنیا کا آٹھواں عجوبہ ماننا چاہیے... پھر 1896ء میں عمر اگر 64 برس ہے تو 1905ء میں 70 کیسے ہو گئی... 73 ہونی چاہیے تھی... اسی طرح اگر 1903ء میں عمر 70 ہے تو 1905ء میں بھی 70 کیسے ہو گئی... کیا مرزا کی عمر کو بریک لگ گیا تھا... اب اس سے بھی مزے کی بات 1903ء میں عمر اگر 70 تھی تو 1907ء میں 68 کیسے ہو گئی... کیا مرزا کی عمر ریورس گیر لگا رہی تھی... یعنی واپس ہو رہی تھی... اگر ایسا ہے... تب پھر مرزا دنیا کا آٹھواں عجوبہ تھا...

مرزائی اگر ان شہادتوں کی بنیاد پر اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ مان لیں اور نبی ماننا چھوڑ دیں، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا... بلکہ خوشی ہی ہو گی... شکریہ!

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دار ارقم میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس زور سے نعرہ مارا کہ اس نعرے کی آواز مکہ معظمہ کے اوپر والے حصے میں بھی سنائی دی۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے والد نابینا تھے، ایمان نہیں لائے تھے، وہ اس نعرے کی آواز سن کر باہر آئے اور بولے:

''اے اللہ! میرے بیٹے اور اپنے غلام ارقم کو معاف فرما، کیونکہ وہ کافر ہوگیا ہے (یعنی اس نے نیا دین اسلام اختیار کرلیا ہے)۔''

ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم اپنا دین کیوں چھپائیں جب کہ ہم حق پر ہیں اور یہ کافر اپنے دین پر کھلم کھلا عمل کر رہے ہیں، حالانکہ ہم حق پر ہیں اور یہ حق پر نہیں ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! ہم ابھی تھوڑے ہیں، ہمیں جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے، وہ تم نے دیکھ ہی لی ہے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں جتنی مجلسوں میں کفر کی حالت میں اٹھا بیٹھا ہوں، ان تمام مجلسوں میں جا کر اپنے ایمان کو ظاہر کروں گا۔''

یہ کہا اور دار ارقم سے نکل آئے۔ بیت اللہ پہنچے، طواف کیا۔ پھر قریش کے پاس سے گزرے۔ وہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ابوجہل نے آپ سے پوچھا:

''اے عمر! کوئی کہہ رہا تھا تم بھی بے دین ہوگئے ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سن لو! میں مسلمان ہوگیا ہوں۔''

یہ سنتے ہی مشرکین آپ پر جھپٹ پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی لڑنے کے لیے تیار ہوگئے اور حملہ کر کے عتبہ کو نیچے گرا لیا اور اس پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور لگے اسے مارنے۔ پھر اپنی انگلی اس کی دونوں آنکھوں میں ٹھونس دی۔ عتبہ چیخنے لگا، لوگ پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ کوئی مشرک آپ کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو ان میں سے آپ کسی باعزت آدمی کو پکڑ لیتے اور اس کی پٹائی شروع کر دیتے۔ اس طرح کافی دیر تک یہ کش مکش جاری رہی۔ آخر مشرک تھک کر آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان تمام جگہوں پر گئے جہاں جہاں آپ اٹھا بیٹھا کرتے تھے اور اعلان کرتے رہے:

''سن لو! میں مسلمان ہوگیا ہوں۔''

کوئی ان کے مقابلے پر دم نہ مار سکا۔ سب جگہوں کا چکر لگا کر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اب آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ اللہ کی قسم! میں کفر کی حالت میں جتنی مجلسوں میں بیٹھا کرتا تھا، ان تمام مجلسوں میں جا جا کر اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر آیا ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اطمینان سے ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دار ارقم میں تشریف لے آئے۔

○

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو کسی نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا:

''تم مکہ جاؤ! اس آدمی کے حالات معلوم کرو جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں، اس کے حالات معلوم کرو، اس کے پاس پہنچو، پھر مجھے آکر بتاؤ۔''

ان کے بھائی مکہ پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کی باتیں سنیں، پھر واپس حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بتایا:

''میں نے انھیں دیکھا ہے، وہ عمدہ اخلاق اختیار کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ انھوں نے ایسا کلام سنایا جو شعر نہیں تھا۔''

اس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تمھاری باتوں سے میرا اطمینان نہیں ہوا، جو میں معلوم کرنا چاہتا تھا، وہ معلوم نہیں ہوا۔''

اب انھوں نے خود سفر کا سامان ساتھ لیا اور مکہ

5/4B

کی طرف چل پڑے۔ یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ بیت اللہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ آپ وہیں لیٹ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو سمجھے کہ پردیسی ہیں۔ انھوں نے انھیں کھانا کھلایا، لیکن دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی۔ اس طرح صبح ہوگئی۔ دوسرے دن بھی بیت اللہ میں رہے، رات ہوئی تو یہ اپنے لیٹنے کی جگہ آ گئے۔ وہاں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا۔ انھیں اٹھایا اور اپنے گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا، لیکن کوئی بات نہ کی۔ یہاں تک کہ تیسرا دن شروع ہوگیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"تم مجھے بتاتے کیوں نہیں! کون ہو، کہاں سے آئے ہو۔"

اب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں آپ کو اس شرط پر بتاؤں گا کہ آپ مجھے ٹھیک ٹھیک بات بتائیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

اب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مجھے پتا چلا ہے کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ بس میں ان کی خبر سن کر آیا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ بات حق ہے! وہ اللہ کے رسول ہیں... اب جب میں گھر سے نکلوں تو تم میرے پیچھے پیچھے آنا... اگر میں تمہارے لیے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو میں پیشاب کرنے کے بہانے رک جاؤں گا... تم آگے بڑھ جانا... اور اگر میں چلتا رہا تو تم میرے پیچھے پیچھے آتے رہنا اور جس گھر میں میں داخل ہوں، تم بھی داخل ہو جانا۔"

چنانچہ ایسا کیا گیا۔ یہ حضرت علی کے پیچھے چلتے رہے، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور یہ مسلمان ہوگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"اپنی قوم کے پاس جاؤ، وہیں ٹھہرو، یہاں تک کہ میں تمہیں حکم بھیجوں۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں کلمہ توحید کا کافروں کے درمیان میں بلند آواز سے اعلان کروں گا۔"

یہ کہا اور بیت اللہ میں تشریف لائے، پھر بلند آواز سے کلمہ پڑھا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔"

ان کے کلمہ پڑھنے کی آواز سن کر مشرکین ان کی طرف دوڑ پڑے اور چیخے:

"پکڑو اس بے دین کو۔"

اب سب کافر مل کر انھیں مارنے لگے، اتنا مارا کہ آپ گر گئے۔ اس حالت میں بھی لاتوں اور مکوں سے مارتے رہے۔ ایسے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے۔ انھوں نے پکار کر کہا:

"تمہارا ناس ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ ملک شام کو جانے والا تمہارا تجارتی قافلہ اسی قبیلے کے پاس سے گزرتا ہے۔ وہ تمہارا راستہ بند کر دیں گے۔"

اس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں مشرکین سے چھڑایا۔ دوسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر پکار کر کلمہ پڑھا۔ کافروں نے پھر ان پر حملہ کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پھر انھیں بچانے کے لیے آگے بڑھے اور ان پر لیٹ کر انھیں بچایا۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ میرے دل کی چاہت تھی جسے میں نے پورا کرلیا۔"

اس کے بعد آپ نے انھیں دین کی موٹی موٹی باتیں بتائیں اور ان سے فرمایا:

"اب تم اپنی قوم میں چلے جاؤ، جب تمہیں ہمارے غلبے کی خبر ملے تو پھر میرے پاس آ جانا۔"

چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں چلے آئے۔ (جاری ہے)

اسلام میں سب سے پہلے

عائشہ ملک۔ میانوالی

☆ سب سے پہلے جو لفظ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نازل ہوا "اقراء" ہے۔
☆ سب سے پہلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ حمزہ میں جھنڈا تیار کیا تھا۔
☆ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غزوہ میں شرکت کی، وہ غزوہ ابواء تھا۔
☆ سب سے پہلے اللہ کے راستے میں تیر پھینکنے والے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔
☆ سب سے پہلے جن یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی، وہ بنو قینقاع تھے۔
☆ مسلمان مہاجرین کے ہاں مدینہ منورہ پہنچ کر جو سب سے پہلا بچہ ہوا، وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔
☆ سب سے پہلے جس شخص نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔
☆ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اہل بیت میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے گھر سے نکلے۔ راستے میں قبیلہ بنو زہرہ کا ایک آدمی ملا۔ اس نے پوچھا:

''اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''میرا ارادہ ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دوں۔''

اس شخص نے یہ سن کر کہا:

''اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرو گے تو بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچو گے، وہ تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرا خیال ہے، تو بھی بے دین ہو چکا ہے (یعنی مسلمان ہو گیا ہے)، جس دین پر تو تھا، اسے چھوڑ چکا ہے۔''

یہ سن کر وہ بولا:

''کیا میں تمھیں اس سے بھی عجیب بات نہ بتا دوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا:

''اس سے عجیب بات کیا؟''

اس نے کہا:

''تمھاری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور جس دین پر تم ہو، اسے چھوڑ چکے ہیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے، انھوں نے اپنا رخ موڑ لیا اور بہن فاطمہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کے گھر میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو گھر میں چھپ گئے۔ ادھر آپ کے بہنوئی حضرت سعید اور بہن قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تلاوت کی آواز سن لی تھی۔ وہ لوگ سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں گھورتے ہوئے کہا:

''شاید تم دونوں بھی مائل ہو گئے ہو۔'' (یعنی اسلام لے آئے ہو)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے عمر! اگر حق تمھارے دین کے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو پھر تمھارا کیا خیال ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے حضرت سعید بن زید کو خوب مارا۔ بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آگے آئیں تو انھیں بھی مارا۔ یہاں تک کہ ان کے چہرے سے خون بہہ نکلا۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو بھی غصہ آ گیا۔ انھوں نے طیش میں آ کر کہا:

''ہاں اے عمر! ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔''

یہ کہ کر انھوں نے کلمہ پڑھا اور فرمایا:

''اب تم سے جو ہوتا ہے، کر لو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب انھیں مار مار کر تھک گئے تو نڈھال سے ہو کر بیٹھ گئے اور بولے:

قدم بہ قدم

''مجھے وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے۔ میں اسے پڑھ کر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لکھے پڑھے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ نے جواب میں کہا:

''تم ناپاک ہو اور کتاب کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اس لیے یا تو غسل کر یا وضو کرو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کیا۔ پھر ان سے صفحات لے کر سورہ طٰہٰ کو پڑھا، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

ترجمہ: بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کر۔

یہ آیت پڑھنے کے بعد بولے:

''مجھے بتاؤ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نکل آئے اور بولے:

''اے عمر! تمھیں بشارت ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کی رات میں یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعے عزت عطا فرما۔ (یعنی ان میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے) مجھے امید ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمھارے حق میں قبول ہوئی ہے۔''

اب یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دار ارقم میں تھے۔ یہ مکان صفا پہاڑ کے دامن میں تھا۔ مسلمان وہاں دین سیکھتے تھے۔ حضرت خباب بن ارت بھی اس وقت حضرت سعید اور حضرت فاطمہ کو دین ہی سکھانے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ساتھ دار ارقم

پہنچے۔ اس وقت گھر کے دروازے پر حضرت حمزہ، حضرت طلحہ اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت حمزہ نے یہ بات محسوس کر کے کہا:

"ہاں! یہ عمر ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے تو یہ مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور ہے تو انھیں قتل کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔"

حضرت حمزہ کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر کے اندر تھے اور اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی کے بعد آپ باہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان کی تلوار کے دستے کو پکڑتے ہوئے فرمایا:

"اے عمر! کیا تم باز آنے والے نہیں ہو اے عمر! کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر وہ ذلت اور سزا نازل کر دے جو اس نے ولید بن مغیرہ پر نازل کی ہے۔"

اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ اے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعے دین کو عزت دے۔"

آپ کے یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

اسلام لانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ باہر (یعنی بیت اللہ میں) نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے چلیں۔"

اس طرح مسلمانوں نے بیت اللہ میں نماز ادا فرمائی۔

O

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن مشرکوں کے خوف سے انھوں نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لے رکھی تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو طرح طرح کی تکالیف اٹھا رہے ہیں اور وہ خود ولید بن مغیرہ کی امان میں آرام سے رہ رہے ہیں تو ایک دن آپ نے ولید سے کہا:

"اے ولید! تم نے اپنی ذمے داری پوری کر دکھائی، لیکن اب میں تمھیں تمھاری امان واپس کرتا ہوں۔"

یہ سن کر ولید بن مغیرہ نے کہا:

"اے میرے بھتیجے! یہ کیوں (یعنی تم اپنی امان واپس کیوں کرنا چاہتے ہو، کیا میری قوم کے کسی شخص نے تمھیں تکلیف پہنچائی ہے)۔"

حضرت عثمان بن مظعون بولے:

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں! بس میں اللہ جل شانہٗ کی پناہ پر راضی ہوں، اس کے علاوہ اور کسی سے پناہ نہیں لینا چاہتا۔"

اس پر ولید بن عتبہ نے کہا:

"اگر یہ بات ہے تو میرے ساتھ مسجد میں چلو۔ وہاں سب کے سامنے میری پناہ واپس کرنے کا اعلان کرو، کیونکہ میں نے تمھیں پناہ دینے کا اعلان سب کے سامنے کیا تھا۔"

یہ دونوں بیت اللہ پہنچے۔ وہاں ولید نے لوگوں سے کہا:

"یہ عثمان ہیں، میری پناہ انھوں نے واپس کر دی ہے۔"

اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا:

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ بہت وفادار اچھی پناہ دینے والے ہیں، لیکن اب میں چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی پناہ نہ لوں، اس لیے میں نے ان کی پناہ واپس کر دی ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت عثمان بن مظعون وہاں سے چلے آئے تھے۔ اس وقت عرب کا مشہور شاعر لبید بن ربیعہ ایک مجلس میں اپنے شعر سنا رہا تھا۔ حضرت عثمان بھی اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ ایسے میں لبید نے یہ مصرعہ پڑھا:

"اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل اور بے کار ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے داد دیتے ہوئے کہا:

"تم نے ٹھیک کہا۔"

اب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا، وہ یہ تھا:

"اور ہر نعمت ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔"

اس پر حضرت عثمان بن مظعون نے کہا:

"تم نے غلط کہا، جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

ان کی یہ بات سن کر شاعر لبید نے قریش سے کہا:

"اے قریش! تمھاری مجلس میں بیٹھنے والوں کو تو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی جاتی۔ یہ نئی بات کب سے تم میں ہوئی۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے تو کبھی میرے اشعار پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ آج یہ اعتراض کرنے والا کہاں سے آ گیا۔

ان میں سے ایک نے کہا:

"یہ ایک بے وقوف آدمی ہے، بلکہ اس کے ساتھ چند اور بھی بے وقوف ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لہٰذا تم اس کی باتوں کا برا نہ مانو۔"

حضرت عثمان بن مظعون نے اس شخص کو کچھ جواب دیا تو اس نے اٹھ کر حضرت عثمان کی آنکھ پر اس زور کا ہاتھ مارا کہ آپ کی آنکھ سیاہ ہو گئی۔ ایسے میں ولید بن مغیرہ بھی ادھر آ نکلا تھا۔ اس نے ان کی آنکھ کو سیاہ ہوتے دیکھا تو بولا:

"اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! تم میری پناہ میں رہتے تو اس وقت تمھیں یہ تکلیف نہ پہنچتی۔"

اس کی بات سن کر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے ولید! تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میرا دل تو اس وقت یہ چاہ رہا ہے کہ جو تکلیف میری اس آنکھ کو پہنچی ہے، وہی تکلیف میری اس تندرست آنکھ کو بھی پہنچے اور میں اس ذات کی پناہ میں ہوں جو بہت عزت والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔" (جاری ہے)

دین کا دربان حذیفہ

اللہ بنا دے تمھیں ذیشان حذیفہ
والد ہے دعا گو بدل و جان حذیفہ

ہے قلبِ پدر میں یہی ارمان حذیفہ
دل جان کرے دین پہ قربان حذیفہ

صد شکر کہ پیاروں کی دعا ہو گئی مقبول
صد شکر بنے حافظِ قرآن حذیفہ

یہ طفل مرے جال سے کیوں رہ گیا محفوظ
حسرت سے تمھیں تکتا ہے شیطان حذیفہ

ہو حکم عدولی سے بہت دور بہت دور
تا عمر رہے تابع فرمان حذیفہ

عقبیٰ میں درِ خلد میں داخل ہو دعا ہے
دنیا میں بنے دین کا دربان حذیفہ

قرآن کے پارے جو بنے قلب کی زینت
یوں جمع ہوا خلد کا سامان حذیفہ

اشعار تری نذر کیے جو بھی اثر نے
یہ مرشدِ کامل کا ہے فیضان حذیفہ

اثر جونپوری

5

واقعاتِ صحابہؓ

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ملک روم کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ ان صحابہ میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں رومیوں نے گرفتار کر لیا۔ ان کے ساتھ چند اور مسلمان بھی گرفتار ہوئے تھے۔ انھیں رومی بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس بادشاہ کا لقب طاغیہ تھا۔ گرفتار کر کے لانے والوں نے بادشاہ کو بتایا:

"یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔"

یہ سن کر طاغیہ بولا:

"کیا تم اس بات کے لیے تیار ہو کر اسلام چھوڑ دو اور عیسائی بن جاؤ اور میں تمھیں اپنی حکومت میں شریک کر لوں۔"

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر تم مجھ سے یہ کہو کہ میں بس ایک پل کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلے میں تم مجھے اپنا سارا ملک دے دو تو بھی میں اس پر تیار نہیں، یعنی میں تو تمہارے ملک کے بدلے میں پلک جھپکنے جتنی دیر کے لیے بھی اسلام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

یہ سن کر طاغیہ نے کہا:

"پھر تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بولے:

"جو تمہارا جی چاہے کرو۔"

طاغیہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا:

"اسے سولی پر باندھ دو اور اس پر اس طرح تیر چلاؤ کہ ہاتھوں اور پیروں کے پاس سے گزر جائیں۔"

اس کا مطلب تھا، تیر انھیں لگیں نہ، بس یہ خوف زدہ ہو جائیں۔ سپاہیوں نے ایسا ہی کیا۔ اب بادشاہ نے پھر ان سے کہا:

"عیسائیت قبول کر لو۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہرگز نہیں۔"

اب طاغیہ نے کہا:

"انھیں سولی سے اتار لیا جائے۔ ایک دیگ لائی جائے۔"

دیگ لائی گئی۔ اس میں پانی ڈال کر آگ پر رکھا گیا، یہاں تک کہ پانی کھولنے لگا۔ اب اس نے حکم دیا:

"دو مسلمان قیدی لائے جائیں۔"

مسلمان قیدی لائے گئے تو اس نے حکم دیا:

"ان میں سے ایک کو کھولتے پانی میں ڈال دو۔"

ایسا ہی کیا گیا۔ یہ خوفناک منظر انھیں دکھا کر بادشاہ نے ان سے کہا:

"اب بھی وقت ہے۔ عیسائی ہو جاؤ۔"

حضرت عبداللہ حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بولے:

"ہرگز نہیں!"

طاغیہ نے حکم دیا:

"انھیں دیگ میں ڈال دیا جائے۔"

سپاہی انھیں دیگ کی طرف لے جانے لگے تو یہ رو پڑے۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ اب یہ رونے لگے ہیں۔ بادشاہ سمجھا کہ موت کے ڈر سے گھبرا گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا:

"انھیں واپس میرے پاس لاؤ۔"

آپ کو طاغیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اب پھر ان سے کہا:

"عیسائیت قبول کر لو۔"

انھوں نے پھر کہا:

"ہرگز نہیں۔"

یہ سن کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"تو پھر رو کیوں رہے ہو؟"

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بولے:

"میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے اب دیگ میں ڈال دیا جائے گا اور میں ختم ہو جاؤں گا۔ جب کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے جسم پر جتنے بال ہیں، میرے پاس

اتنی جانیں ہوتیں اور میری ہر جان کو اللہ کے دین کی خاطر اس دیگ میں ڈالا جاتا۔"

طاغیہ بادشاہ آپ کا جواب سن کر بہت حیران ہوا۔ متاثر بھی ہوا۔ آخر اس نے کہا:

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم میرے سر کا بوسہ لے لو اور میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

اس کا مطلب تھا، اگر تم میرے سر کا بوسہ لے لو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"کیا تم میرے ساتھی مسلمان قیدیوں کو بھی چھوڑ دو گے۔"

اس نے کہا:

"ہاں! چھوڑ دوں گا۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے سوچا، اگر میں اس کے سر کا بوسہ لے لوں تو یہ مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دے گا۔ اس سے تو سارے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ میرا دل تو نہیں چاہتا کہ اس کے سر کا بوسہ لوں، لیکن مسلمانوں کے فائدے کی خاطر یہ کام کر لیتا ہوں۔

یہ سوچ کر آپ طاغیہ کے قریب گئے اور اس کے سر کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے انہیں رہا کرنے کا حکم دیا۔ ان کے سارے ساتھی بھی رہا کر دیے گئے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کو سنایا۔ واقعہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا:

"ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لے اور سب سے پہلے میں یہ کام کرتا ہوں۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کا بوسہ لیا تاکہ اللہ کے دشمن کو چومنے سے جو انہیں ناگواری ہوئی تھی، وہ دور ہو جائے۔ (بیہقی)

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک چوغہ پہن رکھا تھا۔ اس کے گریبان میں آپ نے بٹن کی جگہ کانٹے لگا رکھے تھے۔ اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کا سلام آپ کو پہنچایا اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے! میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو چوغہ پہن رکھا ہے، اس کے گریبان میں بٹن کی بجائے کانٹے لگا رکھے ہیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے جبرائیل! ابوبکر نے فتح مکہ سے پہلے ہی اپنا سارا مال دین پر خرچ کر دیا ہے۔" (اب ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچا کہ لباس میں بٹن لگا سکیں)

اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا دیں اور ان سے فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں کہ آپ اس حالت میں (یعنی اس فقر میں) مجھ سے راضی ہیں یا ناراض۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے ابوبکر! یہ جبرائیل ہیں، یہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا سلام کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں کہ تم اس فقر کی حالت میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے:

"کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہے، میں اپنے رب سے اس حال میں بھی راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔" (جاری ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چند لوگوں نے یہ بات کہی:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے لوگوں کے سامنے فرمایا:

''اللہ کی قسم! ابوبکر کی ایک رات عمر کے سارے خاندان کی زندگی سے بہتر ہے اور ابوبکر کا ایک دن عمر کے سارے خاندان کی زندگی سے بہتر ہے۔ وہ رات وہ ہے جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر غار ثور تشریف لے گئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے اور کچھ دیر آپ کے پیچھے چلتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو سمجھ گئے، تاہم آپ نے پوچھا:

''اے ابوبکر! تمہیں کیا ہوا، کچھ دیر میرے پیچھے چلتے ہو اور کچھ دیر میرے آگے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! جب مجھے خیال آتا ہے کہ پیچھے سے کوئی تلاش کرنے والے (یعنی دشمن) نہ آ جائیں تو آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر مجھے خیال آتا ہے کہ آگے کوئی گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آگے چلنے لگتا ہوں۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آ جائے تو کیا تم یہ پسند کرو گے کہ وہ میرے بجائے تمہیں پیش آئے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، یہی بات ہے۔''

پھر جب آپ دونوں غار تک پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ذرا ٹھہریں، میں آپ کے لیے غار کو صاف کر لوں۔''

یہ کہہ کر آپ غار میں چلے گئے۔ اندر جا کر غار کو خوب صاف کیا، پھر باہر تشریف لائے تو خیال آیا کہ انھوں نے غار کے سوراخ تو صاف کیے ہی نہیں۔ چنانچہ پھر اندر گئے، غار کو اچھی طرح صاف کیا، پھر باہر آئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اب آپ اندر تشریف لے چلیے۔''

آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ ایک رات عمر کے پورے خاندان سے بہتر ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

قدم بہ قدم

حضرت عازب رضی اللہ عنہ سے ایک زین تیرہ درہم میں خریدی اور ان سے فرمایا:

''اے عازب! اپنے بیٹے برا (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ یہ زین میرے گھر پہنچا دے۔''

یہ سن کر حضرت عازب رضی اللہ عنہ بولے:

''پہلے آپ یہ بتائیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت کر کے چلے اور آپ ان کے ساتھ تھے تو آپ نے کیا کیا تھا، پھر میں برا سے کہوں گا، وہ زین آپ کے گھر تک پہنچا دے گا۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم غار سے شروع رات میں نکلے اور تمام رات چلتے رہے۔ پھر اگلے سارے دن تیزی سے چلتے رہے۔ پھر اگلی رات چلتے رہے یہاں تک کہ اگلا دن ہو گیا۔ دوپہر ہو گئی اور گرمی تیز ہو گئی۔ میں نے اپنی نظریں دوڑائیں کہ کہیں کوئی سایہ نظر آ جائے، جہاں ہم ٹھہر جائیں، تب، مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ میں جلدی سے وہاں گیا۔ ابھی کچھ سایہ باقی تھا۔ میں نے اس جگہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برابر کیا اور آپ کے لیے ایک پوستین بچھا دی۔ میں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ذرا لیٹ جائیں۔''

آپ لیٹ گئے۔ میں کھڑے ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی تلاش کرنے والا تو ادھر نہیں آیا۔ مجھے بکریوں کا ایک چرواہا نظر آیا۔ میں نے اس سے کہا:

''اے لڑکے! تم کس کے چرواہے ہو؟''

اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا۔ میں اس شخص کو جانتا تھا۔ میں نے اس لڑکے سے پوچھا:

''تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟''

اس نے جواب میں کہا:

''ہاں! ہے۔''

میں نے پوچھا:

''کیا تم کچھ دودھ ہمیں دے سکتے ہو۔'' (یعنی

Scanned by CamScanner

کیا تمہیں دودھ دینے کی اجازت ہے؟)

اس نے کہا:

"ہاں! دے سکتا ہوں۔"

اس نے ایک بکری کی ٹانگیں پکڑیں۔ اس کے تھنوں کو گرد و غبار سے صاف کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو صاف کیا۔ میرے پاس ایک برتن تھا، میں نے وہ برتن اسے دے دیا۔ اس نے تھوڑا سا دودھ نکال کر مجھے دیا۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! دودھ پی لیں۔"

آپ نے اتنا دودھ پیا کہ میں خوش ہو گیا۔ پھر میں نے کہا:

"چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

چنانچہ ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ مکّہ والے ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ سراقہ بن مالک جعشم کے علاوہ اور کوئی ہم تک نہ پہنچ سکا۔ یہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تلاش کرنے والا ہم تک آپہنچا۔"

آپ نے فرمایا:

"غم نہ کر! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

پھر سراقہ ہمارے قریب آ گیا، یہاں تک کہ دو تین نیزوں کا فاصلہ رہ گیا۔ تب میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ تو اب بالکل قریب آ گیا۔"

یہ کہتے ہوئے میں رو پڑا۔ آپ نے فرمایا:

"کیوں روتے ہو؟"

میں نے عرض کیا:

"میں اپنے لیے نہیں رو رہا بلکہ آپ کی وجہ سے رو رہا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا کی:

"اے اللہ! آپ ہمیں اس سے جیسے چاہیں، بچا لیں۔"

جونہی آپ نے یہ الفاظ فرمائے، اس کے گھوڑے کے پاؤں پیٹ تک پتھریلی زمین میں دھنس گئے۔ وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور بول اٹھا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یقین ہے، یہ کام آپ کا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ میں جس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں، وہ مجھے اس سے نکال دے۔ اللہ کی قسم! جب میں یہاں سے واپس جاؤں گا تو راستے میں آپ کو تلاش کرنے والے جتنے آدمی ملیں گے، میں ان سب کو آپ کے بارے میں مغالطے میں ڈال دوں گا، یعنی ان لوگوں کو اس راستے پر تلاش کرنے سے روک دوں گا۔ کسی کو آپ کے پیچھے نہیں آنے دوں گا۔ اور یہ میرا ترکش ہے، آپ اس میں سے ایک تیر نکال لیں۔ فلاں جگہ آپ میرے اونٹوں اور بکریوں کے پاس سے گزریں گے۔ آپ یہ تیر دکھا کر جتنی بکریاں چاہیں لے لیجیے گا۔"

آپ نے فرمایا:

"مجھے ان کی ضرورت نہیں۔"

پھر آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ آپ کا دعا فرمانا تھا کہ گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکل آئے۔ ایسا تین بار ہوا، یعنی سراقہ نے گھوڑے کی ٹانگیں نکل آنے پر سوچا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے نہیں ہوا، محض ایک اتفاق تھا، چنانچہ وہ پھر آپ کو نقصان پہنچانے کی نیت سے آگے بڑھا۔ پھر گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس نے پھر معافی مانگی اور دعا کی درخواست کی۔ گھوڑا باہر نکل آیا تو پھر آپ کی طرف بڑھا، پھر ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں، پھر معافی مانگی اور دعا کے لیے کہا:

اس طرح تیسری بار بات اس کی سمجھ میں آ سکی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ بھی فرمایا تھا:

"اے سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہو گا... جب کسریٰ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں گے۔"

اس وقت کسریٰ کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی... لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے خزانے مدینہ منورہ میں لائے گئے اور مسجد نبوی میں وہ خزانہ ڈھیر کیا گیا تو اس ڈھیر میں کسریٰ کے کنگن موجود تھے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کنگن کسریٰ کے ہاتھوں میں پہنائے تو انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی یاد آ گئی... یہ کسریٰ ایمان لے آئے تھے...

سراقہ کے واپس لوٹ جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور میں وہاں سے آگے بڑھے، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔ لوگ راستے کے دونوں طرف چھتوں پر چڑھ گئے اور راستے میں خادم اور بچے دوڑتے پھر رہے تھے، یعنی بے تحاشہ خوش ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔"

اب مدینہ منورہ کے لوگ آپس میں جھگڑنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس کے مہمان بنیں گے، یعنی ہر کسی کی خواہش تھی کہ آپ اس کے مہمان بنیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"آج رات تو میں عبدالمطلب کے ماموں کے ہاں ٹھہروں گا۔ اس طرح میں ان کا اکرام کرنا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ آپ وہاں ٹھہرے۔ صبح ہوئی تو آپ سب لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور آپ کی اونٹنی اس جگہ جا کر ٹھہری جہاں آج مسجد نبوی ہے، یعنی وہیں مسجد نبوی تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ (جاری ہے)

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''ملک حبشہ میں ایک بادشاہ ہے۔ اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، لہٰذا تم اس کے ملک میں چلے جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تنگی سے نجات دے اور جن مصیبتوں میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ان سے نکلنے کا راستہ بنا دیں تو واپس لوٹ آنا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے یہ بات اس لیے فرمائی کہ مکہ معظمہ کی سرزمین مسلمانوں پر کفار نے تنگ کر دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو طرح طرح سے ستایا جا رہا تھا، انھیں آزمائشوں میں ڈالا جا رہا تھا۔ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ان پر مصیبتیں آ رہی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر صحابہ جماعتیں بنا کر حبشہ جانے لگے۔ یہ وہاں جا کر جمع ہو گئے اور اکٹھے رہنے لگے۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب شامل تھے۔

ادھر جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو رہنے کا ایک محفوظ ٹھکانا مل گیا ہے تو انھوں نے فیصلہ کیا:

''ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجیں گے۔ وہ وفد نجاشی سے ملاقات کرے گا اور ان لوگوں کو وہاں سے نکلوا لائے گا۔''

اس فیصلے کے بعد کفار نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو وفد کے طور پر حبشہ بھیجا۔ نجاشی کے لیے بہت سے تحائف بھی ان کے ساتھ کیے گئے، بلکہ صرف نجاشی کے لیے ہی نہیں، اس کے جرنیلوں کے لیے بھی تحفے بھیجے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ تحفہ بھیجا گیا۔ انھوں نے ان دونوں کو یہ ہدایت بھی دی۔

''نجاشی سے بات کرنے سے پہلے یہ تحائف ان سب کو دے دینا اور کوشش کرنا کہ صحابہ سے نجاشی کی بات نہ ہونے پائے اور وہ پہلے ہی ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دے۔''

یہ دونوں حبشہ پہنچے۔ نجاشی کے تمام امیروں اور وزیروں کو تحائف پیش کیے۔ انھوں نے ان سب سے کہا:

''ہم اپنے ملک کے چند بے وقوف لوگوں کی وجہ سے شاہِ حبشہ کے پاس آئے ہیں۔ یہ بے وقوف لوگ اپنی قوم کا دین چھوڑ چکے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے، لہٰذا ان کی قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ بادشاہ ان لوگوں کو ان کی قوم میں واپس بھجوا دے۔ جب ہم بادشاہ سے یہ بات کہیں، تو آپ سب ہماری تائید کریں۔ بادشاہ کو یہی مشورہ دیں کہ ان لوگوں کو واپس بھجوا دینا چاہیے۔''

بادشاہ کے امیروں اور وزیروں نے ان سے اس بات کا وعدہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن عاص اور ان کے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا:

''تم فکر نہ کرو، ہم ایسا ہی کریں گے۔''

اس کے بعد یہ دونوں نجاشی کے سامنے پیش ہوئے، اپنے لائے ہوئے تحائف اسے پیش کیے۔

تحائف دینے کے بعد انھوں نے نجاشی سے کہا:

''اے بادشاہ! ہمارے چند بے وقوف نوجوانوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے، لیکن وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ انھوں نے ایک نیا گھڑا ہوا دین اختیار کر لیا ہے جسے ہم نہیں جانتے، اب انھوں نے آپ کے ملک میں آ کر پناہ لی ہے۔ ان کے بارے میں آپ سے بات کرنے کے لیے، ان کے خاندان، ان کے والدین، ان کے چچا اور قوم کے دوسرے لوگوں نے، ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ انھیں ان کی قوم کے پاس واپس بھیج دیں، کیونکہ ان کی قوم والے انھیں آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے دین میں بھی کبھی داخل نہیں ہوں گے کہ آپ اس وجہ سے ان کی حمایت کریں۔''

ان کی بات سن کر نجاشی کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

''خدا کی قسم! ایسا نہیں ہوگا۔ میں انھیں واپس نہیں کر سکتا۔ انھوں نے میرے ملک میں آ کر پناہ لی ہے، کسی اور کا پڑوس حاصل کرنے کی بجائے میرا پڑوس اختیار کیا ہے (یعنی کسی اور ملک میں جانے کی بجائے میرے پاس آنا پسند کیا ہے) اگر وہ واقعی ایسے نکلے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو میں انھیں ان کی قوم میں واپس بھیج دوں گا اور اگر ایسے نہ ہوئے تو میں ہر طرح ان کی حفاظت کروں گا۔ انھیں واپس بھیج کر ان کی قوم کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بلوایا۔ یہ حضرات دربار میں حاضر ہوئے تو سب نے نجاشی کو سلام کیا، لیکن سجدہ نہ کیا۔

قدم بہ قدم

نجاشی نے یہ بات محسوس کر کے کہا:

''اے مہاجرین کی جماعت! تم مجھے بتاؤ، جس طرح تمہاری قوم کے لوگوں نے میرے دربار میں آ کر مجھے سجدہ کر کے سلام کیا، تم نے مجھے اس طرح سجدہ کیوں نہیں کیا اور یہ بھی بتاؤ کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو اور تمہارا دین کیا ہے۔ کیا تم عیسائی ہو۔''

مسلمانوں کی اس جماعت میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ انھوں نے کہا:

''نہیں! ہم عیسائی نہیں ہیں۔''

اب نجاشی نے پوچھا:

''تو کیا تم یہودی ہو؟''

انھوں نے کہا:

''نہیں! ہم یہودی نہیں ہیں۔''

اس نے پوچھا:

''تو پھر! تمہارا دین کیا ہے۔''

یہ بولے:

''ہمارا دین اسلام ہے۔''

اس نے پوچھا:

''اسلام کیا ہے۔''

یہ بولے:

''ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے۔''

یہ سن کر اس نے پوچھا:

''یہ دین تمہارے پاس کون لایا؟''

انھوں نے کہا:

''یہ دین ہمارے پاس ہم میں سے ہی ایک شخص لے کر آیا ہے۔ اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کے حسب نسب سے ہم خوب واقف ہیں۔ اسے ہمارے پاس اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی بھیجا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اور رسولوں کو پہلوں کی طرف بھیجا۔ انھوں

نے ہمیں نیکی اور صدقہ کرنے کا، وعدہ پورا کرنے کا اور امانت ادا کرنے کا حکم دیا۔ بتوں کی عبادت سے انھوں نے ہمیں روکا اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ (جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں) کی عبادت کا ہمیں حکم دیا ہے۔ ہم نے انھیں سچا مان لیا اور اللہ کے کلام کو پہچان لیا۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ جو کچھ لائے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے۔ ہمارے ان کاموں کی وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور اس سچے نبی کی بھی دشمن بن گئی اور انھوں نے انھیں جھٹلایا اور انھیں قتل کرنا چاہا۔ یہ ہم سے بتوں کی عبادت کرانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے دین اور اپنی جان کو لے کر اپنی قوم سے بھاگ کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

یہ ساری گفتگو سن کر نجاشی نے کہا:

"اللہ کی قسم! یہ بھی اسی نور سے نکلا ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کا دین نکلا تھا۔"

اس پر مسلمانوں میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"باقی رہی سلام کرنے کی بات تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ جنت والوں کا سلام السلام علیکم ہے۔ آپ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ہم نے آپ کو اسی طرح سلام کیا جیسے ہم آپس میں سلام کرتے ہیں اور جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ اللہ کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف القا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ روح ہیں اور وہ اسی کنواری عورت کے بیٹے ہیں جو الگ تھلگ رہنے والی تھی۔"

اس پر نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا:

"خدا کی قسم! تم نے جو کچھ بتایا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔"

نجاشی کی یہ بات سن کر اس کے بڑے بڑے سرداروں نے کہا:

"خدا کی قسم! اگر آپ کی اس بات کو حبشہ کے لوگوں نے سن لیا تو وہ آپ کو بادشاہت سے ہٹا دیں گے۔"

اس پر نجاشی نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کبھی بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہوں گا (یعنی جو درست بات ہے، وہ ہر حال میں کہوں گا) جب اللہ تعالیٰ نے میرا ملک مجھے واپس کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی۔ اب میں اللہ کے دین کے بارے میں ان لوگوں کی بات کیوں مانوں۔ ایسے کام سے اللہ کی پناہ!"

اب نجاشی نے مسلمانوں سے کہا:

"تمھیں خوش آمدید ہو اور اس ذاتِ اقدس کو جس کے پاس سے تم آئے ہو (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور یہ وہی رسول ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ تم میرے ملک میں جہاں چاہو رہو، اللہ کی قسم! اگر بادشاہت کی ذمے داری مجھ پر نہ ہوتی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر خود ان کے دونوں جوتے اٹھاتا۔"

اس کے بعد نجاشی نے حکم دیا:

"ان کے تحفے واپس کر دو۔"

اس طرح قریش کا وفد ناکام ہو گیا۔ یہ مسلمان حبشہ میں اس وقت تک آرام اور چین سے رہتے رہے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں چلے گئے۔ جب آپ ہجرت کر گئے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہو گیا، تب یہ حضرات حبشہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت نجاشی نے انھیں سواریاں دیں اور سفر کا دوسرا سامان بھی دیا اور ان سے کہا:

"تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دینا کہ میں نے تم لوگوں سے کیا سلوک کیا ہے۔ آپ کو بتا دینا، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ کی خدمت میں عرض کر دینا کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔"

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے چل کر مدینہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس وقت خیبر فتح ہوا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا تم لوگوں کے واپس آنے کی؟"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری تفصیل بتائی۔ نجاشی کے اسلام لانے کے بارے میں بتایا اور آپ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔ (جاری ہے)

بہتر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کی کمان کی مقدار میں جانوروں کو باندھنے والی رسی کے برابر جنت میں جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر جنتی عورتوں یعنی حوروں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو زمین آسمان کا درمیانی خلا روشنی سے بھر جائے اور زمین خوشبو سے مہک اٹھے اور اس کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

"ٹھہرو! تم اس طرح نہیں جا سکتے۔"

اونٹ پر اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ ان کی گود میں ان کا بچہ تھا، ان کے خاوند ابو سلمہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے کہ ایسے میں بنو مغیرہ کے لوگ ان کے راستے میں آ کھڑے ہوئے۔ ابو سلمہ اور ام سلمہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ رکھتے تھے۔

بنو مغیرہ کہنے لگے:

"ابو سلمہ! تم پر تو ہمارا زور نہیں چلتا، تم اپنی مرضی کرتے ہو، لیکن ہم اپنی لڑکی کو کیسے تمہارے ساتھ جانے دیں۔ تم اسے نہیں لے جا سکتے۔"

یہ کہتے ہوئے بنو مغیرہ کے لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ سے نیچے اتار لیا۔ یہ ان کے خاندان کے لوگ تھے۔ مسلمان ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کر چکے تھے اور مشرکین مکہ ان کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی ایسی ہی صورت حال تھی۔

یہ لوگ ام سلمہ اور ان کے بچے کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہا سے چھڑا کر لے آئے۔ اس طرح ابو سلمہ تنہا ہی غم زدہ مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ ادھر ابو سلمہ کے قبیلے بنو عبدالاسد کو اس بات کا پتا چلا تو انھیں بہت غصہ آیا۔ انھوں نے جا کر بنو مغیرہ کے لوگوں سے کہا:

"تم نے اپنی لڑکی ہمارے آدمی سے یعنی ابو سلمہ سے چھین لی ہے تو ہم اپنا بیٹا سلمہ تمہاری لڑکی کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔"

یہ کہ کر انھوں نے سلمہ کو ان سے چھیننا چاہا۔ ادھر وہ سلمہ کو دینے پر تیار نہیں تھے۔ اس کھینچا تانی میں بچے کا بازو بھی اتر گیا۔ آخر کار عبدالاسد اسے لے کر چلے گئے۔

اب ام سلمہ اپنے خاندان بنو مغیرہ کے پاس تھیں، ان کا بیٹا سلمہ بنو عبدالاسد کے پاس تھا اور خود ابو سلمہ مدینہ منورہ میں تھے۔ اس طرح ایک چھوٹا سا گھرانہ تین جگہوں پر تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ ان حالات میں ام سلمہ کے دل پر کیا گزری ہوگی اور ان کے بچے کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ان دونوں سے بچھڑ کر ابو سلمہ کا مدینہ منورہ میں کیا حال ہوا ہوگا۔ ہم شاید سوچ بھی نہیں سکتے، لیکن یہ سب دین کے لیے تھا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ ہر روز صبح اٹھ کے میدان میں جا کر بیٹھ جاتیں، وہ بیٹھی اپنے بچے اور خاوند کو یاد کر کے روتی رہتیں۔ ان حالات میں تقریباً ایک ماہ گزر گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ قبیلے کا ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا۔ یہ ان کا چچا زاد بھائی تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر اسے بہت ترس آیا۔ اس نے جا کر بنو مغیرہ سے کہا:

"تم اس مسکین عورت کو کیوں جانے نہیں دیتے۔ تم لوگوں نے اسے اس کے خاوند اور اس کے بچے کو الگ الگ کر دیا ہے۔"

اس پر بنو مغیرہ کے لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"اگر تم چاہتی ہو تو اپنے خاوند کے پاس چلی جاؤ۔"

جب ان لوگوں نے انھیں اجازت دے دی تو بنو عبدالاسد نے بھی ان کا بیٹا انھیں دے دیا۔ اب انھوں نے اپنے اونٹ پر کجاوہ کسا، اپنے بیٹے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔

انھوں نے اپنے اونٹ کو مدینہ منورہ کے راستے پر ڈال دیا... اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کا سفر کوئی چھوٹا سا سفر نہیں تھا... کئی دن کا سفر بنتا تھا... ان کے ساتھ اس طویل سفر کے لیے کوئی نہیں تھا... جب یہ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو وہاں انھیں قبیلہ بنو عبدالدار کے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ملے۔ انھوں نے انھیں دیکھا تو بولے:

"اے بنت ابی امیہ! کہاں جا رہی ہو؟"

وہ بولیں:

قدم بہ قدم

"اپنے خاوند کے پاس مدینہ منورہ جا رہی ہوں۔"

یہ سن کر وہ بولے:

"اور کیا تمہارے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔"

انھوں نے جواب دیا:

"اللہ اور میرے اس بیٹے کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں ہے۔"

یہ سن کر انھوں نے کہا:

"پھر تو تمہیں اس سفر میں اکیلے نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

یہ کہا اور اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ اب یہ سفر ان کے ساتھ شروع ہوا۔ وہ اونٹ کو آگے بڑھاتے رہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"اللہ کی قسم! میں نے ان سے زیادہ شریف اور عمدہ اخلاق والا عرب کسی آدمی کو نہیں پایا۔ جب کسی جگہ ٹھہرنا ہوتا تو میرے اونٹ کو بٹھا کر خود ایک طرف ہٹ جاتے، یا دور کسی درخت کے نیچے جا کر لیٹ جاتے، چلنے کا وقت قریب آتا تو مجھ سے کہتے، اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ جب میں اونٹ پر سوار ہو کر اچھی طرح سے بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑتے۔ سارے سفر میں وہ یہی کرتے رہے، یہاں تک کہ انھوں نے مجھے مدینہ منورہ تک پہنچا دیا، جب قبا کے نزدیک پہنچے اور ان کی نظر عمرو بن عوف کی آبادی پر پڑی تو بولے:

"تمہارا خاوند اس بستی میں ہے... تم اس بستی میں چلی جاؤ، اللہ تمہیں برکت دے۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ابوسلمہ کے گھرانے نے جتنی مصیبتیں برداشت کیں، میرے خیال میں کسی اور گھرانے نے برداشت نہیں کیں اور میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جتنا شریف اور عمدہ اخلاق والا سفر کا ساتھی نہیں دیکھا۔"

یہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔

○

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے نکلے۔ مشرکین کو اس بات کا پتا چل گیا۔ انھوں نے فوراً ان کا تعاقب کیا اور ان تک پہنچ گئے۔ یہ لوگ ان کے نزدیک پہنچے تو انھوں نے اپنی کمان سنبھال لی، اس میں تیر چڑھالیا اور انھیں للکارا:

"اے قریش کی جماعت! تم جانتے ہو، میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں۔ اللہ کی قسم! جب میں تمھیں اپنے ترکش کے تمام تیروں سے نشانہ بنالوں گا، تب تم مجھ تک پہنچ سکو گے۔ پھر جب میرے تیر ختم ہو جائیں گے تو میں اپنی تلوار نکال لوں گا اور جب تک میری تلوار میرے ہاتھ میں رہے گی، میں تم پر حملے ہی کرتا رہوں، اس کے بعد تم جو چاہے کر لینا، لیکن تمہارے لیے میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔"

"اور وہ کیا؟" انھوں نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ مکے میں میں نے ایک جگہ اپنا مال چھپا رکھا ہے۔ میں تمھیں اس جگہ کا پتا بتا دیتا ہوں، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔"

اس پر وہ بولے:

"ٹھیک ہے! بتاؤ! مال کہاں ہے۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے انھیں مال کا پتا بتا دیا۔ وہ ان کے پاس سے ہٹ گئے اور مال حاصل کرنے کے لیے چلے گئے۔ حضرت صہیب نے اپنا سفر جاری رکھا اور آخر مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

"اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ فروخت کرتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔" (سورہ بقرہ: 257)

جب آپ نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

"اے ابو یحییٰ! تمہاری تجارت میں بہت نفع ہوا ہے۔" (یعنی سونا دے کر تم نے ہجرت کی سعادت حاصل کی)

پھر آپ نے انھیں یہ آیت پڑھ کر سنائی، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت صہیب کی آمد سے پہلے ہی اس واقعے کی خبر دے دی تھی، کیونکہ حضرت صہیب نے حیران ہو کر آپ سے عرض کیا تھا:

"مجھ سے پہلے تو یہ بات بتانے کے لیے آپ کے پاس کوئی آیا نہیں تو آپ کو کیسے پتا چل گیا؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"جبرائیل علیہ السلام نے ہی مجھے اس واقعے کی خبر دی ہے۔" (جاری ہے)

ضرورت نہیں رہی!

ایک جلسے میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تقریر ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی موجود تھے اور تقریر سننے کے دوران بے ساختہ واہ، واہ اور سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔ آخر حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی تقریر ختم ہوئی۔ اب باری تھی حضرت شاہ صاحب کی اور جلسہ بلایا بھی گیا تھا انھی کے نام سے۔ آپ نے اسٹیج پر آ کر فرمایا:

"مولانا کی اس قدر زبردست تقریر کے بعد اب میری تقریر کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

یہ کہا اور اسٹیج سے ہٹ گئے۔

○

روم کے ایک علاقے میں اسلامی لشکر جہاد میں مصروف تھا۔ اس لشکر میں حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ بھی تھے۔ دشمن کے لشکر سے ایک آدمی نکل کر آگے آیا اور اس نے مقابلے کے لیے للکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک مجاہد نکلا اور نیزے کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مشرکوں کے لشکر سے دوسرا آدمی نکلا تو انھوں نے اسے بھی ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ تیسرے اور چوتھے کو بھی قتل کر دیا۔ اسلامی لشکر سے مسلمان اس بہادر کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ سب دیکھنا چاہتے تھے، یہ بہادر کون ہے، کیونکہ چہرہ کپڑے سے چھپا ہوا تھا۔ عبدہ بن سلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"میں نے آگے بڑھ کر اس مرد جری کے چہرے سے کپڑا کھینچا تو وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تھے۔ عبدہ کے ایسا کرنے پر آپ نے فرمایا:

"اے ابو عمرو! آپ بھی میرا راز ظاہر کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔" (تاریخ بغداد)

محمد ارشد مغل۔ کراچی

حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے آنے والے ہر مہاجر کا مدینہ منورہ کے کسی صحابی سے بھائی چارہ کرا دیتے تھے، تا کہ مہاجرین کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ انھیں رہائش اور کھانے وغیرہ کی تکالیف نہ پیش آئیں۔

جب آپ نے ان دونوں حضرات میں بھائی چارہ کروایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے میرے بھائی! میں مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔ تم میرے مال میں سے اپنی پسند کا آدھا مال لے لو اور میری دو بیویاں ہیں، تم دیکھ لو، ان میں سے جو تمھیں پسند آئے، میں اسے طلاق دے دوں گا، تم اس سے شادی کر لینا۔"

یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ تمہارے گھروں میں اور تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے۔ مجھے تو بس تم بازار کا راستہ بتا دو۔"

انھوں نے بازار کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر خرید و فروخت شروع کی۔ اس میں انھیں نفع ہوا۔ اس سے کچھ گھی اور پنیر لے آئے۔ کچھ مدت تک وہ اسی طرح تجارت کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں کو زعفران لگا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"کیا بات ہے! تم نے زعفران لگا رکھا ہے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔" (اس زمانے میں شادی کے موقعے پر زعفران لگاتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"تم نے انھیں کتنا مہر ادا کیا ہے۔"

انھوں نے بتایا:

"ایک گٹھلی کے برابر سونا ادا کیا ہے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"ولیمہ کرو، چاہے ایک ہی بکری ہو۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس وقت میری تجارت میں برکت کا یہ حال تھا کہ اگر میں ایک پتھر بھی اٹھا لیتا تھا تو اس سے بھی مجھے سونا چاندی حاصل ہونے کی امید ہوتی تھی۔"

ان مہاجرین کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے انصار سے یہ فرمایا تھا:

"تمہارے مہاجر بھائی اپنے مال اور اولاد چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔"

اس پر انصار نے کہا:

"ہم اپنے مال، زمین اور باغات اپنے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اس کے علاوہ کچھ اور بھی تو ہو سکتا ہے۔"

انصار نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! وہ کیا؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"یہ مہاجرین کھیتی باڑی کا کام نہیں جانتے، اس لیے کھیتی باڑی کا سارا کام تو تم کرو اور غلے میں انھیں شریک کر لو۔"

اس پر انصار نے عرض کیا:

"ٹھیک ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"

انصار جب اپنی کھجوریں کاٹ کر درختوں سے اتار لیتے تو ان کے دو حصے بناتے۔ ان میں اگر ایک حصہ دوسرے حصے سے کم ہوتا تو اس میں کھجور کی شاخیں ملا دیتے تا کہ وہ زیادہ معلوم ہو، پھر مہاجر مسلمانوں سے کہتے:

"ان دونوں حصوں میں سے جو حصہ لینا چاہو، لے لو۔"

مہاجرین وہ حصہ لے لیتے جو شاخوں کے بغیر ہوتا، کیونکہ شاخوں والا زیادہ نظر آتا تھا اور وہ یہ خیال کر کے دوسرا حصہ لے لیتے تھے کہ انصار کو زیادہ حصہ ملے جب کہ ہوتا وہی حصہ زیادہ تھا جو وہ لے لیتے تھے۔ اس طرح انصار مہاجرین کو زیادہ حصہ دینے کی ترکیب اختیار کرتے تھے۔

فتح خیبر تک انصار مہاجرین کے لیے اس قسم کی قربانیاں کرتے رہے۔ خیبر کے فتح ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا:

"تم پر ہماری نصرت کا جو حق تھا، وہ تم نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ اب اگر تم پسند کرو تو اپنا خیبر کا حصہ خوشی خوشی مہاجرین کو دے دیا کرو اور مہاجرین کو اب کچھ نہ دیا کرو، اس طرح مدینہ منورہ کا سارا پھل تمہارا ہو جائے گا اور خیبر کا سارا پھل مہاجرین کا ہو جائے گا۔"

انصار نے یہ سن کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں منظور ہے۔ آپ نے ہمارے ذمے کئی کام لگائے تھے اور یہ بات آپ نے اپنے ذمے لی تھی کہ ہمیں ان کاموں کے بدلے میں جنت ملے گی۔ جو کام آپ نے ہمارے ذمے لگائے تھے، وہ ہم نے سارے کر دیے۔ اب ہم چاہتے ہیں، ہماری چیز ہمیں مل جائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"وہ جنت تمھیں ضرور ملے گی۔"

O

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

"کون ہے جو کعب بن اشرف کا کام تمام کر آئے، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔" (کعب بن اشرف ایک یہودی تھا)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا:

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔"

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اس کام کے دوران کیا میں مصلحت کے طور پر کچھ کہہ سکتا ہوں۔"

حضرت محمد بن مسلمہ کا مطلب تھا کہ کوئی غلط بیانی کرنی پڑے تو کر سکتا ہوں۔ آپ نے ان کی بات سن کر ارشاد فرمایا:

"ہاں! تم کہہ سکتے ہو۔" (باقی صفحہ 24 پر)

بقیہ: واقعات صحابہ کے قدم بہ قدم

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ چند ساتھیوں کے ساتھ اس مہم کے لیے روانہ ہوئے۔ کعب بن اشرف کے پاس پہنچ کر حضرت محمد بن مسلمہ نے اس سے کہا:

''اس شخص (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے صدقے کا مطالبہ کیا ہے اور مشکل مشکل کام ہمارے ذمے لگا کر ہمیں تھکا دیا ہے۔ میں تمہارے پاس قرضے کے لیے آیا ہوں۔''

یہ سن کر کعب بن اشرف نے کہا:

''ابھی تو وہ اور کام تمہارے ذمے لگائے گا، اللہ کی قسم! ایک نہ ایک دن ضرور تم اس سے اکتا جاؤ گے۔''

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بولے:

''اب تو ہم ان کی پیروی شروع کر چکے ہیں، انھیں جلد نہیں چھوڑ سکتے۔ دیکھتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ (تقریباً 5 من یا 10 من) دے دیں۔''

کعب بن اشرف بولا:

''میں غلہ ادھار دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن تم میرے پاس کوئی چیز رہن رکھ دو۔''

انھوں نے کہا:

''تم رہن کے طور پر کیا چیز رکھنا چاہتے ہو؟''

یہ سن کر وہ بولا:

''تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو۔''

یہ حضرات بولے:

''ہم اپنی عورتیں کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں۔''

یہ سن کر کعب بن اشرف نے کہا:

''اچھا تو پھر اپنے بیٹے کو رہن رکھ دو۔''

انھوں نے کہا:

''بھلا ہم اپنے بیٹے کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں، لوگ انھیں طعنہ دیا کریں گے کہ یہ تو وہی ہیں جنھیں ایک دو وسق غلے کے بدلے میں رہن رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے بہت شرم کی بات ہوگی۔ ہاں ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار رہن رکھ دیتے ہیں۔''

اس نے کہا:

''چلو ٹھیک ہے۔''

حضرت مسلمہ بولے:

''ہم رات کے وقت اپنے ہتھیار لے کر آئیں گے۔''

رات کے وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی حضرت ابونائلہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا (یعنی وہ مسلمان ہو چکے تھے) اور کعب کے قلعے پر آ گئے۔ اس نے انھیں قلعے میں بلا لیا۔ یہ اندر داخل ہوئے تو وہ سیڑھیاں اتر کر ان کی طرف آنے لگا۔ اس وقت اس کی بیوی نے کہا:

''تم اس وقت باہر کہاں جا رہے ہو۔''

وہ بولا:

''یہ محمد بن مسلمہ اور میرے بھائی ابونائلہ آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس کی بیوی بولی:

''میں تو ایسی آوازیں سن رہی ہوں جن سے خون ٹپکتا محسوس ہو رہا ہے۔'' (یعنی ان کی آوازوں سے تو دشمنی کی بو آ رہی ہے)

کعب بن اشرف نے جواب میں کہا:

''نہیں! یہ تو میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ ہیں۔''

ادھر اس وقت تک حضرت محمد بن مسلمہ اپنے پیچھے دو تین اور ساتھیوں کو بھی اندر لا چکے تھے۔ کعب ان کے نزدیک پہنچا۔ اس کے بدن سے عطر کی خوشبو مہک رہی تھی۔ وہ خوشبو محسوس کر کے حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا:

''آج جیسی عمدہ خوشبو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔''

یہ سن کر وہ خوش ہوا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا:

''کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کا سر سونگھ لوں؟''

کعب نے کہا:

''ہاں! ضرور سونگھ لو۔''

چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا۔ اپنے ساتھیوں سے بھی کہا:

''تم بھی سونگھ لو۔''

جب ان کے ساتھیوں نے بھی اس کا سر سونگھ لیا تو حضرت محمد بن مسلمہ بولے:

''کیا ایک بار اور سونگھ لیں۔''

اس نے خوش ہو کر کہا:

''ضرور سونگھ لو۔''

اس بار حضرت محمد بن مسلمہ نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ان حضرات نے واپس آ کر سارا قصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا:

''یہ چہرے کامیاب ہو گئے۔''

ان حضرات نے کہا:

''اور آپ کا چہرہ مبارک بھی کامیاب ہوا۔''

ان حضرات نے کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ کعب بن اشرف کے قتل سے تمام یہودی خوف زدہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی ناپاک حرکتیں یاد دلائیں کہ کیسے وہ اسلام کے خلاف لوگوں کو ابھارتا تھا اور مسلمانوں کو کس کس طرح اذیت پہنچاتا تھا۔ (جاری ہے)

521-A

قبیلہ اوس کے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جب کعب بن اشرف یہودی کو قتل کر دیا تو قبیلہ خزرج والے بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! تم یہ کارنامہ انجام دے کر فضیلت میں کبھی بھی ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔'' (یعنی ہم بھی کوئی ایسا کارنامہ انجام دیں گے)

اس اعلان کے بعد انھوں نے سوچا:

''کون سا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھنے میں کعب بن اشرف جیسا ہے۔''

آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ خیبر کا ابو رافع دشمنی میں کعب بن اشرف جیسا ہے۔ اب ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کام کی اجازت دے دی۔ اس پر قبیلہ بنو خزرج کے پانچ آدمی حضرت عبداللہ بن عتیک، حضرت مسعود بن سنان، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت ابو قتادہ، حضرت حارث بن ربعی اور حضرت خزاعی بن مسعود رضی اللہ عنھم خیبر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا اور ان سے فرمایا:

''کسی بچے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔''

یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ خیبر پہنچ گئے۔ یہ رات کے وقت ابو رافع کے گھر گئے۔ ان حضرات نے ہر کمرے کو باہر سے بند کر دیا، تاکہ کسی کمرے سے کوئی باہر نہ آ سکے۔

ابو رافع اس وقت اپنی اوپر والی منزل پر تھا۔ اس تک جانے کے لیے کھجور کی لکڑی کی بنائی گئی ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ یہ حضرات اس سیڑھی کے ذریعے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اب ان حضرات نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس کی بیوی نکل کر باہر آئی اور بولی:

''تم کون ہو؟''

یہ بولے:

''ہم عرب کے لوگ ہیں۔ غلے کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس کی بیوی نے کہا:

''یہ رہا ابو رافع... جس سے تم ملنا چاہتے ہو... اندر آ جاؤ۔''

یہ حضرات اندر آ گئے اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا، تاکہ کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے، یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے شور مچا دیا۔ ابو رافع اپنے بستر پر تھا۔ یہ تلواریں لیے اس پر جھپٹے۔ رات کی تاریکی میں وہ صحیح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا رنگ بہت سفید تھا۔ ان حضرات کو اس کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ اس کی بیوی جب شور مچا کر ہمارے بارے میں اسے بتانے لگی تو ایک صحابی نے تلوار بلند کی کہ اس کا کام تمام کر دیں، لیکن پھر انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا، چنانچہ انھوں نے تلوار روک لی۔

اب ان حضرات نے تلواروں سے ابو رافع پر وار کیے، لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وار اوچھے پڑے، یہ بات محسوس کر کے حضرت عبداللہ بن انیس نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر تلوار پر اپنا سارا وزن ڈال دیا۔ ابو رافع بس بس ہی کر سکا۔ اس کے بعد یہ حضرات باہر آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک کی نظر کمزور تھی، اس وجہ سے وہ سیڑھی سے گر پڑے۔ ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ ان کے باقی ساتھی انھیں اٹھا کر باہر آ گئے اور ایک نہر تک لے آئے۔

ادھر یہودی آگ جلا کر ان حضرات کی تلاش میں دوڑ پڑے، لیکن جب یہ لوگ انھیں نظر نہ آئے تو واپس ابو رافع کے پاس چلے گئے۔ اس وقت ابو رافع کی جان نکل رہی تھی۔

یہ حضرات نہر کے پاس پہنچے تو کہنے لگے:

''ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ اللہ کا دشمن مر گیا ہے۔''

ایک ساتھی بولے:

''میں جا کر پتا کر آتا ہوں۔''

چنانچہ وہ وہاں گئے اور ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ابو رافع کی بیوی اور بہت سے یہودی ابو رافع کے گرد جمع ہیں۔ ابو رافع کی بیوی کے ہاتھ میں چراغ ہے اور وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی ہے۔ ساتھ میں انھیں بتا رہی تھی:

''اللہ کی قسم! آواز تو عبداللہ بن عتیک کی تھی۔''

یہ ساتھی بول پڑے:

''ابن عتیک یہاں اس علاقے میں کہاں؟''

اب اس کی بیوی نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور بولی:

''یہ تو مر چکا ہے۔''

ساتھی کو یہ سن کر اطمینان ہو گیا، بلکہ انھیں اس کی بیوی کا یہ جملہ سن کر بہت مزہ آیا۔ یہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور بولے:

''ابو رافع مر چکا ہے۔''

اس پر انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، عبداللہ بن عتیک کو اٹھایا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ بن عتیک نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم اللہ کے دشمن کو قتل کر آئے ہیں، البتہ میری پنڈلی ٹوٹ گئی ہے۔ واپسی پر میں سیڑھی سے گر گیا تھا۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنا پاؤں پھیلاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن عتیک نے پاؤں پھیلا دیا۔

آپ نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، حضرت عبداللہ بن عتیک فرماتے ہیں:

''جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی پر ہاتھ پھیرا، وہ یک دم اس طرح ٹھیک ہوگئی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

O

بدر کی لڑائی میں جب قریش کو شکست ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک بازار میں انھیں جمع فرمایا۔ اس بازار کو بنو قینقاع کا بازار کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے یہودیو! تم اسلام قبول کرلو، ورنہ تمھیں بھی ایسی شکست کھانی پڑے گی جیسی قریش نے بدر کے میدان میں کھائی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے جواب میں ان یہودیوں نے کہا:

''قریش لڑنا کیا جانیں۔ اگر آپ ہم سے جنگ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم بہادر اور جنگجو مرد ہیں۔''

ان کے ان الفاظ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

''آپ ان کافروں سے کہہ دیجیے کہ اب تم شکست کھاؤ گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور دوزخ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ تمہارے سامنے ابھی ایک نمونہ گزر چکا ہے۔ دو فوجوں میں مقابلہ ہوا، ان میں سے ایک فوج اللہ کے راستے میں لڑی، دوسری فوج کافروں کی تھی، کافروں کی فوج کو دوسری فوج (یعنی مسلمانوں کی) کھلی آنکھوں سے اپنے سے دو چند نظر آئی اور اللہ اپنی مدد سے جسے چاہے زور عطا کرتا ہے اور دیکھنے والوں کو اسی میں عبرت ہے۔''

قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ بھی کہے تھے:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش کے چند نا تجربہ کار لڑائی سے ناواقف لوگوں کو قتل کر کے آپ دھوکے میں نہ رہیں۔ اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ ہم کیسے زبردست اور بہادر لوگ ہیں۔ آپ کا دراصل ہم جیسوں سے پالا نہیں پڑا۔''

ادھر بدر کے میدان میں شکست کھانے کے بعد قریش بہت تلملائے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہودیوں کو لکھا:

''تم تو قلعوں والے ہو، ہتھیاروں والے ہو، تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کو قتل کردو۔''

اس پیغام میں انھوں نے خوب زوردار باتیں لکھیں، یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اس پر بنو نضیر کے لوگ مسلمانوں سے غداری پر آمادہ ہوگئے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا:

''آپ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے تین عالم آپ سے ملاقات کریں گے، بات چیت کریں گے، اگر وہ تینوں عالم آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب آپ کی پیروی کریں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام ملا تو اس کے لیے تیار ہوگئے۔ ادھر ان تینوں یہودیوں نے اپنی چادروں میں خنجر چھپا لیے، تاکہ بات چیت کے دوران اچانک خنجر نکال کر حملہ کردیں۔

بنو نضیر کی ایک عورت کے بھائی مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ انصار میں شامل تھے۔ اس عورت نے انھیں اس بھائی کو خفیہ پیغام بھیجا اور اسے بتایا کہ یہودیوں نے کیا پروگرام بنایا ہے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہ بات بتادی۔ آپ فوراً واپس پلٹ گئے اور دوسرے دن صبح سویرے ہی اسلامی دستے کو ساتھ لے کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے دن بنو قریظہ کا بھی محاصرہ کرلیا، لیکن انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرلیا، یعنی جنگ نہ کرنے کا، ان سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی دستے کے ساتھ بنو نضیر کی طرف بڑھے: (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

عبداللہ فارانی — 11

قدم بہ قدم

بنو نضیر کے لوگ کوئی معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملے کا حکم فرمایا۔ آخر انھوں نے جلا وطن ہونا منظور کر لیا۔ یہ بات طے پائی کہ ہتھیاروں کے علاوہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان وہ لاد سکتے ہیں، وہ سارا لے جائیں گے۔

یہ بات طے ہونے کے بعد انھوں نے ہر چیز اونٹوں پر لاد لی، یہاں تک کہ اپنے گھروں کے دروازے تک اکھاڑ کر لاد لیے۔ اس طرح انھوں نے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ شام کی طرف چلے گئے۔

O

جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر موضع سخ گئے ہوئے تھے۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے باہر تھی۔ جونہی آپ کو اطلاع ملی، آپ فوراً واپس آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی کیا ہی عمدہ اور پاکیزہ ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔"

ابھی آپ اندر ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے قریب آئے۔ انھوں نے کہا:

"اے ابوبکر! سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار اور مہاجرین جمع ہیں اور خلافت کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں۔"

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے سقیفہ بنو ساعدہ کی طرف چلے۔ یہ انصار کا باغ تھا۔ (اب بھی یہ باغ ہی ہے۔ حج اور عمرے کے لیے جانے والے اس باغ کو دیکھنے کے لیے بھی جاتے ہیں)

اس وقت انصاری صحابہ باری باری کھڑے ہو کر خلافت کے بارے میں اپنی اپنی رائے ظاہر کر رہے تھے۔ ایک انصاری نے ان الفاظ میں رائے دی۔

"اے مہاجرین کی جماعت! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کو امیر بناتے تھے تو اس کے ساتھ ہمارا ایک آدمی ضرور لگا دیتے تھے۔ اس لیے ہمارا خیال یہ ہے کہ خلافت کے کام میں بھی دو آدمی ہوں، ایک آدمی آپ لوگوں میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔"

یہ کہنے سے ان کی مراد یہ تھی کہ دو آدمی خلیفہ ہونے چاہییں۔ ایک مہاجرین میں سے لیا جائے اور دوسرا انصار میں سے۔

انصاری صحابہ میں سے جو بھی بات کرنے کے لیے کھڑا ہوا، اس نے یہی کہا، پھر حضرت زید بن ثابت کھڑے ہوئے، انھوں نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا اب امام بھی مہاجرین میں سے ہونا چاہیے اور ہم لوگ ان کے معاون اور مددگار ہوں گے جیسا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون اور مددگار تھے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"اے انصار کی جماعت! اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔"

اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا:

"یہی تمہارے خلیفہ ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سب سے پہلے حضرت بشیر بن سعد بن ابو نعمان نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ ان کے بعد سب آپ سے بیعت کرنے لگے۔ جب تمام لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو چکے تو آپ نے کچھ مال لوگوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے قبیلہ عدی کی ایک بڑھیا کو بھی حصہ بھیجا۔ اس بڑھیا نے پوچھا:

"یہ کیا ہے۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بتایا:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ مال تقسیم کیا ہے۔ اس میں سے عورتوں کو بھی دیا ہے۔"

یہ سن کر بڑھیا نے کہا:

"کیا تم مجھے دین پر رشوت دیتے ہو۔"

انھوں نے کہا:

"یہ بات نہیں ہے۔"

بڑھیا بولی:

"تو کیا تمھیں اس بات کا ڈر ہے کہ میں جس دین پر قائم ہوں، اسے چھوڑ دوں گی۔"

انھوں نے کہا:

"نہیں۔"

اب بڑھیا بولی:

"اللہ کی قسم! میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گی۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساری بات بتائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑھیا کی بات سن کر فرمایا:

"ہم بھی اس بڑھیا کو جو دے چکے، وہ واپس نہیں لیں گے۔" (حیاۃ الصحابہ 1/617)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی:

"ابو سفیان کا تجارتی قافلہ بہت سا تجارتی مال لے کر شام کی طرف آ رہا ہے۔"

آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور یہ خبر انھیں دی، پھر فرمایا:

"کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ اس قافلے کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلیں، شاید اللہ تعالیٰ اس قافلے کا سارا مال ہمیں مالِ غنیمت کے طور پر دے دے۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا:

"جی ہاں! ہم نکلنا چاہتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک یا دو دن کا سفر کیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قریش کو تمہارے نکلنے کی خبر ہو گئی ہے اور وہ تم سے لڑنے کے لیے تیار ہو کر آ گئے ہیں۔ اب قریش کے اس لشکر سے لڑنے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ تو تجارتی قافلے کی طرف نکلے تھے اور اس قافلے کی شکل قریش کے لشکر کی بن گئی ہے تو کیا تم ان حالات میں بھی ان سے

لڑنے کے لیے تیار ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کے جواب میں کچھ صحابہ نے عرض کیا:

"اللہ کی قسم! ہم میں ان سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ ہم تو تجارتی قافلے کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تھے۔"

آپ نے اپنے الفاظ پھر دہرائے:

"قریش کے لشکر سے لڑنے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔"

صحابہ کرام نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ سے اس موقعے پر وہ نہیں کہیں گے جو ایسے ہی موقعے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا، تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ برک الغماد تک کا بھی سفر کریں گے تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

برک الغماد ایک بستی کا نام ہے جو بہت دور دراز تھی۔

یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

حضرت نے یہ بھی فرمایا:

"اے اللہ کے رسول! آپ ہمارا جتنا چاہیں، مال لے لیں اور جتنا چاہیں، ہمیں دے دیں اور جو آپ ہم سے لیں گے، وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور آپ جو حکم ہمیں دیں گے، ہم اس پر عمل کریں گے اور اگر آپ ہمیں سمندر کے سامنے لے جائیں اور سمندر میں گھس جائیں، تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم جم کر لڑنے والے ہیں، بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کریں گے، ہوسکتا ہے کل کو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں آپ کو کوئی ایسا کارنامہ دکھائے کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، اللہ برکت عطا فرمائے۔ آپ تشریف لے چلیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا:

"چلو! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ان دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے (یعنی تجارتی قافلے اور قریش کے لشکر میں سے ایک پر فتح کا وعدہ فرمایا ہے) اللہ کی قسم! مجھے اس وقت وہ جگہیں نظر آ رہی ہیں جہاں کل یہ کافر قتل ہو کر گریں گے۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جاسوسی کی غرض سے بھیجا اور ان سے فرمایا:

"دیکھ کر آئیں! ابوسفیان کا قافلہ کیا کر رہا ہے۔"

وہ گئے اور پھر واپس آ کر انھوں نے قافلے کے بارے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے پہلے ہی بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ جلد ہی مشرکین بھی وہاں پہنچ گئے۔

جنگ کی تیاری میں کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

"اٹھو! ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے۔"

ایک صحابی حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین اور آسمان کے برابر ہے۔"

آپ نے فرمایا: "ہاں!"

حضرت عمیر بول پڑے:

"واہ! واہ۔"

آپ نے پوچھا:

"تم نے واہ! واہ کیوں کہا؟" (جاری ہے)

حضرت عمر بن حمام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں نے یہ اس امید پر کہا ہے کہ میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم جنت والوں میں سے ہو۔"

اس کے بعد وہ اپنی جھولی میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھانے لگے، پھر کچھ خیال آنے پر بولے:

"ان کھجوروں کے کھانے تک میں زندہ رہوں، یہ تو بڑی لمبی زندگی ہے۔" (یعنی ان کھجوروں کے کھانے میں تو بہت وقت لگ جائے گا)

یہ خیال آتے ہی ان کھجوروں کو جھولی سے گرا دیا اور کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ نہایت بے جگری سے لڑتے رہے اور اس وقت تک جنگ جاری رکھی جب تک کہ شہید نہیں ہو گئے۔ (حیاۃ الصحابہ)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

"رُبنیٰ والوں پر صبح صبح حملہ کرو، ان کے گھروں کو جلا دو۔ اللہ کا نام لے کر چلو۔"

مقام رُبنیٰ فلسطین کا ایک مقام ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے جھنڈے کو لہراتے ہوئے باہر نکلے۔ باہر نکلنے کے بعد انھوں نے وہ جھنڈا حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ وہ اس جھنڈے کو لے کر حضرت اسامہ کے گھر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت اسامہ نے مقام جرف پر پڑاؤ ڈالا۔ جس جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا، آج اس مقام کا نام سقایہ سلیمان ہے۔ لوگ نکل نکل کر وہاں آنے لگے۔ جو اپنی ضروریات سے فارغ ہو جاتا، وہ لشکر کی طرف روانہ ہو جاتا، مہاجرین اولین میں سے ہر شخص اس لشکر میں شریک ہوا۔

حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابوعبیدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، اور انصار بھی شریک ہوئے۔ لشکر میں شریک ہونے والوں میں سے بعض نے کہا:

"اس لڑکے کو مہاجرین اولیں کا امیر مقرر کیا گیا ہے۔"

مطلب یہ کہ انھوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ بڑے بڑے مہاجر صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو کیوں لشکر کا امیر مقرر کیا گیا ہے۔

جب اس بات کا چرچا ہوا... یعنی ایک سے دوسرے تک پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات بتا دی... یعنی آپ سے کہا:

"لوگ ایسا کہہ رہے ہیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مرض وفات میں مبتلا تھے۔ آپ کو یہ بات سن کر بہت غصہ آیا۔ بیماری کی وجہ سے آپ نے پٹی باندھ رکھی تھی اور چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اسی حالت میں آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں نے جو اسامہ بن زید کو لشکر کا امیر بنایا ہے تو آپ میں سے کچھ لوگوں کی طرف سے کچھ بات مجھ تک پہنچی ہے، وہ کیا بات ہے۔ اللہ کی قسم! آج تم نے میرے اسامہ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے تم اس کے والد یعنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر اعتراض کر چکے ہو، حالانکہ اللہ کی قسم! وہ امیر بننے کے قابل تھے اور اب ان کے بعد ان کا بیٹا امیر بننے کے قابل ہے اور جیسے ان کے والد زید مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے، ایسے ہی یہ (اسامہ) لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے ہر خیر کے کام میں بالکل مناسب ہیں۔ تم ان کے (اسامہ کے) بارے میں میری طرف سے خیر اور بھلے کی وصیت قبول کرو، کیونکہ یہ تمہارے پسندیدہ اور منتخب لوگوں میں سے ہیں۔"

ان الفاظ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر آئے۔ وہ ہفتے کا دن تھا اور اس روز ربیع الاول کی 10 تاریخ تھی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات کے لیے آنے لگے۔ ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے جاتے تھے۔ اسامہ کا لشکر روانہ کرو۔ ایسے میں حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اپنے صحت یاب ہونے تک اسامہ کو اسی مقام پر یعنی جرف میں رہنے دیں، ابھی انھیں روانہ نہ کریں۔ اگر وہ اس حالت میں چلے گئے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ان کی ساری توجہ آپ کی بیماری کا حال معلوم کرنے کی طرف لگی رہے گی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر بھی یہی ارشاد فرمایا:

"اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔"

اب تمام لوگ جو لشکر میں شامل تھے، جرف کی طرف چلے گئے۔ سب نے وہاں اتوار کی رات

523 B

گزاری۔ اتوار کے دن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ آپ کی طبیعت اس وقت بہت نڈھال تھی۔ آپ پر غشی کی حالت تھی اور یہ وہی دن تھا جس روز آپ کے گھر والوں نے آپ کو دوا پلائی تھی۔ جب حضرت اسامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ازواجِ مطہرات آپ کے اردگرد تھیں۔ حضرت اسامہ نے جھک کر آپ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ میں بولنے کی طاقت نہیں تھی۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسامہ پر رکھے۔

حضرت اسامہ فرماتے ہیں، میں سمجھ گیا، آپ میرے لیے دعا کر رہے تھے۔ پھر حضرت اسامہ وہاں سے لشکر میں واپس آگئے۔ پیر کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا۔ حضرت اسامہ پھر اپنے لشکر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''اللہ برکت عطا فرمائے، تم روانہ ہو جاؤ۔''

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے۔ اس وقت بھی آپ کی حالت بہتر تھی، اس خوشی میں ازواجِ مطہرات ایک دوسرے کے بالوں میں کنگھی کرنے لگیں۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''الحمدللہ! آج آپ کو افاقہ ہے، آج مجھے اپنی بیوی بنتِ خارجہ کے ہاں جانا ہے۔ مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔''

آپ نے انھیں اجازت دے دی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موضع سخ چلے گئے۔ یہ مقام مدینے کے باہر واقع تھا۔ حضرت اسامہ سوار ہو کر اپنے لشکر کے پڑاؤ کو چلے۔ انھوں نے ساتھیوں میں اعلان کر دیا۔

''سب لوگ لشکر میں پہنچ جائیں۔''

لشکر کی قیام گاہ میں پہنچ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سواری سے اترے اور لوگوں کو کوچ کا حکم دیا۔ حضرت اسامہ اپنی سواری پر سوار ہو کر روانہ ہوا ہی چاہتے تھے کہ امِ ایمن کا قاصد وہاں پہنچا۔ قاصد یہ پیغام لایا تھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت اسامہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما ساتھ تھے۔ جب یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ کے آخری لمحات تھے اور بارہ ربیع الاول، پیر کا روز تھا، وقت زوال کے قریب تھا۔

جرف کے مقام پر لشکر کے ساتھ جتنے لوگ جانے کے لیے تیار تھے، وہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا جھنڈا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر زمین میں گاڑ دیا۔ یہ جھنڈا وہاں اسی طرح گڑا رہا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انھوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس جھنڈے کو حضرت اسامہ کے گھر لے جائیں اور جب تک حضرت اسامہ مسلمانوں کو لے کر جہاد کے لیے نہ چلے جائیں، اس وقت تک اس جھنڈے کو نہ کھولیں۔

حضرت بریدہ اس جھنڈے کو لے کر حضرت اسامہ کے گھر گئے۔ پھر وہ اس جھنڈے کو لے کر حضرت اسامہ بن زید کے ساتھ ملک شام گئے۔ شام سے واپس روانہ ہوئے تو وہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ لشکر واپس مدینہ منورہ پہنچا اور انھوں نے جھنڈا اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دیا۔ یہ جھنڈا اسی طرح حضرت اسامہ کے گھر میں رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تمھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کا حکم فرمایا تھا، تم اپنا لشکر لے کر وہاں کے لیے روانہ ہو جاؤ۔''

اس حکم کے بعد لوگ پھر مدینہ منورہ سے نکلے اور اپنی پہلی جگہ وہیں پڑاؤ ڈالا جہاں پہلے ڈالا گیا تھا، یعنی جرف کے مقام پر۔ حضرت بریدہ بھی جھنڈا لے آئے۔

اس وقت ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے کا فیصلہ بہت ناگوار محسوس ہوا۔ بڑے بڑے صحابہ کا خیال یہ تھا کہ ان حالات میں لشکر کو نہیں بھیجنا چاہیے، چنانچہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابوعبیدہ، حضرت سعد اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے خلیفۂ رسول اللہ! اس وقت عرب کے لوگ ہر طرف آپ کی اطاعت نہ کرنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ اگر اس وقت آپ مسلمانوں کے اس بڑے لشکر کو روانہ کریں گے تو یہاں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ (یعنی مدینہ منورہ غیر محفوظ ہو جائے گا) آپ اس لشکر کو یہیں رکھیں اور اس سے مرتدوں کے فتنوں کو ختم کرنے کا کام لیں۔ اس لشکر سے مرتدوں کے خاتمے کا کام لیں۔ اگر آپ نے اسامہ کے لشکر کو بھیج دیا تو ہمیں مدینہ منورہ پر حملے کا خطرہ ہے اور یہاں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے موجود ہیں، لہٰذا ابھی آپ روم کی لڑائی کو رہنے دیں۔''

(جاری ہے)

524-A

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کی پوری بات سن لی تو فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔''

ان سب نے کہا:

''نہیں! آپ نے ہماری بات اچھی طرح سن لی ہے۔''

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں اس لشکر کو بھیج دوں گا تو اس صورت میں درندے مدینہ منورہ میں آ داخل ہوں گے اور مجھے کھا جائیں گے تو بھی میں اس لشکر کو ضرور بھیجوں گا اور خلیفہ بننے کے بعد میں سب سے پہلے یہی کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کام سے پہلے میں کوئی اور کام نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس لشکر کو جانے سے کیسے روک سکتا ہوں، اس لشکر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے کہ اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو اور آپ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔ ہاں! ایک بات میں اسامہ سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عمر کو نہ لے جائیں، وہ میرے پاس رہ جائیں، کیونکہ میرا کام ان کے بغیر نہیں چل سکتا، مجھے ان کی یہاں ضرورت ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ وہ ایسا کریں گے یا نہیں۔ اگر انھوں نے میری یہ بات نہ مانی تو اللہ کی قسم میں انھیں مجبور نہیں کروں گا، یعنی اگر انھوں نے عمر کو ساتھ لے جانا چاہا تو انھیں مجبور نہیں کروں گا۔''

اب سب حضرات نے یہ بات اچھی طرح جان لی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیج کر رہیں گے، انھوں نے اس کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود چل کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان سے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جائیں۔''

حضرت اسامہ نے فوراً کہا:

''جی! ٹھیک ہے۔''

آپ نے پھر پوچھا:

''کیا آپ نے خوشی سے یہ اجازت دی ہے۔''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بولے:

''جی ہاں! خوشی سے اجازت دی ہے۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باہر نکل کر منادی کرنے والے سے کہا:

''تم لوگوں کو اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو شخص بھی اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا، اب وہ ہرگز لشکر کے ساتھ جانے سے نہ رہے۔ ضرور ساتھ جائے اور ان میں سے جو اس لشکر کے ساتھ نہ گیا اور مجھے اس بات کا پتا چلا تو میں اسے یہ سزا دوں گا کہ پھر اسے پیدل چل کر اس لشکر میں شامل ہونا پڑے گا۔''

اس کے بعد آپ نے ان حضرات کو بلایا جنھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ انھیں سخت سست کہا اور ان سے فرمایا:

''تمھیں بھی اس لشکر کے ساتھ جانا ہوگا۔''

چنانچہ سب کے سب حضرات اس لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔''

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لشکر کو روانہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ اس میں ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر جرف کے مقام پر سوار ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ کے ساتھ چلنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترنے لگے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ سوار ہو کر چلیں یا مجھے اتر جانے دیں۔''

آپ نے فرمایا:

''نہیں! تم سوار رہو... اور مجھے اسی طرح چلنے دو... اس میں کیا حرج ہے کہ میں تھوڑی دیر اپنے پاؤں اللہ کے راستے میں غبار آلود کر لوں، کیونکہ غازی جو قدم بھی اٹھاتا ہے، اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے سات سو درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کے سات سو گناہ مٹائے جاتے ہیں۔''

پھر آپ نے لشکر کے لیے دعا کی... اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تیزی سے روانہ ہو گئے... ان کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو پر سکون تھے... اور وہاں کے لوگ مرتد نہیں ہوئے تھے... یعنی قضاعہ اور جہینہ وغیرہ قبیلے... جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وادی قریٰ پہنچے تو انھوں نے بنو عذرہ کے ایک شخص حریث کو جاسوسی کے لیے آگے روانہ فرمایا... حریث رومی شہر ابنیٰ تک پہنچے یعنی جہاں تک کہ اسلامی لشکر کو جانا تھا... انھوں نے وہاں کے حالات کو غور سے دیکھا، لشکر کے لیے مناسب راستہ تلاش کیا، پھر تیزی سے واپس لوٹے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ابھی ابنیٰ سے دو راتوں کے فاصلے پر تھے کہ یہ واپس ان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے بتایا:

"رومی لوگ بالکل غافل ہیں، انھیں اسلامی لشکر کے آنے کی کوئی خبر نہیں۔ ان کا لشکر بھی ایک جگہ جمع نہیں، لہٰذا آپ تیزی سے چلیں تاکہ ان لوگوں کو اپنا لشکر جمع کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔ اس سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو زبردست فتح نصیب ہوئی، اسلامی لشکر کے ہاتھ خوب مالِ غنیمت لگا۔

ادھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے روانہ ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر مرتدوں کے مقابلے کے لیے نکلے۔ ان حضرات کو آتے دیکھ کر سارے مرتد اپنے بال بچوں کو لے کر بھاگ گئے۔ اب مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا۔

"آپ خود لشکر کی کمان نہ کریں ... کسی کو لشکر کا امیر مقرر کریں اور آپ خود مدینہ منورہ میں رہیں۔"

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کا یہ مشورہ مان لیا۔ لشکر کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ان سے فرمایا:

"عرب کے لوگ جب مسلمان ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگ جائیں تو پھر تم میں سے جو واپس آنا چاہے، وہ واپس آ جائے۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا جاتا تو دنیا میں اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔"

جب انھوں نے دو تین بار یہ بات فرمائی تو لوگوں نے کہا:

"اے ابوہریرہ! یہ بات نہ کہیں، یعنی یہ بات کہنے سے رک جائیں۔"

ان کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس وقت عرب کے لوگ مرتد ہو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر یہ عرض کیا تھا کہ اے خلیفۂ رسول! اس لشکر کو نہ بھیجیں، واپس بلا لیں۔ آپ اس لشکر کو روم بھیج رہے ہیں۔ جب کہ مدینے کے اردگرد کے لوگ مرتد ہو رہے ہیں۔ اس پر انھوں نے فرمایا تھا، اگر مجھے اس بات کا ڈر ہو کہ لشکر کو بھیجنے کی صورت میں بھیڑیے مدینے میں گھس آئیں گے اور مجھے پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔ ان کے اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لشکر جس قبیلے کے پاس سے بھی گزرتا تھا جن کا مرتد ہونے کا ارادہ ہو چکا تھا، وہ یہ کہتے، اگر مسلمان کی بڑی قوت نہ ہوتی تو ان کے پاس سے اتنا بڑا لشکر نہ نکل آتا۔ ابھی ہم ان مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ انھیں رومیوں سے لڑنے دو، پھر دیکھیں گے، چنانچہ اس لشکر نے جب رومیوں کو شکست دے دی اور انھیں قتل کیا اور لشکر صحیح سالم واپس آ گیا تو راستے کے تمام عرب قبیلے مرتد ہونے سے باز آ گئے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ دلیل سن کر سب نے ان کی بات سے اتفاق کیا۔ حضرت ضبہ بن محصن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بار عرض کیا:

"آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ان کا ایک دن عمر اور عمر کے خاندان کی زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔ کیا میں تمھیں ان کی اس ایک رات اور ایک دن کے بارے میں بتاؤں۔"

حضرت ضبہ بن محصن بولے:

"ضرور بتائیں! اے امیر المومنین!"

انھوں نے فرمایا:

"ان کی ایک رات تو وہ کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت فرمائی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے اور ان کا دن وہ دن ہے جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور عرب کے لوگ مرتد ہو گئے اور ان میں سے کچھ کہنے لگے، ہم نماز تو پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے، کچھ کہنے لگے، ہم نہ نماز پڑھیں گے، نہ زکوٰۃ دیں گے، چنانچہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! ان حالات میں آپ ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کریں۔ تو آپ نے فرمایا تھا:

"اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک رسی بھی زکوٰۃ کی دیتے تھے اور اب دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا اور ضبہ! اللہ کی قسم! ان کے یہ کہتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور یہ جنگ کرنا ہی بہتر ہے۔"

(جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

14

عبداللہ فارانی

قسطنطنیہ شہر سے رومیوں کی ایک بہت بڑی فوج باہر نکلی۔ اس وقت اسلامی لشکر میں مصر والوں کے سالار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے اور شام والوں کے امیر حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلامی لشکر اس بڑی رومی فوج کے سامنے صف آرا ہو گیا۔

سب سے پہلے ایک مسلمان مقابلے کے لیے آگے آئے۔ انھوں نے ان رومیوں پر تنہا اس قدر زور دار حملہ کیا کہ رومی فوج کے اندر تک گھستے چلے گئے، یہ دیکھ کر چند مسلمانوں نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، اس کا مطلب یہ تھا:

"اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈال لیا۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے لوگو! تم اس آیت کا یہ مطلب سمجھتے ہو کہ دشمنوں میں گھس جانا ہلاکت ہے (یہ بات درست نہیں) یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت عطا فرما دی اور اس کے مددگاروں کی تعداد بہت ہو گئی تو ہم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائے بغیر یہ کہا:

"ہماری زمینیں خراب ہو گئی ہیں۔ اب ہمیں کچھ عرصہ مسلسل مدینہ منورہ میں ٹھہر کر اپنی ان خراب شدہ زمینوں کو ٹھیک کر لینا چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس ارادے کی نفی فرماتے ہوئے فرمایا:

"اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان ہلاکت میں۔"

اس لیے کہ ہلاکت تو اس میں تھی کہ ہم زمینوں میں ٹھہر کر انھیں ٹھیک کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ہمیں اللہ کے راستے میں نکلنے اور غزوہ میں جانے کا حکم دیا گیا:

ادھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے تھے، ادھر وہ مسلمان رومیوں کے لشکر میں مار کاٹ کر واپس بھی آ گئے۔

○

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رحمہ اللہ کے پاس سے یمن کے کچھ لوگ گزرے۔ انھوں نے ان سے پوچھا:

"آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو مسلمان ہوا اور اس کا اسلام بہت اچھا ثابت ہوا، پھر اس نے ہجرت کی اور اس کی ہجرت بھی بہت عمدہ ثابت ہوئی، پھر اس نے بہترین طریقے سے جہاد کیا۔ پھر یمن اپنے والدین کے پاس آ کر ان کی خدمت میں لگ گیا اور ان سے اچھا سلوک کرتا رہا۔ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو۔"

ان لوگوں نے عرض کیا:

"ہمارا خیال ہے۔ یہ شخص الٹے پاؤں پھر گیا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا:

"نہیں! بلکہ یہ تو جنت میں جائے گا، میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں، الٹے قدموں پھرنے والا کون ہے، یہ وہ آدمی ہے جو مسلمان ہوا، اس کا اسلام بہت اچھا ثابت ہوا اور اس نے ہجرت کی، اس کی ہجرت بڑی عمدہ ہوئی، پھر اس نے بہترین طریقے سے جہاد کیا۔ پھر اس نے قبطی کافر سے زمین لینے کا ارادہ کیا۔ اس نے زمین خرید لی اور وہ قبطی اس زمین کا جو خراج دیا کرتا تھا، وہ خراج دینا بھی اس نے اپنے ذمے لے لیا۔ پھر وہ اس زمین کو آباد کرنے میں لگ گیا اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ بیٹھا۔ یہ آدمی ہے الٹے پاؤں پھرنے والا۔"

○

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کے لیے نکلے۔ یہ نخل کے مقام پر پہنچے۔ وہاں ایک مسلمان نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا (یا اسے قید کر دیا) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس آ رہے تھے تو اس عورت کا خاوند واپس آیا، وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اسے بیوی کے قتل ہونے کی خبر ملی۔ اس نے قسم کھائی:

قدم بہ قدم

"جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کا خون نہیں بہاؤں گا، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

چنانچہ وہ اس ارادے سے اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ آپ نے فرمایا:

"آج رات ہمارا پہرہ کون دے گا؟"

ایک مہاجر اور ایک انصاری نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ہم پہرہ دیں گے۔"

آپ نے ان سے ارشاد فرمایا:

"تم دونوں وادی کی گھاٹی کے سرے پر چلے جاؤ۔"

یہ دونوں صحابی حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ دونوں گھاٹی کے سرے پر پہنچے۔ حضرت عباد بن بشر نے کہا:

"ہم دونوں باری باری پہرہ دیں گے، ایک پہرہ دے اور دوسرا سو جائے۔ اب تم بتاؤ، میں کب پہرہ شروع کروں، شروع رات میں یا آخر رات میں۔"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم شروع رات میں پہرہ دو۔"

حضرت عباد بن بشر بولے:

"اچھی بات ہے۔"

اب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے اور حضرت عباد بن بشر نماز پڑھنے لگے۔ ادھر وہ آدمی جس کی بیوی قتل ہوئی تھی، تاک میں تھا۔ اس نے دور

سے دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ مسلمانوں کے لشکر کا جاسوس ہے، چنانچہ اس نے ان کا نشانہ لیا اور ایک تیر چلایا۔ تیر حضرت عباد بن بشر کو لگا۔ انھوں نے اس تیر کو نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی، یعنی تیر لگنے پر بھی نماز نہ توڑی۔ ادھر اس شخص نے دوسرا تیر مارا۔ دوسرا تیر بھی انھیں لگا۔ انھوں نے اس تیر کو بھی نکال کے پھینک دیا اور نماز میں کھڑے رہے۔ پھر رکوع اور سجدہ کر کے نماز پوری کی اور حضرت عمار بن یاسر کو جگایا۔ پھر ان سے بولے:

"اٹھ جائیں! میں زخمی ہو گیا ہوں۔"

حضرت عمار بن یاسر جلدی سے اٹھے۔ تیر چلانے والے نے جب ایک کی جگہ دو کو دیکھا تو بھاگ گیا۔ حضرت عمار نے حضرت عباد بن بشر کے جسم سے خون نکلتے دیکھا تو بولے:

"سبحان اللہ! جب اس نے آپ کو پہلا تیر مارا، اس وقت آپ نے مجھے کیوں نہیں جگایا۔"

حضرت عباد بن بشر بولے:

"میں اس وقت سورت کہف پڑھ رہا تھا، میرا دل نہ چاہا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے نماز توڑ دوں، لیکن جب اس نے مجھے پھر تیر مارا تو میں نے نماز ختم کر کے آپ کو جگا دیا اور اللہ کی قسم! جس جگہ پہرے کا حکم مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، اگر اس جگہ کے پہرے کے رہ جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں جان دے دیتا اور سورت درمیان میں نہ چھوڑتا۔"

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی مجھ پر چڑھائی کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کر رہا ہے، اس وقت وہ عرفہ کے مقام پر ہے۔ تم جا کر اسے قتل کر دو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر حضرت عبداللہ بن انیس نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اس کا حلیہ بتا دیں، تا کہ میں اسے پہچان لوں۔"

آپ نے فرمایا:

"جب تم اسے دیکھو گے تو تمھیں اپنے جسم میں کپکپی محسوس ہو گی۔"

اب حضرت عبداللہ بن انیس نے تلوار گردن میں لٹکائی اور چل پڑے۔ وہ اس وقت اپنی بیویوں کے ساتھ مقام عرفہ میں تھا۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا جب حضرت عبداللہ وہاں پہنچے اور جونہی انھوں نے خالد بن سفیان کو دیکھا تو کپکپی محسوس کی۔ اس کی طرف بڑھنے سے پہلے حضرت عبداللہ نے سوچا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے قتل کرنے کی کوشش میں کچھ دیر ہو جائے اور عصر کی نماز کا وقت نکل جائے، چنانچہ انھوں نے نماز شروع کر دی۔ پھر جب یہ اس کے پاس پہنچے تو وہ بولا:

"تم کون ہو؟"

حضرت عبداللہ بولے:

"میں عرب کا ایک آدمی ہوں۔ میں نے سنا ہے تم اس آدمی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) پر چڑھائی کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کر رہے ہو، میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

یہ سن کر وہ بولا:

"ہاں ہاں! میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔"

یہ اسے باتوں میں لگاتے رہے اور آخر موقع پا کر اس پر تلوار کا وار کیا۔ کچھ دور جا کر انھوں نے مڑ کر دیکھا تو اس کی عورتیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن انیس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"یہ چہرہ کامیاب ہو گیا۔"

انھوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! میں اسے قتل کر آیا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن انیس کو اپنے گھر لے گئے۔ آپ نے انھیں ایک لاٹھی دی اور فرمایا:

"اس لاٹھی کو اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔"

حضرت عبداللہ لاٹھی لیے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا:

"یہ لاٹھی کیسی ہے؟"

انھوں نے بتایا:

"یہ لاٹھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے سنبھال کر رکھوں۔"

اس پر لوگوں نے کہا:

"تم واپس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ آپ نے یہ لاٹھی کیوں دی ہے۔"

ان لوگوں کے ایسا کہنے پر حضرت عبداللہ واپس گئے اور آپ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے یہ لاٹھی کیوں دی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ قیامت کے دن میرے اور تمہارے درمیان نشانی ہو گی، کیونکہ اس وقت لاٹھی والے بہت کم لوگ ہوں گے۔"

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس لاٹھی کو اپنی تلوار کے ساتھ باندھ لیا اور وہ لاٹھی زندگی بھر پھر ان کے ساتھ رہی جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انھوں نے وصیت کی۔

"یہ لاٹھی ان کے کفن میں رکھ دی جائے۔"

چنانچہ اس لاٹھی کو ان کے کفن میں رکھ دیا گیا اور آپ کو اس لاٹھی سمیت دفن کیا گیا۔ (حیاۃ الصحابہ)

(جاری ہے)

15

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ

قدم بہ قدم

ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا:

"کیا تم کسی ایسے شخص کے بارے میں جانتے ہو جس نے کوئی نماز نہیں پڑھی، لیکن وہ جنت میں جائے گا۔"

لوگوں نے کہا:

"ہمیں تو ایسے کسی شخص کے بارے میں معلوم نہیں۔"

اب انھوں نے فرمایا:

"وہ بنو عبدالاشہل کے اصیرم رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام عمرو بن ثابت ہے۔"

حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے حضرت محمود بن لبید سے پوچھا:

"یہ حضرت اصیرم رضی اللہ عنہ کا کیا قصہ ہے۔"

انھوں نے بتایا:

"ان کی قوم انھیں اسلام کی دعوت دیا کرتی تھی، لیکن وہ ہمیشہ انکار کر دیتے تھے۔ جنگِ احد کے دن یک دم ان کے دل میں اسلام لانے کا خیال پیدا ہوا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اپنی تلوار اٹھائی اور میدانِ جہاد کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر میدانِ جنگ کے ایک کنارے سے مجمعے میں داخل ہو گئے اور لڑائی شروع کر دی، یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ لڑائی کے بعد قبیلہ بنو عبدالاشہل کے لوگ میدانِ جنگ میں شہید ہونے والے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگے۔ ایسے میں ان کی نظر حضرت اصیرم پر پڑی۔ وہ پکار اٹھے:

"اللہ کی قسم! یہ تو اصیرم ہیں، یہ یہاں کیسے آ گئے۔ ہم لوگ تو انھیں مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آئے تھے اور یہ تو ہمیشہ اسلام قبول کرنے سے انکار کیا کرتے تھے۔ آخر ان حضرات نے حضرت اصیرم سے پوچھا:

"اے عمرو! آپ یہاں کیسے آ گئے۔ اپنی قوم کی ہمدردی میں آئے ہیں یا اسلام کے شوق میں۔"

انھوں نے جواب دیا:

"نہیں! اسلام کے شوق میں آیا ہوں۔ پہلے میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر میں نے اپنی تلوار لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ یہاں پہنچ کر میں نے لڑنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ میں اس حد تک زخمی ہو گیا۔"

ابھی وہ یہاں تک ہی کہہ پائے تھے کہ ان کا ان حضرات کے ہاتھوں میں انتقال ہو گیا۔ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے بارے میں بتایا۔ ان کے بارے میں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ جنت والوں میں سے ہیں۔" (انھیں اسلام لانے کے بعد ایک نماز بھی پڑھنے کا موقع نہ ملا)

O

ایک دیہاتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ اس نے آپ کی پوری طرح پیروی کی، کہنے لگا:

"میں بھی ہجرت کر کے آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

غزوہ خیبر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ غنیمت ملا تو آپ نے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں تقسیم فرمایا۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا، کیونکہ وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے جانور چرانے گیا ہوا تھا۔ وہ واپس آیا تو ساتھیوں نے اس کا حصہ اسے دیا۔ اس نے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

ساتھیوں نے بتایا:

"یہ تمہارا حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔"

اس پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا:

"میں نے آپ کی پیروی اس مال کے لیے تو نہیں کی تھی۔ میں نے تو آپ کی پیروی اس لیے کی تھی کہ میرے گلے پر یہاں تیر لگے اور میں شہید ہو جاؤں، تاکہ جنت میں چلا جاؤں۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر تمہاری نیت سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا فرما دیں گے۔"

اس کے بعد صحابہ دشمن سے لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیہاتی بھی لڑائی میں شریک ہوئے اور زخمی ہو گئے۔ انھیں اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ ان کے گلے پر تیر بالکل اسی جگہ لگا تھا جہاں اس نے انگلی رکھ کر اشارہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"یہ وہی ہے۔"

صحابہ نے عرض کیا:

"جی ہاں! وہی ہے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس کی نیت سچی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے جبے میں اسے کفن دیا۔ جنازہ آگے رکھ کر نماز پڑھائی۔ دیر تک اس کے لیے دعا کرتے رہے۔ اس کے لیے آپ کی دعا کے یہ الفاظ تھے:

"اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستے میں ہجرت کر کے نکلا تھا اور اب یہ شہید ہو گیا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔"

O

ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے اللہ کے رسول! میں کالے رنگ کا آدمی

ہوں، میرا چہرہ بدصورت ہے اور میرے پاس مال بھی نہیں، اگر میں ان کفار سے لڑتے ہوئے مر جاؤں تو کیا میں جنت میں داخل ہوں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں!''

یہ سن کر وہ آگے بڑھا اور کافروں سے جنگ شروع کر دی، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا:

''اب تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا چہرہ خوب صورت بنا دیا ہے اور تمھیں خوشبودار بنا دیا ہے اور تمہارا مال زیادہ کر دیا ہے اور میں نے حوروں میں سے تمہاری دو بیویاں دیکھی ہیں جو تمہارے جسم اور لباس کے درمیان داخل ہونے کے لیے جھگڑ رہی ہیں۔''

○

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے مشرکین سے جو لڑائی لڑی، میں اس میں شریک نہیں ہو سکا۔ اب آیندہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے لڑنے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں۔''

اس کے بعد یہ احد کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ اس روز جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو حضرت انس بن نضر نے کہا:

''اے اللہ! صحابہ کرام سے جو کوتاہی ہو گئی، میں تجھ سے اس کی معذرت چاہتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا، میں اس سے بری ہوں۔''

یہ کہہ کر مشرکین پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آتے ہوئے ملے۔ انھوں نے کہا:

''اے سعد! اللہ کی قسم! احد پہاڑ کے پیچھے سے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔''

حضرت سعد بھی ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے لگے۔ حضرت انس بن نضر اس بہادری سے لڑے کہ حضرت سعد بن معاذ بھی اتنی بہادری سے نہ لڑ سکے۔ جنگ کے بعد انھیں دیکھا گیا، ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ وہ شہید ہو چکے تھے، ان کے ناک کان وغیرہ بھی کاٹ دیے گئے تھے۔ اس وجہ سے کوئی انھیں پہچان نہ سکا۔ صرف ان کی بہن نے انھیں ان کے ہاتھ کے پوروں سے پہچانا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعے پر یہ آیت نازل کی:

''ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ (جنھوں نے) سچ کر دکھایا جس بات کا (انھوں نے) عہد کیا تھا۔'' (بخاری، مسلم)

○

حضرت انس بن مالک اور ان کے بھائی رضی اللہ عنہما عراق میں حریق کے مقام پر دشمن کے ایک قلعے کے پاس تھے۔ دشمن قلعے کی دیواروں سے گرم زنجیروں میں آنکڑے باندھ کر پھینک رہے تھے۔ مسلمانوں میں سے جو آدمی اس آنکڑے میں پھنس جاتا، وہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتے، چنانچہ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ انھیں آنکڑے میں پھنسا لیا۔ یہ دیکھ کر ان کے بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور دیوار کی طرف دیکھتے رہے۔ جونہی انھیں موقع ملا، انھوں نے ہاتھ سے اس گرم زنجیر کو پکڑ لیا۔ وہ اس گرم زنجیر کو اس وقت تک پکڑے رہے، جب تک کہ اس آنکڑے والی رسی کو کاٹ نہ دیا۔ بعد میں انھوں نے اپنے ہاتھ کو دیکھا تو ہاتھ کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں اور گوشت جل گیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت انس کو بچا لیا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' دونوں میں سے ایک جائے۔''

ان دونوں میں سے واپس آنے پر کوئی تیار نہیں تھا، چنانچہ حضرت خثیمہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سعد سے کہا:

''اب ہم دونوں میں سے ایک کا رکنا تو ضروری ہو گیا، لہٰذا تم اپنی عورتوں کے پاس ٹھہر جاؤ۔''

یہ سن کر حضرت سعد نے کہا:

''اگر جنت کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی تو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے میں) آپ کو اپنے آپ سے آگے رکھتا، میں اپنے اس سفر میں شہادت کی امید لگائے ہوئے ہوں۔''

آخر قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا، اس میں حضرت سعد کا نام نکلا، چنانچہ حضرت سعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر گئے۔ عمرو بن عبدود نے انھیں شہید کیا۔ (جاری ہے)

ابھی سوال کیا جائے گا

(محمد حنیف ۔ ...)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ پس وہ بیٹھتا ہے اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے، مجھے چھوڑ دو، میں نماز پڑھ لوں۔ (ابن ماجہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو، اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ یقیناً اس سے ابھی سوال کیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

527-A

جنگ بدر کے دن عتبہ نے مسلمانوں کو اپنے مقابلے کے لیے للکارا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے نکلے۔ ولید بن عتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے آگے آیا۔ یہ دونوں نوجوان بالکل برابر کے جوڑ والے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر کے زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد کافروں میں سے شیبہ بن ربیعہ باہر نکلا۔ اس کے مقابلے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آئے، یہ دونوں بھی برابر کا جوڑ تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی شیبہ کو قتل کر کے زمین دکھا دی۔ پھر کافروں کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ کھڑا ہوا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نکلے۔ وہ دونوں دو ستونوں کی طرح تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کیے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بایاں کندھا کٹ گیا۔ ساتھ ہی عتبہ نے قریب آ کر حضرت عبیدہ کی ٹانگ پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں عتبہ پر جھپٹے اور اس کا کام تمام کر دیا اور وہ دونوں حضرت عبیدہ کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ چھپر کے نیچے تشریف فرما تھے۔ آپ نے انھیں لٹایا اور ان کا سر اپنی ٹانگ پر رکھا اور ان کے چہرے سے غبار صاف کرنے لگے۔ اس حالت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر ابو طالب مجھے اس حال میں دیکھ لیتے تو وہ یقین کر لیتے کہ میں ان کے اس شعر کا زیادہ حق دار ہوں جو انھوں نے آپ کی حمایت میں کہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا:

''ہم اپنے بیوی بچوں سے غافل ہو کر ان کی حفاظت میں آخر دم تک لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہم زخمی ہو کر ان کے اردگرد زمین پر پڑے ہوئے ہوں گے۔''

قدم بہ قدم

ساتھ ہی انھوں نے پوچھا:

''کیا میں شہید نہیں ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک تم شہید ہو اور میں اس بات میں تمہارا گواہ ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وادی صفرا میں دفن فرمایا۔ آپ خود ان کی قبر میں اترے۔ اس سے پہلے آپ کبھی کسی کی قبر میں نہیں اترے تھے۔

O

غزوہ احد کے دن حضرت ثابت بن دحدحہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے۔ اس وقت مسلمان الگ الگ ٹولیوں میں حیران اور پریشان بیٹھے تھے (یعنی شکست کے بعد) انھوں نے بلند آواز سے کہا:

''اے انصار کی جماعت! میرے پاس آؤ۔ میں ثابت بن دحدحہ ہوں۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو (کیا بات ہے) اللہ تعالیٰ تو زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو موت نہیں آ سکتی۔ تم اپنا دین بچانے کے لیے لڑو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں غالب فرمائیں گے اور تمہاری مدد کریں گے۔''

اس پر کچھ انصار اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انھیں ساتھ لے کر انھوں نے کافروں پر حملہ کیا۔ ادھر کافروں کا ایک مضبوط دستہ ان کے مقابلے میں آ گیا۔ اس دستے میں کافروں کے سردار خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب تھے۔ کافروں کے اس دستے کی ان مسلمانوں سے زبردست جنگ ہوئی۔ خالد بن ولید نے حضرت ثابت بن دحدحہ پر حملہ کیا اور انھیں اس زور سے نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا۔ چنانچہ وہ شہید ہو کر گر گئے۔ ان کے ساتھ جتنے انصار تھے، وہ سب بھی شہید ہو گئے۔

اس روز یہی لوگ غزوہ احد میں سب سے آخر میں شہید ہوئے۔

O

احد ہی کے دن ایک مہاجر صحابی ایک انصاری کے پاس سے گزرے۔ وہ انصاری خون میں لت پت تھے۔ اس مہاجر صحابی نے انصاری صحابی سے کہا:

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں (اس روز کافروں کی طرف سے یہ خبر اڑائی گئی تھی)۔''

ان کی بات سن کر انصاری نے کہا:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں تو وہ اللہ کا پیغام پہنچا چکے (یعنی جس کام کے لیے اللہ نے انھیں بھیجا تھا، وہ کام انھوں نے پورا کر دیا) لہٰذا تم اپنا دین بچانے کے لیے کافروں سے جنگ کرو۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔''

ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں۔''

O

احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جاؤ اور جا کر سعد بن ربیع کو تلاش کرو، وہ تمھیں مل جائیں تو انھیں میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پوچھ رہے ہیں کہ تم خود کو کیسا پا رہے ہو۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ مقتولین کے درمیان چکر لگانے لگے۔ آخر حضرت سعد انھیں نظر آگئے۔ یہ ان کے پاس پہنچے تو وہ آخری دموں پر تھے۔ ان کے جسم پر نیزوں، تلواروں اور تیروں کے ستر زخم تھے۔ حضرت زید نے ان سے کہا:

"اے سعد! اللہ کے رسول تمھیں سلام کہتے ہیں اور تم سے پوچھتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔"

انھوں نے جواب میں کہا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کو سلام ہو۔ آپ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں، اے اللہ کے رسول! میرا حال یہ ہے کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا، تم میں ایک بھی جھپکنے والی آنکھ موجود ہو، یعنی تم میں ایک بھی آدمی زندہ ہو اور کافر اللہ کے رسول تک پہنچ گئے تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔"

اتنا کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

O

احد کے دن جب مشرکین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف سات انصاری اور ایک قریشی صحابی تھے۔ آپ نے اس وقت یہ الفاظ فرمائے:

"جو انھیں مجھ سے پیچھے ہٹائے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔"

ایک انصاری صحابی نے آ کر ان کافروں سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر گھیرے میں لیا تو آپ نے پھر فرمایا:

"جو انھیں مجھ سے پیچھے ہٹائے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔"

اس طرح ایک ایک کر کے یہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔

O

احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس ٹھہر نہ سکے۔ ادھر سے ادھر ہو گئے۔ آپ کے ساتھ گیارہ انصاری اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنھم رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑی پر چڑھنے لگے تو پیچھے سے مشرکین آپ تک پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"کیا انھیں روکنے کے لیے کوئی نہیں ہے۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں موجود ہوں۔"

آپ نے ان سے فرمایا:

"تم اپنی جگہ موجود ہو۔"

ایک انصاری صحابی نے ان کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ آپ باقی صحابہ کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پھر وہ انصاری صحابی شہید ہو گئے اور کافر آپ تک پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"کیا ان لوگوں کو روکنے کے لیے کوئی ہے۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔

"اے اللہ کے رسول! میں موجود ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"تم اپنی جگہ پر رہو۔"

اس پر ایک انصاری بولے:

"اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔"

یہ کہتے ہی ان انصاری نے کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باقی صحابہ کو لے کر پہاڑ کے اور اوپر چڑھ گئے۔ پھر وہ انصاری شہید ہو گئے اور کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ آپ نے پھر فرمایا:

"کیا انھیں روکنے کے لیے کوئی مرد نہیں ہے۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا:

"حضور! میں ہوں۔"

آپ نے انھیں پھر وہی جواب دیا، یعنی تم اپنی جگہ پر رہو۔ اس پر پھر ایک انصاری نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ آپ باقی صحابہ کو ساتھ لے کر اور اوپر چڑھنے لگے۔ اتنے میں یہ انصاری بھی شہید ہو گئے اور دشمن پھر آپ کے نزدیک پہنچ گئے۔ آپ نے پھر وہی الفاظ فرمائے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پھر وہی جواب دیا، لیکن آپ نے انھیں پھر روک دیا اور پھر کسی انصاری نے اجازت چاہی۔ آپ نے پھر اجازت دے دی، یہ انصاری بھی بہت جواں مردی سے لڑے، یہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ موجود تمام انصاری صحابہ شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ اب مشرکین نے آپ دونوں کو گھیر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان سے مقابلہ کرنے کے لیے کون تیار ہے۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا:

"اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔"

اب آپ نے انھیں اجازت دے دی، چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ شروع کی اور اس قدر زور دار انداز میں لڑے کہ اس سے پہلے ان کا کوئی ساتھی جنگ نہیں کر سکا تھا۔ لڑتے لڑتے ان کے ہاتھوں کے پورے تک زخمی ہو گئے۔ انھوں نے منہ سے ہائے کی آواز نکالی۔ ان کے منہ سے ہائے نکلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم ہائے کی بجائے بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمھیں اوپر اٹھا لیتے اور تمھیں لے کر آسمان میں داخل ہو جاتے اور لوگ تمھیں دیکھ رہے ہوتے۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑی پر چڑھ کر اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم کے پاس پہنچ گئے جو وہاں جمع تھے۔

(البدایہ) (جاری ہے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قریش کے حالات معلوم کرنے کے لیے مکے کی طرف بھیجا۔ یہ تعداد میں دس تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن طارق تھا اور خبیب بن عدی رضی اللہ عنھما بھی تھے اور ان حضرات میں زید بن دثنہ بھی تھے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور رجیع کے مقام پر پہنچ گئے۔

رجیع ایک چشمے کا نام تھا۔ یہاں قبیلہ ہذیل آباد تھا۔ ان حضرات کو سفیان اور اس کی قوم نے دیکھ لیا۔ ان لوگوں کا تعلق قبیلہ بنی لحیان سے تھا۔ سفیان اور اس کے ساتھیوں کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔ یہ سب لوگ ماہر تیر انداز تھے اور تیر وکمان سے لیس تھے۔ ان لوگوں نے ان صحابہ کرام کا تعاقب شروع کر دیا۔ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ راستے میں ایک جگہ ان حضرات نے پڑاؤ کیا۔ جب یہ حضرات اس جگہ سے آگے چلے گئے تو سفیان کے ساتھیوں نے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ ان میں ایک عورت بھی تھی۔ وہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس عورت نے اس مقام پر کھجور کی گٹھلیاں پڑی دیکھیں تو پہچان گئی کہ یہ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں ہیں۔ اس نے بلند آواز میں چیخ کر اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا:

"بس تم سمجھ لو کہ اپنے شکار کے قریب پہنچ گئے ہو۔"

یہ سن کر سب لوگوں نے تیزی سے ان نشانات کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ رجیع کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہیں صحابہ موجود تھے۔ جب صحابہ کرام نے دیکھا کہ دشمن سر پر آ پہنچا تو وہ سب ایک قریبی پہاڑی پر پہنچ گئے۔ سفیان اور اس کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پکار کر بولے:

"تم لوگ نیچے اتر آؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔"

اس پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کسی کافر کی امان پر ہرگز نیچے نہیں اتروں گا۔"

ان کا جواب سن کر سفیان اور اس کے ساتھیوں نے صحابہ کرام کی طرف تیروں کی بارش شروع کر دی۔ ان حضرات نے بھی جواب میں تیر اندازی شروع کر دی۔ کافی دیر تک تیروں سے مقابلہ جاری رہا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آخری دم تک ڈٹے رہے۔ تیر اندازی کے دوران وہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں:

موت برحق ہے اور زندگی باطل
آدمی کے لیے جو لکھا ہے، وہ ہو کر رہے گا
بلکہ آدمی خود ان مصیبتوں کی طرف بڑھتا ہے
اور ان میں مبتلا ہو کر رہتا ہے

حضرت عاصم اشعار پڑھتے رہے اور کافروں پر برابر تیر چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ تیر ختم ہونے کے بعد انھوں نے اپنا نیزہ سنبھال لیا اور اس سے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت تک نیزے سے جنگ کرتے رہے جب تک کہ وہ ٹوٹ نہیں گیا۔ نیزہ ٹوٹنے پر انھوں نے تلوار سنبھال لی۔ تلوار سے جنگ شروع کرتے وقت انھوں نے یہ دعا کی:

"اے اللہ! میں نے روز روشن میں تیرے دین کی حمایت کی پس تو آخر دن تک میرے جسم کی حمایت اور حفاظت فرما۔"

ان کا مطلب تھا، میرے شہید ہونے کے بعد یہ لوگ میری لاش کی بے حرمتی نہ کرنے پائیں۔ آخر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھ چھ اور ساتھی شہید ہو گئے۔ اب صرف تین باقی رہ گئے۔ دشمنوں میں سے بھی کئی اس وقت تک ہلاک ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے پکار کر کہا:

"ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں۔ نیچے اتر آؤ۔ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔"

قدم بہ قدم

اس پر تینوں نیچے اتر آئے۔ یہ حضرت خبیب، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن طارق تھے۔ جونہی یہ نیچے اترے، کافروں نے انھیں باندھنا شروع کر دیا۔ حضرت زید اور حضرت خبیب جب رسیوں سے باندھ لیے گئے اور دشمن حضرت عبداللہ بن طارق کو باندھنے لگے تو وہ پکار اٹھے:

"یہ تمہاری پہلی غداری ہے کہ تم نے اللہ کے نام پر کیا ہوا وعدہ توڑ دیا۔"

"یعنی امان دے کر تم ہمیں رسیوں سے باندھ رہے ہو، ان حالات میں میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے اپنے ہاتھ ان سے چھڑا لیے اور تلوار سنبھال کر پھر ان سے جنگ شروع کر دی اور تلوار چلاتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پر جا کھڑے ہوئے۔ اب مشرکین نے ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دی اور آخر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

اس کے بعد مشرکین حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب یہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو ذی قعدہ کا مہینا شروع ہو چکا تھا۔ مکہ میں قبیلہ بنی ہذیل کے دو آدمی قید تھے، ان لوگوں نے حضرت خبیب اور حضرت زید کو مکہ والوں کے حوالے کر کے بدلے میں اپنے وہ دو قیدی چھڑا لیے۔ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے ان

528 B

دونوں حضرات کے بدلے میں مکہ والوں سے پچاس پچاس اونٹ طلب کیے اور اتنے اونٹ لے کر ان دونوں کو مکہ والوں کے حوالے کیا۔

غزوہ بدر میں حضرت خبیب نے حرث نامی شخص کو قتل کیا تھا، لہٰذا حرث کے قبیلے والوں نے انھیں خرید لیا، تاکہ حرث کے بدلے میں اب انھیں قتل کر سکیں۔

رہ گئے حضرت زید، انھیں صفوان بن امیہ نے خرید لیا۔ یہ صفوان بن امیہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ انھوں نے حضرت زید کو اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے خریدا تھا۔ ان کا باپ امیہ غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔

ان دونوں کو قید کر دیا گیا۔ وہ مہینے حرمت کے تھے ذی قعدہ اور اس کے بعد کے دو مہینے بھی حرمت کے تھے۔ ان مہینوں میں مکہ معظمہ میں کسی کو قتل نہیں کیا جاتا تھا، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ یہ تین مہینے گزر جانے کے بعد انھیں قتل کیا جائے گا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ قید میں تھے۔ انھیں استرے کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے اپنے قید کرنے والوں سے اپنی ضرورت بیان کی تو انھیں استرا دے دیا گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک عورت کا چھوٹا بچہ کھیلتا ہوا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ اس عورت کا دھیان اس وقت دوسری طرف تھا۔ حضرت خبیب چونکہ ان کے دشمن تھے اور قتل کے انتظار میں قید تھے، اس لیے وہ لوگ ان سے دور رہتے تھے، نزدیک آنے کی کوشش نہیں کرتے تھے، خاص طور پر بچوں کو نزدیک نہیں آنے دیتے تھے، کیونکہ ایسی صورت میں حضرت خبیب اپنی رہائی کے لیے کسی کو یرغمال بنا سکتے تھے، یعنی یہ کہہ سکتے تھے۔ مجھے رہا کر دو، ورنہ میں قابو میں آئے ہوئے شخص کو قتل کر دوں گا۔

عورت نے اپنے بچے کو دیکھنے کے لیے مڑی تو یہ دیکھ کر گھبرا گئی کہ اس کا بچہ ان کے دشمن کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ بری طرح گھبرا گئی۔ مارے خوف اور دہشت کے اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے اس حد تک خوف زدہ دیکھ کر حضرت خبیب سمجھ گئے کہ عورت کیوں خوف زدہ ہے۔ وہ ڈر رہی ہے کہ وہ اس کے بچے کو قتل کر دیں گے۔ یہ بات محسوس کرتے ہی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

"کیا تمھیں یہ ڈر ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا۔ میں ان شاء اللہ ایسا نہیں کروں گا۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے اس بچے کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

"کیا اللہ تعالیٰ نے اس وقت بچے کے ذریعے مجھے تم لوگوں پر قابو نہیں دے دیا۔" یعنی چاہوں تو اس بچے کو قتل کرنے کی دھمکی دے کر خود کو تمھارے ہاتھوں سے رہا کرا سکتا ہوں۔

یہ سن کر بچے کی ماں نے کہا:

"مجھے تمھارے بارے میں ایسی بدگمانی نہیں۔"

آپ نے بچے کو اس کی والدہ کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عورت بعد میں کہا کرتی تھی:

"خدا کی قسم! خبیب سے بہتر قیدی میں نے نہیں دیکھا۔"

یہ عورت کہتی ہے:

ایک روز میں نے دروازے کی جھری میں سے اس قیدی کو دیکھا۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ ہے اور وہ انگور کھا رہا ہے۔ انگور کا وہ خوشہ آدمی کے سر جتنا بڑا تھا۔

وہ حیران تھی کہ ان کے پاس قید کی کوٹھری میں انگور کہاں سے آئے جب کہ وہ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اس وقت مکے میں انگور کہیں بھی نہیں تھے۔ ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ انھیں کھلا پلا رہا تھا۔

آخر محرم کا مہینا ختم ہو گیا۔ اب قریش کے لوگ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو ان کے قید خانے سے نکال کر باہر لائے۔ انھیں حرم کی حدود سے باہر لایا گیا، کیونکہ حرم کی حدود میں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب یہ لوگ قتل گاہ پہنچ گئے اور انھیں قتل کرنے لگے تو انھوں نے فرمایا:

"تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نفل پڑھ لوں۔"

ان لوگوں نے انھیں اتنی مہلت دے دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت جلدی جلدی ادا کیں اور سلام پھیر کر اپنے قاتلوں سے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم سوچو گے، میں موت کے ڈر سے نماز لمبی پڑھ رہا ہوں تو میں ان دو رکعت کو بہت آرام سے پڑھتا۔"

اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ان کی تعداد کو ختم فرما دے اور انھیں چن چن کر اور منتشر کر کے مار اور ان میں سے کسی کو باقی مت چھوڑنا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی یہ دعا قبول فرمائی، کچھ ہی عرصہ بعد غزوہ خندق میں مشرکین اسی طرح فنا کے گھاٹ اترے کہ منتشر اور تتر بتر ہو کر قتل ہوئے۔

قریش کے لوگ جب حضرت خبیب کو ساتھ لے کر چلے تھے تو عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہو لیے تھے۔ حضرت خبیب کو سولی دینے کے لیے تنعیم کے مقام پر ایک لکڑی گاڑی گئی۔ حضرت خبیب نماز پڑھ چکے تو انھوں نے انھیں اس لکڑی کے ساتھ جکڑ دیا۔ اس وقت قریش نے کہا:

"اگر تم اب بھی اسلام چھوڑ دو تو ہم تمھیں رہا کر دیں گے، لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو تمھیں ضرور قتل کریں گے۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

18

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"اللہ کے راستے میں میری ایک جان کی کوئی قیمت نہیں بلکہ میرا قتل تو ایک معمولی بات ہے۔"

پھر آپ نے دعا کی:

"اے اللہ! یہاں کوئی ایسا نہیں جو اس وقت تیرے رسول تک میرا سلام پہنچا دے... اس لیے اے اللہ تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا سلام پہنچا دے... اور آپ کو بتا دے کہ یہاں ہمارے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی...

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے (اور یہ وہی دن تھا جب سیکڑوں میل دور مکے میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی جا رہی تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھجوا رہے تھے) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی نازل ہونے پر طاری ہوتی تھی۔ یکایک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

"اس پر بھی سلام و سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

اس کے بعد آپ پر سے وحی کے آثار ختم ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"یہ جبرئیل مجھے خبیب کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا ہے۔"

قریش نے ایسے چالیس آدمیوں کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت بلایا تھا جن کے باپ دادا غزوہ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ پھر قریش کے ان لوگوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک نیزہ دے کر کہا تھا:

"یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے باپ دادا کو قتل کیا تھا۔"

یہ سنتے ہی ان چالیس کے چالیس افراد نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر ایک ساتھ وار کیے، یہاں تک کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ پھر قریش نے ان چالیس آدمیوں کو سولی کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تاکہ کوئی شخص ان کی لاش کو سولی سے اتار کر نہ لے جائے۔

ادھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنھما کو حضرت خبیب کی لاش لانے کے لیے روانہ فرمایا، بلکہ آپ نے پہلے یہ اعلان فرمایا تھا:

تم میں سے کون ہے جو خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتار کر لے آئے اور جنت کا حق دار بن جائے۔

اس پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

قدم بہ قدم

"اے اللہ کے رسول! میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود یہ مہم سر انجام دیں گے۔"

چنانچہ انھی دونوں کو اس کام کے لیے بھیجا گیا۔ جب یہ اس جگہ پہنچے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش سولی سے لٹکی ہوئی تھی تو انھوں نے دیکھا، وہاں چالیس آدمی سولی کی حفاظت کر رہے ہیں، لیکن وہ سب کے سب اس وقت نشے میں تھے اور ان پر نیند طاری تھی۔ لہٰذا ان دونوں حضرات نے نہایت آسانی سے لاش سولی پر سے اتار لی:

اس طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش چالیس دن تک سولی پر لٹکی رہی۔ چالیس دن بعد اتاری گئی۔ (غور طلب بات ہے، چالیس دن تک حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش تر و تازہ رہی، اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، نہ بو پیدا ہوئی۔ لاش بالکل تر و تازہ تھی۔ نرم ملائم تھی)

جب یہ دونوں حضرات لاش کو لے کر جا رہے تھے تو مشرکین نے انھیں دیکھ لیا۔ اس وقت مشرکین کی تعداد ساٹھ تھی۔ انھوں نے ان دونوں کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ آخر ایک جگہ ان دونوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین کے حوالے کر دیا۔ اس وقت زمین نے لاش کو نگل لیا۔ اس طرح اللہ رب العزت نے ان کی لاش کو بے حرمتی سے بچا لیا۔

اس کے ساتھ ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سر اور چہرے پر سے اپنا عمامہ کھول دیا۔ انھوں نے تعاقب کرنے والوں کی طرف اپنا رخ کیا اور فرمایا:

"دیکھو! میں زبیر بن عوام ہوں اور یہ میرے ساتھی مقداد بن اسود ہیں۔ ہم دونوں شیر ببر ہیں۔ اگر تم چاہو تو تیروں سے تمہارا استقبال کریں اور چاہو تو تم پرے پڑیں اور چاہو تو یہیں سے لوٹ جاؤ۔"

مشرکین پر آپ کے ان الفاظ سے رعب چھا گیا اور وہ واپس مڑ گئے۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ میں ان دو آدمیوں پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔"

پھر ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

(سورۂ بقرہ: 207)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اپنے عمل سے یہ سنت امت کے لیے جاری کر گئے کہ جب کسی مسلمان کو اس طرح قتل کیا جانے لگے تو قتل سے پہلے وہ دو رکعت پڑھ لے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسے پسند فرمایا، اس طرح ہر مسلمان کے لیے یہ سنت بن گئی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب قتل کیا جانے لگا تھا تو قریش نے ان سے کہا تھا:

"ہم تم سے پوچھتے ہیں، کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمھیں چھوڑ دیا جائے اور تمہاری جگہ تمہارے نبی کو قتل کر دیا جائے۔"

ان کی اس بات کے جواب میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے تاریخی جملہ فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں تو اتنی بات بھی پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں ہیں، انھیں وہاں ایک کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف ہو اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

آپ کا مطلب تھا، اگر تم یہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھو دیا جائے اور اس تکلیف کے بدلے میں مجھے چھوڑ دیا جائے تو میں اس بات کو بھی پسند نہیں کروں گا۔ اپنی جان دینا ہی پسند کروں گا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان دس حضرات پر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا گیا تھا اور یہ پہلے ہی شہید ہو گئے تھے۔ جب وہ قتل کر دیے گئے تو بنی ہذیل کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ان کا سر کاٹ کر سلاقہ نامی عورت کو بیچ دیا۔

یہ عورت مسافع اور جلاس کی ماں تھی۔ ان کے باپ کا نام طلحہ بن ابو طلحہ بن عبدالدار تھا۔ غزوہ احد میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے دونوں بیٹوں کو قتل کیا تھا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جب ان میں سے ایک کو تیر مارا تھا تو وہ زخمی ہو کر اپنی ماں کے پاس گیا تھا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ اس وقت اس کی ماں نے پوچھا تھا:

"بیٹے تجھے کس نے مارا ہے۔"

"میں نے اس شخص کو کہتے سنا تھا، لے سنبھال! میں ابن افلح ہوں۔"

جب دوسرے بیٹے کو تیر لگا تو وہ بھی زخمی ہو کر اپنی ماں کے پاس آیا تھا۔ اس سے بھی ماں نے یہی پوچھا تھا اور دوسرے نے بھی یہی بتایا تھا۔ اس وقت سلاقہ نے منت مانی تھی کہ عاصم بن ابو افلح میرے ہاتھ لگ گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے اعلان کیا تھا:

"جو شخص عاصم بن ابو افلح کا سر لا کر مجھے دے گا، میں اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔"

اس واقعے میں جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گرے اور انھیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا مانگی۔

"اے اللہ! اگر تیرے یہاں میرا کوئی عمل مقبول ہے تو جس طرح میں نے تیرے دین کی حفاظت کی ہے، اسی طرح تو میرے جسم کی حفاظت فرما۔"

ان الفاظ میں دعا کرنے کا مطلب یہ تھا کہ انھیں سلاقہ کی منت کا پتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی۔ بنی ہذیل کے لوگ جب ان کا سر کاٹنے کے لیے جمع ہوئے تو انھوں نے دیکھا، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کو ہزارہا شہد کی مکھیوں نے گھیر رکھا ہے:

یہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ انھوں نے کئی بار حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، لیکن شہد کی مکھیوں کی وجہ سے وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ جب بھی وہ آگے بڑھتے، شہد کی مکھیاں ان کی طرف لپک پڑتیں اور انھیں بھاگنا پڑتا۔ آخر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:

"کوئی بات نہیں... ہم رات کے وقت آ کر سر کاٹ لیں گے... رات کے وقت تو یہ مکھیاں نہیں ہوں گی..."

شام کے وقت یہ لوگ وہاں پہنچے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کا وہاں نام و نشان تک نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس وادی میں سیلاب کا زبردست ریلا بھیج دیا تھا، وہ ریلا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہا لے گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پوری فرمائی۔ (جاری ہے)

عامر بن مالک مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، البتہ آپ سے یہ درخواست کی:

''اگر آپ اپنے چند صحابہ (رضی اللہ عنھم) کو نجد والوں کے پاس بھیج دیں اور وہ انھیں آپ کے دین کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں گے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''مجھے اپنے صحابہ کرام کے بارے میں نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے۔''

اس پر عامر بن مالک نے جواب دیا:

''میں ان لوگوں کو پناہ دیتا ہوں، آپ انھیں بھیج دیں، تا کہ یہ لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں۔ مجھے امید ہے، لوگ ان کی بات مان لیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات مان لی اور اپنے صحابہ میں سے ستر بہترین مسلمانوں کو اس کے ساتھ روانہ فرمایا۔ آپ نے ان مسلمانوں پر قبیلہ بنوساعدہ کے منذر بن عمرو کو امیر مقرر فرمایا:

ان بہترین مسلمانوں میں حضرت حارث بن صمہ، حضرت حرام بن ملحان، حضرت عروہ بن اسماء، حضرت نافع بن بدیل، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنھم شامل تھے۔

یہ حضرات مدینہ منورہ سے چل کر بیر معونہ پہنچے۔ بیر کنویں کو کہتے ہیں، یعنی اس جگہ کا نام معونہ کا کنواں تھا۔ یہ کنواں بنو عامر کی زمین اور بنو سلیم کے پتھریلے میدان کے درمیان تھی۔ ان حضرات نے جب یہاں پڑاؤ ڈالا تو حضرت حرام بن ملحان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔

حضرت حرام بن ملحان عامر بن طفیل کے پاس پہنچے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے خط کی طرف دیکھا تک نہیں، بلکہ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے ان ستر حضرات کے خلاف قبیلہ بنو عامر سے مدد مانگی۔ قبیلہ بنو عامر نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

انھوں نے کہا:

''ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے، کیونکہ عامر بن مالک انھیں پناہ دے چکا ہے۔ ہم اس کے معاہدے کو توڑنا نہیں چاہتے۔''

ان کی طرف سے انکار سن کر عامر بن طفیل نے قبیلہ عُصَیہ، قبیلہ رِعل اور قبیلہ ذکوان سے ان حضرات کے خلاف مدد مانگی۔ انھوں نے اس کی بات مان لی، چنانچہ یہ تمام قبائل اکٹھے ہو کر آئے اور جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا، وہاں آ کر سب طرف سے اس جگہ کو گھیر لیا۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ کافروں نے انھیں گھیر لیا ہے تو انھوں نے تلواریں نکال لیں۔ انھوں نے نہایت جواں مردی سے ان کا مقابلہ شروع کر دیا، لیکن وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور یہ صرف ستر، جنگ جاری رہی یہاں تک کہ ایک ایک کر کے تمام صحابہ شہید ہو گئے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے، البتہ ان حضرات میں سے حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ ہی زندہ بچے۔ وہ بھی زخمی تھے، لیکن ان میں کچھ جان باقی تھی۔ کافر انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ انھیں وہاں سے اٹھا کر لایا گیا۔ بعد میں ان کے زخم بھر گئے تھے اور یہ جنگ خندق کے دن تک زندہ رہے، اس جنگ میں ان کی شہادت ہوئی۔

ان ستر حضرات میں سے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی جانوروں کو چرانے گئے ہوئے تھے۔ یہ جانوروں کو چرا رہے تھے۔ انھوں نے مردار خور جانوروں کو آسمان پر منڈلاتے دیکھا اور یہ اس جگہ منڈلا رہے تھے جہاں ان حضرات کا پڑاؤ تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:

''اللہ کی قسم! ان پرندوں کے چکر لگانے کی ضرور کوئی وجہ ہے۔''

دونوں پڑاؤ کی طرف چل پڑے... نزدیک پہنچنے پر انھوں نے دیکھا... ان کے سب ساتھی خون میں لت پت پڑے ہیں... ابھی وہ کافر بھی وہیں موجود تھے جنھوں نے ان حضرات کو شہید کیا تھا... یہ حالت دیکھ کر انصاری صحابی نے حضرت عمرو بن امیہ سے کہا:

''تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرا خیال ہے، ہم جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر کر دیں۔''

یہ سن کر انصاری صحابی نے کہا:

''میں تو جان بچانے کے لیے اس جگہ کو چھوڑ کر

جانا نہیں چاہتا... جہاں حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو شہید کر دیا گیا ہو... میں نہیں چاہتا کہ زندہ رہوں اور لوگوں کو ان کی شہادت کی خبر سناتا رہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے تلوار نکالی اور کافروں پر ٹوٹ پڑے، ان سے زبردست جنگ کی۔ آخر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ کافروں نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو گرفتار کر لیا، لیکن جب انھوں نے بتایا کہ وہ قبیلہ مضر کے ہیں تو عامر بن طفیل نے انھیں چھوڑ دیا۔ عامر بن طفیل کی ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی، اس نے اپنی ماں کی منت کو پوری کرنے کے لیے انھیں رہا کیا۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ جب عامر بن طفیل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دینے کے لیے اس کے سامنے پہنچے اور عامر بن طفیل کے اشارے پر اس کے ایک آدمی نے انھیں نیزہ مارا تو نیزہ ان کے بدن کے آر پار ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:

"رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

ایک روایت کے مطابق جس شخص نے نیزہ مارا، اس کا نام جبار بن سلمی کلابی تھا اور جبار بن سلمی نے اس بات پر حیرت ظاہر کی تھی کہ حضرت حرام بن ملحان کو جب اس نے نیزہ مارا تھا تو انھوں نے کہا تھا، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کس کامیابی کی بات تھی تو اسے بتایا گیا کہ یہ جنت کے ملنے کی کامیابی ہے۔ اس پر جبار بن سلمی نے کہا تھا:

"اللہ کی قسم! حضرت حرام نے سچ فرمایا تھا۔"

اور اسی بنیاد پر جبار بن سلمی مسلمان ہو گئے تھے۔

(البدایہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رعل، ذکوان، بنو لحیان اور عصیہ قبیلوں کے لیے تیس دن تک بد دعا فرمائی، کیونکہ ان لوگوں نے نافرمانی کی تھی۔ انھوں نے اس پناہ کی خلاف ورزی کی تھی جو ان صحابہ کرام کو دی گئی تھی۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الاولیٰ میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ آپ نے اس لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

"اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔"

صحابہ کرام نے فوراً تیاری شروع کر دی۔ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کردہ امیروں کو رخصت کیا اور انھیں الوداعی سلام کیا۔ اس الوداعی سلام پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رو پڑے۔ اس پر لوگوں نے آپ سے پوچھا:

"اے ابن رواحہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

انھوں نے جواب میں فرمایا:

"غور سے سنو! اللہ کی قسم نہ تو میرے دل میں دنیا کی محبت ہے اور نہ تم لوگوں سے تعلق اور لگاؤ بلکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں دوزخ کی آگ کا ذکر ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ اس آگ پر پہنچنے کے بعد واپسی کس طرح ہو گی۔"

یہ سن کر صحابہ کرام نے ان سے کہا:

"اللہ آپ کے ساتھ ہے، وہ تم سے تکالیف اور پریشانیوں کو دور رکھے اور تمھیں صحیح سلامت واپس ہمارے پاس لائے۔"

اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھے:

ترجمہ: "لیکن میں تو رحمٰن سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور تلوار کا ایسا چوڑا وار کرنا چاہتا ہوں جس سے خوب جھاگ دار خون نکلے یا کسی پیاسے دشمن کے ہاتھوں برچھے کا ایسا وار ہو جو میرا کام تمام کر دے اور جو آنتوں اور جگر کے پار ہو جائے، تاکہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو یہ کہیں کہ اللہ اس غازی پر رحمتیں نازل کرے، یہ تو ہدایت والا تھا۔"

پھر جب لوگ روانہ ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو الوداع کہا۔ پھر یہ شعر پڑھے:

"اللہ تعالیٰ نے جتنی خوبیاں آپ کو دے رکھی ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ ایسے باقی رکھے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھا تھا اور آپ کی ایسی مدد کرے، جیسی اللہ نے ان کی کی تھی۔ مجھے آپ میں خیر بڑھتی نظر آتی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میری نظر بالکل ٹھیک ہے۔ آپ رسول ہیں جو آپ کی عنایات اور خاص توجہ سے محروم رہ گیا تو واقعی اس کی تقدیر کھوٹی ہے۔"

پھر سارا لشکر روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی لشکر کو روانہ فرمانے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ جب آپ لشکر کو روانہ کر کے لوٹنے لگے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھا:

"سلام رہے اس ذات پر جنھیں میں نے کھجوروں کے باغ میں رخصت کیا ہے، وہ بہترین رخصت کرنے والے اور بہترین دوست ہیں۔"

اس کے بعد یہ لشکر روانہ ہو گیا اور منزلیں طے کرتا ملک شام کے شہر معان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ ایسے میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ روم کا شہنشاہ ہرقل ایک لاکھ رومی فوج کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے شامی علاقے بلقا کے شہر مآب میں آ چکا ہے، یہی نہیں لخم، جذام، قین، بہرا اور بلی قبیلوں کے ایک لاکھ آدمی جمع ہو کر ہرقل کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ ان کا سردار قبیلہ بلی کا سردار ہے۔ اس کا تعلق قبیلہ اراشہ سے ہے اور اسے مالک بن زافلہ کہا جاتا ہے۔

یہ خبریں ملنے پر مسلمان دو رات معان میں ٹھہرے رہے اور غور کرتے رہے، کیونکہ ان کی تعداد صرف تین ہزار تھی جب کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ کسی ساتھی نے یہ مشورہ دیا:

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اپنے دشمن کی تعداد بتا دیتے ہیں، پھر یا تو آپ ہماری مدد کے لیے مزید فوج بھیجیں گے یا کسی اور مناسب بات کا حکم ہمیں دیں گے جسے ہم بجا لائیں گے۔"

اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے میری قوم! اللہ کی قسم جس شہادت کو تم ناپسند خیال کر رہے ہو، حقیقت میں تم اس کی تلاش میں نکلے ہو، ہم لوگوں سے جنگ تعداد کی بنیاد پر نہیں کرتے، بلکہ ہم تو لوگوں سے جنگ اپنے دین کی بنیاد پر کرتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا فرمائی ہے، لہٰذا چلو، دو کامیابیوں میں سے ایک کامیابی تو ہمیں ضرور ملے گی۔ دشمن پر غلبہ یا اللہ کے راستے میں شہادت۔"

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کہا:

"اللہ کی قسم! عبداللہ بن رواحہ نے بالکل ٹھیک کہا۔"

اب یہ تین ہزار کا لشکر دو لاکھ کفار کے لشکر سے جنگ کے لیے وہاں سے روانہ ہوا۔ (جاری ہے)

سب سے اچھا پیشہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب سے عمدہ پیشہ سوداگروں کا ہے۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بولتے اور ان کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اس وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتے اور جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو اس کی بے حد تعریف نہیں کرتے اور جب کوئی چیز فروخت کرتے ہیں تو اس کی قیمت ادا کرنے میں دیر نہیں لگاتے اور اگر ان کا قرض کسی کے ذمے ہو تو مقروض پر سختی نہیں کرتے۔" (رواہ البیہقی فی الشعب)

محمد عبداللہ ہاشمی۔ بھارہ کہو

اسلامی لشکر بلقا کی سرحد پر پہنچا۔ مشارف نامی بستی میں رومی لشکر موجود تھا۔ مسلمان موتہ نامی بستی میں پہنچے تھے کہ رومی لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کی صف بندی شروع کی۔ انھوں نے لشکر کے میمنہ (دائیں بازو پر) قبیلہ عذرہ کے قطبہ میں قتادہ رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ (بائیں بازو) پر عبایہ بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری صحابی کو امیر مقرر کیا۔

ادھر رومی لشکر کی صفیں ترتیب دی جارہی تھیں۔ آخر صف بندی کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ایک طرف دولاکھ کے قریب رومی تھے اور دوسری طرف صرف تین ہزار صحابہ۔ فوج کے سالار چونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لیے آگے بڑھے اور کفار سے زبردست جنگ کرتے رہے۔ کافروں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس حالت میں بھی ان کے جوش میں کوئی کمی نہ آئی۔ نہایت مردانہ وار جنگ کرتے رہے۔ آخر دشمن کے نیزوں سے ان کا جسم چھلنی ہوگیا اور وہ شہید ہوگئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی جھنڈا لیے برابر لڑتے رہے، یہاں تک کہ کفار کے گھیرے میں آگئے۔ اب انھوں نے یہ کیا کہ اپنے سرخ گھوڑے سے کود پڑے۔ اپنی تلوار سے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں خود کاٹ دیں کہ فرار ہونے کا خیال بھی پاس نہ پھٹک سکے، پھر پیدل جنگ شروع کی اور بے جگری سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب وہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے حالتِ جنگ میں اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹیں۔ جھنڈا حضرت جعفر کے دائیں ہاتھ میں تھا اور بائیں ہاتھ سے آپ تلوار چلا رہے تھے۔ ایک کافر کی تلوار آپ کے بازو پر لگی، آپ کا بازو کٹ گیا، انھوں نے جھنڈا فوراً بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا، وہ بازو بھی کاٹ دیا گیا تو آپ نے جھنڈا سینے سے چمٹا لیا، یعنی اس حالت میں بھی جھنڈے کو گرنے نہیں دیا اور اسی حالت میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، رضی اللہ عنہ۔ اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں انھیں دو بازو عطا فرمائے جن سے وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں، اڑتے پھرتے ہیں۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا، وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے، اسی حالت میں جھنڈا لہراتے آگے بڑھے، ایسے میں ان کے ایک چچا زاد بھائی نے ایک گوشت لگی ہڈی ان کی طرف بڑھائی اور کہنے لگے:

"یہ کھا کر ذرا کمر مضبوط کرلو۔ سفر میں جو حال ہوگیا ہے، وہ ظاہر ہے۔" حضرت عبداللہ نے وہ ہڈی لے لی اور کچھ گوشت دانتوں سے کاٹا۔ ایسے میں انھوں نے دشمنوں کے ہجوم کی آوازیں سنیں۔ ان کی آوازوں کو سن کر بولے:

"ابھی تو دنیا ہی میں لگا ہے۔"

یہ کہہ کر ہڈی پھینک دی اور تلوار سنبھال کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ زبردست جنگ کی اور آخر شہید ہوگئے۔ ان کے شہید ہوتے ہی حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لے لیا اور پکارے:

"اے مسلمانوں کی جماعت! بہتر ہوگا کہ تم اپنے میں سے کسی کو سالار مقرر کرلو۔"

ان کی بات کے جواب میں صحابہ نے کہا:

"ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں۔"

انھوں نے فوراً کہا:

"نہیں! میں یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔"

اس پر سب نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو منتخب کرلیا۔ سب کا آپ کی سالاری پر اتفاق ہوگیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جھنڈا سنبھالتے ہی مسلم فوج کو دشمن سے بچاتے ہوئے انھیں ایک طرف جمع کرنے لگے اور یہ ان کا بہت ہی اہم قدم تھا۔ جب ساری فوج سمٹ کر ایک طرف ہوگئی، تب انھوں نے زبردست حملہ کیا اور رومیوں کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ اس طرح مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

اسلامی لشکر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ بچوں کا ہجوم تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر آگے آگے چل رہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا:

قدم بہ قدم

"بچوں کو بھی سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کا بیٹا مجھے دے دو۔"

حضرت جعفر کے بیٹے کو لایا گیا۔ آپ نے انھیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

○

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کے لیے آسمان کھولا گیا۔ وہ اس کے اندر داخل ہوگئے۔ پھر آسمان بند کردیا گیا۔ اپنا یہ خواب انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انھوں نے فرمایا:

"تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے جنگ یمامہ کے دن دیکھا کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے انصار سے کہہ رہے ہیں کہ اپنی تلواروں کو تیز کرلو، اب اتنی زوردار لڑائی کرنی ہے کہ جس سے تلواریں ٹوٹ جائیں گی۔ دوسرے لوگوں سے الگ ہوجاؤ۔ ہم انصار کو اوروں سے الگ کردو تاکہ دوسرے لوگ بھی ہماری بہادری اور جان دینے کے جذبے کو دیکھ کر ہمت کریں۔"

اس پر انصار کے چار سو آدمی ایک طرف الگ ہو کر جمع ہوگئے۔ ان میں انصار کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔ حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ ان چار سو کے آگے آگے چل رہے تھے۔ آگے بڑھتے بڑھتے یہ اس باغ تک پہنچ گئے جس میں مسیلمہ کذاب اپنا لشکر لے آیا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یمامہ کی جنگ نبوت کے اس جھوٹے دعوے دار کے خلاف لڑی گئی تھی۔ جنگ اس باغ سے باہر لڑی گئی تھی۔ مسیلمہ شکست کھا کر بھاگا۔ اس کے لشکر کی پشت پر یہ بڑا باغ تھا اور باغ کے گرد اونچی چاردیواری تھی۔ ان حالات میں مسیلمہ

نے اس جگہ کو اپنے لیے ایک محفوظ قلعہ خیال کیا اور اپنے لشکر سمیت اس میں گھس گیا۔ جب اس کی پوری فوج باغ میں داخل ہو گئی تو باغ کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ اس کے بعد یہ انصاری حضرات وہاں پہنچے تھے اور ان کے پیچھے باقی اسلامی لشکر تھا۔

اسلامی لشکر باغ کے قریب تو پہنچ گیا، لیکن باغ کے اندر داخل ہونے کی کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔ آخر حضرت براابن مالک نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''تم لوگ مجھے ہاتھوں پیروں سے پکڑ کر جھولا دو اور دیوار کی اونچائی تک اچھال دو۔ میں دوسری طرف جا گروں گا اور دروازہ کھول دوں گا۔''

انصاری حضرات نے ان سے کہا:

''ہم سب ایسا نہیں کریں گے، کیونکہ ادھر آپ اندر گریں گے، ادھر آپ کو شہید کر دیا جائے گا۔ مرتد دروازے کے پاس اندر کی طرف موجود ہیں۔''

حضرت براابن مالک نے فرمایا:

''تم فکر نہ کرو۔ بس مجھے اچھال دو۔''

آخر ان کے مجبور کرنے پر انھیں اچھالا گیا۔ وہ دیوار کے اوپر سے ہوتے ہوئے مرتدوں پر گرے۔ وہ ڈر گئے، بدحواس ہو گئے کہ یہ کیا بلا ان پر آ گری۔ ان کی بدحواسی حضرت برا کے کام آ گئی۔ انھوں نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

دروازے کا کھلنا تھا کہ اسلامی لشکر دھڑا دھڑ اندر داخل ہو گیا اور تلوار چلنے لگی، بہت شدید جنگ ہوئی۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ مرتدوں کو تو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ ان کے قتل ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

اسی جنگ میں مسیلمہ کذاب بھی مارا گیا... جونہی مسیلمہ کذاب قتل ہوا... مرتدوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے... انھیں فتح کی خبر سنائی گئی تو آپ نے قتل ہونے والوں کو دیکھنا شروع کیا... دراصل آپ مسیلمہ کو تلاش کر رہے تھے... ایسے میں ان کی نظر ایک خوب صورت نوجوان پر پڑی۔ انھوں نے ایک مرتد مجاعہ سے پوچھا:

''کیا یہی مسیلمہ ہے؟''

اس نے کہا:

''نہیں! یہ محکم ہے۔''

محکم کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت قتل کیا تھا، جب کہ وہ ابھی باغ کے احاطے سے باہر تھا اور اپنے ساتھیوں کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آخر مجاعہ نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے بتایا:

''یہ ہے مسیلمہ۔''

اس روز کے بعد اس باغ کا نام موت کا باغ مشہور ہو گیا۔ باغ کے اندر اور باہر مسیلمہ کے تقریباً دس ہزار سپاہی مردہ پڑے تھے۔ مسلمان صرف بارہ سو شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جنگِ یمامہ کے دن میں نے حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کا زخمی ہاتھ کندھے سے کٹ کر زمین پر گرا پڑا ہے اور ان کے جسم پر چودہ زخم تھے۔ ان میں سے ہر زخم جان لیوا تھا۔ وہ زمین پر پڑے تھے اور ان کے آخری سانس تھے۔ میں نے جھک کر ان سے کہا:

''اے ابوعقیل۔''

انھوں نے فرمایا:

''حاضر ہوں۔''

پھر لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا:

''کسے فتح ہوئی؟''

انھوں نے کہا:

''آپ کو خوش خبری ہو! مسلمانوں کو فتح ہوئی ہے۔''

پھر انھوں نے بلند آواز میں کہا:

''اللہ کا دشمن، مسیلمہ قتل ہو چکا ہے۔''

اس پر حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد بیان کی، آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور انتقال فرما گئے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساری کارگزاری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ ان پر رحم کرے۔ وہ ہمیشہ شہادت مانگا کرتے تھے جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابہ میں سے تھے اور شروع میں اسلام لائے تھے۔'' (جاری ہے)

بچے

- جس بچے پر اعتبار نہیں کیا جاتا، وہ دھوکا دینا سیکھتا ہے۔
- جس بچے کا ہر وقت مذاق اڑایا جاتا ہے، وہ بزدل بن جاتا ہے۔
- جس بچے پر ہر وقت تنقید کی جاتی ہے، وہ ہر چیز کو رد کرنا سیکھتا ہے۔
- جس بچے کو ہر وقت مار پیٹ کا سامنا ہوتا ہے، اس کی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔
- جس بچے پر شفقت برتی جاتی ہے، وہ محبت کرنا سیکھتا ہے۔
- جس بچے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اس میں اعتماد بڑھتا ہے۔
- جس بچے کو سچ بولنا سکھایا جاتا ہے، وہ انصاف کرنا سیکھتا ہے۔
- جس بچے کی تعریف کی جاتی ہے، وہ اچھی چیزوں کو پسند کرتا ہے۔
- جس بچے کی بے جا خواہشات پوری کی جاتی ہیں، وہ سرکش اور خودسر ہو جاتا ہے۔

قدم بہ قدم

یرموک کی جنگ جاری تھی، ایسے میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اتر پڑے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ان سے کہا:

"اے عکرمہ! ایسے نہ کرو، کیونکہ تمہارا قتل ہو جانا مسلمانوں پر بہت سخت ثابت ہوگا۔"

ان کے جواب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے خالد! مجھے چھوڑ دو۔ اس لیے کہ آپ کو تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام پھیلانے کے لیے بہت موقع ملا ہے... میں اور میرا باپ تو لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مخالف تھے... اور ہم آپ کو سب سے زیادہ تکالیف پہنچایا کرتے تھے..."

یہ کہہ کر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پیدل آگے بڑھتے رہے اور دشمن سے برابر جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

شہید ہونے سے پہلے انھوں نے کفار سے یہ بھی فرمایا تھا:

"میں نے کئی میدانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے تو کیا میں آج تم لوگوں سے شکست کھا جاؤں گا۔"

یہ کہنے کے بعد مسلمانوں سے مخاطب ہوئے:

"مرنے پر کون بیعت کرتا ہے۔"

ان کے چچا حضرت حارث بن ہشام اور حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنھما نے چار سو مسلمان سرداروں اور شہ سواروں سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے خوب زور دار جنگ کی، کیونکہ کفار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے تک پہنچ گئے تھے۔ جنگ کرتے ہوئے یہ سبھی زخموں سے چور ہو گئے، لیکن وہ سب اپنی جگہ جمے رہے، کوئی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت ضرار بھی تھے۔

O

جنگِ صفین کے دن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ لڑ رہے تھے، لیکن شہید نہیں ہو رہے تھے۔ جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور کہتے:

"اے امیر المومنین! یہ وہ دن ہے جس دن میرے شہید ہونے کی پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں فرماتے:

"اپنے اس خیال کو جانے دو۔"

اس طرح یہ بات چیت تین مرتبہ ہوئی، یعنی تین بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ لڑتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور آپ سے انھوں نے یہ بات کہی، جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا اور آخر تین بار ایسا ہونے کے بعد ان کے پاس دودھ لایا گیا۔ انھوں نے اس دودھ کو پی لیا۔ پھر فرمایا:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، دودھ ہی وہ آخری چیز ہے جسے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخر میں پیوں گا۔"

دودھ پینے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ شروع کر دی، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین کے دن اونچی آواز میں یہ کہتے ہوئے سنا:

"میں جبار یعنی اللہ تعالیٰ سے ملوں گا اور حوروں سے شادی کروں گا۔ آج میں اپنے محبوب دوستوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے ملوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا، دنیا میں تمہارا آخری توشہ دودھ کی لسی ہوگی۔ (اور وہ میں پی چکا ہوں اور اب دنیا سے جانے والا ہوں)

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن لوگوں سے پوچھا:

"لوگو! بتاؤ! لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔"

لوگوں نے کہا:

"امیر المومنین! آپ سب سے بہادر ہیں۔"

ان کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں جس دشمن کے مقابلے کے لیے نکلا ہوں، اس سے میں نے اپنا حق پورا لیا ہے (یعنی میں نے اپنے دشمن کو شکست دی ہے، میں پورا بہادر نہیں ہوں، لیکن تم مجھے بتاؤ، لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون

ہے۔" انھوں نے کہا:

"پھر آپ ہی بتائیں، وہ کون ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ غزوہ بدر کے موقعے پر جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھپر بنایا تو ہم نے کہا:

"کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے گا، تا کہ کوئی مشرک آپ کی طرف نہ آسکے۔ اللہ کی قسم! اس وقت کوئی شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی ہمت نہ کر سکا (دشمن کا خوف ہی اتنا تھا) بس ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو تلوار سونت کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے تھے۔ جو کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کا ارادہ کرتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً لپک کر اس کی طرف آجاتے۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سب سے بہادر ہیں۔"

○

غزوہ خندق کے دن عمرو بن عبدود بہادروں کی نشانی لگا کر یہ بتانے کے لیے نکلا کہ وہ جنگ میں موجود ہے، جب وہ اور اس کے گھوڑے سوار ساتھی کھڑے ہو گئے تو اس نے میدان میں آنے کے بعد پکار کر کہا:

"میرے مقابلے کے لیے کون آتا ہے۔"

یہ بہت بڑا بہادر تھا... لوگ اس کے مقابلے میں آنے سے گھبراتے تھے... اس کی للکار سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہو گئے... انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں اس کے مقابلے کے لیے جاتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے علی! یہ عمرو ہے... بیٹھ جاؤ۔"

عمرو بن عبدود، پھر زور سے پکارا:

"ہے کوئی مرد جو میرے مقابلے کے لیے میدان میں آئے۔"

پھر اس نے مسلمانوں کو طعنہ دیا:

"کہاں گئی تمہاری وہ جنت جس کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ تم میں سے جو مارا جاتا ہے، وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ تم لوگ تو میرے مقابلے کے لیے ایک آدمی بھی نہیں بھیج سکے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا:

"اللہ کے رسول! میں جاتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم بیٹھ جاؤ۔"

عمرو نے تیسری مرتبہ پھر للکارا۔ اس نے اس موقعے پر کچھ اشعار بھی پڑھے جن میں اپنی بہادری کی تعریف بیان کی تھی۔ اب پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! میں جاتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ عمرو ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"چاہے عمرو ہو (میں جانے کے لیے تیار ہوں)۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے اس کی طرف چلے:

"ہرگز جلدی نہ کر، کیونکہ تیری آواز کا جواب دینے والا آگیا ہے جو عاجز نہیں۔"

یہ آنے والا سوچ سمجھ کر اور پکے ارادے کے ساتھ آیا ہے۔ یہ بات میں

تم سے سچ کہہ رہا ہوں، کیونکہ سچ ہی ہر کامیاب ہونے والے کے لیے نجات کا ذریعہ ہے

مجھے امید ہے کہ میں نوحہ کرنے والی عورتوں کو تیرے اوپر کھڑا کر دوں گا

میں تجھے (تلوار کی) ایسی لمبی چوڑی ضرب لگاؤں گا جس کا تذکرہ بڑی بڑی لڑائیوں میں باقی رہے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے نزدیک پہنچے تو اس نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

آپ نے فرمایا:

"میں علی ہوں۔"

اس پر اس نے پوچھا:

"کیا تم ابوطالب کے بیٹے ہو؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

نوٹ کریں یا نہ کریں

جو کہانیاں ایک لائن چھوڑ کر نہیں لکھی جاتیں ان کہانیوں کو پڑھا ہی نہیں جاتا، کیونکہ ایسی کہانیوں میں اصلاح کی جگہ نہیں ہوتی اس طرح ایسی کہانیاں تو پہلے مرحلے پر ہی ردی کی بالٹی میں چلی جاتی ہیں۔ پہلی شرط پوری ہونے کی صورت میں کہانی پڑھ کر دیکھی جاتی ہے۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار لکھی جاتی ہے۔ ایک بار پھر لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے شکریہ! (مدیر)

"ہاں۔"

یہ سن کر عمرو بن عبدود نے کہا:

"اے میرے بھتیجے! میں چاہتا ہوں، میرے مقابلے پر تمہاری بجائے تمہارے چچاؤں میں سے کوئی آئے جو عمر میں تم سے بڑا ہو، کیونکہ مجھے تمہارا خون بہانا پسند نہیں۔"

اس کی بات کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لیکن مجھے تو تمہارا خون بہانا پسند ہے۔"

اس پر وہ غضب ناک ہو کر اپنے گھوڑے سے اترا اور اپنی تلوار سونت لی۔ وہ تلوار آگ کے شعلے کی طرح چمک دار تھی۔ پھر وہ غصے میں بھرا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھال والی ڈھال لیے اس کے سامنے آئے۔ عمرو نے آپ کی ڈھال پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی آپ کے سر تک آپہنچی۔ اس سے آپ کا سر زخمی ہو گیا۔ اس کے وار کے جواب میں آپ نے تلوار کا وار اس کے کندھے پر کیا، یہ وار اس قدر زبردست تھا، وہ زمین پر گر گیا تھا۔ اس کے گرنے سے بہت سا غبار اڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اللہ اکبر کہنے کی آواز سنی۔ اس سے مسلمان سمجھ گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کا کام تمام کر دیا ہے۔ (جاری ہے)

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

"کیا گھوڑے سواریوں مجھ پر حملہ کردیں گے،
اے میرے ساتھیو! تم سب کو مجھ سے اور مجھ پر اچانک حملہ کرنے والوں کو پیچھے ہٹا دو۔" (یعنی میں اکیلا ہی کافی ہوں)

میدان جنگ میں مجھے جو غصہ آتا ہے، اس نے آج مجھے بھاگنے سے روکا ہوا ہے اور اس تلوار نے روکا ہے جس کا وار سر کاٹ کر آتا ہے اور خطا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

"اس نے اپنی احمقانہ رائے سے پتھروں کی عبادت کی اور میں نے اپنی درست رائے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کی۔

جب میں اس کا کام تمام کر کے آیا تو وہ زمین پر ایسے پڑا تھا جیسے کھجور کا تنا سخت زمین اور ٹیلوں کے درمیان پڑا ہو۔

میں نے اس کے کپڑے نہیں لیے اور یوں میں پاک دامن رہا اور اگر میں گر جاتا تو وہ میرے کپڑے چھین لیتا۔

اے کافروں کی جماعتو! یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد چھوڑ دیں گے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑے۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"تم نے عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتاری۔ عربوں کے پاس اس زرہ سے بہتر زرہ کوئی نہیں ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میں نے اس پر تلوار کا وار کیا، اس وار کی وجہ سے اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ اس وجہ سے مجھے شرم آئی کہ اپنے چچا زاد بھائی کی اس حال میں زرہ اتاروں۔"

○

حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر کے دن یہ شعر پڑھا:

"اللہ کی قسم! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔"

پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

"اے اللہ! ہم تیرے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں تو ہم پر سکینہ اور اطمینان کو ضرور نازل فرما اور جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ شعر سنے تو آپ نے پوچھا:

"ان اشعار کو پڑھنے والا کون ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ عامر ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"آپ کا رب آپ کی مغفرت فرمائے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی کو یہ دعا دیتے تو وہ ضرور شہید ہوتا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے۔ یہ دعا سن کر انھوں نے کہا:

"آپ نے ہمیں حضرت عامر سے اور فائدہ اٹھانے دیا ہوتا، آپ یہ دعا نہ فرماتے تو وہ اور زندہ رہتے۔ اب تو یہ شہید ہو جائیں گے۔"

پھر یہ حضرات خیبر پہنچے۔ یہودیوں کا پہلوان مرحب اپنی تلوار فخر سے لہراتا ہوا اور یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا:

"سارے خیبر کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے لیس ہوں اور تجربہ کار بہادر ہوں۔ میری بہادری اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب شعلہ زن لڑائیاں سامنے آتی ہیں۔"

دوسری طرف حضرت عامر یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے۔

"سارے خیبر کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں عامر ہوں اور ہتھیاروں سے لیس اور مہلک مقامات میں گھسنے والا بہادر ہوں۔"

اب دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں نے تلوار کے جوہر دکھائے۔ ایک دوسرے پر خوب وار کیے۔ پھر مرحب کی تلوار حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار میں گھس گئی۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب کے نچلے حصے پر وار کیا، لیکن حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار اچٹ کر خود انھیں لگ گئی۔ اس سے ان کی شہ رگ کٹ گئی اور یہ شہید ہو گئے۔

حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو میں نے صحابہ کو یہ کہتے سنا کہ حضرت عامر کا سارا عمل بے کار گیا، کیونکہ انھوں نے خودکشی کی ہے۔ میں یہ سن کر روتا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

پپیتہ

خوش ذائقہ و طبی فوائد سمیٹے پپیتہ ایک فرحت بخش پھل ہے۔ اسے انگریزی میں پپایا کہتے ہیں۔ اس کا سائنسی نام کرائسڈ پپایا ہے۔ اس کا پودا ایک سیدھے سے تنے پر مشتمل ہوتا ہے جس کی لمبائی 5 سے 10 میٹر ہے۔ اس کا بنیادی تعلق امریکہ سے ہے۔ اس کے پتے 50 سے 70 سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ اس کے پھولوں کی لمبائی 14 سے 45 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ پپیتہ ایک بہت نازک پھل ہے۔ اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اس کی شکل ناشپاتی جیسی ہوتی ہے، لیکن سائز خربوزے جتنا ہوتا ہے۔

یہ پھل پیٹ کے تمام امراض کے لیے مفید ہے۔ یہ خوراک کو ہضم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے معدے میں گیسٹرک جوس زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے جس سے کھائی جانے والی خوراک پس کر بالکل نرم ہو جاتی ہے اور پھر مکمل طور پر ہضم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پیٹ کے کیڑوں کے لیے پپیتہ بہت ہی مفید ہے۔ متلی، قے، دست اور پیچش میں یہ پھل بہت مفید ہے۔ اس پھل کا استعمال جگر کے کینسر اور گردے کی پتھری سے بچاتا ہے۔ غرض کہ پپیتہ بہت سے امراض میں اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

پپیتہ سے ایک خاص قسم کی کریم بھی تیار کی جاتی ہے جسے مپین آئنٹ منٹ کہتے ہیں۔ یہ کریم زخموں، کٹی پھٹی جلد، کیڑوں کے کاٹنے اور جھلسے ہوئے اعضاء پر لگائی جاتی ہے۔ یہ جلد کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ بھڑ یا شہد کی مکھی کے ڈنک کی صورت میں یہ کریم لگانے سے ڈنگ کا اثر جاتا رہتا ہے۔

پپیتہ خون کو شفاف رکھتا ہے اور خون کے سرخ خلیات میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس سے انسان کا چہرہ تر و تازہ اور ہشاش بشاش رہتا ہے۔ پپیتے کے استعمال سے انسان کے جسم میں بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت بڑھ جاتی ہے۔

اس پھل کا قہوہ ملیریا بخار، ہر قسم کی کھانسی، نزلہ زکام اور درد میں بہت مفید ہے۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں پپیتہ کا قہوہ شوق سے پیا جاتا ہے۔ پپیتہ کا قہوہ پینے سے مچھر کے کاٹنے کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

اس پھل کے گودے میں ایک خاص قسم کا مرکب پایا جاتا ہے۔ جسے "کارپین" کہتے ہیں۔ یہ انسان کو دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ دل کی دھڑکن کو باقاعدہ بنا کر ہارٹ اٹیک سے محفوظ رکھتا ہے۔

پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی خواتین اس کے ہرے پھل سے گوشت گلانے کا کام بھی لیتی ہیں۔ خوش ذائقہ اور شیریں پپیتہ کاربوہائیڈریٹس، چکنائی، پروٹین وٹامن اے، بی اور سی کا خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ اس پھل میں کیلشیم، لوہا، میگنیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم اور سوڈیم بھی موجود ہوتا ہے۔ آج کل پاکستان میں یہ پھل بڑے تجارتی پیمانے پر اگایا جاتا ہے، لیکن دوسرے ممالک کی نسبت پاکستان میں کم اگایا جاتا ہے۔ اس کی بہتری کی اشد ضرورت ہے۔

"تمھیں کیا ہوا؟"

میں نے کہا:

"لوگ کہہ رہے ہیں، عامر کا سارا عمل بے کار گیا۔"

آپ نے پوچھا:

"یہ بات کس نے کہی؟"

میں نے جواب دیا:

"آپ کے چند صحابہ نے۔"

آپ نے فرمایا:

"ان لوگوں نے غلط کہا، عامر کو دوگنا اجر ملے گا۔"

پھر حضور نبی کریم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ ان کی آنکھ دکھ رہی تھی۔ ایسے میں آپ نے فرمایا:

"آج میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کی آنکھ پر لعاب مبارک لگایا۔ آنکھ فوراً ٹھیک ہو گئی۔ آپ نے انھیں جھنڈا دیا اور میدان میں جانے کا حکم دیا:

مرحب پھر وہی اشعار پڑھتا ہوا میدان میں نکلا۔ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے۔

"میں وہ شخص ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر یعنی شیر رکھا۔ میں جنگل کے ہولناک منظر والے شیر کی طرح ہوں۔ میں دشمنوں کو پورا پورا ناپ کر دوں گا جیسے کہ کھلے پیمانے میں پورا پورا دیا جاتا ہے (یعنی میں دشمن کے مقابلے میں وسیع پیمانے پر خوں ریزی کروں گا)

یہ اشعار پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ ان کی تلوار مرحب کا سر پھاڑ کر آگے نکل گئی۔ مرحب اسی وقت مر گیا۔

(بعض روایات کے مطابق مرحب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ یہودیوں نے قلعے کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ آپ تلوار چلاتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچے تو یہودیوں نے باہر نکل کر آپ سے جنگ شروع کر دی۔ ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر وار کیا۔ اس وار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ اس پر حضرت علی نے فوراً قلعے کا دروازہ اکھاڑ ڈالا اور اس دوران بطور ڈھال ہاتھ میں پکڑ کر جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح نصیب فرما دی۔ فتح کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے قلعے کے دروازے کو نیچے گرا دیا۔

صحابہ کرام میں سے سات آدمی آگے بڑھے۔ انھوں نے اس دروازے کو اٹھانے کی کوشش کی، لیکن مل کر اس دروازے کو اٹھا نہ سکے۔

ایک روایت کے مطابق مرحب کے مارے جانے کے بعد حضرت علی نے اس دروازے کو دیوار سے لگا دیا اور اس کے ذریعے قلعے کے اندر پہنچ کر مسلمانوں نے خیبر کو فتح کیا تھا۔

دروازے کے بارے میں یہ روایات بھی آئی ہیں کہ سات سے زیادہ لوگوں نے مل کر اس دروازے کو اٹھانے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ یہاں تک کہ چالیس آدمی مل کر اسے اٹھا سکے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت تھی۔

O

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد یہ شیطانی آواز سنی:

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عمر بارہ سال تھی۔ یہ الفاظ سنتے ہی آپ نے اپنی تلوار سونت لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں گلیوں میں بھاگنے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے بالائی علاقے میں تھے۔ یہ وہاں ہاتھ میں تلوار لیے پہنچ گئے۔ یہ اور حضور دونوں آمنے سامنے آ کر ملے، یعنی ایک طرف سے حضرت زبیر آ رہے تھے، سامنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے تھے۔

نزدیک پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اے زبیر! تمھیں کیا ہوا؟"

انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں نے سنا کہ آپ شہید کر دیے گئے ہیں۔"

آپ نے پوچھا:

"تو پھر تمہارا کیا ارادہ تھا؟"

انھوں نے عرض کیا:

"میرا ارادہ تھا کہ میں آنکھ بند کر کے مکے والوں پر ٹوٹ پڑوں۔"

یہ سن کر آپ نے انھیں دعا دی، اس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں تلوار سونتنے والے سب سے پہلے مسلمان ہیں اور یہ اس وقت کم عمر ہی تھے۔ (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہ

23

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ اندازی میں جن کا نام نکل آتا، انھیں ساتھ لے جاتے۔ جب غزوہ بنی مصطلق کے سلسلے میں جانا ہوا تو آپ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق قرعہ اندازی فرمائی۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کا نام نکل آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کو ساتھ لے گئے۔

اس زمانے میں عورتیں گزارے کے مطابق بہت کم کھایا کرتی تھیں۔ اس وجہ سے ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ وزن بہت کم ہوتا تھا، یعنی جسم بھاری نہیں ہوتے تھے۔

جب سیدہ عائشہ صدیقہ کے اونٹ پر کجاوہ کس دیا جاتا تو سیدہ عائشہ اپنے ہودج میں بیٹھ جاتیں... اس کے بعد آپ کے ہودج کو اونٹ کی پشت پر رکھ دیا جاتا، یعنی یہ طریقہ تھا... ہودج ڈولی نما چیز سمجھ لیں، اس کے چاروں طرف پردہ تنا ہوتا ہے اور نیچے اس میں بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے... ہودج کو اونٹ کی پشت پر رکھنے کے بعد اسے رسیوں سے باندھ دیا جاتا تھا... اس کے بعد اونٹ کی رسی کو آگے سے پکڑ لیا جاتا اور اونٹ چل پڑتا...

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر پورا ہو گیا تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ واپس روانہ ہوئے... واپسی کے سفر میں مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا گیا... رات کا کچھ حصہ اس جگہ گزرا... پھر اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ کوچ کی تیاری کرو... چنانچہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے...

اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا قضائے حاجت کے لیے اس جگہ سے کچھ فاصلے پر گئی ہوئی تھی۔ آپ کے گلے میں ایک ہار تھا۔ آپ جب قضائے حاجت سے فارغ ہوئیں تو وہ ہار آپ کے گلے سے گر گیا، لیکن آپ کو اس کے گرنے کا پتا نہ چلا۔ جب آپ کجاوے کے پاس پہنچیں تو انھوں نے ہار کو گردن میں نہ پایا۔ ادھر اُدھر تلاش کیا تو وہ نہ ملا۔ ادھر لوگ اس وقت تک روانہ ہونا شروع ہو چکے تھے۔ اب آپ اس جگہ پہنچیں جہاں رفع حاجت کے لیے گئی تھیں۔ وہاں سے آپ کو وہ ہار مل گیا۔ ادھر جو لوگ آپ کے اونٹ کا کجاوہ باندھا کرتے تھے، وہ کجاوہ باندھ چکے تھے۔ وہ آپ کے ہودج کے پاس آئے اور انھوں نے خیال کیا کہ سیدہ عائشہ اپنی عادت کے مطابق ہودج میں بیٹھ چکی ہیں، اس لیے انھوں نے ہودج کو اٹھایا اور اونٹ پر رکھ کر رسیوں سے کس دیا۔ آپ چونکہ بہت دبلی پتلی تھیں، وزن بہت کم تھا، اس لیے انھیں احساس نہ ہوا کہ آپ ہودج میں نہیں ہیں۔ اب انھوں نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور چل پڑے۔

سیدہ عائشہ وہاں پہنچیں تو لشکر جا چکا تھا... اور وہاں کوئی نہیں تھا... سیدہ عائشہ نے خود کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور اسی جگہ لیٹ گئیں... انھیں یقین تھا جب آپ ہودج میں نہیں ملیں گی تو لوگ تلاش کرتے ہوئے واپس اسی جگہ آئیں گے...

آپ وہاں لیٹی ہوئی تھیں کہ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے اور انھوں نے وہ رات لشکر کے ساتھ نہیں بسر کی تھی۔ جب انھوں نے وہاں مجھے دیکھا تو پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ انھوں نے فوراً کہا:

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔''

پھر انھوں نے کہا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیسے پیچھے رہ گئیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وہ اپنا اونٹ آپ کے قریب لے آئے اور آپ سے عرض کیا:

''اس پر سوار ہو جائیں۔''

یہ کہنے کے بعد حضرت صفوان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے دور چلے گئے۔ اس کے بعد آپ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ تب وہ لوٹے اور انھوں نے اونٹ کی رسی پکڑ لی۔ انھوں نے اس سمت میں تیز تیز چلنا شروع کیا جس سمت میں قافلے کو جانا تھا۔

صبح تک یہ قافلے تک نہ پہنچ سکے اور نہ قافلے والوں کو پتا چلا کہ سیدہ عائشہ اپنے ہودج میں نہیں ہیں۔ قافلے نے آگے جا کر پڑاؤ ڈالا۔ اس مقام پر حضرت صفوان اپنے اونٹ کو لیے وہاں پہنچے اور اونٹ

534B

پر سیدہ عائشہ سوار تھیں۔ یہ دیکھ کر کچھ تہمت لگانے والوں نے باتیں شروع کر دیں۔ سارے لشکر میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں:

"اللہ کی قسم! مجھے کسی بات کی کوئی خبر نہیں تھی۔"

یعنی آپ کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ آپ کے بارے میں کچھ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر لشکر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی سیدہ عائشہ بیمار ہو گئیں اور لوگوں میں جو باتیں ہو رہی تھیں، وہ ان تک نہ پہنچ سکیں، البتہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ساری باتیں پہنچ گئی تھیں، لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ سیدہ عائشہ یہ ضرور محسوس کر رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کچھ کھنچے کھنچے سے رہنے لگے ہیں۔ پہلے جب آپ کبھی بیمار ہو جاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شفقت اور مہربانی فرماتے تھے، یعنی خوب دیکھ بھال فرماتے تھے، لیکن آپ نے اس بیماری میں آپ سے وہ شفقت نہ فرمائی۔ اس وجہ سے سیدہ عائشہ کو کچھ الجھن ہوئی۔ آپ جب گھر تشریف لاتے اور آپ کے پاس آپ کی والدہ کو تیمارداری میں مشغول دیکھتے تو بس اتنا فرماتے:

"اب ان کا کیا حال ہے۔"

بس اس سے زیادہ آپ کچھ نہ فرماتے۔ آپ کی اس بے رخی کو دیکھ کر ایک روز سیدہ عائشہ نے آپ سے عرض کیا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ روز کے لیے اپنی والدہ کے ہاں چلی جاتی ہوں۔ یہ وہاں میری تیمارداری کرتی رہیں گی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی حرج نہیں! تم جا سکتی ہو۔"

اس پر سیدہ عائشہ اپنے والدین کے ہاں چلی آئیں۔ اس وقت تک بھی آپ کو ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا جو مدینہ منورہ میں کی جا رہی تھیں۔ بیس دن سے زیادہ دن گزر جانے پر میں کچھ صحت مند ہوئی، تاہم کمزوری ابھی باقی تھی۔ اس زمانے میں بیت الخلا گھروں میں نہیں بنائے جاتے تھے۔ قضائے حاجت کے لیے لوگ مدینہ منورہ کے صحرا میں جاتے تھے۔ عورتیں رات کے وقت جایا کرتی تھیں۔ ایک رات سیدہ عائشہ قضائے حاجت کے لیے نکلیں۔ آپ کے ساتھ حضرت ام مسطح بنت ابی رہم رضی اللہ عنھا تھیں۔ اچانک ان کا پاؤں چادر میں اٹکا اور وہ گر گئیں۔ ایسی حالت میں ان کے منہ سے نکلا۔

"مسطح برباد ہو۔" (یعنی انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی)

یہ سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

"یہ تم نے کیا کہا! تم نے برا کیا۔ ایک ایسے شخص کو بددعا دی جس نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے۔"

یہ سن کر ام مسطح کہنے لگیں:

"اے ابوبکر کی بیٹی! کیا ابھی تک تمہیں کچھ خبر نہیں۔"

سیدہ عائشہ بولیں:

"کیسی خبر؟"

اب ام مسطح نے آپ کو بتایا کہ کچھ تہمت لگانے والے آپ پر تہمت لگا رہے ہیں۔ سیدہ عائشہ دھک سے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا:

"کیا لوگ میرے بارے میں ایسی بات کہہ چکے ہیں۔"

ام مسطح نے جواب دیا:

"ہاں! اللہ کی قسم! لوگ ایسا کہہ رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی سیدہ عائشہ کی حالت غیر ہو گئی... مارے رنج اور غم کے آپ حاجت بھی پوری نہ کر سکیں اور ایسے ہی لوٹ آئیں... اب آپ مسلسل رو رہی تھیں، روئے جا رہی تھیں... آپ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آپ کا گلا پھٹ جائے گا... اس حالت میں آپ نے اپنی والدہ سے کہا:

"اللہ آپ کی مغفرت فرمائے.... لوگوں نے اتنی باتیں بنا لیں اور آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

آپ کی والدہ نے کہا:

"میری بیٹی! تم زیادہ پریشان نہ ہو۔ اللہ کی قسم جب کسی آدمی کی کوئی خوب صورت بیوی ہو اور وہ اس سے محبت بھی کرتا ہو تو لوگ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔"

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان فرمایا:

"اے لوگو! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان پر ناحق الزام لگاتے ہیں۔ اللہ کی قسم مجھے تو اپنے گھروں میں ہمیشہ بھلائی ہی نظر آئی ہے اور اللہ کی قسم جس مرد (یعنی حضرت صفوان) پر وہ الزام لگا رہے ہیں، اس میں ہمیشہ بھلائی ہی نظر آئی ہے۔ جب بھی وہ میرے کسی گھر میں داخل ہوا، میرے ساتھ ہی داخل ہوا۔"

اس بہتان کو اٹھانے اور بڑھانے میں سب سے زیادہ حصہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق نے لیا تھا اور قبیلہ خزرج کے کئی آدمیوں نے بھی اس بات کو اچھالا تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے یہ بات کہی تو حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اگر الزام لگانے والے قبیلہ اوس میں سے ہوں تو آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ان سے نبٹ لیں گے اور اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہیں تو آپ ان کے بارے میں جو ارشاد فرمائیں، ہم ویسے ہی کریں گے۔ اللہ کی قسم ان کی تو گردن اڑا دینی چاہیے۔"

(جاری ہے)

535-A

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر گھر آئے۔ ان دنوں وحی کا سلسلہ رکا ہوا تھا، اس لیے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس بارے میں مشورہ کیا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنے گھر والوں کو رکھیں۔ ہم نے تو ان سے ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی دیکھی ہے، یہ بہتان ہے اور سب جھوٹ ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ باندی سے پوچھ لیں۔''

آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا کو بلایا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے تو ان کے بارے میں نیکی اور بھلائی کے علاوہ کچھ معلوم نہیں اور مجھے ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے پاس آئے۔ اس وقت سیدہ کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی اور دونوں رو رہی تھیں۔ آپ بیٹھ گئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے:

''اے عائشہ! لوگ جو کہہ رہے ہیں، وہ بات تم تک پہنچ چکی ہے، اس لیے تم اللہ سے ڈرو۔ اگر تم سے کوئی غلط کام ہوگیا ہے تو تم اللہ سے توبہ کرلو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی سیدہ عائشہ کے آنسو رک گئے۔ ادھر میرے والدین میری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دوں۔

اس وقت تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کو یہ خیال تک نہیں تھا کہ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آیات نازل فرمائیں گے، بلکہ آپ یہ خیال کرتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خواب آئے گا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انھیں اس الزام سے بری کردیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوجائے گا۔ وہ اپنا اتنا درجہ نہیں سمجھتی تھیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے والدین جواب میں کچھ نہیں کہہ رہے تو انھوں نے ان سے کہا:

''آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟''

انھوں نے کہا:

''ہمیں نہیں معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیں۔''

وہ دونوں دراصل اس قدر پریشان تھے کہ زندگی میں شاید کبھی اتنے پریشان ہوئے ہوں گے جب ان دونوں نے بھی کچھ نہ کہا تو سیدہ عائشہ صدیقہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آخر انھوں نے کہا:

''اب میں وہی کہتی ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا، یعنی اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں، اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا اس موقعے پر فرماتی ہیں:

''اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ سے اٹھے نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کے آثار طاری ہوگئے۔ آپ پر کپڑا ڈھانپ دیا گیا اور آپ کے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیا گیا جب میں نے وحی نازل ہونے کا یہ منظر دیکھا تو نہ میں گھبرائی، نہ میں نے کوئی پروا کی، کیونکہ میں بے قصور تھی اور جانتی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے جب کہ میرے والدین پر اس وقت بہت گھبراہٹ طاری تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔ جب آپ کی حالت بہتر ہوگئی تو آپ بیٹھ گئے اور وہ دن سردیوں کے تھے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے پسینہ موتیوں کے قطروں کی طرح بہہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور فرمایا:

''اے عائشہ! تمھیں خوش خبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آیت نازل کردی ہے۔''

یہ سن کر میں نے کہا:

''الحمد للہ!''

اس پر میری والدہ نے کہا، اٹھ کر کھڑی ہوجاؤ اور حضور کا شکریہ ادا کرو، میں نے جواب دیا، میں تو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور جو کچھ نازل ہوا تھا، وہ پڑھ کر سنانے لگے۔

سورہ نور کی یہ آیات اس موقعے پر نازل ہوئیں:

ترجمہ: بے شک جو لوگ یہ طوفان لائے ہیں۔ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اسے اپنے حق میں برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے بقدر عمل گناہ ہے جس نے ان میں سے سب سے زیادہ حصہ لیا، اس کے لیے بڑا عذاب ہے O جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے O یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں O اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور دنیا اور آخرت میں اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس پر چرچا کرنے میں تم پر کوئی بڑی آفت پڑتی O جب تم اپنی زبانوں سے نکالنے لگے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہنی شروع کر دی جس کا تمہیں علم بھی نہیں تھا اور تم نے اسے ہلکی بات سمجھ لیا تھا، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے O اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو اس کا منہ سے نکالنا بھی لائق نہیں۔ سبحان اللہ! یہ بڑا بہتان ہے O اور اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر تم ایمان دار ہو O اور اللہ تمہارے لیے یہ آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے O بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان داروں میں بدکاری کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے O اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہو اور اس کی رحمت نہ ہو تو (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا مہربان ہے O

(سورہ نور آیات 11 تا 20)

یہ دس آیات سیدہ عائشہ صدیقہ کی برأت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں:

اس افواہ کو پھیلانے میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس واقعے سے پہلے حضرت مسطح پر خرچ کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ غریب تھے۔ جب سیدہ عائشہ کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ کی بے گناہی خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اس مسطح نے میری بیٹی کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی تو اب اس کے بعد میں اس پر کبھی خرچ نہیں کروں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور قسم نہ کھائیں بڑے درجے والے لوگ تم میں سے اور کشائش والے اس پر یہ کہہ دیں، رشتے داروں اور محتاجوں کو اور اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرمائے۔"

اس کے بعد آپ جو مسطح پر خرچ کیا کرتے تھے، وہ دینا شروع کر دیا اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں ان کا خرچ کبھی نہیں روکوں گا۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محلّہ سخ سے اپنی سواری پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ محلّہ سخ مدینہ منورہ سے باہر تھا اور وہاں آپ کا گھر تھا۔ آپ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس پہنچ کر اپنی سواری سے اترے۔ اس وقت آپ انتہائی بے چین اور حد درجے غمگین تھے۔ آپ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے گھر میں آنے کی اجازت مانگی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ اپنے بستر پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کے اردگرد بیٹھی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے علاوہ باقی سب نے اپنے چہرے چادروں سے چھپا لیے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پردہ کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی، گھٹنوں کے بل بیٹھ کر آپ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روتے ہوئے فرمایا:

"عمر ابن خطاب جو کہہ رہے ہیں، وہ ٹھیک نہیں۔"

یعنی اس وقت انتہائی رنج اور غم کی کیفیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان یہ کہہ رہے تھے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ یہ تو بے ہوشی طاری ہوئی ہے یا ان کی روح معراج پر گئی ہے جو واپس آجائے گی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ فرمایا کہ جو بات حضرت عمر کہہ رہے ہیں، وہ درست نہیں اور یہ کہ آپ کا انتقال ہو گیا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، آپ اپنی حالتِ حیات میں اور وفات کے بعد بھی کتنے پاکیزہ ہیں۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر چادر ڈال دی اور پھر تیزی سے چلتے مسجد میں آئے۔ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے منبر تک آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر کی ایک جانب کھڑے ہو کر لوگوں کو آواز دی۔ ان کی آواز سن کر سب بیٹھ گئے اور خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا:

جب اللہ کے نبی تمہارے درمیان زندہ تھے،

قدم بہ قدم

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو موت کی خبر دے دی تھی اور تمہیں بھی تمہاری موت کی اطلاع دے دی تھی۔ یہ موت ایک یقینی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

"اور محمد رسول ہی تو ہیں اور آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے۔" (آل عمران: 144)

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یوں لگا جیسے وہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے، وہ تو اس آیت کو بھول ہی گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑھنے سے یاد آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے:

"اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:
آپ کو بھی مرنا ہے اور انھیں بھی مرنا ہے۔
(سورہ زمر: 30)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:
سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ سوائے اس ذات کے، اسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
جتنے ذی روح روئے زمین پر موجود ہیں، سب فنا ہو جائیں گے اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی، احسان والی ہے، باقی رہ جائے گی۔
(سورہ رحمٰن: 26)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"
(آل عمران: 185)

ان آیات کے پڑھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی عمر عطا فرمائی اور اتنا عرصہ دنیا میں رکھا۔ اس عرصے میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کر دیا۔ اللہ کے حکم کو غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسی پر وفات دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو ایک صاف اور کھلے راستے پر چھوڑ گئے۔ اب جو بھی ہلاک ہوگا، وہ اسلام کی واضح دلیلوں اور (کفر اور شرک) سے شفا دینے والے قرآن کو دیکھنے کے بعد ہی ہلاک ہوگا۔ جس آدمی کے رب اللہ تعالیٰ ہیں، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہیں جن پر موت نہیں آسکتی اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اور انھیں معبود کا درجہ دیا کرتا تھا، تو وہ سن لے کہ اس کا معبود وفات پا گیا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اپنے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے رب پر بھروسہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دین موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہے اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کریں گے۔ اپنے دین کو عزت عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس ہے جو کہ نور اور شفا ہے۔ اسی کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت عطا فرمائی اور اسی کتاب میں اللہ کی حرام کردہ اور حلال کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی ہمارے اوپر لشکر لائے گا، ہم اس کی پروا نہیں کریں گے۔ بے شک اللہ کی تلواریں سُتی ہوئی ہیں۔ ہم نے ان کو ابھی رکھا نہیں، جو ہماری مخالفت کرے گا، ہم اس سے جہاد کریں گے جیسا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرتے تھے۔ اب جو بھی زیادتی کرے گا، وہ حقیقت میں اپنے اوپر ہی زیادتی کرے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد مسلمان سنبھل گئے، ورنہ اس سے پہلے تو ان کی حالت دیوانوں جیسی ہوگئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص یہ کہہ رہے تھے، جو یہ کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں، میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور انھوں نے ننگی تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اور پھر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن دفن کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایسے میں تمام انصار صحابہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوگئے۔ (ایک جگہ کا نام) اور وہاں اس سلسلے میں بات کرنے لگے کہ اب خلیفہ کون ہوگا۔ کسی نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ انھوں نے فوراً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔

اس وقت وہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب یہ سب مہاجرین وہاں جا کر بیٹھ گئے تو ایک انصاری نے کہا:

''ہم اللہ کے دین کے انصار (یعنی مددگار) ہیں اور اسلام کا لشکر ہیں اور اے مہاجرین کی جماعت! آپ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہیں اور آپ لوگ ہمیں خلافت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔''

یہاں تک کہہ کر وہ صاحب بیٹھ گئے۔

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کرنے کے لیے اٹھنا چاہا اور انھوں نے ذہن میں ایک مضمون تیار کر لیا تھا، لیکن ابھی وہ اٹھے ہی تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''عمر! تم آرام سے بیٹھے رہو۔''

حضرت عمر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اور ابوبکر مجھ سے زیادہ دانا اور زیادہ باوقار تھے اور اللہ کی قسم انھوں نے جو کچھ اپنی تقریر میں فرمایا، وہ اس سے بہتر تھا جو میں کہنا چاہتا تھا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقعے پر یہ تقریر فرمائی:

''تم نے اپنے بارے میں جس خیر کا ذکر کیا، تم لوگ واقعی اس کے اہل ہو، لیکن عرب کے تمام لوگ خلافت کا حق دار صرف قریش کو سمجھتے ہیں اور قبیلہ قریش سارے عرب میں نسب اور شہرت کے اعتبار سے سب سے افضل ہے۔ مجھے خلافت کے سلسلے میں دو آدمیوں میں سے ایک پسند ہے۔ دونوں میں سے تم جسے چاہے پسند کر لو۔''

یہ کہہ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑ کر بلند کر دیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اور خدا کی قسم! مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ وہ مجھے خلافت کا حق دار قرار دیں۔''

اس وقت انصار میں سے ایک صاحب اٹھے اور انھوں نے کہا:

''اس مسئلے کا بہترین حل میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ اے قریش کی جماعت! ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔''

اس تجویز پر سب بولنے لگے۔ آوازیں بلند ہونے لگیں۔ (جاری ہے)

ایک صاحب ہوٹل میں داخل ہوئے اور پانچ ڈش پلاؤ، پانچ ڈونگہ سالن، بیس چپاتیاں اور دس عدد سویٹ ڈش کا آرڈر دیا۔ ویٹر سارا کھانا لے کر آیا تو انھوں نے تھوڑی ہی دیر میں سب کچھ چٹ کر لیا۔

قریبی میز پر ایک سرکس کا مالک اس عمل کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ صاحب بل ادا کر چکے تو سرکس والے نے ان سے پوچھا:

''آپ یہ عمل سرکس کے شو کے دوران بھی کر سکتے ہیں۔'' جواب ملا۔ ''کیوں نہیں۔''

چنانچہ سرکس والا انھیں اپنے ساتھ لے گیا اور شائقین کے سامنے اعلان کیا کہ اب ایک خاص آئٹم آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں آپ کے سامنے دس آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا کر دکھائے گا، چنانچہ کھانا منگوایا گیا جسے انھوں نے منٹوں میں صاف کر ڈالا۔ لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں۔

جب وہ صاحب جانے لگے تو سرکس والے نے ان سے کہا کہ اب تو یہ بات شہر میں پھیل رہی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اگلے شو کے لیے بھی زحمت اٹھائیں۔ جس پر انھوں نے ہامی بھر لی۔ اگلے شو میں رش نسبتاً زیادہ تھا۔ شو میں انھوں نے اپنے کمال کا مظاہرہ کیا جس کی لوگوں نے بہت داد دی۔ پیٹو فنکار نے جانے کی اجازت چاہی تو سرکس کے مالک نے منت سماجت کے انداز میں آخری شو کے لیے بھی کہا۔ وہ صاحب بولے:

''بھائی صاحب! یہ آپ نے مجھے کس کام پر لگا رکھا ہے، آخر مجھے گھر جا کر روٹی شوٹی بھی کھانی ہے۔''

ثمینہ مبارک۔ بھکر

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

26

آوازیں بلند ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھایئے!"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جونہی اپنا ہاتھ آگے کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے ایک انصاری صحابی نے بیعت کر ڈالی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیعت ہوئے، اس کے بعد تمام مسلمان جلدی جلدی بیعت کرنے لگے۔ اس طرح یہ جھگڑا ختم ہوا کہ ایک خلیفہ انصار میں سے ہوگا اور دوسرا مہاجرین میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقعے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

"اللہ کی قسم! اس موقعے پر ہمیں جتنے معاملات بھی پیش آئے، ان میں سے کوئی بھی معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے زیادہ کارآمد اور مناسب ثابت نہیں ہوا، یعنی یہ معاملہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس طرح مسلمان اختلاف سے بچ گئے۔

اس موقعے پر یعنی بیعت ہونے سے پہلے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ اے ابوبکر اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے تو انھوں نے فرمایا۔

"اے عمر! تم ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ اس لیے کہ تم مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ مجھ سے زیادہ افضل ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا:

"تم مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو۔"

جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا:

"آپ مجھ سے زیادہ افضل ہیں۔"

جب تیسری مرتبہ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میری ساری طاقت آپ کے ساتھ ہوگی اور پھر مجھ پر آپ کو فضیلت بھی حاصل ہے۔"

اس کے بعد لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوگئے، یعنی سب نے آپ کو خلیفہ چن لیا۔

جب یہ بیعت ہونے والی تھی، اس وقت کچھ لوگ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا:

"ہم آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم میرے پاس آرہے ہو، حالانکہ تم میں وہ صاحب موجود ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں ثانی اثنین کے الفاظ ہیں یعنی دو کے دوسرے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ یعنی غار میں دو کے دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی

قدم بہ قدم

اللہ عنہ تھے۔" اس واقعے کی طرف اشارہ کرکے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ پر ثابت فرمائی۔ الحمدللہ!

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"آؤ! میں تمھیں خلیفہ بنا دوں، کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور آپ اس امت کے امین ہیں۔"

آپ کی بات کے جواب میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"میں اس آدمی سے آگے نہیں بڑھ سکتا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہمارا امام بننے کا حکم دیا ہو اور وہ خود آپ ہی ہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا تھا:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں، کیونکہ وہ صدیق بھی ہیں اور ہجرت کے موقعے پر غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔"

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھانے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا تھا:

"اللہ کی قسم! کسی دن یا کسی رات میں بھی یعنی زندگی بھر کسی بھی لمحے میرے دل میں امارت کی تمنا پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس کی خواہش ہوئی اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے امارت کو چھپ کر یا اعلانیہ مانگا، لیکن مجھے مسلمانوں میں فتنہ کھڑا ہونے کا ڈر ہوا، یعنی اگر میں نے اس وقت امارت قبول نہ کی تو مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ میرے لیے خلیفہ بننے میں راحت کا کوئی سامان نہیں۔ ایک بڑی ذمے داری کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا جو میری طاقت سے باہر ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرما دیں تو پھر وہ

ذمے داری ادا ہو سکتی ہے اور میں دل میں یہ چاہتا تھا کہ لوگوں میں جو سب سے زیادہ طاقت ور آدمی ہے، وہ آج میری جگہ خلیفہ بن جائے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں یہ فرمایا:

''ہمیں تو صرف اس بات پر ناگواری ہوئی تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں اور قرآن کے الفاظ کے مطابق ثَانِیَ اثْنَیْنِ ہیں یعنی دو میں سے دوسرے ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کو خوب سمجھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انھیں لوگوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔''

خلیفہ چن لیے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا:

''اے لوگو! اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے تمہاری خلافت اس لیے قبول کی ہے کہ مجھے اس کے لینے کا بہت شوق تھا یا اس خلافت سے میں تم پر اور دوسرے مسلمانوں پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا تھا تو سن لو، نہ کسی رات میں نہ کسی دن میں میرے دل میں اس کی طلب پیدا ہوئی ہے، نہ کبھی اعلانیہ میں نے اسے کبھی اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے اور میں نے بڑی بھاری ذمے داری اٹھائی ہے۔ اس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں تو اور بات ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی اس خلافت کو سنبھال لے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اس میں انصاف سے کام لے، لہٰذا میں تمہیں یہ خلافت واپس کرتا ہوں اور تمہاری مجھ سے بیعت ختم۔ تم جسے چاہو، اسے خلافت دے دو۔ میں تم میں کا ایک آدمی بن کر رہوں گا، یعنی ایک عام آدمی بن کر رہوں گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے بیعت کر لی تو انھوں نے تین دن تک اپنا دروازہ بند کیے رکھا۔ روزآنہ باہر آ کر لوگوں سے کہتے تھے:

''اے لوگو! میں نے تم لوگوں کی بیعت واپس کر دی ہے، لہٰذا اب تم جس سے چاہو بیعت ہو جاؤ۔''

ہر مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ جواب دیتے:

''نہ ہم آپ سے بیعت کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ آپ کی بیعت واپس کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کی امامت کے لیے آپ کو آگے بڑھایا تھا۔ اب کون آپ کو پیچھے کر سکتا ہے۔''

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت رافع بن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے:

''اے رافع! اگر تمہیں دو آدمیوں پر بھی امیر مقرر کیا جائے تو نہ بننا۔'' (یعنی امیر بننے سے انکار کر دینا)

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت رافع نے آپ سے عرض کیا:

''اے ابوبکر! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! پہچانتا ہوں۔''

اب انھوں نے کہا:

''آپ کو یاد ہے، آپ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں دو آدمیوں پر بھی امیر نہ ہوں اور اب آپ ساری امت کے لیے امیر بن گئے ہیں، یعنی آپ نے مجھے یہ نصیحت کی تھی اور آپ نے اس پر عمل نہیں کیا۔''

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے... اور لوگ زمانہ کفر کے قریب تھے، یعنی ابھی کچھ ہی مدت پہلے انھوں نے کفر چھوڑا تھا... مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ اگر میں خلیفہ نہ بنا تو لوگ مرتد ہو جائیں گے... اور ان میں اختلاف ہو جائے گا... مجھے خلافت ناپسند تھی، لیکن میں نے امت کے فائدے کے لیے قبول کر لی۔''

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ غمگین ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان سے کہنے لگے:

''تم نے مجھے خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اب میں لوگوں کے درمیان فیصلے کیسے کروں گا۔''

ان کی بات کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(باقی صفحہ 15 پر)

بقیہ: واقعات صحابہ کے

”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ والی اور حاکم جب صحیح طریقہ سے محنت کرتا ہے اور حق تک پہنچ جاتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر صحیح طریقہ سے محنت کرے اور حق تک نہ پہنچ سکے، تب بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔“

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پریشانی دور کی۔

موت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے صرف اس پر افسوس ہے کہ میں نے تین کام کیے... اے کاش میں ان کو نہ کرتا اور تین کام میں نے نہیں کیے اور اے کاش میں ان کو کر لیتا... کاش میں خلافت کا بوجھ سقیفہ بن ساعدہ کے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سے کسی کے کندھے پر ڈال دیتا... وہ امیر ہوتے، میں ان کا وزیر اور مشیر ہوتا... اور کاش جب میں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملک شام بھیجا تھا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عراق بھیج دیتا... اس طرح میں اپنے دائیں بائیں دونوں ہاتھ اللہ کے راستے میں پھیلا دیتا... اور وہ تین باتیں جن کی خواہش محسوس کرتا ہوں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کاش حضور صلّی اللہ علیہ سے یہ پوچھ لیتا کہ خلافت کن میں رہے گی... تاکہ اہلِ خلافت سے کوئی جھگڑا نہ کرتا... اور یہ بھی پوچھ لیتا کہ اس خلافت میں انصار کا بھی کچھ حصہ ہے؟“ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

27

واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"تم مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتاؤ، وہ کیسے ہیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ جس آدمی کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہیں، آپ اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"چاہے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، لیکن پھر بھی تم بتاؤ۔"

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"جتنے آدمیوں کو آپ خلافت کا اہل سمجھتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔"

ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"تم مجھے عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتاؤ۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ انھیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"چاہے میں زیادہ جانتا ہوں، لیکن پھر بھی تم بتاؤ۔"

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ اچھا ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اگر میں انھیں خلیفہ نہ بناتا تو پھر تمہارے علاوہ کسی کو خلیفہ نہ بناتا۔"

ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں انھیں آپ کے بعد سب سے افضل خیال کرتا ہوں۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، انھی کاموں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوتے ہیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، ان سے وہ بھی ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ اچھا ہے۔ خلافت کے لیے ان سے زیادہ طاقت ور اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

جب بعض صحابہ کو پتا چلا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں کچھ بات کی ہے، تو یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک صاحب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کے بارے میں جانتے ہی ہیں اور آپ انھیں ہمارا خلیفہ بنا رہے ہیں... اس بارے میں جب آپ کا پروردگار آپ سے پوچھے گا تو آپ اس بات کا کیا جواب دیں گے۔"

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ذرا مجھے بٹھا دو... کیا تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو... میں اپنے پروردگار سے کہوں گا، اے اللہ! جو تیری مخلوق میں سے سب سے بہترین تھا، میں نے اسے مسلمانوں کا خلیفہ بنایا تھا... میں نے جو بات کہی ہے... وہ میری طرف سے دوسرے لوگوں تک پہنچا دینا۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لیٹ گئے۔ اب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"لکھو!"

اس کے بعد آپ نے یہ معاہدہ لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔"

یہ وہ معاہدہ ہے جو ابوبکر بن قحافہ نے دنیا کی زندگی میں دنیا سے رخصت ہوتے وقت اور آخرت کے زمانے میں داخل ہوتے ہوئے کیا ہے... جس وقت کہ کافر مومن ہو جاتا ہے اور فاجر کو بھی یقین آ جاتا ہے اور جھوٹا سچ بولنے لگتا ہے (یعنی مرتے وقت ایسی حالت ہوتی ہے) میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تمہارا خلیفہ بنایا ہے... تم ان کی سنو اور

ان کی بات مانو... میں نے اللہ اور اللہ کے رسول، اس کے دین اور اپنی ذات اور تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی... اگر خلیفہ بن کر انھوں نے (یعنی عمر نے) عدل سے کام لیا تو یہی میرا ان کے بارے میں گمان ہے اور اسی کا مجھے ان کے بارے میں علم ہے... اور اگر وہ بدل گئے تو برا آدمی جو گناہ کمائے گا، اسی کا بدلہ پائے گا، میں نے تو خیر ہی کا ارادہ کیا ہے اور مجھے غیب کا علم نہیں اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے اللہ کے حقوق میں ظلم کر رکھا؟ کہ کیسی جگہ انھیں لوٹ کر جانا ہے۔"

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا... کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تحریر پر مہر لگا دی جائے... بعض روایات میں یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس تحریر کا ابتدائی حصہ لکھوا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ابھی نہیں آیا تھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی... اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے لکھ دیا کہ میں نے تم پر عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے... اس کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوش میں آگئے تو فرمایا، آپ نے جو لکھا، پڑھ کر سنائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پڑھ دیا... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا:

"اللہ اکبر۔"

پھر فرمایا:

"اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام اس لیے لکھ دیا کہ ان کا نام لکھوائے بغیر میری بے ہوشی، میری موت میں تبدیل نہ ہو جائے اور آپ کو اس صورت میں ڈر محسوس ہوا کہ کہیں خلافت کے معاملے میں اختلاف نہ ہو... سو اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے... اللہ کی قسم! آپ بھی اس خلافت کے اہل ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تحریر پر مہر لگا دی۔ اس کے بعد آپ باہر نکل آئے۔ آپ نے لوگوں سے کہا:

"اس تحریر میں خلافت کے لیے جس شخص کا نام ہے... کیا آپ سب ان کی بیعت کریں گے۔"

سب نے کہا:

"ہاں! ہم بیعت کریں گے۔"

بعض لوگوں نے اس موقعے پر کہا:

"ہمیں ان صاحب کا نام معلوم ہے... اور وہ عمر ہیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہی تھی... چنانچہ تمام لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اقرار کر لیا... سبھی اس پر رضامند تھے...

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور تنہائی میں انھیں بہت سی نصیحتیں کیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے چلے آئے۔ تب آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! میں نے اپنے عمل سے مسلمانوں کے فائدے اور بھلائی کا ہی ارادہ کیا ہے... مجھے ڈر تھا کہ میں نے اگر عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا تو مسلمان میرے بعد فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے... مسلمانوں کے فائدے کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے... آپ اچھی طرح جانتے ہیں... اور درست فیصلہ کرنے کے لیے میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے اور جو ان میں سب سے بہترین تھا... جو سب سے زیادہ طاقت ور تھا اور مسلمانوں کے فائدے کو سب سے زیادہ چاہنے والا تھا، میں نے اسے والی بنایا ہے... اور میرے لیے آپ کا مقرر کردہ موت کا وقت آچکا ہے... اے اللہ یہ سب تیرے بندے ہیں، ان کی پیشانیاں تیرے قبضے میں ہیں... ان کے لیے والی کو نیک بنا دے... اور اسے اپنے خلفائے راشدین میں سے کر دے... جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی اور آپ کے بعد صالحین کے طریقے کی پیروی کرے اور اس کے لیے ان کی رعایا کو صالح بنا دے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلایا تھا اور ان سے فرمایا تھا:

"لوگو! جو کچھ میرا حال ہے، تم دیکھ رہے ہو، میرا گمان تو یہی ہے کہ میری موت کا وقت قریب ہے... لہٰذا اب تم جسے چاہو... اپنا خلیفہ چن لو، کیونکہ اگر تم میری زندگی میں اپنا امیر بنا لو گے تو میرے بعد تم میں اختلاف نہیں ہوگا۔"

آپ کی بات سن کر لوگ باہر آگئے... لیکن وہ کوئی بات طے نہ کر سکے... چنانچہ لوگوں نے واپس آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے خلیفۂ رسول! آپ ہی ہمارے لیے اپنی رائے سے کسی امیر کا فیصلہ کر دیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہو سکتا ہے، تم میرے فیصلے سے اختلاف کرو۔"

سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا:

"بالکل نہیں کریں گے۔"

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ میں جو فیصلہ کروں، تم اس پر راضی رہنا۔"

تمام لوگوں نے کہا:

"جی بالکل! ہم راضی رہیں گے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ معاہدہ لکھوایا۔

(جاری ہے)

28

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ

ابولولوہ ملعون نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر کے وار کیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ شاید ان سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کوئی ایسی کوتاہی ہوئی ہے جسے وہ نہیں جانتے، چنانچہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی اور آپ انھیں اپنے قریب رکھتے تھے، ان کی بات سنا کرتے تھے۔ وہ آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں، تم پتا کرو، کیا میرا یہ قتل لوگوں کے مشورے سے ہوا ہے۔''

آپ کی بات سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ باہر چلے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے، وہ روتے نظر آتے، تب آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے کہا۔

''اے امیر المومنین! میں جس جماعت کے پاس سے بھی گزرا، میں نے انھیں روتے پایا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ان کا پہلا بچہ گم ہو گیا ہو۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''پھر مجھے کس نے قتل کیا؟''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا:

''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولولو نے۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ کہنے لگے:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرا قاتل ایسے آدمی کو نہیں بنایا جو لا الہ الا اللہ کہہ کر مجھ سے حجت بازی کر سکے (یعنی میرا قاتل کافر ہے) غور سے سنو! میں نے تمھیں کسی عجمی کافر غلام کو یہاں لانے سے منع کیا تھا، لیکن تم نے میری بات نہیں مانی۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''میرے بھائیوں کو بلا لاؤ۔''

لوگوں نے پوچھا:

''وہ کون ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنھم کو۔''

ان لوگوں کی طرف آدمی بھیجا گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ دیا، جب وہ حضرات آگئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ حضرات آگئے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''اچھا! میں نے مسلمانوں کے معاملے میں غور کیا ہے۔ میں نے آپ چھ حضرات کو مسلمانوں کا سردار اور قائد پایا ہے اور خلافت صرف تم ہی میں سے کسی کو ملے گی جب تک تم

قدم بہ قدم

سیدھے رہو گے، اس وقت تک لوگوں کی بات بھی بالکل ٹھیک رہے گی۔ اگر مسلمانوں میں اختلاف ہوا تو پہلے تم میں ہوگا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب میں نے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپس کے اختلاف کا ذکر فرمایا ہے تو میں نے سوچا کہ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں کہہ رہے کہ اگر مسلمانوں میں اختلاف ہوا، لیکن یہ اختلاف ہو کر رہے گا، کیونکہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کہی ہو اور میں نے اسے ہوتے نہ دیکھا ہو۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زخموں سے بہت خون بہہ پڑا۔ اس سے وہ بہت کمزور ہو گئے۔

وہ حضرات آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابھی امیر المومنین زندہ ہیں اور ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔''

یعنی انھوں نے خیال کیا تھا کہ یہ حضرات جو چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں تو ضرور کسی کو خلیفہ بنانے کے بارے میں بات کر رہے ہیں، اس لیے انھوں نے یہ بات کہی:

ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے اٹھاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے مل کر آپ کو اٹھایا، پھر آپ نے فرمایا:

''تم لوگ تین دن تک مشورہ کرو۔ اس دوران حضرت صہیب رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں۔''

لوگوں نے پوچھا:

''ہم کن سے مشورہ کریں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مہاجرین اور انصار سے اور یہاں جتنے لشکر ہیں، ان کے سرداروں سے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے تھوڑا سا دودھ منگایا، اسے پیا تو زخموں سے دودھ کی سفیدی باہر آنے لگی۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ موت آنے والی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر اس وقت میرے پاس ساری دنیا ہو تو میں اسے موت کے بعد آنے والے ہولناک منظر کی گھبراہٹ کے بدلے میں دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن مجھے اللہ کے فضل سے امید ہے کہ میں خیر ہی دیکھوں گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائیں گے۔ کیا بات یہ نہیں کہ جس وقت مسلمان مکہ معظمہ میں خوف کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللہ آپ کو ہدایت دے کر دین کو اور مسلمانوں کو عزت عطا فرمائے، پھر جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ کو اسلام کی عزت کا ذریعہ بنایا۔ آپ کے ذریعے سے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کھلم کھلا سامنے آئے اور پھر آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کی ہجرت فتح کا ذریعہ بنی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق حضور کے بعد خلیفۂ رسول کی خوب زوردار مدد کی اور ماننے والوں کو لے کر آپ نے نہ ماننے والوں سے مقابلہ کیا، یہاں تک کہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ان میں سے بہت سے لوگ خوشی سے اور کچھ حالات سے مجبور ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس حال میں انتقال ہوا کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ کو خلیفہ بنایا گیا اور آپ نے اس ذمے داری کو بہت اچھے طریقے سے نبھایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے بہت سے شہر آباد کرائے (جیسے کوفہ، بصرہ) اور مسلمانوں کے لیے روم اور فارس کے سارے اموال جمع کر دیے اور آپ کے ذریعے دشمن کا قلع قمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر گھر میں آپ کے ذریعے دین کو ترقی عطا فرمائی اور رزق میں بھی وسعت عطا فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خاتمے میں آپ کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا فرمایا۔ شہادت کا یہ مرتبہ آپ کو مبارک ہو۔"

یہ تمام باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! تم ایسی باتیں کر کے جسے دھوکا دے رہے ہو، اگر وہ ان باتوں کو اپنے لیے مان جائے گا تو وہ واقعی دھوکا کھانے والا انسان ہے۔"

پھر فرمایا:

"اے عبداللہ! کیا تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی میرے حق میں ان تمام باتوں کی گواہی دے سکتے ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"جی ہاں!"

اس پر آپ نے فرمایا:

"اے اللہ تیرا شکر ہے کہ میری گواہی دینے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تیار ہو گئے ہیں۔ اے عبداللہ! میرے رخسار کو زمین پر رکھ دو۔"

اس کے بعد آپ نے اپنی ڈاڑھی اور رخسار زمین سے لگا دیا اور فرمایا:

"او عمر! اگر اللہ نے تیری مغفرت نہ کی تو پھر تیری بھی ہلاکت ہے اور تیری ماں کی بھی ہلاکت ہے۔"

اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔

(جاری ہے)

کمپیوٹر وژن سنڈروم کیا ہے؟

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔ کسی بھی چیز کا حد سے زیادہ استعمال فائدہ کے بجائے ضرر کا باعث بن جاتا ہے۔ موجودہ دور میں کمپیوٹر ہر طرح سے زندگی کا لازمی جز بن چکا ہے۔ دنیا بھر کے رابطے اور معلومات محض ایک کلک کے محتاج ہیں۔ جوں جوں کمپیوٹر کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے، نت نئی بیماریاں اور مسائل بھی جنم لے رہے ہیں۔ امریکن آپٹومیٹرک ایسوسی ایشن کے مطابق متعدد افراد کمپیوٹر کے زیادہ استعمال سے آنکھ اور نظر کی بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ مثلاً کمپیوٹر وژن کی بیماری سامنے آئی ہے۔ اسے طب کی زبان میں "سی وی ایس" کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر سے نکلنے والی ضرر رساں شعاعیں آنکھوں کو غیر محسوس طریقے سے متاثر کرتی ہیں اور اس بارے میں فوری پتا بھی نہیں چلتا، لیکن جب ہر روز تین سے زاید گھنٹے مسلسل کمپیوٹر پر نظریں جمی رہیں تو پلک جھپکنے کے عمل میں خلل واقع ہوتا ہے، جس کے باعث قرنیہ (Cornea) یعنی آنکھ کا پردہ متاثر ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ پلک جھپکنے سے آنکھوں میں نمی کا تناسب ٹھیک رہتا ہے۔ اسی وجہ سے جو لوگ روزانہ مسلسل کئی گھنٹے کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں اور درمیان میں کوئی وقفہ بھی نہیں کرتے، وہ زیادہ جلدی اس بیماری "کمپیوٹر وژن سنڈروم" کا شکار ہو جاتے ہیں۔

م۔ بنت سہیل احمد

اس میں آنکھوں کا بوجھل ہونا، جلن کا احساس، سر اور کندھوں میں درد، آنکھوں میں دھندلاہٹ، ایک کی دو چیزیں دکھائی دینا، آنکھوں میں سرخی آ جانا جیسی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھوں کو نم رکھنے والی نالیاں خشک ہو جاتی ہیں۔

انسان کا 80 فیصد سیکھنے کا عمل آنکھوں پر انحصار کرتا ہے، جس سے واضح ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بصارت کی کتنی اہمیت ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق آنکھوں کی حفاظت کریں اور کمپیوٹر کا روزانہ لگاتار استعمال کرنے سے گریز کریں۔ اگر کوئی ضروری کام کر رہے ہیں تو گھنٹے، دو گھنٹے بعد مانیٹر سے نظریں ہٹا کر کچھ وقت کے لیے آنکھیں موند لیں اور کوشش کریں کہ پلک جھپکنے کا عمل متاثر نہ ہو۔ آنکھوں کی معمولی سی تکلیف کو نظر انداز نہ کریں، بلکہ ڈاکٹر سے رجوع کریں، کیونکہ رب کائنات کی جانب سے انسان کو عطا کردہ نعمتِ بصارت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

29

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہ

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''دیکھو! مجھ پر کتنا قرض ہے۔اس کا حساب لگاؤ۔''

انھوں نے بتایا:

''چھیاسی ہزار۔''

اب آپ نے فرمایا:

''اگر عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے مال سے یہ قرض ادا ہو جائے تو ان سے مال لے کر میرا یہ قرض ادا کر دینا، ورنہ میری قوم بنوعدی سے مانگنا۔ ان کے بعد کسی اور سے نہ مانگنا اور میرا قرض ادا کر دینا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جا کر میرا اسلام کہو اور ان سے کہو:

عمر بن خطاب اپنے دونوں ساتھیوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حجرۂ مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے اور ہاں عمر بن خطاب کہنا، اس کے ساتھ امیر المومنین نہ کہنا، کیونکہ میں آج امیر المومنین نہیں ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ حضرت عبداللہ نے آپ کو سلام کیا اور پھر یوں عرض کیا:

''عمر بن خطاب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نے اس جگہ دفن ہونے کی اپنے لیے نیت کی تھی، لیکن آج میں اپنے آپ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ انھیں اجازت ہے۔''

حضرت عبداللہ واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھتے ہی پوچھا:

''کیا جواب لائے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس وقت میرے نزدیک اس کام سے زیادہ ضروری کام کوئی اور نہیں تھا، جب مر جاؤں تو میرے جنازے کو اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر رکھ دینا، پھر ان سے دوبارہ اجازت طلب کرنا اور یوں کہنا:

عمر بن خطاب حجرے میں دفن ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے اندر لے جانا، اگر اجازت نہ دیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔''

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو سب مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں۔ یوں لگا جیسے آج مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے سلام کرنے کے بعد عرض کیا:

''عمر بن خطاب اندر دفن ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ نے فرمایا:

''اجازت ہے۔''

اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے آپ سے کہا:

''آپ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیں۔''

آپ نے فرمایا:

''میں ان چھ آدمیوں کی جماعت سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حق دار نہیں پاتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ ان چھ سے راضی تھے۔ یہ جسے خلیفہ بنالیں، وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔''

پھر آپ نے ان چھ حضرات کے نام لیے، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ۔

آپ نے ان کے نام لینے کے بعد فرمایا:

''اگر خلافت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ملے تو وہی اس کے حق دار ہیں، ورنہ ان میں سے جسے بھی خلیفہ بنایا جائے، وہ ان سے مدد حاصل کرتا رہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقعے پر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں فرمایا:

''یہ چھ حضرات ان سے مشورہ لے سکتے ہیں، لیکن ان کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔''

آپ نے اپنی وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''اے ابوطلحہ! تم اپنی قوم انصار کے پچاس آدمی لے کر ان چھ حضرات کے ساتھ رہنا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں گے۔ تم ان کے دروازے پر موجود رہنا اور کسی کو اندر نہ جانے دینا۔ تین دن تک ان کے پاس موجود رہنا، یہاں تک کہ یہ کسی کو امیر مقرر کرلیں۔''

آپ کے انتقال کے بعد ان چھ حضرات نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ انھوں نے پیغام بھیجا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ لوگوں کو حکم دے گئے ہیں کہ آپ لوگ مہاجرین اور انصار سے اور جتنے لشکروں کے سالار یہاں موجود ہیں، ان سے مشورہ کریں، اگر آپ لوگ یہ کام نہیں کریں گے تو میں آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔''

جب یہ چھ حضرات ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اپنی رائے کو تین آدمیوں کے حوالے کردو۔''

آپ کا یہ کہنے سے مطلب یہ تھا کہ فیصلہ ہم چھ میں سے تین آدمی کریں گے، لہٰذا تین آدمی الگ ہوجائیں، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا۔

جب اختیار ان حضرات کو مل گیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا آپ دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ فیصلہ میں کردوں اور میں اللہ سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ تم میں سے سب سے افضل آدمی کی اور مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ مفید شخص کی تلاش میں کوئی کمی نہیں کروں گا۔''

اس پر دونوں حضرات نے کہا:

''ہاں! ہم دونوں تیار ہیں۔''

اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات کی اور کہا:

''آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے داری کا شرف حاصل ہے اور آپ اسلام لانے میں پہل کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے تو کیا آپ انصاف کریں گے اور اگر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دوں تو کیا آپ ان کی بات سنیں گے اور مانیں گے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جی ہاں۔''

اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات کی اور ان سے بھی یہی پوچھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

''جی ہاں!''

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے عثمان ہاتھ بڑھایئے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کرلی۔ پھر حضرت علی اور باقی لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔ (جاری ہے)

- جسے ہارنے کا خوف ہو، وہ ضرور ہار جاتا ہے۔
- عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو 10 برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہے۔
- تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔
- آخرت کا کام آج کر، دنیا کا کام کل پر چھوڑ دے۔
- انسان کو بہت سے نقصانات مشورے کے نہ لینے سے پہنچتے ہیں۔
- جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرنے کا ارادہ کرلیں، وہ دولت کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔
- کسی نے ظالم کی مدد کی تو گویا اس نے اللہ کے غضب کو اپنے سر لے لیا۔
- جسے مسلمان کا غم نہ ہو، وہ میری امت میں سے نہیں۔
- جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، وہ بدلہ نہیں لیتا۔
- معافی مانگنا آسان ہے، گناہ چھوڑنا مشکل۔
- ہر اچھے یا برے عمل کا بدلہ، اس میں اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے بیج میں درخت۔
- جو بندہ اچھے اعمال میں ترقی کرتا ہے، وہ اللہ سے ڈرنے میں بھی ترقی کرتا ہے۔
- جو شخص برے اعمال میں ترقی کرتا ہے، وہ اپنے بارے میں زیادہ دھوکے میں مبتلا ہوتا ہے۔
- کامیابی کی سیڑھی پر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر نہیں چڑھا جاسکتا۔
- معاشرے پر تمہارا اس سے بڑا کوئی احسان نہیں ہوسکتا کہ تم خود سنور جاؤ۔
- دنیا کی مصیبتوں کا چوتھا حصہ زبان کی پیداوار ہے۔
- جھگڑے کو تیز ہوجانے سے پہلے چھوڑ دو۔
- عقل مند وہ ہے، جسے غصہ دیر سے آتا ہے۔
- انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا پیٹ ہے۔
- بدترین دشمن وہ ہے جو جلد غصے میں آئے اور دیر میں راضی ہو۔
- تین انسان تین چیزوں سے محروم ہیں۔ غصے والا درست فیصلے سے، جھوٹا عزت سے، جلد باز کامیابی سے۔

ارسال کرنے والے: حبیب احمد گکڑ ہٹہ۔ مریم فاطمہ جھاوریاں۔ حافظ نوید احمد اٹک۔ مبین فاطمہ لاہور کینٹ۔

حمص کے کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ پہلے ہی حالات کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"تمہارے گورنر عبداللہ بن قرط کا کیا حال ہے۔"

ان لوگوں نے بتایا:

"یوں تو وہ بہت اچھے گورنر ہیں، لیکن ان میں بس ایک بات ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اور وہ کیا؟"

انھوں نے بتایا:

"ہمارے گورنر نے ایک اونچا گھر بنالیا ہے۔ وہ اس میں رہتے ہیں۔"

یہ معلوم ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان گورنر کو خط لکھا اور اپنے قاصد کے ہاتھ وہ خط بھیجا۔ ساتھ ہی قاصد کو حکم دیا۔

"جب تم وہاں پہنچو تو گورنر کے بالا خانے کو آگ لگا دینا۔"

قاصد حمص پہنچا۔ گورنر کے بالا خانے کے دروازے پر آیا اور لکڑیاں دروازے پر رکھ کر ان کو آگ لگانے لگا۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود پہرے دار نے اندر جا کر یہ بات گورنر کو بتائی۔ انھوں نے فوراً کہا۔

"اسے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور امیر المومنین کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔"

بالا خانے کے دروازے کو آگ لگانے کے بعد قاصد نے خط گورنر کو دیا۔ گورنر خط پڑھتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو گئے، کیونکہ انھیں پیش ہونے کا حکم ملا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

"مدینے سے باہر پتھریلے میدان میں میرے پاس پہنچ جاؤ۔"

اس پتھریلے میدان کا نام حرّہ تھا۔ حرّہ میں صدقے کے اونٹ رکھے جاتے تھے۔ گورنر وہاں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"کپڑے اتار دو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی، فوراً کپڑے اتار دیے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اونٹ کی اون سے بنا ہوا لباس اسے دیا اور فرمایا:

"اس لباس کو پہنو۔"

انھوں نے اونی لباس پہن لیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"اس کنویں سے پانی نکالو اور ان اونٹوں کو پلاؤ۔"

وہ کنویں سے پانی نکالتے رہے اور اونٹوں کو پلاتے رہے یہاں تک کہ بہت تھک گئے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"دنیا میں اور کتنا رہو گے۔"

گورنر نے کہا:

"بس بہت تھوڑا عرصہ۔"

آپ نے فرمایا:

"بس اس مختصر سی زندگی کے لیے تم نے وہ بالا خانہ بنوایا تھا جس کی وجہ سے تم یتیموں، بیواؤں کی پہنچ سے دور ہوا کرتے تھے۔ جاؤ اپنے کام پر واپس جاؤ اور آیندہ ایسا نہ کرنا۔" (ابن عساکر 166/3)

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا مکان بنوایا ہے۔ اس پر دروازہ بھی لگوایا ہے اور ایسا کرنے کے بعد انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اب بازار کا شور آنا رک گیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے۔

یہ مکان دراصل انھوں نے شور کو روکنے کے لیے ہی بنوایا تھا۔ شور کی وجہ سے وہ رعایا کے کام نہیں کر پاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

جب بھی کوئی اس قسم کا کام کروانا ہوتا تھا تو عام طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھی کو بھیجتے تھے۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"سعد کے پاس جاؤ اور ان کا دروازہ جلا دو۔"

حضرت محمد بن مسلمہ کوفہ پہنچے اور حضرت سعد کے گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی ان کے دروازے کو آگ لگا دی۔ لوگوں نے فوراً حضرت سعد کو اطلاع دی اور آگ لگانے والے کا حلیہ بیان کیا۔ حضرت سعد سمجھ گئے کہ آگ لگانے والے کون صاحب ہیں، چنانچہ فوراً باہر آئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"امیر المومنین کو آپ کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ اب شور آنا بند ہو گیا ہے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

"اللہ کی قسم! میں نے یہ بات نہیں کہی۔"

اس پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہمیں تو جو حکم ملا ہے... اس پر عمل کریں گے

... اوراب آپ جو کہہ رہے ہیں، وہ آپ کی طرف سے امیر المومنین تک پہنچادیں گے۔"

اس کے بعد جب حضرت محمد بن مسلمہ وہاں سے جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں راستے میں کھانے وغیرہ کا کچھ سامان دینا چاہا، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر چل دیے۔ آخر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"تم بہت جلد آ گئے... تمہارے بارے میں اگر ہمیں اچھا گمان نہ ہوتا تو یہی خیال کرتے کہ تم نے اپنا کام پورا نہیں کیا۔"

آپ کی بات کے جواب میں حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا:

میں نے سفر بہت تیزی سے کیا ہے... اور آپ نے جس کام سے بھیجا تھا، وہ میں کر آیا ہوں... اور حضرت سعد معذرت کر رہے تھے اور قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ انھوں نے یہ بات نہیں کہی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"کیا حضرت سعد نے تمہیں سفر کے لیے توشہ دیا تھا۔"

حضرت محمد بن مسلمہ نے جواب دیا:

"انھوں نے دینا چاہا تھا، لیکن میں نے نہیں لیا... لیکن آپ نے مجھے توشہ کیوں نہیں دیا تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے اس بات کو برا جانا کہ تمہارے لیے توشے کا حکم دوں، اس طرح تمہیں تو دنیا میں توشہ مل جائے گا... لیکن آخرت میں میری پکڑ ہو جائے گی... کیونکہ میرے اردگرد مدینہ منورہ والے ہیں جو بے چارے بھوک سے مر رہے ہیں... کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن خود تو اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔"

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھی عورت تلاش کی... وہ چاہتے تھے... اس کی خدمت کیا کریں... اور ابھی آپ خلیفہ نہیں بنے تھے... یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کی بات ہے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ رات کے وقت جا کر اس بڑھیا کا پانی بھر دیا کریں گے... اس کے گھر کی صفائی کر دیا کریں گے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف رات کے بعد وہاں گئے، لیکن انھوں نے دیکھا... کوئی شخص ان سے پہلے ہی بڑھیا کا پانی بھر چکا ہے اور گھر کے دوسرے کام صفائی وغیرہ کر کے جا چکا ہے... انھیں بہت حیرت ہوئی کہ وہ کون شخص ہے جو ان سے بھی پہلے یہ سارا کام کر گیا ہے... دوسرے دن آپ اس وقت سے بھی پہلے وہاں چلے گئے، لیکن اس روز بھی بڑھیا کے یہ سب کام کوئی کر کے جا چکا ہے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی بار کوشش کی کہ اس شخص سے پہلے وہاں پہنچ سکیں... لیکن اس شخص سے پہلے نہ پہنچ سکے... وہی ان سے پہلے آ کر بڑھیا کے سب کام کر کے چلا جاتا تھا...

آخر کار اس شخص کا پتا چلانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع رات سے راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے... تھوڑی دیر بعد تاریکی میں ایک شخص آتا نظر آیا... نزدیک آنے پر انھوں نے دیکھا... وہ وقت کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے...

انھیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! یہ آپ ہیں... جو مجھ سے بھی پہلے اس بڑھیا کی خدمت کر کے چلے جاتے تھے۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے سوچا، دیکھنا چاہیے کہ یہ رات کو کہاں اور کیوں جا رہے ہیں۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ کچھ دیر بعد وہاں سے نکل کر دوسرے گھر میں داخل ہوئے۔

دوسرے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس گھر میں گئے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ انھوں نے دیکھا، گھر میں ایک اندھی بڑھیا موجود تھی اور وہ لنگڑی لولی بھی تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"رات کے وقت وہ آدمی تمہارے گھر میں کیا کرنے آتا ہے۔"

بڑھیا نے بتایا:

"برسوں سے یہ شخص میری دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ میری ضرورت کے سب کام کر جاتے ہیں اور میرے گھر کے پاخانے وغیرہ تمام چیزوں کی صفائی کر دیتے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا اور خود سے کہا:

"اے طلحہ! افسوس ہے تجھ پر! تو عمر میں خرابیاں تلاش کرتا ہے۔" (جاری ہے)

مٹر

مٹر بنیادی طور پر جنوبی یورپ کا مقامی پودا ہے، لیکن اب دنیا بھر میں کاشت کیا جاتا ہے۔ مٹر کی پھلیوں سے حاصل ہونے والا بیج بطور سبزی استعمال ہوتا ہے۔

مٹر ٹھنڈے موسم کی سبزی ہے۔ یہ پھلی دار ہوتا ہے جس میں سبز، جامنی یا ہلکے سنہری رنگ کے بیج ہوتے ہیں۔ مٹر کے دانوں کو طرح طرح کے پکوان کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مٹر کے دانے کاربوہائیڈریٹس، چکنائیاں، پروٹینز، وٹامن اے، وٹامن بی ون، B2، B3، B6 اور وٹامن B9 کے علاوہ بیٹا کیروٹین اور وٹامن سی کا خزانہ لیے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کیلشیم، پوٹاشیم، آئرن، میگنیشیم، فاسفورس اور زنک بھی مٹر کے دانوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، ہنگری، سربیا اور فرانس وغیرہ میں مٹر کا سوپ بڑے شوق سے پیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مٹر کے دانوں کو خشک کر کے مونگ پھلی کی طرح کھایا جاتا ہے۔ پاکستان، بھارت، ایران، بنگلہ دیش اور افغانستان میں مٹر پلاؤ بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملک شام جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"اس شرط پر جانے کی اجازت دے سکتا ہوں کہ آپ وہاں جا کر کسی شہر کے گورنر بن جائیں۔"

جواب میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں گورنر بننے کے لیے تیار نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تو پھر میں اجازت نہیں دیتا۔"

اس پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں وہاں جا کر لوگوں کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں سکھاؤں گا اور انھیں نماز پڑھاؤں گا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جانے کی اجازت دے دی اور آپ ملک شام چلے گئے۔

اس کے کچھ مدت بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے۔

جب رات ہوگئی تو آپ نے اپنے خادم سے فرمایا:

"اے یرفا! ہمیں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس لے چلو۔ تم دیکھو گے، ان کے پاس محفل جمی ہوگی۔ چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے لے کر ریشم اور دیباج بچھایا گیا ہوگا۔"

یہاں علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ ریشم پہننے کے بارے میں تو واضح حدیث موجود ہے کہ ریشم مردوں کے لیے حرام ہے، لیکن ریشم بچھانے کو حرام نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ایک دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان حضرات کا قیام عارضی ہوتا تھا، لہٰذا یہ حضرات اپنی رہائش کے لیے الگ سے تکلف نہیں کرتے تھے۔ پہلے سے جو چیزیں وہاں موجود تھیں، انھی سے گزارہ کر لیا کرتے تھے۔ ریشم بھی پہلے سے بچھا ہوا ہوتا تھا۔ بس اس وجہ سے وہ اسے بیٹھنے کے لیے استعمال کر لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم حضرت یرفا سے یہ بھی فرمایا:

"تم انھیں اسلام کرو گے، وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے، لیکن جب تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے تو وہ پہلے یہ پوچھیں گے۔ تم کون ہو؟ پھر تمہیں اندر آنے کی اجازت دیں گے۔"

حضرت یرفا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر ہم روانہ ہوئے اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"السلام علیکم!"

اندر سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"وعلیکم السلام۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں اندر آجاؤں؟"

اندر سے پوچھا گیا:

"آپ کون ہیں؟"

اس کے جواب میں حضرت یرفا رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

"یہ وہ ہستی ہیں کہ جو آپ کے ساتھ ناگوار سلوک کرے گی۔ یا امیر المومنین ہیں۔"

حضرت یزید نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت عمر اور حضرت یرفا اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا، اندر محفل جمی تھی۔ چراغ جل رہا تھا۔ ریشم اور دیباج بچھا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے یرفا! جلدی سے دروازہ بند کر لو۔ دروازہ بند کر لو۔"

ساتھ ہی آپ نے ایک کوڑا حضرت یزید کی کن پٹی پر مارا۔ پھر سارا سامان سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اب آپ نے وہاں موجود سب لوگوں سے فرمایا:

"میرے آنے تک تم سب لوگوں میں سے کوئی بھی اس جگہ سے نہ ہلے۔ سب یہیں رہیں۔"

اب یہ دونوں حضرات وہاں سے باہر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے یرفا! آؤ اب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں اور انھیں دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس بھی مجلس جمی ہوگی اور چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے ریشم بچھا ہوگا۔ تم انھیں سلام کرو گے، وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے۔ پھر تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے۔ وہ اجازت دینے سے پہلے پوچھیں گے۔ تم کون ہو۔"

چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''السلام علیکم۔''
اندر سے جواب ملا:
''وعلیکم السلام۔''
اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''کیا میں اندر آجاؤں۔''
اندر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''آپ کون ہیں۔''
جواب میں حضرت یرفا نے کہا:
''یہ وہ ہستی ہے جو تمہارے ساتھ ناگوار سلوک کرے گی۔ یہ امیر المومنین ہیں۔''

حضرت عمرو نے دروازہ کھولا۔ یہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اندر جا کر ان حضرات نے دیکھا، مجلس لگی ہوئی ہے اور چراغ جل رہا ہے اور ریشم اور دیباج بچھا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اے یرفا! جلدی سے دروازہ بند کرو۔ دروازہ بند کرو۔''

اس کے بعد آپ نے ایک کوڑا حضرت عمرو کی کن پٹی پر مارا۔ پھر سارا سامان سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور فرمایا:
''میرے واپس آنے تک تم لوگوں میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سب یہیں ٹھہریں۔''

اب یہ دونوں حضرات حضرت عمرو کے گھر سے باہر آگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اے یرفا! آؤ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں اور انھیں دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس بھی مجلس جمی ہوگی اور چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے اونی کپڑا بچھا رکھا ہوگا۔ تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو تو وہ اجازت دینے سے پہلے معلوم کریں گے۔ تم کون ہو؟''

اب یہ دونوں حضرت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں بھی ایسا ہی تھا۔ چراغ جل رہا تھا۔ مجلس جمی ہوئی تھی اور اونی کپڑا بچھا رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اے ابوموسیٰ تم بھی۔'' (یعنی تم بھی یہاں آکر بدل گئے اور وہی کر رہے ہو جو دوسرے کر رہے ہیں)

آپ کی بات کے جواب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''میں نے کم کیا ہے۔ میرے ساتھیوں نے جو کیا ہے، اسے آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔'' (یعنی وہ مجھ سے زیادہ ہے، اللہ کی قسم مجھے بھی اتنا ملا، جتنا میرے ساتھیوں کو ملا)

ان کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''پھر یہ کیا ہے؟'' (یعنی جو ہم دیکھ، وہ کیا ہے اور کیوں ہے)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''مقامی لوگ کہتے ہیں، اتنا کرنے سے ہی امارت کا کام ٹھیک چلے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارا سامان سمیٹ کر گھر کے درمیان میں رکھ دیا اور فرمایا:
''میرے واپس آنے تک تم میں سے کوئی بھی یہاں سے نہ ہلے، سب یہیں رہیں۔''

دونوں وہاں سے باہر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اے یرفا! آؤ ہم اپنے بھائی کے پاس چلتے ہیں، انھیں دیکھیں... نہ ان کے ہاں مجلس لگی ہوگی، نہ چراغ جل رہا ہوگا اور نہ ان کے دروازے کو بند کرنے کی کوئی چیز یعنی کنڈی وغیرہ ہوگی... فرش پر کنکریاں بچھا رکھی ہوں گی... پالان کے نیچے ڈالنے والے کمبل کو تکیہ بنا رکھا ہوگا... ان کے جسم پر پتلی چادر ہوگی جس میں انھیں سردی لگ رہی ہوگی... تم انھیں سلام کروگے، وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے... پھر تم ان سے اندر آنے کی اجازت چاہو گے... تو وہ یہ پوچھے بغیر کہ تم کون ہو، اندر آنے کی اجازت دے دیں گے۔''

اب دونوں روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:
''السلام علیکم۔''
حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:
''وعلیکم السلام۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''کیا ہم اندر آجائیں۔''
انھوں نے کہا: ''ہاں آجائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے کو دھکیلا... تو اس میں کنڈی نہیں تھی، اس لیے فوراً کھل گیا... دونوں حضرات اندر داخل ہوئے تو اندر اندھیرا تھا... حضرت عمر اندھیرے کی وجہ سے انھیں ٹٹولنے لگے، یہاں تک کہ ان کا ہاتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو جا لگا۔ پھر آپ نے ان کے کمبل کو ٹٹولا، وہ پالان کا کمبل تھا۔ ان کے بستر کو ٹٹولا تو کنکریاں تھیں۔ ان کے جسم کے اوپر کے کپڑے کو چھوا تو وہ ایک باریک سی چادر تھی۔ ایسے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:
''یہ کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ امیر المومنین ہیں؟''
یرفا نے کہا:
''ہاں! یہ امیر المومنین ہیں۔''
حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:
''اللہ کی قسم! آپ بڑی دیر سے آئے۔ میں ایک سال سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا میں نے آپ پر وسعت نہیں کی تھی (یعنی آپ کو کچھ دیا نہیں تھا) اور کیا میں نے آپ کے ساتھ فلاں فلاں احسان نہیں کیے۔''
حضرت ابودرداء نے یہ سن کر کہا:
''اے عمر! کیا آپ کو وہ حدیث یاد نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کی تھی۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''کون سی حدیث؟''
انھوں نے کہا:
''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، تم میں سے ہر ایک آدمی کے پاس زندگی گزارنے کا اتنا سامان ہونا چاہیے جتنا سوار کے پاس سفر کا توشہ ہوتا ہے۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''ہاں! یاد ہے۔''
حضرت ابودرداء نے کہا:
''اے عمر! تو پھر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا؟''

پھر دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ایک دوسرے کو یاد دلاتے رہے اور صبح تک روتے رہے۔

(جاری ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ شام میں لوگ طاعون میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''مجھے ایک کام کے سلسلے میں آپ کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ میں آپ کے بغیر اس کام کو نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں، اگر آپ کو میرا یہ خط رات کو ملے تو صبح ہونے سے پہلے اور اگر دن کو ملے تو شام ہونے سے پہلے یہاں سے سوار ہو کر میری طرف چل پڑیں۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا۔ آپ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب لکھا:

''امیر المومنین کو جو ضرورت پیش آئی ہے، میں اسے سمجھ گیا ہوں۔ جو آدمی اب دنیا میں رہنے والا نہیں، وہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں، یعنی یہ چاہتے ہیں، اس طاعون کی وبا والا علاقہ چھوڑ کر مدینہ چلا آؤں اور اس طرح موت سے بچ جاؤں، لیکن میں موت سے بچنے والا نہیں ہوں۔ میں اس وقت مسلمانوں کے ایک لشکر میں ہوں۔ جان بچانے کے لیے میں اپنے لشکر کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ جب آپ تک میرا یہ خط پہنچے تو آپ مجھے اپنی قسم کے پورا کرنے سے پہلے معاف فرما دیں اور مجھے یہیں ٹھہرنے کی اجازت دیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خط ملا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رونے لگے۔ آپ کے آس پاس لوگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے پوچھا:

''کیا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! انتقال تو نہیں ہوا، لیکن یوں سمجھو کہ ہو گیا ہے۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

''اردن کا سارا علاقہ وبا میں مبتلا ہو چکا ہے اور جابیہ شہر ابھی محفوظ ہے، اس لیے آپ مسلمانوں کو لے کر وہاں چلے جائیں۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر فرمایا:

''امیر المومنین کی یہ بات ہم ضرور مانیں گے۔''

اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں ٹھہرائیں... ان حالات میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی طاعون میں مبتلا ہو گئی... انھوں نے یہ بات حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتائی... مطلب یہ تھا کہ انھیں اپنی بیوی کی تیمارداری کرنی پڑ رہی ہے... اس

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خود لوگوں کی تیمارداری کرنے لگے اور پھر خود انھیں بھی طاعون ہو گیا... اسی وبا میں ان کا انتقال ہوا... پھر طاعون کی وبا ختم ہو گئی... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھتیس ہزار کا لشکر تھا... چھتیس ہزار میں سے صرف چھ ہزار زندہ بچے تھے... باقی سب کا انتقال ہو گیا... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس لیے بلانا چاہا تھا کہ آپ طاعون سے محفوظ رہیں... لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند نہ کیا... وبا زدہ علاقے میں رہ کر مسلمانوں کی خدمت کی اور خود اس وبا کا شکار ہو گئے...

طاعون ایک عالمی بیماری ہے... جب پھیلتی ہے تو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا تھا:

''میرے ساتھ مسلمانوں کا ایک لشکر ہے... لشکر میں طاعون پھیلا ہوا ہے، میں اپنی جان بچانے کے لیے انھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

○

قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ کا امیر مقرر کیا... وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تحریری حکم لینے کے لیے آیا... عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بچہ آپ کے پاس لایا گیا... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو چوما... اس شخص نے یہ دیکھ کر کہا:

''امیر المومنین! آپ اس بچے کا بوسہ لے رہے ہیں! اللہ کی قسم! میں نے تو آج تک کبھی اپنے بچے کا بوسہ نہیں لیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تمہارے دل میں بچوں کے بارے میں شفقت نہیں ہے تو پھر دوسرے لوگوں کے بارے میں تو

543B

بالکل شفقت نہیں ہوگی... اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں میں سے انھی بندوں پر رحم فرماتے ہیں... جو دوسروں پر شفیق ہوتے ہیں... لہٰذا تم اس عہدے کے قابل نہیں۔''

آپ نے یہ فرمایا اور اس سے تحریری حکم نامہ واپس لے لیا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ ایسا شخص لوگوں پر کیسے رحم فرمائے گا جو بچوں سے پیار اور محبت سے پیش نہیں آتا۔

O

ایک عورت نے چوری کی اور یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس عورت کے قبیلے کے لوگ گھبرا گئے۔ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی:

''آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کر دیں، تاکہ یہ عورت سزا سے بچ جائے۔''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اسی وقت سمجھ گئے کہ انھوں نے سفارش کر کے غلطی کی ہے، اس لیے فوراً ہی بول اٹھے:

''اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے استغفار فرمائیں۔''

یعنی میرے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں۔ شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے پہلے اللہ کی ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا طاقت ور اور معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

پھر اس عورت نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور بہت اچھی توبہ کی... پھر اس نے شادی بھی کی... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ عورت میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔

O

حنین کی لڑائی جاری تھی۔ ایسے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر چڑھا بیٹھا ہے۔ انھوں نے پیچھے سے اس مشرک کے کندھے پر وار کیا۔ ان کی تلوار نے مشرک کی زرہ کاٹ کر رکھ دی۔ ساتھ ہی اس کے کندھے کی رگ بھی کٹ گئی۔ وہ زخم کھا کر ان کی طرف پلٹا اور ان پر حملہ آور ہوا، لیکن پھر خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے وہ گر گیا۔ فتح کے بعد مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی ہے تو قتل ہونے والے مشرک کا سامان اسی کو ملے گا۔''

اس پر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''میں نے ایک مشرک کو قتل کیا ہے... میرا کوئی گواہ ہے۔''

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی اعلان فرمایا تو حضرت قتادہ نے پھر کہا:

''کوئی میری گواہی دیتا ہے۔''

یہ کہہ کر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ آپ نے پھر یہی اعلان دہرایا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوقتادہ! تمھیں کیا ہوا؟''

انھوں نے سارا قصہ آپ کو سنایا۔ تب ایک آدمی نے کہا:

''یہ سچ کہتے ہیں، اس مقتول کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ اس مقتول کا سامان میرے پاس رہنے دیں۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے... جب ان کی بات ٹھیک ہے تو سامان انھی کو ملے گا... تمھیں دینے کا مطلب تو پھر یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑنے والے اللہ کے شیر کو ملنے والا سامان حضور تمھیں دے دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر ٹھیک کہتے ہیں، تم انھیں وہ سامان دے دو۔''

چنانچہ وہ سامان حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا اور انھوں نے اس سے بنوسلمہ کا ایک باغ خرید لیا، وہ پہلا مال تھا جو انھیں ملا۔ (جاری ہے)

ختم نبوت زندہ باد

مبعوث ان کے بعد ہو کیسے کوئی نبی
سرکارِ دو جہاں ﷺ ہیں جب آخری نبی

مرزا غلام اصل میں تھا نفس کا غلام
مرزا غلام ہو نہیں سکتا کبھی نبی

کہتے ہیں اہلِ عقل وہ ذہنی مریض تھا
کہلاتا اپنے آپ کو تھا وہ جبھی نبی

اُٹھا جنازہ صدق و صفا و خلوص کا
پیدا جو قادیاں میں ہوا مرزئی نبی

دونوں میں آسمان و زمیں سے زیادہ فرق
اک مبتدی غلام ہے اک منتہی نبی

دل میں بسا ہے عشقِ نبی اس طرح کہ اب
وردِ زبان رہتا ہے اکثر نبی نبی

آلامِ روزگار سے حاصل ہوئی نجات
تشریف لائے بن کے سراپا خوشی نبی

سردارِ انبیاء ہیں وہی خاتم الرسل
اُمّی لقب وہ مطلبی ہاشمی نبی

اذنِ حضوری چاہتا ہے آج ہی اثر
ہجرِ نبی میں جان پہ میری بنی نبی

اثر جونپوری

واقعات صحابہؓ

33

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کے ذمے ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے۔ اس یہودی نے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد چاہی۔ اس نے آکر کہا:

"اے محمد! میرے اس آدمی کے ذمے چار درہم ہیں، میں کئی بار ان سے مطالبہ کر چکا ہوں، لیکن یہ مجھے نہیں دیتے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کی بات سن کر حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم اس کے چار درہم دے دو۔"

انھوں نے عرض کیا:

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میرے پاس اس کا قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے اور میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ ہمیں خیبر بھیجیں گے اور امید ہے کہ آپ ہمیں کچھ مال غنیمت دیں گے۔ اس لیے وہاں سے واپسی پر اس کا قرض ادا کر دوں گا۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"تم اس کا حق ادا کر دو۔"

جب آپ نے دوبارہ ان سے یہ فرمایا تو حضرت عبداللہ بن ابی حدرد بازار گئے۔ اس وقت ان کے بدن پر ایک چادر تھی اور سر پر ایک پگڑی تھی۔ انھوں نے پگڑی اتار کر اسے لنگی بنالیا اور چادر کھول کر اس یہودی سے کہا:

"تم مجھ سے یہ چادر خرید لو۔"

اس یہودی نے چادر چار درہم میں خرید لی، یعنی اس طرح انھوں نے قرض ادا کر دیا۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت ادھر سے گزری۔ اس نے حضرت عبداللہ کو ننگے سر دیکھ کر پوچھا:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، تمھیں کیا ہوا؟"

انھوں نے اسے ساری بات بتا دی، بڑھیا نے سنتے ہی اپنی چادر اتار کر ان پر ڈال دی اور کہا:

"تم یہ چادر لے لو۔"

○

ایک دیہاتی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ قرض دینا تھا۔ وہ آکر قرض کا تقاضا کرنے لگا۔ اس نے سختی سے بات کی۔ یہاں تک کہہ دیا:

"جب تک آپ قرض ادا نہیں کریں گے، میں آپ کو تنگ کرتا رہوں گا۔"

اس پر آپ کے صحابہ نے اسے ڈانٹا اور کہا:

"تمھارا ستیاناس ہو، تم جانتے ہو، کس سے بات کر رہے ہو۔"

جواب میں اس نے کہا:

"میں تو اپنا قرض مانگ رہا ہوں۔"

اس پر آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا۔"

یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ اسے جھڑکنا نہیں چاہیے تھا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمھارے پاس کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو۔ جب ہمارے پاس آئیں گی تو ہم تمھارا قرض ادا کر دیں گے۔"

انھوں نے کہا:

"ضرور اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔"

اس طرح آپ نے اس دیہاتی کا قرض ادا کر دیا اور جتنا اس کا قرض تھا، اس سے زیادہ اسے دیا۔ اب دیہاتی نے کہا:

"آپ نے قرض پورا ادا کر دیا، اللہ آپ کو پورا بدلہ دے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"لوگوں میں سب سے بہترین لوگ حق کا ساتھ دینے والے لوگ ہیں۔ وہ امت پاکیزہ نہیں ہو سکتی جس میں کمزور آدمی بغیر تکلیف اور پریشانی کے اپنا حق نہ وصول کر سکے۔"

یعنی یہ آپ نے کلیہ ارشاد فرما دیا:

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمعے کے روز کھڑے ہو کر فرمایا:

"صبح صدقے کے اونٹ میرے پاس لے آنا۔ میں انھیں تقسیم کروں گا اور میرے پاس بغیر اجازت کوئی نہ آئے۔"

ایک عورت نے یہ اعلان سن کر اپنے خاوند سے کہا:

"یہ نکیل لے جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کوئی اونٹ دے دے۔"

وہ شخص نکیل لے کر اس جگہ چلا آیا جہاں اونٹ بندھے تھے... وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹوں کے

باڑے میں داخل ہو رہے ہیں... یہ شخص بھی ان دونوں حضرات کے پیچھے اندر داخل ہو گیا... حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حکم فرما چکے تھے کہ ان کے پاس بغیر اجازت کوئی نہ آئے...

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا:

"تم ہمارے پاس کیوں آئے۔"

یہ کہتے ہوئے آپ نے اس کے ہاتھ سے نکیل لے لی اور اسے دے ماری، پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس آدمی کو بلایا اور اس سے فرمایا:

"یہ اپنی نکیل لے لو اور اپنا بدلہ مجھ سے لے لو۔"

یعنی تم بھی اس نکیل سے مجھے مارو۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! یہ آپ سے بدلہ نہیں لے گا۔ آپ اس بات کو مستقل عادت نہ بنائیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ غلطی تو اس کی تھی، یہ بغیر اجازت اندر آیا... اب اگر یہ آپ سے بدلہ لے گا تو یہ ایک دستور بن جائے گا... یعنی وقت کا خلیفہ اگر کسی غلطی پر کسی کو سزا دے تو اس سے بدلہ لیا جائے۔

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تب پھر قیامت کے دن مجھے اللہ سے کون بچائے گا۔"

یعنی ان حضرات میں اللہ کا خوف اس قدر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

"آپ اسے کچھ دے کر راضی کر لیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا:

"ایک اونٹ، اس کا کجاوہ اور ایک کمبل اور پانچ دینار لے آؤ۔"

آپ نے اتنی چیزیں دے کر اس شخص کو راضی کیا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کھجور کے ایک درخت کے بارے میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم فیصلے کے لیے کسی کو ثالث مقرر کر لیتے ہیں۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ثالث بنا لیا۔ دونوں ان کے پاس گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"ہم آپ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ تھے، اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے بستر کے سرہانے کی طرف بٹھانا چاہا اور یوں کہا:

"امیر المومنین! یہاں تشریف رکھیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ پہلی ناانصافی ہے جو آپ نے اپنے فیصلے میں کی ہے، میں تو اپنے مخالف فریق کے پاس بیٹھوں گا۔"

یہ فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا۔

حضرت زید نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"قاعدے کے مطابق انکار کرنے پر مدعا علیہ کو قسم کھانی پڑتی ہے، لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ امیر المومنین کو قسم کھانے کی زحمت نہ دیں اور یہ درخواست میں کسی اور کے لیے نہیں کر سکتا۔ صرف امیر المومنین کے لیے کی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رعایت کو بھی قبول نہ کیا اور قسم کھالی۔ پھر آپ نے فرمایا:

"زید بن ثابت صحیح قاضی اس وقت بن سکتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک عمر اور ایک عام آدمی برابر ہوں۔"

(جاری ہے)

بعد از وفات بھی

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جمعے کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ وہ دن حاضری کا ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔"

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا:

"کیا وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! بعد از وفات بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ سو اللہ کا نبی زندہ ہے اور اسے رزق ملتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ 119، مشکوٰۃ 121)

حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی سند جید اور کھری ہے۔ (ترجمان السنۃ 297/3)

علامہ عزیزی فرماتے ہیں، اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔ (سراج المنیر 290/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (التہذیب التہذیب 398/3)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کی سند جید ہے۔ (مرقات 112/2)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس کی سند جید ہے۔ (نیل الاوطار 264/3)

معلوم ہوا درود و سلام روح اور جسم دونوں پر پیش ہوتا ہے۔

مفتی جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاول پور

عبداللہ فارانی

34

واقعاتِ صحابہ کرام

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایک گھر مسجد نبوی کے بالکل ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مسجد میں شامل کرنا چاہا۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آپ یہ گھر ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں یہ گھر بیچنا نہیں چاہتا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ یہ گھر مجھے ہدیہ کر دیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تب پھر آپ خود ہی یہ گھر مسجد میں شامل کر دیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! میں یہ بھی نہیں کروں گا۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ کو ان تین کاموں میں سے کوئی ایک تو کرنا ہی پڑے گا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ پھر بھی تیار نہ ہوئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھا تو کسی کو ثالث مقرر کر لیں۔ وہ ہمارا فیصلہ کر دے گا۔''

دونوں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کر لیا اور دونوں اپنا مقدمہ لے کر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ساری تفصیل سن کر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ ان کی اجازت کے بغیر ان سے یہ گھر نہیں لے سکتے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''کیا آپ کو یہ فیصلہ اللہ کی کتاب میں ملا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ملا ہے۔''

انھوں نے جواب دیا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ حدیث کیا ہے؟''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تو جب بھی وہ کوئی دیوار بناتے تو صبح کو وہ گری ہوئی ملتی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ کسی کی زمین میں کچھ بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے راضی کر لیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے! ہم مسجد میں شامل کرنے کے لیے ان کا گھر ان کی مرضی کے بغیر نہیں لیں گے۔''

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اپنی خوشی سے اس گھر کو مسجد میں شامل کرتا ہوں۔''

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے گورنروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ سب حج کے موقعے پر ان کے پاس آیا کریں۔ جب سارے گورنر آجاتے تو آپ عام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے:

''اے لوگو! میں نے اپنے گورنر تمہارے ہاں اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہاری کھال ادھیڑیں یا تمہارے مال پر قبضہ کر لیں یا تمہیں بے عزت کریں، بلکہ میں نے تو صرف اس لیے انھیں بھیجا ہے کہ تمہیں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں اور تمہارے درمیان مالِ غنیمت تقسیم کریں، لہٰذا جس کے ساتھ اس سے الٹ سلوک کیا گیا ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔''

مطلب یہ تھا کہ کسی کو اپنے گورنر سے شکایت ہو، کوئی تکلیف پہنچی ہو تو وہ سب کے سامنے بتائے۔

ایک مرتبہ جب آپ نے اس موقعے پر یہ اعلان کیا تو صرف ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ کے فلاں گورنر نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر سے پوچھا۔

''تم نے اسے کیوں مارا۔''

وہ کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا:

''اٹھو اور اس سے اپنا بدلہ لے لے۔''

اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! اگر آپ نے اس طرح گورنروں سے بدلہ دلانا شروع کر دیا تو پھر آپ کے پاس بہت شکایات آنے لگیں گی اور گورنروں سے بدلہ لینا ایسا دستور بن جائے گا کہ جو بھی آپ کے بعد آئے

545B

گا، اسے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑے گا اور اپنے گورنروں سے بدلہ دلوانا ہر امیر کے بس کی بات نہیں۔"

ان کی بات کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات اقدس سے بدلہ دلوانے کے لیے تیار رہتے ہوئے دیکھا ہے تو میں اپنے گورنر سے کیوں نہ بدلہ دلواؤں۔"

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ ہمیں اس آدمی کو راضی کرنے کا موقع دیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اچھا ٹھیک ہے، تم اسے راضی کرلو۔"

چنانچہ اس گورنر نے ہر کوڑے کے بدلے اس شخص کو دو دو دینار کے حساب سے دو سو دینار دیے۔

O

مصر سے ایک آدمی آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے کہا:

"اے امیر المومنین! مجھ پر بہت ظلم ہوا ہے، میں آپ کی پناہ لینا چاہتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم میری مضبوط پناہ میں ہو۔"

اب اس نے کہا:

"میں نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے دوڑنے کا مقابلہ کیا، میں ان سے آگے نکل گیا تو وہ مجھے کوڑے مارنے لگے اور کہنے لگے کہ میں بڑے لوگوں کی اولاد ہوں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

"آپ خود بھی میرے پاس آئیں اور ساتھ میں اپنے بیٹے کو بھی لے آئیں۔"

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"وہ مصری کہاں ہے۔"

اس نے کہا:

"جی میں یہاں موجود ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"کوڑا لو اور اسے مارو۔"

وہ شخص کوڑے سے انھیں مارنے لگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کوڑوں سے خوب پیٹا اور ہم بھی ایسا ہی چاہتے تھے کہ وہ انھیں خوب پیٹے۔ اس نے اس وقت مارنا چھوڑا جب خود ہم یہ چاہنے لگے تھے کہ اب وہ رک جائے۔ مطلب یہ کہ اس نے کوڑے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا:

"اب تم اس کے باپ کو بھی مارو۔"

اس شخص نے کہا:

"امیر المومنین! مجھے تو ان کے بیٹے نے کوڑے مارے تھے۔ سو میں نے ان سے اپنا بدلہ لے لیا۔ اب میں ان کے والد کو کیوں ماروں۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے، حالانکہ یہ آزاد پیدا ہوئے ہیں۔"

آپ کی بات کے جواب میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"امیر المومنین! مجھے اس قصے کا بالکل پتا نہیں، نہ یہ مصری میرے پاس شکایت لے کر آیا، ورنہ میں خود اپنے بیٹے کو سزا دیتا۔" (جاری ہے)

بحرین کے گورنر ابن جارود کے پاس ایک شخص کو لایا گیا۔ اس کا نام ادریاس تھا۔ اس کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اس نے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ خفیہ خط و کتابت کر رکھی ہے اور یہ کہ اس کا ارادہ ان دشمنوں کے ساتھ مل جانے کا تھا۔ اس کے اس جرم کے خلاف گواہ بھی موجود تھے۔ ساری تفصیل سننے کے بعد گورنر ابن جارود نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب اسے قتل کیا جانے لگا تو وہ کہنے لگا:

''اے عمر! میں مظلوم ہوں، میری مدد کو آئیں۔ اے عمر میں مظلوم ہوں، میری مدد کو آئیں۔''

اس واقعے کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی۔ آپ نے گورنر کو پیغام بھیجا:

''تم میرے پاس آؤ۔''

گورنر ابن جارود مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی ان کے انتظار میں تھے۔ جب گورنر اندر داخل ہوئے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ انھیں مارنا چاہا، لیکن مارا نہیں۔ آپ ان سے کہہ رہے تھے:

''اے ادریاس! میں تیری مدد کو حاضر ہوں۔ اے ادریاس میں تیری مدد کو حاضر ہوں۔''

اس پر ابن جارود کہنے لگے:

''امیر المومنین! اس نے مسلمانوں کی خفیہ باتیں دشمن کو لکھی تھیں اور دشمن سے جا ملنے کا ارادہ بھی کر رکھا تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''صرف برائی کے ارادے پر ہی تم نے اسے قتل کر دیا۔ ہم میں کون ایسا ہے جس کے دل میں ایسے برے ارادے نہیں آتے۔ اگر گورنروں کو قتل کرنے کا مستقل دستور بن جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمھیں اس کے بدلے میں ضرور قتل کرتا۔''

O

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے باہر نکلے اور آپ کہہ رہے تھے:

''میں مدد کو حاضر ہوں۔ میں مدد کو حاضر ہوں۔''

لوگوں نے حیران ہوکر پوچھا:

''امیر المومنین! کیا بات ہے۔''

آپ نے انھیں بتایا:

''میرے مقرر کردہ ایک امیر کی طرف سے ایک قاصد یہ پیغام لایا ہے کہ ان کے علاقے میں، مسلمانوں کے راستے میں ایک نہر پڑتی ہے۔ اسے پار کرنے کے لیے مسلمانوں کو کوئی کشتی نہ مل سکی تو ان کے امیر نے کہا:

''کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو نہر کی گہرائی معلوم کرنا جانتا ہو۔'' ایک بوڑھا آدمی کو ان کے پاس لایا گیا۔ بوڑھے نے کہا۔ مجھے سردی سے ڈر لگتا ہے اور موسم تھا بھی سردی کا۔ امیر نے بوڑھے کو مجبور کر کے نہر میں داخل کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ان پر سردی کا بہت زیادہ اثر ہوگیا۔ وہ زور زور سے پکارنے لگے:

''اے عمر! میری مدد کو آئیں۔ اے عمر میری مدد کو آئیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ ڈوب گئے۔ ان بوڑھے کی فریاد کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کانوں میں انگلیاں ڈال کر یہ فرمایا:

''میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔''

آپ نے اس امیر کو حاضر ہونے کا پیغام بھیجا۔ وہ آگیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی۔ جب آپ کو کسی پر غصہ آتا تھا تو اس کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ آخر آپ نے اس سے فرمایا:

''جس آدمی کو تم نے مار ڈالا، اس کا کیا بنا۔''

امیر نے جواب دیا:

''امیر المومنین! میرا ارادہ اسے ہلاک کرنے کا نہیں تھا۔ ہمیں نہر پار کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں مل رہی تھی۔ ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ پانی کی گہرائی معلوم ہو جائے، اس کے بعد ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے فلاں فلاں علاقے فتح کیے۔''

اس کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم جو کچھ فتوحات وغیرہ کی خبریں لائے ہو، مجھے ایک مسلمان اس سے محبوب ہے۔ اگر مستقل دستور بن جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ اب تم اس کے رشتے داروں کو خون بہا دو اور میرے پاس سے چلے جاؤ، آیندہ تمھیں کبھی نہ دیکھوں۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''مجھے

قدم بہ قدم

اطلاع ملی ہے کہ آپ میدے کی روٹی شہد کے ساتھ کھانے میں مشغول ہوگئے ہیں۔ لہٰذا جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو آپ اللہ کا نام لے کر میرے پاس آجائیں اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں۔''

خط ملتے ہی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آگئے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ وہ اندر داخل ہونے لگے تو اسی وقت ایک قریشی نوجوان بھی اندر جانے لگا۔ اس طرح ان کا راستہ تنگ ہوگیا۔ انھوں نے قریشی کے ناک پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ اس کے ناک سے خون نکل آیا۔ قریشی نوجوان اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اندر چلا گیا۔ اس کے ناک سے خون بہتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا۔''

اس نے بتایا:

''حضرت فیروز نے اور وہ اس وقت دروازے پر ہی ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فیروز کو اندر آنے کی اجازت دی تو وہ اندر آگئے۔ آپ نے اس نوجوان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ کیا ہے؟''

حضرت فیروز نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! ہم نے کچھ عرصہ پہلے بادشاہت چھوڑی ہے (یعنی بادشاہت کا اثر ابھی ہم میں باقی ہے) بات یہ ہوئی کہ آپ نے مجھے خط لکھ کر بلایا۔ اسے آپ نے کوئی خط نہیں لکھا۔ اجازت مانگنے پر مجھے آپ نے اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے آپ سے اجازت مانگی نہ آپ نے اسے اجازت دی۔ اس نے قاعدے کے خلاف کرتے ہوئے مجھ سے پہلے میری اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے،

546B

اندر داخل ہونا چاہا۔ بس اس پر مجھے غصہ آ گیا اور مجھ سے وہ حرکت سرزد ہوگئی، یعنی میں اسے مار بیٹھا۔"

ان کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ کو بدلہ دینا پڑے گا۔"

حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ بدلہ دینے کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور وہ نوجوان بدلہ لینے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ذرا ٹھہرنا! میں تمھیں وہ بات بتاتا ہوں جو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ایک دن صبح کے وقت میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جھوٹے نبی (اسود عنسی کو آج رات قتل کر دیا گیا ہے اور اسے اللہ کے نیک بندے فیروز دیلمی نے قتل کیا ہے۔ جب تم نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن لی تو کیا اس کے بعد بھی تم ان سے بدلہ لینا چاہتے ہو۔"

یہ سن کر اس نوجوان نے کہا:

"جب آپ نے ان کے بارے میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنا دی ہے تو میں نے انھیں معاف کر دیا۔"

اس کی بات سن کر حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ انھوں نے مجھے خوشی خوشی معاف کر دیا ہے تو کیا میں اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہاں! کیوں نہیں۔"

اب حضرت فیروز نے کہا:

"میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار، میرا گھوڑا اور میرے مال میں سے تیس ہزار اس نوجوان کو ہدیہ ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے قریشی نوجوان! تم نے معاف کر کے ثواب بھی حاصل کر لیا اور تمھیں اتنا مال بھی مل گیا۔"

○

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایک دیہاتی سے کہا:

"تم ذرا میری سواری کو پکڑ کر کھڑے رہو، میں مسجد میں ہو آؤں۔"

اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو اس پر غصہ آ گیا۔ انھوں نے اسے مارا۔ اس سے اس کا سر زخمی ہوگیا، وہ شخص فریاد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ آپ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو بلا لیا اور ان سے پوچھا:

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

انھوں نے ساری بات بتا دی اور یہ بھی کہا:

"مجھ میں ذرا تیزی ہے۔ میں اسے مار بیٹھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ اسے بدلہ دینے کے لیے بیٹھ جائیں۔"

اسی وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ ایک غلام کو اپنے بھائی سے بدلہ دلوائیں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدلہ دلوانے سے رک گئے۔ آپ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اس شخص کو اس زخم کے بدلے میں مقررہ رقم ادا کریں۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے ۔ وہاں ایک یہودی آپ کی خدمت میں آیا۔ اس کا سر زخمی تھا۔ اس نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک مسلمان نے کیا ہے۔''

یہ سن کر آپ کو بہت غصہ آیا۔ آپ نے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جاؤ! اور دیکھو کہ اس کے ساتھ ایسا کس نے کیا ہے، اسے میرے پاس لے آؤ۔''

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جا کر سلام کیا۔ پتا چلا، ایسا حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تم پر بہت غصہ ہے، انھوں نے تمھیں طلب کیا ہے، تم ایسا کرو کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، تاکہ وہ تمھارے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کریں اور تمھاری سفارش کریں، ورنہ مجھے ڈر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمھیں دیکھتے ہی سزا دینے لگ جائیں گے۔''

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا:

''صہیب کہاں ہے؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''جی میں یہاں موجود ہوں۔''

آپ نے پوچھا:

''کیا تم اس شخص کو لے آئے ہو؟''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

اس وقت تک حضرت عوف، حضرت معاذ کو ساری بات بتا چکے اور انھیں اپنے ساتھ وہاں لے آئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کون ہے وہ۔''

اب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''اے امیر المومنین! اس شخص کو مارنے والے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ پہلے آپ ان کی بات سن لیں اور انھیں سزا دینے میں جلدی نہ کریں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ہاں بتاؤ! کیا معاملہ پیش آیا۔''

''امیر المومنین! میں نے ایک مسلمان عورت کو دیکھا، وہ گدھے پر سوار تھی اور یہ شخص اس گدھے کو ہانک رہا تھا۔ ایسے میں اس شخص نے اس مسلمان عورت کو گرانے کے لیے لکڑی سے ٹھوکا مارا، لیکن وہ نہ گری۔ پھر اس نے اس عورت کو ہاتھ سے دھکا مارا۔ وہ بے چاری نیچے گر گئی۔ مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ اس ضرب سے یہ زخمی ہو گیا۔''

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''تم اس عورت کو لے آؤ، تاکہ وہ تمھاری بات کی تصدیق کر سکے۔''

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے۔ اس عورت کے خاوند اور باپ نے انھیں دیکھ کر کہا:

''اب تم کیا چاہتے ہو۔ تم نے تو اس یہودی کو زخمی کر کے ہمیں رسوا کر دیا ہے۔'' (یعنی یہ بات مشہور ہو گئی ہے)

انھوں نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو عورت کہنے لگی۔

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ساری بات بتاؤں گی۔''

اس کے والد اور خاوند نے کہا:

''نہیں! تم نہ جاؤ۔ ہم جا کر انھیں ساری بات بتا دیتے ہیں۔''

وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات بتائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو سولی پر چڑھانے کا حکم دے دیا، چنانچہ اس یہودی کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے یہودیو! ہم نے تم سے اس بات پر صلح نہیں کی کہ تم ہماری عورتوں کے ساتھ زیادتی کرو اور ہم تمھیں کچھ نہ کہیں۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امان کے بارے میں اللہ سے ڈرو! (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تم لوگوں کو امن دیا ہے تو اس کی وجہ سے

بے خوف نہ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرو) اور اگر تم میں سے کوئی زنا کرے گا، اس کے لیے کوئی امان نہیں ہوگی۔"

حضرت سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وہ پہلا یہودی تھا جسے میں نے سولی پر چڑھتے دیکھا۔"

O

اسلامی لشکر نے یہودیوں کے قلعے تستر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس محاصرے سے تنگ آکر تستر کے حاکم ہرمزان نے اسلامی لشکر کے سالار سے کہا:

"تم مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ میں اپنا معاملہ ان سے طے کر لوں گا۔ وہ میرے بارے میں جو فیصلہ کریں گے، میں قبول کر لوں گا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرمزان کو روانہ کیا گیا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا:

"ہاں! کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

ہرمزان نے کہا:

"زندہ رہنے والے کی طرح بات کروں یا مر جانے والے کی طرح۔"

مطلب یہ تھا کہ آپ میرے قتل کا حکم دیں گے۔ قتل کا حکم پانے والے شخص کی طرح بات کروں یا زندہ رہنے والے شخص کی طرح بات کروں۔

اس کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم اپنے بارے میں ڈرو مت! بات کرو۔"

اب ہرمزان نے کہا:

"اے قوم عرب! جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے معاملہ ہمارے اور تمہارے درمیان چھوڑ رکھا تھا، اس وقت تک تو ہم تمہیں اپنا غلام بناتے تھے۔ تمہیں قتل کرتے تھے اور تم سے سارا مال چھین لیا کرتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گیا ہے، اس وقت سے ہم میں تم سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سننے کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"تم کیا کہتے ہو؟"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ اس کے قتل کا حکم نہ دیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس نے حضرت برا بن مالک اور مجزأۃ بن ثور رضی اللہ عنہما جیسے بہادر صحابہ کو قتل کیا ہے (ان دونوں صحابہ کو میدان جنگ میں اس نے شہید کیا تھا) میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ اس سے فرما چکے ہیں، ڈرو مت، بات کرو۔ یہ فرما کر آپ اسے امان دے چکے ہیں۔"

یہ سن کر آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے، تم نے اس سے کوئی رشوت لی ہے۔ اس سے کوئی مفاد حاصل کیا ہے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں نے اس سے نہ رشوت لی ہے، نہ کوئی اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ میں تو ایک حق بات کہہ رہا ہوں۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم کوئی گواہ لاؤ۔ جو یہ گواہی دے سکے کہ ڈرو مت، بات کرو کہنے سے، دوسرے کو امان مل جاتی ہے۔" یعنی کوئی ایسا آدمی لاؤ جو اس بات کی تصدیق کر سکے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ گئے اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو لے آئے۔ انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرمزان کے قتل سے رک گئے، ہرمزان اس کے بعد مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دمشق پہنچے تو آپ نے ایک بوڑھے ذمی (جزیہ دینے والا غیر مسلم) کو دیکھا، وہ لوگوں سے کھانا مانگ رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا:

"یہ کیوں مانگ رہا ہے۔"

ایک شخص نے بتایا:

"یہ ذمی ہے، کمزور اور بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کے ذمے جو جزیہ ہے، اب مانگ کر ادا کرتا ہے۔"

یہ سن کر آپ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور لوگوں سے فرمایا:

"جب یہ جوان تھا تو جزیہ دیتا رہا، اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے تو تم نے اسے مانگنے پر لگا دیا۔"

آپ نے اس بوڑھے کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ (جاری ہے)

ایک بہت بڑا انعام

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

"پس زمین و آسمان کے تمام ذی روح بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔" کے بارے میں فرماتے ہیں: "یہ شہدا ہیں، انھیں یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ اس دن یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا، عرش کے گرد تلواریں لٹکائے ہوئے ہوں گے۔" جب صور پھونکا جائے گا تو تمام روح والے موت کے منہ میں چلے جائیں گے، لیکن شہدا چونکہ پہلے ہی اپنی جان قربان کر کے ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہوں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری نہیں کریں گے۔ (تفسیر طبری 24/30)

عمران الحق رشیدی۔ ملتان

مسلمان جابیہ نامی ایک بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک ذمی (جزیہ دینے والا) نے آکر بتایا کہ کچھ لوگ اس کے کھجوروں کے باغ پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صورت حال معلوم کرنے کے لیے نکلے۔ ان کی ملاقات اپنے ایک ساتھی سے ہوئی۔ انھوں نے اپنی ڈھال میں انگور اٹھا رکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''آپ بھی۔''

یعنی آپ نے بھی یہ کام کیا ہے۔ وہ کہنے لگے:

''امیر المومنین! ہمیں بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی۔ کھانے کے لیے کوئی اور چیز ہے نہیں، اس لیے ہم نے ایسا کیا۔''

یہ سن کر آپ واپس لوٹ آئے اور لوگوں کو حکم دیا۔

''اس ذمی کو اس کے انگوروں کی قیمت دے دو۔''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے۔ حضرت ایاس بن سلمہ کے والد یعنی حضرت سلمہ بھی اس وقت وہاں سے گزر رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ آپ نے کوڑا حضرت سلمہ کو آہستہ سے دے مارا، کوڑا صرف ان کے کپڑے کو لگا۔

ایک سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''اے سلمہ! کیا تمہارا حج کا ارادہ ہے؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں، ہے۔''

آپ نے ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے، پھر وہاں مجھے چھ سو درہم دیے اور فرمایا:

''یہ رقم لے لو۔ اسے اپنے حج کے سفر میں کام میں لانا اور کیا تمھیں پتا ہے کہ میں نے یہ رقم تمھیں کیوں دی ہے۔''

انھوں نے کہا:

''جی نہیں! مجھے معلوم نہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''یہ اس کوڑے کا بدلہ ہے جو ایک سال پہلے میں نے تمھیں مارا تھا۔''

یہ سن کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیر المومنین! مجھے تو وہ کوڑا یاد بھی نہیں رہا۔''

آپ نے فرمایا:

''لیکن میں تو اس کوڑے کو نہیں بھولا۔ تمھیں اس سے مار تو بیٹھا تھا، لیکن سارا سال وہ کوڑا میرے دل میں کھٹکتا رہا۔''

○

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا۔ ایک روز آپ نے اس سے فرمایا:

''ایک مرتبہ میں نے کسی بات پر تمہارا کان مروڑا تھا تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔''

یہ سن کر اس نے آپ کا کان پکڑ لیا تو آپ نے فرمایا:

''زور سے مروڑ! دنیا میں بدلہ دینا کتنا اچھا ہے۔ اب آخرت میں بدلہ نہیں دینا پڑے گا۔''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ جمعے کے دن آپ دارالندوہ چلے گئے۔ یہاں قریش مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جگہ اس لیے آئے تھے کہ یہاں سے خانہ کعبہ میں جانا آسان تھا، نزدیک تھا۔ آپ نے اپنی چادر اتار کر ایک کھونٹی پر لٹکا دی۔ اسی وقت ایک کبوتر اس پر آ بیٹھا۔ آپ نے اسے اس خیال سے اڑا دیا کہ کہیں چادر پر بیٹ نہ کر دے۔ کبوتر دوسری کھونٹی پر جا بیٹھا، وہاں اس پر ایک سانپ جھپٹا۔ اس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مار ڈالا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ سے ملاقات کے لیے آئے۔ آپ کے ساتھ حضرت نافع بن عبدالحارث رحمہ اللہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''آج مجھ سے ایسا ایسا ہو گیا ہے... یعنی میں نے اس کھونٹی سے کبوتر کو اڑا دیا تو وہ دوسری کھونٹی پر جا بیٹھا... اور سانپ نے اسے مار ڈالا... اب آپ دونوں میرے بارے میں فیصلہ کریں... کیونکہ میرے دل میں بار بار خیال آ رہا ہے کہ وہ کبوتر پہلی کھونٹی پر محفوظ تھا... میں نے وہاں سے اڑا دیا تو وہ مارا گیا... یعنی اس کی موت کا سبب میں بنا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت نافع نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا خیال ہے، امیر المومنین پر دو دانت والی بکری صدقہ کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری دینے کا حکم فرمایا:

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اصبہان سے مال آیا۔ آپ نے اس مال کو سات حصوں میں تقسیم کیا۔ اس مال میں ایک روٹی بھی تھی، آپ نے اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ پھر لشکر کے ساتوں حصوں کے امیروں کو بلایا اور ان میں قرعہ اندازی کی۔ اس طرح جس کا نام سب سے پہلا نکلا، پہلے اسے حصہ دیا گیا، یعنی ساتوں کو قرعہ اندازی کے ذریعے حصے دیے گئے۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو عورتیں آئیں۔ انھوں نے اپنی ضرورت بیان کی۔ آپ نے حکم دیا۔

"ان دونوں کو ایک ایک کر غلہ دے دیا جائے۔

ایک کر دمن کا ہوتا ہے۔ ان دونوں عورتوں میں ایک عربی عورت تھی، دوسری آزاد کردہ باندی تھی۔ باندی تو اپنا حصہ لے کر چلی گئی، لیکن عربی عورت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"امیر المومنین! آپ نے اس عورت کو جتنا دیا، مجھے بھی اتنا ہی دیا، حالانکہ میں عربی ہوں اور یہ آزاد کردہ باندی۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بہت غور سے دیکھا تو اس میں مجھے اولادِ اسماعیل علیہ السلام کو اولادِ اسحاق علیہ السلام پر کوئی فضیلت نظر نہیں آئی۔"

O

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بن گئے تو محلے کی ایک لڑکی نے ان سے کہا:

"اب تو آپ خلیفہ بن گئے ہیں۔ اب ہمارے گھر کی بکریوں کا دودھ کون نکالے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"میں آپ لوگوں کے لیے دودھ ضرور نکالا کروں گا اور مجھے امید ہے، خلافت کی جو ذمے داری میں نے اٹھائی ہے، یہ مجھے اپنے اخلاق سے نہیں ہٹائے گی جو مجھ میں پہلے سے ہیں۔"

چنانچہ آپ خلافت کے بعد بھی محلے والوں کا دودھ نکالا کرتے تھے اور بعض مرتبہ تو مذاق کے طور پر آپ محلے کی اس لڑکی سے کہتے:

"اے لڑکی! تم کیسا دودھ نکلوانا چاہتی ہو، جھاگ والا نکالوں یا بغیر جھاگ کے۔"

کبھی وہ کہتی جھاگ والا اور کبھی کہتی بغیر جھاگ کے۔ مطلب یہ کہ وہ جیسے کہتی، آپ اسی طرح کرتے۔

O

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑا بیچا کرتے تھے۔ خلافت کے بعد بھی آپ نے اپنا یہ کام جاری رکھا، لیکن اس کام کی وجہ سے خلافت کے کاموں میں دقت پیش آئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"اللہ کی قسم! تجارت میں لگے رہنے سے لوگوں کے کام ٹھیک طرح سے نہیں ہو پاتے۔ یہ اسی صورت میں ٹھیک طرح سے ہو سکتے ہیں جب میں تجارت چھوڑ دوں، لیکن میرے بال بچوں کے گزارے کے قابل خرچ بھی ہونا چاہیے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کیا۔ اس طرح آپ کا اتنا وظیفہ مقرر ہوا کہ بال بچوں کے ساتھ ان کی گزر بسر ہو سکے اور اس سے حج اور عمرہ بھی ادا ہو سکے۔ یہ رقم چھ ہزار درہم سالانہ تھی، یعنی پانچ سو درہم ماہانہ مقرر ہوئے۔

جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا:

"میرے پاس جو کچھ بچا ہوا ہے، وہ بیت المال میں واپس جمع کر دو اور جو کچھ بیت المال سے لے کر خرچ کر چکا ہوں، اس کے بدلے میں فلاں علاقے والی زمین بیت المال کو دیتا ہوں۔"

چنانچہ آپ کی وفات کے بعد وہ زمین ایک دودھ والی اونٹنی اور تلواروں کو تیز کرنے والا غلام اور ایک چادر جس کی قیمت پانچ درہم تھی، یہ سب چیزیں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی گئیں، یعنی دنیا سے جاتے وقت آپ وہ بھی واپس کر گئے جو اپنی تقریباً سوا دو سال کی خلافت کے دوران لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ چیزیں رکھی گئیں تو انھوں نے فرمایا:

"ابوبکر اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال گئے۔"

آپ کا یہ کہنے سے مطلب یہ تھا کہ ان کی طرح کون کر سکے گا۔ (جاری ہے)

اذان کی آواز

حضرت سعید بن مسیب مشہور تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں جب حرہ کا واقعہ پیش آیا تو اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ قتل و غارت سے بچنے کے لیے مدینہ منورہ کے لوگ اپنے گھروں میں گھر کر رہ گئے۔ کوئی شخص بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ تین دن تک قتل عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ تین دن مسجد نبوی میں اذان اور جماعت نہ ہو سکی۔ حضرت سعید بن مسیب اس وقت نابینا تھے۔ آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے مسجد نبوی میں رہ گئے اور باہر نہ جا سکے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں ہر نماز کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر سے اذان کی آواز سنتا تھا اور اسی کے مطابق اپنی نمازیں ادا کرتا تھا۔" (ترجمان السنۃ 480/4، سنن دارمی 57/1، انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء 49، 50)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ

قدم بہ قدم

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو حمص کا گورنر بنا کر بھیجا۔ یہ وہاں ایک سال تک رہے۔ اس دوران ان کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہوئی، یہ بات محسوس کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب سے فرمایا:

''عمیر کو خط لکھو۔ اللہ کی قسم! میرا تو یہی خیال ہے، عمیر نے ہم سے خیانت کی ہے۔''

آپ نے انھیں یہ خط لکھوایا:

''جونہی میرا یہ خط آپ کو ملے، آپ میرے پاس چلے آئیں اور میرا خط پڑھتے ہی آپ وہ سارا مال بھی ساتھ لے آئیں جو آپ نے مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے جمع کر رکھا ہے۔''

حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ خط ملتے ہی حمص سے چل پڑے۔ سفر کے سامان کے طور پر ان کے پاس چمڑے کا ایک تھیلا، ایک پیالہ اور لوٹا تھا۔ ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ تھیلے میں کھانے کا کچھ سامان تھا۔ آپ حمص سے پیدل روانہ ہوئے، حمص سے مدینہ منورہ تک کا فاصلہ آپ نے پیدل ہی طے کیا یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اتنا لمبا سفر کر کے جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بال بے تحاشہ بڑھ چکے تھے۔ چہرہ غبار میں اٹا ہوا تھا اور چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''السلام علیکم یا امیر المومنین۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''آپ کا کیا حال ہے۔''

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ میرا حال دیکھ نہیں رہے، میں صحت مند پاک خون والا ہوں اور میرے ساتھ دنیا ہے جس کی باگ پکڑ کر میں اسے کھینچ لایا ہوں۔''

حضرت عمیر کے ان الفاظ سے حضرت عمر یہ سمجھے کہ یہ بہت مال لائے ہیں۔ اس لیے پوچھا:

''تمہارے ساتھ کیا ہے۔''

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''امیر المومنین! میرے ساتھ میرا یہ تھیلا ہے۔ اس میں میرا توشہ اور ایک پیالہ ہے۔ پیالے میں کھا بھی لیتا ہوں اور اس سے پی بھی لیتا ہوں۔ اسی سے اپنا سر اور کپڑے دھو لیتا ہوں اور ایک لوٹا ہے، اس سے وضو کر لیتا ہوں اور پینے کا پانی رکھ لیتا ہوں اور یہ میری لاٹھی ہے، اس سے ٹیک لگا لیتا ہوں اور اگر کوئی دشمن آ جائے تو اسی سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میری ساری ضروریات اسی سامان سے پوری ہو جاتی ہیں۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کیا آپ حمص سے پیدل یہاں تک آئے ہیں۔''

انھوں نے فرمایا:

''ہاں! پیدل آیا ہوں۔''

آپ نے پوچھا:

''کیا وہاں آپ کا کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا جو آپ کی سواری کا کوئی جانور دے دیتا۔''

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہاں والوں نے مجھے سواری دی نہیں اور میں نے ان سے مانگی نہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ برے مسلمان ہیں جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ انھوں نے اپنے گورنر کا ذرا خیال نہ کیا۔''

اس پر حضرت عمیر نے کہا:

''اے عمر! آپ اللہ سے ڈریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیبت سے منع کیا ہے۔ میں نے انھیں دیکھا ہے، وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے اور جو صبح کی نماز پڑھ لے، وہ اللہ کی ذمے داری میں آ جاتا ہے۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''میں نے آپ کو جس چیز کی وصولی کے لیے بھیجا تھا، وہ کہاں ہے اور وہاں تم نے کیا کیا۔''

انھوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ کیا پوچھ رہے ہیں، میں سمجھا نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سبحان اللہ! میرا سوال تو بالکل واضح ہے۔''

اب حضرت عمیر نے بتایا:

''آپ نے مجھے وہاں بھیجا، وہاں پہنچ کر میں نے وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور مسلمانوں سے مال غنیمت جمع کرنے کا انھیں ذمے دار بنایا۔ جب وہ جمع کر کے لے آئے تو میں نے وہ سارا مال صحیح جگہ پر خرچ کر دیا۔ اگر اس میں شرعاً آپ کا بھی حصہ ہوتا تو

میں وہ آپ کے لیے ضرور لاتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر پوچھا:

"تو کیا آپ ہمارے پاس کچھ نہیں لائے؟"

حضرت عمیر نے عرض کیا:

"نہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ تو بہت اچھے گورنر ہیں۔ کچھ لے کر نہیں آئے۔ ان کے لیے پھر سے حمص کی گورنری کا پروانہ لکھ دو۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمیر نے فوراً کہا:

"اب نہ میں آپ کی طرف سے گورنر بننے کے لیے تیار ہوں، نہ آپ کے بعد کسی اور کی طرف سے، کیونکہ اللہ کی قسم! میں اس گورنری میں خرابی سے بچ نہیں سکا۔ میں نے ایک عیسائی سے گورنری کے گھمنڈ میں کہا تھا، اے فلاں! اللہ تجھے رسوا کرے اور ذمّی کو تکلیف پہنچانا بری بات ہے۔ اے عمر آپ نے مجھے گورنر بنا کر ایسی خرابیوں میں مبتلا ہونے کے خطرے میں ڈال دیا ہے، اے عمر! میری زندگی کے سب سے برے دن وہ ہیں جن میں میں آپ سے پیچھے رہ گیا ہوں اور دنیا سے چلا نہیں گیا۔"

اس کے بعد انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ یہ اپنے گھر چلے آئے۔ ان کا گھر مدینہ منورہ سے چند میل دور تھا۔

ان کے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرا تو یہی خیال ہے کہ عمیر نے ہم سے خیانت کی ہے۔ یہ حمص سے مال ضرور لے کر آئے ہیں جسے یہ یہاں اپنے ساتھ نہیں لائے، بلکہ پہلے سیدھے اپنے گھر گئے، مال وہاں رکھا، پھر یہاں آئے۔"

اب آپ نے حارث نامی ایک شخص کو ایک سو دینار دے کر فرمایا:

"یہ دینار لے جاؤ۔ عمیر کے ہاں جا کر مہمان ٹھہرو۔ اگر ان کے گھر میں مال دیکھو تو ایسے ہی میرے پاس واپس آ جاؤ اور تنگی کی حالت دیکھو تو یہ سو دینار انھیں دے دینا۔"

حارث وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ دیوار سے لگے بیٹھے ہیں۔ انھوں نے جا کر انھیں سلام کہا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، ساتھ ہی فرمایا:

"اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ ہمارے مہمان بن جاؤ۔"

حارث سواری سے اتر پڑے۔ حضرت عمیر کے ہاں مہمان ٹھہر گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"کہاں سے آئے ہو۔"

حارث نے جواب دیا:

"مدینہ منورہ سے۔"

حضرت عمیر نے پوچھا:

"آپ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس حال میں چھوڑا۔"

حارث نے جواب دیا:

"اچھے حال میں۔"

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"مسلمانوں کو کس حال میں چھوڑا؟"

انھوں نے کہا:

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔"

حضرت عمیر نے پوچھا:

"کیا امیر المومنین شرعی حدود نافذ نہیں کرتے۔"

انھوں نے کہا:

"بالکل کرتے ہیں۔ ان کے بیٹے سے ایک کبیرہ گناہ ہو گیا تھا، حضرت عمر نے اس پر شرعی حد قائم کی تھی، اسے کوڑے لگائے تھے۔"

یہ سن کر حضرت عمیر نے کہا:

"اے اللہ! عمر کی مدد فرما، جہاں تک میں جانتا ہوں، وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔"

حارث تین دن وہاں رہے۔ ان کے ہاں جو کی ایک روٹی ہوتی تھی، وہ روٹی وہ انھیں دے دیتے تھے اور خود بھوکے رہتے تھے، آخر جب فاقہ زیادہ ہو گیا تو انھوں نے حارث سے کہا:

"تمہاری وجہ سے ہم لوگوں پر فاقے پر فاقے آ گئے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو کہیں اور چلے جاؤ۔"

اس پر حضرت حارث نے وہ دینار نکال کر انھیں دیے اور کہا:

"یہ دینار آپ کے لیے امیر المومنین نے بھیجے ہیں۔ آپ یہ کام میں لائیں۔"

دینار دیکھتے ہی ان کی چیخ نکل گئی۔ انھوں نے فوراً کہا:

"مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لے جاؤ۔"

ان کی بیوی نے ایسے میں کہا:

"واپس نہ کریں، لے لیں، آپ کو ضرورت پڑ گئی تو اس میں سے خرچ کر لیں، ورنہ ضرورت مندوں کو دے دیجیے گا۔" (جاری ہے)

☆ استاد: بتاؤ ایم بی بی ایس کا کیا مطلب ہے؟

شاگرد: میاں بیوی بچوں سمیت۔

استاد: (غصے سے) اور پی ایچ ڈی کا کیا مطلب؟

شاگرد: پھرا ہوا دماغ۔ (صائمہ رشید۔ جھنگ صدر)

☆ ایک شخص کسی مشہور ڈاکو کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا:

"جناب مجھے بھی اپنے گروہ میں شامل کر لیں۔"

ڈاکو نے پوچھا:

"تم پہلے کیا کیا کام کر چکے ہو۔"

اس نے بتایا:

"میں پہلے وکیل رہا تھا، پھر پولیس میں چلا گیا۔"

ڈاکو نے فوراً کہا:

"ٹھیک ہے! تم ہمارے ہاں کام کر لو گے۔" (رانا محمد انور محمود۔ فیصل آباد)

☆ ایک شخص نے اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنوا لیا۔ جب مقبرہ تیار ہو گیا تو اس نے معمار سے پوچھا:

"اب اس میں کس چیز کی کمی ہے۔"

معمار نے فوراً کہا: "آپ کی۔" (محمد سلیمان داؤد۔ کراچی)

☆ ایک دوست: اگر رات کو نیند نہ آئے تو کیا کیا جائے۔

دوسرا دوست: نیند کا انتظار کرنے کے بجائے سو جانا چاہیے۔ (حافظ احمد حسن۔ شورکوٹ)

☆ ایک شخص: آپ کے دفتر میں رشید نام کا لڑکا ملازم ہے، میں اس کا دادا ہوں، اس سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔

ادارے کا مالک: لیکن وہ تو آپ کے جنازے میں گیا ہے اور ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا۔ (خنسا منور دین۔ فیصل آباد)

☆ ایک شخص نے وصیت کی کہ اسے کسی پرانی قبر میں دفن کیا جائے۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا:

"جب منکر نکیر سوالات کرنے کے لیے آئیں گے تو مجھے پرانا مردہ سمجھ کر واپس چلے جائیں گے۔"

(اقرا انجم۔ لاہور)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

اپنی بیوی کی بات سن کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں میں انھیں رکھ لوں۔"

اس پر ان کی بیوی نے اپنی قمیص کے دامن کا نیچے والا حصہ پھاڑ کر انھیں دے دیا اور کہا:

"اس میں رکھ لیں۔"

انھوں نے وہ دینار اس کپڑے میں رکھ لیے اور گھر سے باہر نکل آئے۔ وہ تمام دینار شہدا اور غریبوں میں تقسیم کر دیے، پھر گھر واپس آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاصد حضرت حارث کا خیال تھا کہ ان دیناروں میں سے انھیں بھی کچھ دیں گے، لیکن انھوں نے انھیں کچھ نہ دیا۔ یہ واپس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا:

"تم نے کیا دیکھا۔"

"میں نے بہت سخت حال دیکھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"انھوں نے ان دیناروں کا کیا کیا۔"

حضرت حارث نے کہا:

"مجھے پتا نہیں۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جونہی آپ کو میرا خط ملے، میری طرف چلے آئیں، حضرت عمیر اسی وقت چل پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"آپ نے ان دیناروں کا کیا کیا؟"

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جو میرے جی میں آئی، وہ کیا۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں۔ مجھے ضرور بتائیں، آپ نے ان کا کیا کیا۔"

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں نے انھیں اپنے لیے اگلے جہان بھیج دیا۔" (یعنی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ آپ پر رحم فرمائے۔"

پھر آپ نے ان کے لیے حکم فرمایا:

"عمیر کو پانچ من غلہ اور دو کپڑے دیے جائیں۔"

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"غلے کی مجھے ضرورت نہیں، کیونکہ میں گھر میں سات سیر جو چھوڑ آیا ہوں اور ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ مجھے اور رزق بھیج دیں گے۔"

قدم بہ قدم

اس طرح آپ نے غلہ نہ لیا، بس دو کپڑے لے کر یہ کہتے ہوئے چلے آئے۔

"فلاں کی ماں کے پاس کپڑے نہیں ہیں، انھیں دے دوں گا۔"

پھر اپنے گھر آ گئے۔ کچھ ہی مدت بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے ان کے لیے خوب دعائیں کیں۔ آپ انھیں دفن کرنے جنت البقیع گئے۔ آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی چل رہے تھے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا:

"تم میں سے ہر آدمی اپنی اپنی آرزو اور تمنا ظاہر کرے۔"

ایک شخص نے کہا:

"اے امیر المومنین! میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس بہت سا مال ہو اور میں اس مال سے غلام خرید کر آزاد کر دوں۔"

دوسرے نے کہا:

"امیر المومنین! میرا دل چاہتا ہے کہ میرے پاس بہت سا مال ہو جسے میں اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں۔"

تیسرے نے کہا:

"میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے اتنی جسمانی طاقت مل جائے کہ میں خود زم زم سے ڈول نکال کر بیت اللہ کے حاجیوں کو زم زم پلاؤں۔"

سب کی سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس عمیر رضی اللہ عنہ بن سعد جیسا آدمی ہو جسے میں مسلمانوں کے کاموں میں اطمینان سے لگا سکوں۔"

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو حمص کا گورنر مقرر فرمایا۔ جب آپ حمص گئے تو آپ نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا:

''اے حمص والو! تم نے اپنے گورنر کو کیسا پایا۔''

حمص کے لوگ شکایات لگانے میں بہت تیز تھے۔ انھوں نے کہا:

''ہمیں ان سے چار شکایتیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ جب تک دن اچھی طرح نہیں چڑھ جاتا، اس وقت تک یہ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس نہیں آتے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ تو واقعی بہت بڑی شکایت ہے۔ خیر اس کے علاوہ اور کیا شکایت ہے۔''

انھوں نے کہا:

''یہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بھی بڑی شکایت ہے، اس کے علاوہ اور کیا ہے۔''

انھوں نے کہا:

''مہینے میں ایک دن گھر ہی میں رہتے ہیں، اس روز ہمارے پاس نہیں آتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بھی بڑی شکایت ہے، اس کے علاوہ اور کیا شکایت ہے؟''

انھوں نے کہا:

''کبھی کبھی ان پر موت جیسی بے ہوشی کا دورہ پڑتا ہے۔''

یہ تمام شکایات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! سعید بن عامر کے اچھا ہونے کے بارے میں جو میرا گمان تھا، آج اسے غلط نہ ہونے دیجیے گا۔''

پھر آپ نے حضرت سعید بن عامر اور سب لوگوں کو بلوا لیا۔ ان سب کو ایک جگہ جمع فرمایا اور ان لوگوں سے پوچھا:

''ہاں! اب بتاؤ! تمھیں ان سے پہلی شکایت کیا ہے۔''

انھوں نے کہا:

''جب تک دن اچھی طرح نہیں چڑھ جاتا، اس وقت تک یہ گھر سے نکل کر ہمارے پاس نہیں آتے۔''

آپ نے حضرت سعید بن عامر سے فرمایا:

''اس شکایت کا جواب دیں۔''

حضرت سعید نے عرض کیا:

''اللہ کی قسم! اس کی وجہ بتانا مجھے پسند نہیں، لیکن اب مجبوراً بتاتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میرے گھر والوں کا کوئی خادم نہیں ہے، اس لیے میں خود آٹا گوندھتا ہوں، پھر اس انتظار میں بیٹھتا ہوں کہ آٹے میں خمیر پیدا ہو جائے، پھر میں روٹی پکاتا ہوں۔ پھر وضو کر کے گھر سے باہر نکل کر ان لوگوں کے پاس آتا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تمھیں ان سے اور کیا شکایت ہے؟''

انھوں نے کہا:

''یہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''اے سعید! اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔''

حضرت سعید نے عرض کیا:

''اس کی وجہ بتانا مجھے پسند نہیں، لیکن بتاتا ہوں، بات یہ ہے کہ میں نے دن رات کو تقسیم کیا ہے۔ اپنا دن ان لوگوں کو دیا ہے اور رات اللہ تعالیٰ کو۔'' (یعنی رات میں میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں)

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''آپ لوگوں کو ان سے اور کیا شکایت ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''یہ مہینے میں ایک دن ہمارے پاس نہیں آتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔''

انھوں نے عرض کیا:

''نہ تو میرے پاس کوئی خادم ہے جو میرے کپڑے دھوئے اور نہ میرے پاس اور کپڑے ہیں جنھیں پہن کر باہر آسکوں، اس لیے میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں۔ پھر ان کے سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں۔ جب وہ سوکھ جاتے ہیں تو موٹے ہونے کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں۔ انھیں رگڑ رگڑ کر نرم کرتا ہوں۔ وہ سارا دن اس طرح گزرتا ہے، پھر میں وہ کپڑے پہن کر ان کے پاس آتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے پوچھا:

''تمھیں ان سے اور کیا شکایت ہے۔''

انھوں نے کہا:

''کبھی کبھی ان پر بے ہوشی کا دورہ پڑتا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟''

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت میں مکہ مکرمہ میں تھا (واقعہ رجیع ہوا تھا۔ اس میں دس صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پہلے قید میں رکھا گیا تھا، پھر سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ حضرت سعید بن عامر ان کی شہادت کا ذکر کر رہے ہیں) قریش نے ان کے گوشت کو جگہ جگہ سے کاٹا، پھر سولی پر لٹکایا اور ان سے پوچھا، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور انھیں تمھاری بجائے سولی دے دی جائے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان ہوں اور اس کے بدلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔ پھر انھیں سولی دے دی گئی۔ جب مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے اس حالت میں ان کی کوئی مدد نہیں کی، اگرچہ میں اس وقت مشرک تھا، اسلام نہیں لایا تھا، پھر بھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ میرے اس گناہ کو معاف نہیں کریں گے۔ بس اس خیال سے مجھ پر بے ہوشی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جوابات سن کر فرمایا:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے انتخاب کو غلط نہیں ہونے دیا۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک ہزار دینار بھجوائے۔ ان کی بیوی دیناروں کو دیکھ کر خوش ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

''ہم یہ دینار اسے دے دیتے ہیں جو ہمیں سخت ضرورت کے وقت دے دے۔''

انھوں نے کہا:

''ٹھیک ہے۔''

آپ نے ان دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں ڈال کر اپنے ایک خادم سے کہا:

''یہ تھیلیاں لے جاؤ اور فلاں فلاں خاندان کے مسکینوں اور مصیبت زدوں کو دے آؤ۔''

ان میں تھوڑے سے دینار بچ رہے تھے، وہ بیوی کو دے دیے اور فرمایا:

''یہ تم خرچ کر لو۔''

پھر آپ گورنری کے کام میں لگ گئے۔ کچھ دن بعد بیوی نے کہا:

''آپ نے وہ دینار کس کے پاس رکھوائے ہیں۔ آپ ہمارے لیے ایک خادم کیوں نہیں رکھ لیتے۔ اس مال کا کیا ہوا۔''

آپ نے فرمایا:

''وہ مال تمھیں سخت ضرورت کے وقت ملے گا۔''

(جاری ہے)

551 A

عبداللہ فارانی

40

واقعات صحابہؓ

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کافی مال تھا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا:

”اگر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ سکتا ہوں تو آج کے دن ہی بڑھ سکتا ہوں۔“

مطلب یہ تھا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کی بہت مرتبہ کوشش کر چکے تھے، لیکن کبھی آگے بڑھ نہیں سکے تھے۔ اس دن چونکہ ان کے پاس بہت کافی مال تھا، اس لیے انھوں نے یہ بات سوچی کہ آج میں ان سے بڑھ سکتا ہوں، چنانچہ وہ اپنے کل مال میں سے نصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

”تم اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! میں ان کے لیے بھی کچھ چھوڑ آیا ہوں۔“

آپ نے پوچھا:

”کیا چھوڑ آئے ہو؟“

انھوں نے عرض کیا:

”میں جتنا مال یہاں لے کر آیا ہوں، اتنا ہی مال گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جتنا مال تھا، وہ سب کا سب لے آئے۔ ان سے بھی آپ نے پوچھا:

”اے ابوبکر! تم اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”میں ان کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کی رضامندی چھوڑ آیا ہوں۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا:

”میں کبھی بھی کسی چیز میں بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نہیں بڑھ سکتا۔“

اس واقعے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے تو بعد میں آپ کو خیال آیا تھا کہ غالباً گھر میں ایک سوئی کہیں لگی رہ گئی ہے۔ اس کا خیال آتے ہی آپ واپس گھر آئے تھے۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا اور چونکہ آپ تمام مال دے آئے تھے، اس لیے گھر میں چراغ بھی نہیں تھا۔ اس لیے گھر میں روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ آپ اندھیرے میں وہ سوئی تلاش کرنے لگے۔ دیواروں پر ہاتھ رگڑنے کی آواز سن

قدم بہ قدم

کر آپ کی بیوی نے پوچھا:

”آپ کیا کر رہے ہیں۔“

جواب میں آپ نے فرمایا:

”باقی تمام مال تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے آیا ہوں۔ ایک سوئی رہ گئی ہے، اس کا خیال بعد میں آیا۔ وہ دیوار میں کہیں لگی ہوئی ہے۔ اسے تلاش کر رہا ہوں۔“

اور آخر وہ سوئی بھی آپ نے تلاش کر لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔

○

ایک سوال کرنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کھڑا ہوا تو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

”اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو، میں نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے۔ ان میں سے ایک درہم دے دو۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ والدہ کے پاس گئے اور یہ بات کہی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا نے ان سے کہا:

”وہ چھ درہم تو انھوں نے آٹے کے لیے رکھوائے تھے۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر یہ بات بتائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے پاس جو چیز ہے، اس کی نسبت، اسے اس سے زیادہ اعتماد اس چیز پر نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں ہے۔ اپنی والدہ سے کہو، وہ چھ درہم بھیج دیں۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا نے وہ چھ درہم بھجوا دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ چھ درہم اس سائل کو دے دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی اسی جگہ تھے، بلکہ

اسی پہلو سے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص ایک اونٹ لیے ادھر سے گزرا۔ وہ اس اونٹ کو بیچنے کے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"یہ اونٹ کتنے میں دو گے۔"

اس نے کہا:

"ایک سو چالیس درہم میں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اسے یہاں باندھ دو، البتہ میں اس کی قیمت کچھ دیر بعد دوں گا۔"

وہ آدمی اونٹ باندھ کر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک اور آدمی ادھر آیا۔ اس نے پوچھا:

"یہ اونٹ کس کا ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرا ہے۔"

اس نے پوچھا:

"کیا آپ یہ فروخت کرتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں!"

اس نے کہا:

"کتنے میں۔"

آپ نے فرمایا:

"دو سو درہم میں۔"

اس نے دو سو درہم آپ کو دے دیے اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ آپ نے ایک سو چالیس درہم اسے بھجوا دیے جس سے اونٹ خریدا تھا۔ اس طرح آپ کے پاس ساٹھ درہم بچ گئے۔ آپ نے وہ درہم لا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیے تو انھوں نے پوچھا:

"یہ کیا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہم سے کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے:

"جو شخص نیک کام کرے گا، اسے اس کا دس گنا ملے گا۔"

○

حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت اُبَیّ ایک شخص کے پاس پہنچے۔ اس کے پاس بہت سے جانور تھے۔ آپ نے اس سے کہا:

"اپنے سارے جانور ایک جگہ جمع کرو، تاکہ حساب لگایا جاسکے۔"

اس نے تمام جانور ایک جگہ جمع کر دیے۔ حضرت اُبَیّ نے حساب لگایا تو اس پر ایک سالہ اونٹ زکوٰۃ بنی۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا:

"تم پر ایک سالہ اونٹنی بنتی ہے۔"

اس شخص نے کہا:

"ایک سالہ اونٹنی نہ تو دودھ دیتی ہے، نہ سواری کے کام آسکتی ہے۔ آپ یہ جوان اور خوب صورت اونٹنی لے لیں۔"

حضرت اُبَیّ نے فرمایا:

"جس جانور کے لیے مجھے حکم نہیں ملا، میں وہ نہیں لے سکتا، البتہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ اس جگہ سے نزدیک ہی ہیں۔ تم یہ اونٹنی آپ کی خدمت میں پیش کر دو۔ اگر آپ اجازت دیں گے تو میں قبول کر لوں گا۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو میں نہیں لوں گا۔"

یہ سن کر اس شخص نے کہا:

"اچھی بات ہے، ایسے کر لیتے ہیں۔"

اب وہ شخص حضرت اُبَیّ کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ وہ اونٹنی بھی لے لی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس نے کہا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے یہ قاصد مجھ سے میرے جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے آئے اور اللہ کی قسم! اس سے پہلے کوئی میرے جانوروں کی زکوٰۃ لینے کے لیے نہیں آیا۔ آپ کے قاصد کے سامنے میں نے تمام جانور کر دیے۔ انھوں نے بتایا کہ مجھ پر ایک سال کی اونٹنی بنتی ہے۔ اب ایک سال کی اونٹنی نہ تو دودھ دیتی ہے، نہ سواری کے کام آسکتی ہے، اس لیے میں نے ان کی خدمت میں ایک جوان اور موٹی تازی اونٹنی پیش کی کہ یہ لے لیں، لیکن انھوں نے یہ لینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا، آپ سے پوچھ لیا جائے، اس لیے میں یہ ساتھ لے آیا ہوں۔"

ساری بات سن کر اور اونٹنی کو دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"واجب تو تم پر وہی ایک سال کی اونٹنی ہے، لیکن تم اپنی خوشی سے اُس سے بہتر جانور دینا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی بہتر جزا عطا فرمائے، ہم اسے قبول کرتے ہیں۔"

وہ آدمی یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ آپ نے اس کے جانوروں میں برکت کی دعا فرمائی۔ (جاری ہے)

صحبت کی برکات

زاہدہ مختار

میرٹھ میں حاجی عبدالغنی صاحب حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن سے بیعت تھے۔ نہایت دین دار تاجروں میں سے تھے۔ ٹوپیوں کی تجارت کرتے تھے۔ میرٹھ کی ٹوپیاں اس وقت مشہور تھیں۔ ریشم و زری کا کام بھی ان کے پاس ہوتا تھا۔ ایک عالم فاضل کو دو ٹوپیاں بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے حاجی صاحب سے کہا کہ "مفرق" ہونی چاہئیں، یعنی کپڑا نظر نہ آئے۔ صرف اصلی زری کا کام ہو۔ اس طرح کپڑا نظر نہ آئے۔ ایسی ٹوپی کو مفرق کہتے ہیں۔ حاجی صاحب نے ٹوپیاں بنوا دیں اور کہا کہ ٹوپیاں بن گئی ہیں۔ ہر ٹوپی کی قیمت پندرہ روپے ہے۔ فاضل نے کہا، ٹوپیاں دے دیں۔ قیمت کل آجائے گی، حاجی صاحب نے کہا، قیمت کل کی بجائے دو ماہ میں آجائے، آپ سے کوئی بے اعتباری نہیں، لیکن جائز بھی ہے یا نہیں۔ فاضل صاحب کہنے لگے، ناجائز ہونے کی کیا بات ہے؟ حاجی صاحب نے کہا کہ مفرق کپڑا زری کے حکم میں ہے اور اس میں اُدھار جائز نہیں، ورنہ سود ہو جائے گا۔ وہ بالکل نقد ہاتھ در ہاتھ اور برابر ہونا چاہیے۔ اس میں ادھار جائز نہیں۔ یہ کپڑے کی بیع نہیں، کیونکہ مفرق کپڑا چاندی کے حکم میں ہے۔ اس لیے قیمت کی کوئی بات نہیں مگر یہ جائز نہیں ہے۔ وہ عالم فاضل صاحب نادم ہوئے اور کہنے لگے، میں فاضل ہوں اور مجھے مسئلہ معلوم نہیں، آپ تاجر ہیں اور اتنے اتنے مسئلے معلوم ہیں۔ بہت نادم ہوئے کہ حاجی صاحب میں شرمندہ ہوں، واقعی مجھ سے کوتاہی ہوئی۔ مسئلے کی طرف میرا دھیان نہیں گیا۔ میں دو تین دن بعد آؤں گا اور قیمت ادا کر کے ٹوپیاں لے جاؤں گا۔ حاجی صاحب نے کہا۔ ایسی صورت بھی ہے، جس میں نقد بھی ہے، ادھار بھی اور وہ جائز بھی ہے۔ کہا وہ کیا، فرمایا کہ مجھ سے 30 روپے اُدھار لے لو اور ٹوپیاں نقد خرید لو، اُدھار چاہے جب مرضی ادا کر دینا۔ کہنے لگے، میں فاضل ہوں، میرا دھیان مسائل کی طرف نہیں اور یہ تاجر ہو کر اس قدر جانتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت کا اثر تھا۔ خود عالم نہیں تھے مگر علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اندر حرام حلال کی تمیز کا اتنا مادہ تھا کہ وہ حرام سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، یہی جذبہ تھا کہ مسائل پر نظر ہونے کی وجہ سے ہی کام ادھار بھی ہو گیا اور جائز بھی۔ اس واقعے سے اہل اللہ کی صحبت کے ثمرات بھی معلوم ہوئے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے لیے شریعت میں قدم قدم پر کس طرح راہیں نکلتی ہیں کہ انسان چلنے کا عزم کرے تو اللہ کی نصرت کس طرح دستگیری کرتی ہے۔ اللہ پاک ہمیں علماء حق اور شریعت کے تابع بزرگان دین کی صحبت و معیت نصیب کرے۔ آمین۔ (افادات حکیم الاسلام قاری محمد طیب)

واقعاتِ صحابہ

41

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت خوب صورت نوجوان تھے۔ سخی بھی بہت تھے۔ اپنی قوم کے نوجوانوں میں ان کا اپنا ایک مقام تھا۔ کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ قرض لیتے تھے اور دوسروں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے سر پر خوب قرض ہوگیا۔ آخر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! آپ میرے قرض خواہوں سے کہیں کہ وہ میرا قرض معاف کردیں۔''

قرض خواہوں نے قرض معاف کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کرنے کے لیے ان کا سارا مال بیچ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وہاں سے خالی ہاتھ اٹھے۔ ان کے پاس کوئی چیز نہیں بچی تھی۔

فتح مکہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیج دیا، تاکہ ان کے نقصان کی کچھ کمی پوری ہوجائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں گورنر بن کر ٹھہرے رہے۔ انھوں نے اللہ کے مال یعنی زکوۃ کے مال سے تجارت کی اور یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اللہ کے مال سے یعنی زکوۃ کے مال سے تجارت کی۔ یہاں تک کہ ان کے پاس مال جمع ہوگیا۔ اس دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انتقال ہوگیا۔ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ واپس مدینہ پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیج کر انھیں بلائیں اور جتنے مال سے ان کی گزر اوقات ہوسکے، اتنا مال ان کے پاس رہنے دیں۔ باقی سارا مال ان سے لے لیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن بھیجا ہی اس لیے تھا کہ ان کا نقصان پورا ہو جائے، اس لیے میں تو ان سے کچھ نہیں لوں گا۔ ہاں اگر وہ خود دے دیں تو اور بات ہے۔ پھر میں لے لوں گا۔''

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اپنی بات کی۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مجھے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہی اس لیے تھا، لہٰذا میں تو آپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

دراصل انھوں نے زکوۃ کے مال سے تجارت کی تھی اور اس کا منافع اپنے پاس رکھ کر زکوۃ کا مال واپس کردیا تھا۔ اس لیے یہ نفع انھی کا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ اجتماعی مال اس نفعے کا ذریعہ بنا ہے، اس لیے سارا نہ رکھیں، بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لیں۔ باقی بیت المال میں جمع کرادیں۔

اس وقت تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی۔ کچھ مدت بعد ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انھوں نے کہا:

''میں نے آپ کی بات مان لی۔ جیسے آپ نے کہا تھا، ویسا ہی کیے لیتا ہوں، کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بہت زیادہ پانی میں ہوں اور ڈوبنے سے ڈر رہا ہوں اور اے عمر! پھر آپ نے مجھے ڈوبنے سے بچایا۔''

اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں سارا قصہ سنایا۔ پھر اپنا سارا مال لاکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور قسم کھا کر کہا:

''میں نے آپ سے کچھ نہیں چھپایا، یہاں تک کہ اپنا کوڑا بھی آپ کے سامنے رکھ دیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں تم سے یہ مال نہیں لوں گا۔ میں نے یہ تمھیں ہدیہ کردیا ہے۔''

یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ مال لینا ٹھیک ہے، کیونکہ انھوں نے تو سارا مال بیت المال کو دے دیا۔ اب یہ مال ان کے لیے حلال اور پاکیزہ ہوگیا ہے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ہدیہ کیا ہے۔''

اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام چلے گئے۔

حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت سخی تھے۔ بہت جوان اور نہایت خوب صورت تھے، اپنی قوم کے بہترین جوانوں میں سے تھے، جو آدمی بھی ان سے کچھ مانگتا، یہ فوراً دے دیتے تھے، اسی وجہ سے ان پر اتنا قرضہ ہو گیا تھا۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی تھی۔ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے عمدہ مال مجھے آج تک نہیں ملا۔ آپ کی کیا رائے ہے، میں اس کا کیا کروں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم پسند کرو تو اس زمین کو وقف کر دو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اپنی زمین کو صدقہ کیا کہ نہ تو یہ زمین بیچی جا سکے گی، نہ کسی کو ہدیہ کی جا سکے گی اور نہ کسی کو وراثت میں مل سکے گی اور اس کی آمدنی فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں کے آزاد کرانے، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں اور مہمانوں پر خرچ کی جائے گی اور جو اس زمین کا متولی بنے، اسے اجازت ہے کہ وہ عام دستور کے مطابق اس آمدنی میں سے خود کھا لے اور اپنے دوست کو کھلا دے، لیکن اسے اپنے لیے اس میں سے مال جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دن یہ آیت یاد آئی:

''تم کامل خیر اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہیں کرو گے۔'' (یعنی اللہ کے راستے میں نہیں دے دو گے)

جونہی آپ کو یہ آیت یاد آئی، آپ نے غور کرنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو چیزیں دے رکھی ہیں، ان میں سے کون سی چیز سب سے اچھی لگتی ہے۔ غور کرنے پر انھیں اپنی رومی باندی مرجانہ سے زیادہ کوئی چیز پیاری نظر نہ آئی، اس لیے انھوں نے کہا:

''یہ مرجانہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔''

اسے آزاد کر دینے کے بعد بھی دل میں اس سے تعلق باقی رہا، اس وجہ سے آپ یہ کہا کرتے تھے:

''اللہ تعالیٰ کو دینے کے بعد چیز کو واپس لینا نہ لازم آتا تو میں اس سے ضرور شادی کر لیتا۔''

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک عادت یہ تھی کہ کوئی چیز زیادہ پسند آنے لگتی تو اسے فوراً اللہ کے نام پر خرچ کر دیتے اور یوں اللہ کا قرب حاصل کرتے۔ ان کے غلام بھی ان کی اس عادت سے واقف ہو گئے تھے، لہٰذا کچھ غلام نیک اعمال میں خوب جوش و خروش دکھاتے۔ ہر وقت مسجد میں نیک اعمال میں لگے رہتے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ انھیں اس قدر نیک اعمال کرتے دیکھتے تو انھیں آزاد کر دیتے۔ جب وہ ایسا کرتے تو ان کے بعض ساتھی ان سے کہتے:

''اے ابن عمر! اللہ کی قسم! یہ لوگ تو اس طرح آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ انھیں مسجد سے اور مسجد والے اعمال سے کوئی دلی لگاؤ نہیں، یہ تو صرف آپ کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں، تاکہ آپ خوش ہو کر انھیں آزاد کر دیں۔''

آپ اپنے ساتھیوں کے جواب میں کہتے:

''جو اللہ کے اعمال میں لگ کر ہمیں دھوکا دے گا، ہم اللہ کے لیے اس سے دھوکا کھائیں گے۔''

ایک روز شام کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک عمدہ اونٹ پر کہیں جا رہے تھے۔ وہ اونٹ آپ نے بہت زیادہ قیمت دے کر خریدا تھا۔ چلتے چلتے انھیں اس کی چال بہت پسند آگئی۔ وہیں اونٹ سے اتر گئے، اسے بٹھایا اور اپنے خادم سے فرمانے لگے:

''اے نافع! اس کی نکیل نکال دو اور اس کا کجاوہ اتار دو اور اس پر جھولی ڈال دو اور اس کے کوہان کے ایک طرف زخم کر دو۔ (اس دور میں اس زخم کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ جانور قربانی کے لیے ہے) اور پھر اسے قربانی کے جانوروں میں ملا دو۔''

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جُحفہ کے مقام پر تھے اور آپ بیمار بھی تھے۔ آپ کا جی مچھلی کھانے کو چاہا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے اپنی خواہش بیان کی۔ ساتھی مچھلی کی تلاش میں نکلے۔ بہت تلاش کے بعد ایک مچھلی ملی۔ آپ کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید نے اس مچھلی کو تیار کیا اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ ابھی آپ نے کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ ایک غریب شخص آپ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے اس سے فرمایا:

''یہ مچھلی تم لے لو۔''

اس پر آپ کی بیوی نے کہا:

''سبحان اللہ! ہم نے آپ کی خاطر بڑی مشقت اٹھا کر یہ مچھلی خاص طور پر آپ کے لیے تیار کی ہے، اس لیے یہ آپ خود کھائیں، ہمارے پاس سامان سفر ہے، ہم اس میں سے اس مسکین کو دے دیتے ہیں۔''

بیوی کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''عبداللہ کو یہ مچھلی پسند آگئی ہے، اس لیے یہی مچھلی مسکین کو دینی چاہیے۔''

ان کی بات کے جواب میں بیوی نے کہا:

''ہم اسے ایک درہم دے دیتے ہیں۔ یہ ایک درہم اس کے مچھلی سے زیادہ کام آئے گا۔ یہ مچھلی آپ کھا لیں اور اپنی خواہش پوری کریں۔''

آپ نے فرمایا:

''میری چاہت وہی ہے جو میں کر رہا ہوں۔''

چنانچہ وہ مچھلی اسے دے دی گئی۔ (جاری ہے)

پابند کٹ ہوگئی ہے۔ میں اسے اپنے پاس بیٹھ سنبھال کر رکھوں گا، تاکہ مجھے اس میں کفن دیا جائے۔"

○

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اللہ کے رسول! میں اپنا باغ صدقہ کرتا ہوں۔ میں یہ اللہ اور اس کے رسول کو دے رہا ہوں، آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کریں۔"

آپ نے ان سے وہ باغ قبول فرمالیا۔ جب حضرت عبداللہ کے والدین کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارا گزارا اسی باغ پر تھا، ہمارے بیٹے نے وہ صدقہ کردیا۔"

آپ نے ان کی بات سن کر وہ باغ انھیں دے دیا۔ پھر جب ان دونوں کا انتقال ہوگیا تو وہ باغ پھر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو وراثت میں مل گیا۔ وہ پھر اس باغ کے مالک بن گئے۔

○

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے بھوک نے پریشان کر رکھا ہے۔"

آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس کسی کو بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے تو بھیج دیں۔ ان کی طرف سے جواب ملا:

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میرے پاس پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

آپ نے باری باری دوسری ازواج کے پاس پیغام بھیجا۔ سب کی طرف سے یہی جواب ملا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اب آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"انھیں آج رات کون اپنا مہمان بنائے گا؟"

ایک انصاری کھڑے ہوئے، انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں تیار ہوں۔"

یہ انصاری اس مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا:

"گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟"

بیوی نے بتایا:

"صرف بچوں کے لیے کچھ ہے۔"

انصاری نے کہا:

"بچوں کو کسی چیز سے بہلا دینا، جب وہ کھانا مانگیں تو کسی طرح انھیں سلا دینا اور جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا، ہم یہ ظاہر کریں گے جیسے اس کے ساتھ کھا رہے ہوں۔"

جب تینوں کھانے بیٹھے تو بیوی نے کھڑے ہو کر چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے اسے بجھا دیا۔ اس طرح صرف مہمان نے کھانا کھایا تھا۔ میاں بیوی اور بچے بھوکے رہے۔ صبح ہوئی تو انصاری صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا:

"تم دونوں نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ کو بہت پسند آیا ہے۔"

اس موقعے پر یہ آیت نازل ہوئی:

"دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔" (سورہ حشر: 9)

○

ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! فلاں شخص کا کھجور کا ایک درخت ہے، مجھے اپنی دیوار کی اصلاح کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ آپ انھیں حکم فرمادیں کہ وہ اپنا درخت مجھے دے دیں، تاکہ میں اپنی دیوار کو اس کے ذریعے درست کرسکوں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا:

"تم اپنا درخت انھیں دے دو۔ تمھیں اس کے بدلے جنت میں کھجور کا درخت ملے گا۔"

اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اس بات کا پتا حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ کو چلا۔ آپ کھجور والے شخص کے پاس گئے اور اس سے کہا:

"تم میرے اس باغ کے بدلے میں اپنا کھجور کا درخت میرے ہاتھ بیچ دو۔"

وہ راضی ہوگیا۔ اب حضرت دحداح رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنا باغ دے کر کھجور کا وہ درخت خرید لیا ہے اور اب آپ کو دے رہا ہوں، آپ اس شخص کو دے دیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سنی تو خوش ہو کر فرمایا:

"ابو دحداح رضی اللہ عنہ کو جنت میں کھجور کے پھل دار اور بڑے بڑے، بہت سے درخت ملیں گے۔"

ابو دحداح رضی اللہ عنہ وہاں سے اپنے گھر آئے اور بیوی بچوں سے کہا:

"تم اس باغ سے باہر آجاؤ۔ میں نے اسے جنت کے کھجور کے درخت کے بدلے میں بیچ دیا ہے۔"

آپ کی بیوی بھی آپ کی طرح جنت کی طالب تھیں، اس لیے انھوں نے فوراً کہا:

"آپ نے بڑے نفع کا سودا کیا ابو دحداح۔" (جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

44

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم فرمایا:

"اسے صدقے کی بکریوں میں سے اتنی زیادہ بکریاں دی جائیں جو دو پہاڑوں کے درمیان کی ساری وادی کو بھر دیں۔"

وہ شخص بکریاں لے کر اپنی قوم کے پاس واپس پہنچا۔ اس نے کہا:

"اے میری قوم! تم اسلام لے آؤ، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا زیادہ دیتے ہیں کہ انھیں اپنے اوپر فاقے کا کوئی ڈر ہی نہیں ہے۔"

ایک دیہاتی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو پہاڑوں کے درمیان زمین مانگی۔ آپ نے وہ زمین اس کے نام لکھ دی۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا:

"تم اسلام لے آؤ، میں تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس آدمی کی طرح دوسروں کو دیتا ہے جسے فاقے کا کوئی ڈر نہ ہو۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چل پھر کر مالِ غنیمت دیکھ رہے تھے۔ حضرت صفوان بن امیہ بھی آپ کے ساتھ تھے، یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت صفوان بن امیہ نے بھی دیکھنا شروع کیا کہ جعرانہ کی تمام گھاٹی بکریوں اور چرواہوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ بڑی دیر تک اس وادی کو دیکھتے رہے۔ آپ بھی اس کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا:

"اے ابو وہب! (یہ حضرت صفوان کی کنیت تھی) کیا مالِ غنیمت سے بھری ہوئی یہ گھاٹی تمھیں پسند ہے۔"

انھوں نے فوراً کہا:

"جی ہاں!"

آپ نے فرمایا:

"تو پھر یہ ساری گھاٹی تمہاری ہے اور اس میں جتنا مالِ غنیمت ہے، وہ سب بھی تمہارا ہے۔"

یہ سن کر حضرت صفوان بن امیہ نے کہا:

"اتنی بڑی سخاوت کی ہمت صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

○

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ اس سفر کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال ساتھ لے لیا تھا۔ یہ پانچ یا چھ ہزار درہم تھا۔

ان کے والد حضرت قحافہ رضی اللہ عنہ (یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو یہ بات معلوم ہوئی تو اپنی پوتیوں حضرت اسماء رضی اللہ عنھا اور

قدم بہ قدم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے کہنے لگے:

"میرا خیال ہے! ابوبکر تمھیں جدائی کا صدمہ تو دے ہی گئے ہیں، اس کے ساتھ مال کا صدمہ بھی دے گئے ہیں، یعنی جاتے ہوئے سارا مال بھی لے گئے ہیں اور تمہارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ گئے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنھا نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں ایک تھیلی میں بھر کے گھر کے طاق میں رکھ دیں۔ حضرت ابوبکر اس طاق میں اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں درہم اور دینار چھوٹی چھوٹی پتھریوں کی طرح کے ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے اس تھیلی میں اسی سائز کی پتھریاں رکھی ہوں گی۔ پھر انھوں نے تھیلی پر ایک کپڑا ڈال دیا اور اپنے دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا:

"دادا جان! یہ دیکھیے یہ رہا وہ مال جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے حضرت اسماء نے ان کا ہاتھ اس تھیلی پر رکھ دیا۔ وہ نابینا تھے۔ ہاتھ سے محسوس کر کے کہنے لگے:

"اگر وہ تمہارے لیے اتنا مال چھوڑ گئے ہیں تو پھر کوئی بات نہیں۔ اس سے تمہارا گزارا ہو جائے گا۔"

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر میں کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ جو کچھ تھا، ساتھ لے گئے تھے۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے مالی مدد کرنے کا اعلان فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کجاوے اور پالان سمیت سو اونٹ میرے ذمے ہیں (یعنی یہ میں دوں گا)" اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا، خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:

"کجاوے اور پالان سمیت سو اونٹ اور میرے ذمے ہوئے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ خوشی کی وجہ سے آپ ہاتھوں کو ایسے حرکت دے رہے تھے جیسے تعجب سے انسان ہلاتا ہے۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے:

''اگر اتنا زیادہ خرچ کرنے کے بعد عثمان کوئی بھی عمل (نفلی) نہ کرے تو انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

ایک روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اعلان فرمایا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تینوں بار پالان سمیت تین سو اونٹ اپنے ذمے لیے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں اس وقت موجود تھا جب آپ منبر پر یہ فرما رہے تھے کہ اتنا خرچ کرنے کے بعد آج کے بعد عثمان کا کسی گناہ سے نقصان نہیں ہوگا۔''

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوئی اور نیکی کا کام نہ بھی کریں تو انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آئے ہیں:

''اے عثمان! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور جو گناہ تم نے چھپ کر کیے اور جو اعلانیہ کیے اور جو گناہ تم نے چھپا رکھے اور جو گناہ تم سے مرتے دم تک ہوں گے، اللہ ان سب کو معاف فرمائے۔ اس عمل کے بعد تم کوئی بھی نیک عمل نہ کرو تو کوئی پروا نہیں۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی تیاری کے لیے سات سو اوقیہ سونا، ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے دیے تھے اور یہ سارا سامان لشکر کے تیسرے حصے کے لیے کافی تھا۔

O

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تھیں کہ آپ نے مدینہ منورہ میں ایک شور سنا۔ آپ نے پوچھا:

''یہ کیسا شور ہے؟''

آپ کو بتایا گیا:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ ملک شام سے ضرورت کی ہر چیز لے کر آرہا ہے۔''

اس قافلے میں سات سو اونٹ تھے اور سارا مدینہ اس شور سے گونج اٹھا تھا۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل گھسٹتے جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔''

یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے کہا:

''میں کوشش کروں گا کہ اپنے قدموں پر چل کے جنت میں داخل ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے اپنا سارا تجارتی سامان کجاووں سمیت اللہ کے راستے میں صدقہ کردیا۔

حضرت زہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنا آدھا مال چار ہزار درہم اللہ کے راستے میں صدقہ کیے۔ پھر چالیس ہزار صدقہ کیے، پھر چالیس ہزار صدقہ کیے، پھر پانچ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں صدقہ کیے، پھر ڈیڑھ ہزار اونٹ اللہ کے راستے میں صدقہ کیے، ان کا اکثر مال تجارت کے ذریعے کمایا ہوا تھا۔

O

دو دیہاتی مدینہ منورہ میں آئے اور انھوں نے یہ کہنا شروع کیا:

''کون ہمیں اللہ کے راستے میں سواری دے گا۔''

لوگوں نے انھیں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا کہ وہ سواری کا انتظام کردیں گے۔ دونوں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے گھر آگئے۔ آپ نے ان دونوں سے پوچھا:

''کیا چاہتے ہو؟''

انھوں نے کہا:

''سواری چاہتے ہیں۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''تم جلدی نہ کرو (یعنی کچھ دیر ٹھہرو) میں ابھی تم دونوں کے پاس باہر آتا ہوں۔''

جب حضرت حکیم باہر آئے تو آپ وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے جو مصر سے لایا گیا تھا۔ وہ جال کی طرح پتلا اور سستا سا تھا اور اس کی قیمت چار درہم تھی۔ آپ نے ہاتھ میں لاٹھی پکڑی ہوئی تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے غلام بھی تھے۔ آپ ان دونوں دیہاتیوں کو ساتھ لے کر بازار کی طرف چل پڑے۔ راستے میں کسی کوڑے کرکٹ کے پاس سے گزرتے تو اس میں کپڑے کا کوئی ٹکڑا نظر آجاتا تو اسے اپنی لاٹھی کے سرے سے اٹھا لیتے اور جھاڑ کر اپنے غلاموں کی طرف بڑھا دیتے۔ ساتھ میں یہ بھی کہتے:

''اسے اونٹوں کے سامان کی مرمت کے لیے رکھ لو۔''

آپ اسی طرح ایک کپڑا اٹھا رہے تھے کہ ان میں سے ایک دیہاتی سے رہا نہ گیا۔ کہہ اٹھا:

''اللہ کی قسم! ان کے پاس تو صرف کوڑے پر سے اٹھائے ہوئے چیتھڑے ہیں۔ یہ ہمیں سواری کے لیے جانور کہاں سے دیں گے۔''

اس کے ساتھی نے کہا:

''جلدی نہ کرو، دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔''

پھر حضرت حکیم رضی اللہ عنہ انھیں بازار میں لے آئے۔ وہاں انھیں دو موٹی تازی اونٹنیاں نظر آئیں۔ آپ نے ان دونوں کو خریدا۔ ان کا سامان بھی خریدا، پھر دونوں اونٹنیوں پر کھانا، گندم اور چربی وغیرہ رکھوائی۔ ان دونوں دیہاتیوں کو نقد رقم بھی دی جب آپ نے انھیں اتنا کچھ دیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

''میں نے آج تک ان سے بہتر کوئی کپڑے کے ٹکڑے اٹھانے والا نہیں دیکھا۔'' (جاری ہے)

555A

45

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ

قدم بہ قدم

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت ایک درخت کے سائے میں سو رہے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی دوسرے درختوں کے سائے میں سوئے ہوئے تھے۔ ایسے میں ایک عورت وہاں آئی۔ وہ ان سب کو باری باری بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ دراصل وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ ان میں سے کون اس کا کام کر سکتا ہے۔ یہ دیکھتے دیکھتے آخر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئی۔ آپ کو دیکھ کر اس نے یہ محسوس کیا کہ یہ صاحب اس کا کام کر سکتے ہیں، چنانچہ اس نے آپ کو جگایا اور کہنے لگی:

''میں ایک مسکین عورت ہوں اور میرے بہت سے بچے ہیں... اور امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے علاقے میں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا... وہ صدقات وصول کر کے واپس آگئے ہیں، لیکن انھوں نے مجھے تو کچھ بھی نہیں دیا... اللہ آپ پر رحم فرمائے... آپ میری ان سے سفارش کر دیں... شاید وہ آپ کی بات مان لیں۔''

مطلب یہ کہ وہ عورت آپ کو پہچانتی نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر اپنے خادم یرفا کو پکارا۔ وہ نزدیک آگئے تو اس سے فرمایا:

''محمد بن مسلمہ کو بلا کر لے آؤ۔''

یہ سن کر وہ عورت گھبرائی کہ یہ تو محمد بن مسلمہ کو یہاں بلا رہے ہیں، اس طرح تو وہ برا مان جائیں گے، چنانچہ اس نے جلدی سے کہا:

''میرا کام کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ان کے پاس چلیں، انھیں یہاں نہ بلائیں۔''

اب اسے تو معلوم نہیں تھا کہ وہ جن صاحب سے بات کر رہی ہے... وہ خود امیر المومنین ہیں... اور ان کے بلانے سے محمد بن مسلمہ ہرگز برا نہیں مانیں گے... اس لیے اس نے یہ بات کہی تھی... آپ نے اس سے فرمایا:

''تم فکر نہ کرو، میرے بلانے پر وہ ان شاء اللہ تمہارا کام کریں گے۔''

حضرت یرفا نے حضرت محمد بن مسلمہ کے پاس جا کر کہا:

''آپ کو امیر المومنین بلا رہے ہیں۔''

حضرت محمد بن مسلمہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے کہا:

''السلام علیکم یا امیر المومنین۔''

یہ سن کر وہ عورت چونکی۔ اب اسے پتا چلا کہ یہ تو امیر المومنین ہیں۔ وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں تو تم میں سے بہترین آدمی منتخب کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے اس عورت کے بارے میں پوچھیں گے تو تم کیا کہو گے۔''

یہ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیتے تھے آپ اس پر عمل کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کر کے اس کے حق داروں کو دیا کرتے تھے اور حضور کا معمول یونہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہی عمل کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اپنے پاس بلا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا خلیفہ بنا دیا اور میں نے تم میں سے بہترین آدمی منتخب کرنے میں کبھی کمی نہیں کی۔ اب اگر میں تمہیں بھیجوں تو اس عورت کو اس سال کا اور گزشتہ سال کا اس کا حصہ صدقات میں سے دے دینا اور مجھے معلوم نہیں کہ اب میں تمہیں صدقات کے وصولی کے لیے بھیجوں گا یا نہیں۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لیے ایک اونٹ منگوایا۔ اس کے لیے آٹا اور تیل وغیرہ منگوایا اور اس سے فرمایا:

''یہ لو لے لو اب ہمارا خیبر جانے کا ارادہ ہے، تم ہمارے پاس وہاں آنا۔''

وہ عورت اونٹ اور دوسرا سامان لے کر چلی گئی، اس کے بعد وہ خیبر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس کے لیے دو اونٹ منگوائے اور اس سے فرمایا:

''یہ لے لو! محمد بن مسلمہ کے تمہارے ہاں آنے تک یہ تمہارے لیے کافی ہو جائیں گے اور میں نے محمد بن مسلمہ کو حکم دے دیا کہ وہ تمہیں تمہارا اس سال کا اور

گزشتہ سال کا حصہ دے دیں۔"

○

ایک عورت بازار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گئی۔ آپ کے خادم حضرت اسلم رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اس عورت نے آپ سے کہا:

"اے امیر المومنین! میرا خاوند فوت ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں اور اللہ کی قسم! غربت اور فاقوں کی وجہ سے میں پائے بھی نہیں پکا سکتی (اس زمانے میں عرب میں پائے فروخت نہیں ہوتے تھے، مفت مل جاتے تھے، لیکن ظاہر ہے، پائے پکانے کے لیے بھی کچھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے) نہ ان بچوں کے لیے کوئی کھیتی ہے، نہ دودھ کا جانور، مجھے ڈر ہے، قحط سالی میں کہیں وہ مر نہ جائیں اور میں حضرت خفاف بن ایما غفاری رضی اللہ عنھما کی بیٹی ہوں۔ میرے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں کھڑے اس عورت کی بات سنتے رہے۔ آگے نہیں بڑھے۔ پھر اس کے خاموش ہونے پر آپ نے فرمایا:

"خوش آمدید ہو قریبی رشتے داری نکل آئی (یعنی تمھارے قبیلہ غفار کا ہمارے قبیلے قریش سے قریبی تعلق ہے اور تم ایک مشہور صحابی کے خاندان سے ہو)۔"

اس کے بعد آپ اپنے گھر گئے۔ آپ کے گھر میں اس وقت ایک خوب پلا ہوا اونٹ بندھا ہوا تھا۔ آپ نے غلے کے دو بورے بھر کر اس پر لاد دیے۔ ان دونوں بوروں کے درمیان کپڑے بھی رکھ دیے اور نقدی بھی۔ پھر اس اونٹ کی نکیل اس عورت کو تھما کر فرمایا:

"یہ اونٹ لے جاؤ۔ ان شاء اللہ ان چیزوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ تمھارے لیے بہتر انتظام کر دیں گے۔"

اس پر ایک شخص نے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ نے تو اس عورت کو بہت زیادہ دے دیا ہے۔"

آپ نے ناراضی کے لہجے میں فرمایا:

"اس عورت کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے اور اللہ کی قسم! میں نے اس عورت کے باپ بھائی کو دیکھا ہے کہ ایک عرصہ تک انھوں نے ایک قلعے کا محاصرہ کیے رکھا تھا، پھر انھوں نے اس قلعے کو فتح کر لیا تھا اور ہم اس قلعے سے اپنے حصے خوب وصول کر رہے ہیں۔"

یعنی یہ عورت اس قدر فضائل والی ہے، اس لیے میں نے اسے اس قدر دیا ہے۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ شام چلے گئے۔ ان کی بیوی قبیلہ قریش کی تھیں۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان پر فاقے اور سخت تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے انھیں ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ یہ ہزار دینار لے کر اپنے گھر آئے اور بیوی سے کہا:

"تم جو یہ دینار دیکھ رہی ہو، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجے ہیں۔"

یہ سن کر بیوی نے کہا:

"میرا جی چاہتا ہے، آپ ہمارے لیے ان سے گھر کا سامان خرید لیں۔ غلہ خرید لیں اور باقی دینار سنبھال کر رکھ لیں۔ آیندہ کام آئیں گے۔"

یہ سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں تمھیں اس سے بہتر صورت نہ بتا دوں... اور وہ یہ کہ ہم یہ مال ایک تاجر کو دے دیتے ہیں... وہ اس رقم سے ہمارے لیے تجارت کرتا رہے... ہم اس کا نفع کھاتے رہیں اور ہمارے اس سرمائے کی ذمے داری بھی اس پر ہوگی۔"

بیوی نے یہ سن کر کہا: "یہ ٹھیک رہے گا۔"

اب انھوں نے اس رقم سے سامان خریدا... اور سارا سامان مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ ہی دنوں میں گھر میں پھر کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ بیوی نے ان سے کہا:

"گھر میں سامان ختم ہو گیا ہے، آپ اس تاجر کے پاس جائیں، ہماری رقم سے جو نفع ہوا ہے، اس میں سے کچھ لے کر ہمارے لیے کھانے پینے کا سامان خرید لیں۔"

حضرت سعید خاموش رہے۔ بیوی نے پھر یہ بات کہی، یہ پھر خاموش رہے۔ اب بیوی نے انھیں پریشان کرنا شروع کیا، یعنی یہ کہنا شروع کیا کہ آخر آپ جاتے کیوں نہیں۔ تنگ آ کر حضرت سعید نے دن میں گھر آنا چھوڑ دیا، صرف رات کو گھر آتے۔ ان کے گھر کسی فرد نے ان کی بیوی سے کہا:

"یہ تم کیا کر رہی ہو... تم انھیں بہت تکلیف پہنچا چکی ہو... وہ تو سارا مال صدقہ کر چکے ہیں۔"

حضرت سعید کی بیوی کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں۔ حضرت سعید گھر آئے تو آپ نے بیوی سے کہا:

"آرام سے بیٹھی رہو اور میری بات سنو... میرے کچھ ساتھی تھے... وہ تھوڑا عرصہ پہلے مجھ سے جدا ہو گئے (یعنی دنیا سے رخصت ہو گئے) اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جائے تو بھی مجھے ان کا راستہ چھوڑنا پسند نہیں۔ اگر جنت کی خوب صورت حوروں میں سے ایک حور آسمان سے جھانک لے تو ساری زمین اس کے نور سے روشن ہو جائے اور اس کے چہرے کا نور چاند اور سورج کی روشنی پر چھا جائے اور جو دوپٹا اسے پہنایا جاتا ہے، وہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سب سے زیادہ قیمتی ہے، اب میرے لیے یہ تو آسان ہے کہ میں ان حوروں کی خاطر تجھے چھوڑ دوں، لیکن تیری خاطر میں ان حوروں کو نہیں چھوڑ سکتا (یہ انھوں نے اس لیے کہا کہ وہ بہت خوب صورت تھیں) حضرت سعید کی یہ بات سن کر بیوی نرم پڑ گئیں اور راضی ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ حضرت سعید کی بات ان کی سمجھ میں خوب آ گئی۔ (جاری ہے)

46

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ آپ کے لیے ایک درہم کے انگور خریدے گئے۔ انگور ان کے سامنے رکھے گئے۔ ابھی انہوں نے انگور کھانے شروع نہیں کیے تھے کہ ایک مسکین نے آ کر سوال کیا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا:

"یہ انگور انہیں دے دیں۔"

گھر والوں نے انگوروں کا وہ خوشہ مسکین کو دے دیا۔ وہ مسکین خوشہ لے کر چل پڑا۔ گھر کا ایک فرد اس کے پیچھے گیا اور وہ خوشہ اس سے ایک درہم میں خرید لیا... کیونکہ بازار میں اس وقت انگور نہیں مل رہے تھے اور وہ خوشہ کہیں دور سے تلاش کر کے لایا گیا تھا۔

خوشہ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا گیا... ابھی آپ نے کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ اسی مسکین نے آ کر پھر سوال کیا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا:

"یہ خوشہ اسے دے دو۔"

گھر والوں نے پھر خوشہ اس مسکین کو دے دیا۔ وہ اسے لے کر چل پڑا۔ گھر کے ایک فرد نے جا کر پھر وہ خوشہ اس سے خرید لیا... اور لا کر پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا۔ اس مسکین نے پھر آ کر سوال کرنا چاہا، لیکن گھر والوں نے اسے روک دیا... کیونکہ اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو جاتا کہ اس نے پھر سوال کیا ہے تو آپ پھر اسے وہ خوشہ دے دیتے اور اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ مسکین کو سوال کرنے سے روکا گیا ہے تو وہ اسے بالکل نہ چکھتے۔

○

قدم بہ قدم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ ایسے میں ایک مسکین نے سوال کیا۔ آپ کے گھر میں ایک روٹی موجود تھی۔ آپ نے باندی سے کہا:

"یہ روٹی مسکین کو دے دو۔"

باندی نے کہا:

"اس روٹی کے سوا گھر میں کچھ نہیں ہے اور آپ روزے سے ہیں۔"

جواب میں آپ نے فرمایا:

"کوئی بات نہیں، تم روٹی اسے دے دو۔"

باندی نے روٹی اس مسکین کو دے دی۔ شام ہوئی تو ایک گھرانے سے بکری کا سالن اور بہت سی روٹیاں بھیجی گئیں۔ اس گھرانے سے پہلے کبھی کوئی چیز نہیں بھیجی گئی تھی۔ آپ نے باندی کو بلا کر فرمایا:

"لو اس میں سے کھا لو... یہ تمہاری اس روٹی سے بہت بہتر ہے۔"

○

حضرت حارثہ بن نعمان نابینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی نماز کی جگہ سے اپنے کمرے کے دروازے تک ایک رسی باندھ رکھی تھی۔ جب دروازے پر کوئی ضرورت مند آتا تو اپنے ٹوکرے میں سے کچھ اٹھاتے اور اس رسی کو پکڑ کر دروازے پر آتے، خود اپنے ہاتھ سے اس مسکین کو دیتے... گھر والے ان سے کہتے:

"آپ کے بجائے ہم مسکین کو دے آتے ہیں۔"

وہ جواب میں فرماتے:

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے۔"

○

قبیلہ قزینہ کے چار سو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دین کے احکامات بتائے۔ جب یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمر! انہیں راستے کے لیے توشہ دے دو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے پاس تو بس کچھ کھجوریں ہیں... اور میرے خیال میں وہ کھجوریں ان کی ضرورت کے لیے ناکافی ہوں گی۔" (یعنی چار سو آدمیوں کے لیے وہ کھجوریں بہت تھوڑی ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جاؤ... اور انہیں راستے کے لیے توشہ دے دو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں اپنے گھر لائے، وہاں بیٹھے ہوئے ایک اونٹ کے بچے جتنا کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے فرمایا:

"آپ لوگ یہ کھجوریں لے لیں۔"

تمام قافلے نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں۔ ان میں حضرت لقمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے سب کے بعد کھجوریں لیں۔ انہوں نے دیکھا، جتنی کھجوریں شروع میں وہاں موجود تھیں، اتنی ہی اب بھی باقی تھیں، گویا ان میں سے ایک کھجور بھی نہیں لی گئی تھی، حالانکہ اس ڈھیر میں سے چار سو آدمی کھجوریں لے چکے تھے۔

اور یہ برکت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی۔

O

مہاجرین حضرات جب مدینہ منورہ آئے تو انہیں یہاں کا پانی موافق نہ آیا۔ بنو غفار کے ایک آدمی کا کنواں تھا۔ اس کا نام بیر رومہ تھا... وہ اس کنویں کے پانی کی ایک مشک ایک درہم میں فروخت کرتا تھا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں والے سے فرمایا:

"تم اپنا یہ کنواں میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ تمہیں اس کے بدلے میں جنت میں ایک چشمہ ملے گا۔"

اس نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، اس لیے میں یہ کنواں فروخت نہیں کرنا چاہتا۔"

یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے وہ کنواں پینتیس ہزار درہم میں خرید لیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اگر میں وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے دے دوں تو مجھے بھی جنت میں وہ چشمہ ملے گا۔"

آپ نے فرمایا: "ہاں! بالکل ملے گا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"تب پھر میں نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے مقرر کر دیا ہے۔"

O

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو پریشانی اٹھانا پڑی۔ سب مسلمانوں کے چہروں پر غم کے بادل تھے جب کہ ان کی پریشانی کو دیکھ کر کفار خوش ہو رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محسوس کی تو فرمایا:

"اللہ کی قسم! سورج غروب ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے لیے رزق بھیج دیں گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ کے یہ الفاظ سنے تو انہیں یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ضرور پوری ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال معلوم ہوئی تو آپ نے چودہ اونٹنیاں کھانے کے سامان سے لدی ہوئی خریدیں۔ ان میں سے نو اونٹنیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیں۔ جب آپ نے یہ اونٹنیاں دیکھیں تو فرمایا:

"یہ کیا ہے۔"

عرض کیا گیا: "یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہدیہ بھیجا ہے۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ خوشی کے آثار آپ کے چہرہ مبارک پر صاف نظر آنے لگے... دوسری طرف منافقوں کے چہروں پر غم اور پریشانی کے آثار بھی صاف نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ نے حضرت عثمان کے لیے اس قدر زبردست دعا کی کہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کسی کے لیے کی ہوگی۔

O

حضرت شفیق بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ انہوں نے ان سے فرمایا:

"اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مہمان کے لیے تکلف نہ کرو... تو میں ضرور آپ دونوں کے لیے تکلف کرتا۔"

یہ کہہ کر آپ نے ان کے سامنے روٹی اور نمک رکھ دیا۔ اس وقت ان کے گھر میں اور کچھ تھا ہی نہیں۔ حضرت شفیق بن مسلمہ کے ساتھی نے روٹی اور نمک دیکھ کر کہا:

"اگر نمک کے ساتھ پودینہ ہو جائے تو اچھا ہے۔"

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ پودینہ خرید سکتے۔ پودینہ لانے کے لیے انہوں نے اپنا لوٹا کسی کے پاس گروی رکھا اور اس سے پیسے لیکر پودینہ خرید لائے... دونوں مہمان جب کھانا کھا چکے تو ان کے ساتھی نے کہا:

"تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں دی ہوئی روزی پر قناعت کی توفیق عطا فرمائی۔"

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر آپ دی ہوئی روزی پر قناعت کرتے تو مجھے اپنا لوٹا گروی نہ رکھنا پڑتا۔"

(جاری ہے)

واقعات صحابہؓ 47

عبداللہ فارانی

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بہت زیادہ کھانا کھلایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ارشاد فرمایا:

"اے صہیب! تم بہت زیادہ کھانا کھلاتے ہو، حالانکہ یہ مال کی فضول خرچی ہے۔"

جواب میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے میں لوگوں کو خوب کھلاتا ہوں۔"

O

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے۔

آپ انہیں اپنی ایک زوجہ محترمہ کے حجرے تک لے آئے۔ پھر آپ اندر چلے گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت جابر کو اندر آنے کی اجازت دی... حضرت جابر پردے والے حصے میں آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا:

"دوپہر کا کھانا ہے؟"

گھر والوں نے کہا:

"جی ہاں! ہے۔"

تین روٹیاں لائی گئیں... ان کو کھجور کے پتوں کے دسترخوان پر رکھ دیا گیا... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی اور دوسری روٹی اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دی۔ پھر تیسری روٹی اٹھا کر اس کے دو حصے کیے، ایک حصہ ان کے سامنے اور دوسرا حصہ اپنے سامنے رکھا۔ اس کے بعد گھر والوں سے فرمایا:

"سالن ہے۔"

گھر والوں نے بتایا:

"اور تو کچھ نہیں ہے... بس تھوڑا سا سرکہ ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"سرکہ ہی دے دیں... کیونکہ سرکہ تو بہترین سالن ہے۔"

O

حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم تھے۔ ایک دن انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! مال برداری کے اونٹوں میں ایک اندھی اونٹنی ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وہ اونٹنی کسی کو دے دو... وہ اس سے فائدہ اٹھالیں گے۔"

حضرت اسلم نے کہا:

"اے امیر المومنین! وہ تو اندھی ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وہ اس اندھی اونٹنی کو اونٹوں کی قطار میں باندھ لیں گے۔" (یعنی اس طرح اس سے کام لے سکیں گے)

یہ سن کر حضرت اسلم نے کہا:

"وہ زمین سے گھاس وغیرہ کیسے کھائے گی بھلا۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"وہ اونٹنی جزیے کے جانوروں میں سے ہے یا صدقے کے۔"

یہ بات اس لیے پوچھی کہ جزیے کے جانور مال دار اور فقیر سب کھا سکتے ہیں۔ جب کہ صدقے کا جانور صرف فقیر لوگ کھا سکتے ہیں۔

حضرت اسلم نے بتایا:

"وہ اونٹنی جزیے کے جانوروں میں شامل ہے۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں سمجھ گیا... آپ لوگوں نے اسے کھانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔"

حضرت اسلم نے کہا:

"میں غلط نہیں کہہ رہا... اس پر واقعی جزیے کی نشانی لگی ہوئی ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اچھی بات ہے... اسے ذبح کر لو۔"

چنانچہ اسے ذبح کیا گیا... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نو عدد بڑے سائز کے پیالے تھے... اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی نو تھیں، اس لیے ان کی تعداد کے مطابق ہی آپ نے وہ نو پیالے ہوار کھے تھے۔ جب بھی کوئی پھل یا دوسری چیز آتی تو آپ وہ ان پیالوں میں بھروا کر ازواج مطہرات کو بھجواتے تھے۔ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا کو سب سے آخر میں بھیجتے تھے کہ اگر کوئی کمی ہو تو ان کے حصے میں کمی والا برتن آئے۔ آپ نے اونٹنی کا گوشت ان پیالوں میں ڈالا اور آپ کی ازواج مطہرات کے ہاں بھیج دیا۔ جو گوشت بچ گیا، اسے پکانے کا حکم دیا۔ جب پک گیا تو حضرات مہاجرین اور انصار کو بلا کر انھیں کھلایا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے پاس ایک کنواں خریدا اور اس خوشی میں لوگوں کو کھانا کھلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے طلحہ! تم بڑے فیاض اور بہت سخی ہو۔''

O

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کیا۔ پھر آپ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ حضرت صہیب آپ کے سامنے ہو گئے۔ جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے آپ کو اشارہ کیا کہ کھانے کے لیے تشریف لے چلیں۔ آپ نے اشارے سے پوچھا، کیا یہ لوگ بھی کھانے کے لیے چلیں، انھوں نے انکار میں سر ہلا دیا، کیونکہ کھانا تو بہت تھوڑا سا تھا۔ اس پر آپ نہ اٹھے۔ یہ اپنی جگہ کھڑے رہے۔ جب پھر آپ نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے پھر اشارہ کیا۔ آپ نے پھر پوچھا، یہ لوگ بھی؟ انھوں نے پھر اشارے میں کہا، جی نہیں۔ اس طرح اشاروں میں یہ بات دو تین بار ہوئی۔ آخر حضرت صہیب کو کہنا پڑا:

''ٹھیک ہے، یہ لوگ بھی آجائیں۔''

چنانچہ سب لوگ حضرت صہیب کے گھر پہنچ گئے اور وہ کھانا بالکل تھوڑا سا تھا۔ آپ کے ساتھ ان سبھی نے کھایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا، اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ کھانا پھر بھی بچ گیا۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر صرف غریبوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ان کا کھانا اکثر غریب لوگ کھا جایا کرتے تھے اور یہ بھوکے رہ جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا جسم بہت کمزور ہو گیا تھا۔ آخر ان کی بیوی نے کھجوروں کا شربت تیار کیا۔ جب یہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو وہ انھیں وہ شربت پلا دیتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانا کھاتے ہی تب تھے جب ان کے دستر خوان پر کوئی غریب یتیم ہوتا تھا، ورنہ تو کھاتے ہی نہیں تھے۔ آپ جب بھی دوپہر کا کھانا کھانے لگتے تو اپنے خادم کو ایک یتیم کو بلا کر لانے کے لیے کہتے، ایک دن وہ یتیم نہ ملا۔ اب مجبوراً آپ کو اس کے بغیر کھانا پڑا۔ آپ کے لیے ستو بھی تیار کیے جاتے تھے، وہ ستو آپ کھانے کے بعد پیا کرتے تھے۔ جب آپ کھانا کھا چکے تو ستو کا پیالہ اٹھا لیا۔ ابھی آپ نے پیالہ منہ سے لگایا نہیں تھا، وہ یتیم آ گیا۔ آپ نے فوراً پیالہ اسے دے دیا اور اس سے فرمایا:

''یہ پی لو۔ میرا خیال ہے، تم نقصان میں نہیں رہے۔''

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد سے نکلتے تو کچھ لوگ ان کے راستے میں بیٹھ جاتے۔ آپ انھیں گھر لے آتے اور انھیں اپنے کھانے میں شریک کر لیتے۔ ان کی بیوی نے ایک دن ان مسکینوں کے لیے پہلے ہی کھانا بھجوا دیا اور انھیں کہلوا دیا کہ تم راستے میں نہ بیٹھنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے نکل کر گھر آ گئے۔ راستے میں انھیں کوئی مسکین نہ ملا تو فرمایا:

''فلاں فلاں اور فلاں کی طرف آدمی بھیجو، تا کہ وہ کھانے کے لیے آجائیں۔''

آدمی گیا، لیکن وہ نہ آئے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے انھیں یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اگر وہ بلائیں تو نہ آنا۔ جب کوئی کھانے کے لیے نہ آیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے گھر والوں سے فرمایا:

''تم چاہتے ہو، میں آج رات کھانا نہ کھاؤں۔''

چنانچہ انھوں نے اس رات کھانا نہ کھایا۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار سفر پر جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عیاش نے اپنے خادم ابو جعفر رحمہ اللہ سے کہا:

''تم سفر میں ان کے ساتھ جاؤ اور ان کی خدمت کرو۔''

ابو جعفر قاری آپ کے ساتھ چلے گئے۔ آپ جب بھی کسی چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالتے تو چشمے والوں کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلاتے۔ ان کے بڑے بیٹے بھی ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اب کھانا کم ہوتا اور کھانے والے زیادہ، اس لیے ہر ایک کے حصے میں دو تین لقمے ہی آتے۔

جحفہ کے مقام پر آپ نے پڑاؤ ڈالا اور معمول کے مطابق وہاں کے لوگوں کو کھانے پر بلا لیا۔ ایسے میں کالے رنگ کا ایک ننگا لڑکا بھی آ گیا۔ لڑکے نے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد کہا:

''مجھے تو یہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی، سب لوگ بہت مل مل کر بیٹھے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عمر کوشش کر کے ذرا سا سرک گئے اور اس لڑکے کو اپنے پاس بلا کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا کر بٹھا لیا۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

48

قدم بہ قدم

حضرت عبداللہ ابن عمر جب کھانا کھانے لگتے اور کوئی اچھی وضع قطع کا (یعنی حیثیت والا) آدمی گزرتا تو آپ اسے نہ بلاتے... لیکن ان کے بیٹے یا بھتیجے انھیں بلا لیتے... جب کوئی غریب آدمی گزرتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے بلا لیتے جب کہ ان کے بیٹے یا بھتیجے اسے نہ بلاتے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے:

''جو کھانا نہیں چاہتا، اسے یہ بلاتے ہیں اور جو کھانا چاہتا ہے، اسے چھوڑ دیتے ہیں۔''

○

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت سلیمان بن ربیعہ رحمہ اللہ نے حج کیا۔ ان کے ساتھ بصرے کے علما کی ایک جماعت بھی تھی۔ ان علما نے کہا:

''ہم اس وقت تک بصرے واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی بڑے صحابی سے نہ مل لیں، جو انھیں احادیث سنائے۔''

اب ان لوگوں نے پوچھنا شروع کیا۔ آخر انھیں بتایا گیا:

''بڑے صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلاں علاقے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان سے مل لیں۔''

یہ حضرات ان سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں انھوں نے دیکھا کہ لوگ بہت بڑی مقدار میں سامان لے کر جا رہے ہیں۔ وہ کوئی تین سو اونٹوں کا قافلہ تھا۔ ان میں ایک سو اونٹ تو سواری کے لیے تھے اور دو سو اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔ انھوں نے پوچھا:

''یہ سامان کس کا ہے۔''

لوگوں نے بتایا:

''یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ہے۔''

یہ سن کر یہ لوگ بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگے:

''یہ اتنا سارا سامان انھی کا ہے۔''

لوگوں نے انھیں بتایا:

''ہاں! یہ سارا سامان انھی کا ہے۔''

اس پر ان لوگوں نے کہا:

''ہمیں تو ان کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ بہت زیادہ خاطر تواضع کرنے والے انسان ہیں، لیکن یہاں تو منظر ہی اور دیکھنے میں آ رہا ہے۔''

لوگوں نے بتایا:

''یہ سارا سامان ہے تو انھی کا، لیکن اپنے اوپر خرچ کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ دوسروں پر خرچ کرنے کے لیے ہے۔ یہ سو اونٹ تو ان مسلمان بھائیوں کے لیے ہیں جنھیں یہ سواری کے لیے دیں گے اور ان دو سو اونٹوں کا سامان ان مہمانوں کے لیے ہے جو مختلف شہروں سے آنے والے ہیں۔''

یہ سن کر ان حضرات کو بہت حیرت ہوئی۔ انھیں اس قدر حیران دیکھ کر ان لوگوں نے کہا:

''اتنا زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بہت مال دار ہیں، اپنے پاس آنے والے مہمان کی مہمانی بھی کرتے ہیں اور جاتے وقت اسے سفر کا سامان بھی دیتے ہیں اور ایسا کرنا اپنے اوپر لازم جانتے ہیں۔''

یہ باتیں سن کر ان حضرات نے کہا:

''ہمیں بتائیں! وہ کہاں ہیں، ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔''

لوگوں نے بتایا:

''اس وقت وہ خانہ کعبہ میں ہیں۔''

اب یہ لوگ ان کی تلاش میں نکلے۔ آخر انھیں پالیا۔ انھوں نے دیکھا، وہ کعبے کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ چھوٹے قد کے ہیں، آنکھوں میں نمی ہے۔ دو چادریں اوڑھی ہوئی ہیں۔ سر پر عمامہ باندھا ہوا ہے اور ان پر قمیص نہیں ہے اور اپنے دونوں جوتے بائیں طرف لٹکائے ہوئے ہیں۔

○

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر کھڑے یہ اعلان کر رہے تھے:

''جو گوشت یا چربی کھانا چاہتا ہے، وہ سعد بن عبادہ کے ہاں آ جائے۔''

یہ منظر حضرت عروہ رحمہ اللہ نے دیکھا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کی وفات کے بعد انھوں نے ان کے بیٹے کو بھی اپنے مکان کے اوپر سے یہی الفاظ کہتے سنا، یعنی ان کے بیٹے بھی لوگوں کو گوشت کھلانے کے لیے بلا رہے تھے۔ پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت عروہ ایک دن مدینہ منورہ کے راستے پر چلے جا رہے تھے کہ راستے میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"جاؤ اور دیکھ کر آؤ۔ کیا سعد بن عبادہ کے گھر پر کوئی آدمی کھانے پر بلانے کے لیے اعلان کر رہا ہے۔"

حضرت عروہ یہ دیکھنے کے لیے وہاں گئے اور واپس آکر انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا:

"جی نہیں! وہاں کوئی کھانے کے لیے نہیں بلا رہا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم نے سچ کہا، اتنی زیادہ سخاوت تو ان باپ بیٹے ہی کی سخاوت تھی۔"

○

انصار میں ایک صحابی تھے۔ ان کا نام ابوشعیب تھا۔ ایک روز انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے۔ ان کا ایک غلام گوشت پکانے کا بہت ماہر تھا۔ انھوں نے اس غلام سے کہا:

"تم گوشت تیار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ چار اور آدمیوں کو کھانے پر بلانا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چار اور آدمیوں کو دعوت دی۔ آپ چار آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے۔ ایک اور آدمی بھی آپ کے پیچھے چل پڑا، یعنی بغیر دعوت کے ساتھ چل پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم نے ہم پانچ آدمیوں کو دعوت دی تھی۔ یہ آدمی اپنے آپ آگیا ہے، یعنی ہم اسے ساتھ نہیں لائے۔ اب تم چاہو تو اسے اجازت دو، ورنہ اسے نہ آنے دو۔"

حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی! اسے بھی اجازت ہے۔"

چنانچہ حضرت ابوشعیب نے اسے بھی کھانے میں شریک کرلیا۔

○

ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ اس دعوت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے خادمِ خاص تھے۔ کھانے میں جو کی روٹی اور شوربا تھا۔ یہ کھانا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ شوربے میں کدو اور گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے کنارے سے کدو تلاش کر کے کھا رہے ہیں (یعنی آپ کو کدو بہت مرغوب تھا، اس لیے شوربے سے تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس روز سے مجھے بھی کدو مرغوب ہوگیا (میں بھی اس روز سے کدو پسند کرنے لگا)

○

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم خندق کھود رہے تھے۔ اتنے میں ایک سخت چٹان درمیان میں آگئی۔ وہ چٹان صحابہ کرام سے نہ ٹوٹ سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں خندق میں اترتا ہوں۔"

اب آپ نے کدال لے کر چٹان پر اس زور سے ماری کہ وہ ریت کے ڈھیر کی طرح ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس وقت بھوک کی وجہ سے آپ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے بھی بھوک کی وجہ سے پتھر باندھ رکھے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت دیکھ کر آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے ذرا گھر تک جانے کی اجازت دیں۔"

آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ گھر آئے اور بیوی سے فرمایا:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر رہ نہ سکا۔ کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے۔"

انھوں نے بتایا:

"کچھ جو اور بکری کا ایک بچہ ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ بیوی نے گوشت چولہے پر رکھ دیا۔ جو پیس کر اس کا آٹا گوندھا۔ تھوڑی دیر بعد آٹا اس قابل ہوگیا کہ اس کی روٹیاں پکائی جاسکتیں۔ اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"حضور! میں نے تھوڑا سا سالن تیار کیا ہے۔ آپ تشریف لے چلیے اور ایک دو آدمی بھی ساتھ لے چلیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کھانا کتنا ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتادیا کہ کتنا ہے اور کیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

"بہت عمدہ کھانا ہے اور بہت زیادہ ہے۔ اپنی بیوی سے کہہ دو، جب تک میں نہ آؤں، نہ ہانڈی چولہے سے اتارے، نہ روٹی پکانا شروع کرے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"اٹھو! کھانے کے لیے چلو۔"

مہاجرین اور انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے۔ ادھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ گھر پہنچے تو آپ نے بیوی سے کہا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کو ساتھ لا رہے ہیں۔ اب کیا کیا جائے۔"

بیوی نے یہ سن کر کہا:

"کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا تھا کہ کتنا کھانا ہے؟"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہاں! انھوں نے پوچھا تھا اور میں نے بتا دیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا:

"پھر فکر کی کوئی بات نہیں۔ حضور خود سب کے کھانے کا بندوبست کریں گے۔" (جاری ہے)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"اندر آجاؤ اور بھیڑ نہ کرو۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر گوشت رکھ کر صحابہ کو دینے لگے۔ حضور جب ہانڈی سے گوشت اور تنور سے روٹی لیتے تو انھیں ڈھانپ دیتے۔ اس طرح آپ صحابہ کرام کو گوشت اور روٹی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں سے فرمایا:

"اب تم بھی کھانا کھالو... اور دوسروں کے گھروں میں بھی بھیج دو... کیونکہ تمام لوگوں کو بھوک لگی ہوتی ہے۔"

اب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے خود بھی کھایا اور تمام دن دوسرے گھروں میں روٹی اور سالن بھیجتے رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ کھانا کھانے والوں کی تعداد آٹھ سو کے لگ بھگ تھی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ سب لوگ کھانا کھا چکے، تب بھی ہانڈی جوش مار رہی تھیں اور تنور میں روٹیاں پک رہی تھیں۔

○

حضرت جہجاہ غفاری رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئے۔ ان کا ارادہ اسلام لانے کا تھا۔ ان لوگوں نے مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے اپنے گھر کھانے کے لیے لے جائے۔"

آپ کا فرمان سن کر تمام صحابہ ان حضرات کو لے گئے۔ مسجد میں صرف حضرت جہجاہ رہ گئے۔ مسجد میں اب ان کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہا تھا۔ وہ چونکہ بہت لمبے تڑنگے تھے، اس لیے انھیں کوئی نہ لے گیا۔ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر لے آئے۔ آپ نے ان کے لیے ایک بکری کا دودھ نکالا۔ وہ سارا دودھ پی گئے۔ آپ نے دوسری بکری کا دودھ نکالا، وہ بھی پی گئے۔ اس طرح آپ سات بکریوں کا دودھ نکال کر لائے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پتھر کی ایک ہانڈی میں سالن لائے۔ حضرت جہجاہ نے وہ بھی کھا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنھا نے کہا:

"یہ آدمی تو سب کچھ کھا پی گیا۔ حضور اس کی وجہ سے بھوکے رہ گئے۔ جو آج رات حضور کے بھوکا رہنے کا سبب بنا، اللہ اسے بھوکا رکھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"ام ایمن! خاموش رہو، اس نے اپنی روزی کھائی ہے اور ہماری روزی اللہ کے ذمے ہے۔"

صبح ہوئی تو سب مہمان اکٹھے ہو گئے۔ سب ایک دوسرے کو بتانے لگے کہ انھوں نے کیا کھایا پیا۔ حضرت جہجاہ نے ان سب کو بتایا:

"مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آپ نے میرے لیے ایک بکری کا دودھ دوہا، پھر دوسری، اس طرح آپ نے سات بکریوں کا دودھ نکالا، میں سب پی گیا۔ پھر آپ نے میرے سامنے سالن رکھا، میں وہ بھی سارا کھا گیا۔"

اس شام پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"ہر آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے اور اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلا دے۔"

سب کسی نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر چلے گئے... آج بھی مسجد میں حضرت جہجاہ رہ گئے... انھیں کوئی نہ لے گیا... کیونکہ وہ لمبے تڑنگے آدمی تھے... اس روز بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک بکری کا دودھ نکالا... آج ان کا پیٹ ایک بکری کے دودھ سے ہی بھر گیا۔ حضرت ام ایمن نے آپ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارا کل والا مہمان نہیں ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! یہ وہی ہے... لیکن آج رات اس نے مومن کی آنت میں کھایا ہے۔ اس سے پہلے یہ شیطان کی آنت سے کھاتا تھا۔ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔"

مطلب یہ کہ مومن کو زیادہ کھانے پینے کا فکر اور شوق نہیں ہوتا... کافر کو یہ شوق ہوتا ہے۔

○

مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترا تھا۔ اس پر ایسے صحابہ بیٹھتے تھے جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ انہیں اہل صفہ کہا گیا۔ رمضان کا مہینا آیا تو ان حضرات نے بھی روزے رکھنا شروع کر دیے۔ صحابہ کرام آتے اور ایک ایک صحابی ایک ایک اہل صفہ کو اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ انہیں سحری کھلا دیں۔ ایک رات انہیں کوئی لینے نہ آیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر اگلی رات آ گئی۔ اس رات بھی کوئی لینے نہ آیا۔ آخر یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنی حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے پوچھ کر آئیں... ان کے پاس کچھ ہے... ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب بھیجا کہ ان کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے... جو انہیں کھانے کے لیے دی جا سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب صفہ سے فرمایا:

''تم سب جمع ہو جاؤ۔''

جب سب جمع ہو گئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل اور تیری رحمت مانگتا ہوں۔ اس لیے کہ تیری رحمت تیرے ہی قبضے میں ہے۔ تیرے علاوہ کوئی اور اس کا مالک نہیں ہے۔''

ابھی آپ نے یہ دعا مانگی ہی تھی کہ ایک آدمی نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اسے اجازت دی تو وہ ایک بھنی ہوئی بکری اور روٹیاں لیے اندر آیا۔ آپ نے ان سب کے سامنے وہ رکھ دی۔ ان حضرات نے اس میں سے کھایا اور خوب سیر ہو گئے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم نے اللہ سے اس کا فضل اور رحمت مانگی تھی تو یہ کھانا اللہ کا فضل ہے اور اللہ نے اپنی رحمت ہمارے لیے ذخیرہ کر کے (آخرت کے لیے) رکھ لی ہے۔''

○

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک سال خود جہاد کے لیے جاتے تھے، دوسرے سال ان کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ جاتے تھے۔ ایک سال حضرت سعد جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ان کی غیر حاضری میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے مسلمان مہمان آ گئے۔

جب یہ بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو میدان جہاد میں معلوم ہوئی تو انہوں نے سب لوگوں کی موجودگی میں یہ کہا:

''اگر قیس میرا بیٹا ہوا تو وہ میرے غلام نسطاس سے کہے گا، اے نسطاس! چابیاں لاؤ تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے لیے ضرورت کی چیزیں اپنے والد کے گودام سے نکال لوں... اس پر میرا غلام کہے گا، اپنے والد کی طرف سے اجازت کی کوئی تحریر لاؤ۔ نسطاس کی بات سن کر میرا بیٹا قیس مکا مار کر اس کی ناک توڑ دے گا اور اس سے زبردستی چابیاں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کا سامان نکال لے گا۔''

یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یقین سے یہ بات جہاد کے ساتھیوں سے کہی، اور بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ بالکل اسی طرح ہوا تھا۔ قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً پانچ سو پچیس من غلہ لا کر دیا تھا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا تو ہر طرف سے لوگ کھنچ کر مدینہ منورہ میں آنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مقرر کر دیا کہ وہ ان میں کھانا تقسیم کریں اور ان کے دوسرے انتظامات کریں۔ شام کو یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اور دن بھر کی کارگزاری سنائی۔

یہ لوگ مدینہ منورہ کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ایک روز حضرت عمر نے حکم فرمایا:

''ہمارے ہاں جو لوگ رات کا کھانا کھاتے ہیں، ان کی گنتی کرو۔''

انہیں گنا گیا تو تعداد سات ہزار تھی۔ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا:

''جو لوگ یہاں نہیں آتے، ان کی، بیماروں کی اور بچوں کی گنتی کرو۔''

انہیں گنا گیا تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ پھر چند راتیں اور گزریں تو لوگ اور زیادہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر انہیں پھر گنا گیا تو ان کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش عطا کی۔ خوب بارش ہوئی... تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی لوگوں میں سے ہر ایک کے ذمے یہ کام لگایا کہ ان آنے والے لوگوں سے جو ان کے علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے، انہیں ان کے دیہات کی طرف بھیج دیں اور انہیں جانے کے لیے سواریاں اور سفر کا سامان دیں۔

اس طرح حضرت عمر انہیں بھیجنے میں لگے رہے۔ ان قحط زدہ لوگوں میں اموات بھی بہت ہوئی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت ساری دیگوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ کھانا پکانے والے صبح تہجد کے وقت اٹھ کر کھانا پکاتے تھے۔ قحط سالی کے تمام دنوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود کبھی نہ اپنے گھر کھانا کھایا، نہ اپنے کسی بیٹے کے ہاں کھایا، نہ کسی بیوی کے گھر کھانا کھایا، بلکہ ان قحط زدہ لوگوں کے ساتھ ہی کھانا کھاتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش عطا کر دی۔ قحط دور کر دیا۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات گشت پر نکلے۔ آپ کے خادم اسلم ساتھ تھے۔ آپ نے ایک عورت کو اپنے گھر کے اندر بیٹھے دیکھا۔ اس کے اردگرد بچے رو رہے تھے۔ ایک دیگچی آگ پر رکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے کے قریب آ کر کہا:

''اے اللہ کی بندی! یہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔''

عورت نے جواب دیا:

''بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تو پھر یہ دیگچی آگ پر کیسے رکھی ہوئی ہے۔''

عورت نے جواب دیا:

''بچوں کو بہلانے کے لیے پانی بھر کر رکھی ہوئی ہے، تاکہ بچے سو جائیں۔ بچوں سے میں نے کہہ دیا ہے کہ اس میں کچھ پک رہا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ پھر وہاں سے اس جگہ آئے جہاں صدقات کا مال رکھا گیا تھا۔ ایک بورا لیا، اس میں آٹا، گھی، چربی، کھجوریں، کپڑے اور درہم ڈالے، یہاں تک کہ بورا بھر گیا۔ اب آپ نے اپنے خادم اسلم سے کہا:

''یہ بورا اٹھا کر میری کمر پر رکھ دو۔''

حضرت اسلم نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ کی جگہ میں اٹھا لیتا ہوں۔''

آپ نے ان سے کہا:

''نہیں! میں ہی اسے اٹھاؤں گا، کیونکہ آخرت میں مجھ سے ہی پوچھ ہوگی۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وقت کے خلیفہ وہ بورا خود اپنی کمر پر رکھ کر اس عورت کے گھر تک لائے۔ پھر آپ نے دیگچی میں آٹا، گھی اور کھجوریں ڈالیں، دیگچی کو آگ پر رکھا اور اسے ہلانے لگے۔ دیگچی کے نیچے آگ پر خود ہی پھونکیں مارنے لگے۔

حضرت اسلم کہتے ہیں کہ کتنی ہی دیر آپ کی ڈاڑھی کے درمیان سے دھواں نکلتے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے لیے کھانا پک گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ سے برتن میں کھانا نکال کر بچوں کے سامنے رکھا اور ان بچوں کو کھلانے لگے۔ یہاں تک کہ بچوں کا پیٹ بھر گیا۔ اب آپ گھر سے باہر آ کر دروازے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ حضرت اسلم پر اس وقت آپ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ مارے خوف کے کچھ نہ کہہ سکے۔ آپ بہت دیر تک وہاں اسی طرح بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ بچے کھیل کود میں لگ کر ہنسنے لگے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ نے حضرت اسلم سے فرمایا:

''جانتے ہو، میں یہاں کیوں بیٹھا رہا؟''

اسلم کہنے لگے:

''جی نہیں!''

آپ نے فرمایا:

''میں نے انھیں روتے دیکھا تھا، مجھے اچھا نہ لگا کہ ان بچوں کو ہنستے ہوئے دیکھے بغیر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ جب میں نے انھیں ہنستے ہوئے دیکھ لیا تو میرا جی خوش ہو گیا۔''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔ لوگوں کو شدید مشکل پیش آئی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے والی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

''اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے عمرو بن عاص کی طرف: سلام ہو! اما بعد! اے عمرو! میری جان کی قسم! جب تم خود اور تمہارے ساتھی سیر ہو کر کھا رہے ہیں، تو پھر تمہیں اس کی کیا پروا کہ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہماری مدد کرو، ہماری مدد کرو۔''

حضرت عمرو بن عاص کو یہ خط ملا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب میں خط لکھا:

''اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی خدمت میں عمرو بن عاص کی طرف سے: اما بعد: میں مدد کے لیے حاضر ہوں۔ میں مدد کے لیے حاضر ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں غلے کا اتنا بڑا قافلہ بھیجوں گا کہ اس کا پہلا اونٹ آپ کے پاس مدینہ منورہ میں ہوگا اور اس کا آخری اونٹ میرے پاس مصر میں ہوگا۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

چنانچہ حضرت عمرو نے بہت بڑا قافلہ روانہ کیا اور واقعی اس کا پہلا اونٹ مدینہ میں، میں آخری اونٹ مصر میں تھا، یعنی اونٹوں کی اتنی لمبی قطار تھی اور یہ اونٹ غلے سے لدے ہوئے تھے۔

جب یہ غلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے خوب دل کھول کر لوگوں میں غلہ تقسیم کیا، یہ طے کیا کہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کے ہر گھر میں ایک اونٹ اس پر لدے غلے سمیت دیا جائے۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں سامان تقسیم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان حضرات نے ہر گھر میں ایک اونٹ غلے سمیت دینا شروع کیا، تاکہ وہ غلہ استعمال کریں اور اونٹ بھی ذبح کر کے کھائیں، اس کی چربی کو بھی کام میں لائیں اور کھال کے جوتے بنائیں۔ جس بورے میں غلہ ہے، اس کے خالی ہونے پر اس کا لحاف بنائیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خوب کشادگی عطا فرمائی۔ اس میں ایک تفصیل یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک غلہ پہنچانے کے لیے دریائے نیل سے بحر قلزم تک ایک نہر کھودی گئی۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے جوڑے آئے۔ آپ نے وہ جوڑے لوگوں کو پہنا دیے۔ شام کے وقت لوگ وہ جوڑے پہن کر آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان بیٹھے تھے۔ لوگ ان کے پاس آ کر سلام کرتے اور آپ کو دعائیں دیتے۔ اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے۔ وہ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے جسموں پر کوئی یمنی جوڑا نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غمگین ہوئے اور پریشان ہو گئے۔ آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! تم لوگوں کو جوڑے پہنا کر مجھے خوشی نہیں ہوئی، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو تو پہنا نہیں سکا۔''

لوگوں نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! لوگوں کو کپڑے پہنا کر

560 B

آپ نے اچھا کیا ہے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ یہ بچے لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آرہے ہیں اور ان کے جسموں پر کوئی جوڑا نہیں ہے۔ جوڑے بڑے ہیں اور یہ چھوٹے، اس وجہ سے انھیں جوڑے نہیں دیے گئے۔"

اس کے بعد انھوں نے یمن کے گورنر کو خط لکھا:

"حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لیے جلدی سے جوڑے بھیجو۔"

انھوں نے دو جوڑے بھیج دیے۔ یہ دونوں جوڑے آپ نے ان دونوں کو پہنا دیے۔

(جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

عبداللہ فارانی

51

قدم بہ قدم

٭ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت شفاء بنتِ عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا:
''تم صبح کے وقت میرے پاس آنا۔''
حضرت شفاء وہاں پہنچ گئیں۔ انھیں دروازے پر حضرت عاتکہ بنت اسید رضی اللہ عنہا ملیں۔ پھر یہ دونوں اندر گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چادر منگوا کر حضرت عاتکہ کو دی۔ پھر ایک اور چادر منگوائی، وہ پہلی چادر سے کم درجے کی تھی۔ وہ انھوں نے حضرت شفاء کو دی۔ حضرت شفاء نے کہا:
''اے امیر المومنین! میں ان سے پہلے اسلام لائی ہوں۔ میں آپ کی چچا زاد بہن بھی ہوں۔ آپ نے مجھے پیغام بھیج کر بلایا اور یہ خود آئی ہیں۔''
ان کا مطلب یہ تھا کہ قیمتی چادر تو انھیں ملنی چاہیے تھی، لیکن آپ نے وہ حضرت عاتکہ کو دے دی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:
''میں نے یہ چادر تمہارے لیے ہی اٹھا کر رکھی تھی، لیکن جب تم دونوں اکٹھی اندر آ گئیں تو مجھے یاد آیا کہ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری تم سے زیادہ قریب کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے داری میری رشتے داری سے زیادہ درجہ رکھتی ہے، اس لیے میں نے انھیں قیمتی چادر دی۔''

○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضرورت مند آیا۔ اس نے سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:
''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''
اس نے کہا:
''جی ہاں!''
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''رمضان کے روزے رکھتے ہو؟''
اس نے کہا:
''جی ہاں!''
اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''تم نے سوال کیا ہے اور سوال کرنے والے کا حق ہوتا ہے اور ہم پر یہ حق ہے کہ ہم تم پر احسان کریں۔''
یہ فرمانے کے بعد آپ نے اسے ایک کپڑا دیا اور فرمایا:
''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی مسلمان اگر کسی مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو جب تک اس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی اس کے بدن پر رہے گا، اس وقت تک وہ پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔''

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس کے امیر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سفر میں ان حضرات پر فاقہ آیا تو حضرت قیس نے اپنے ساتھیوں کے لیے نو اونٹ ذبح کر دیے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ واپس آئے تو آپ کو یہ بات بتائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:
''سخاوت تو اس گھرانے کی خاص صفت ہے۔''
اس سفر میں نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو درختوں کے پتے کھانے پڑ گئے تھے۔

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد مدینہ منورہ میں رہنے لگے تھے۔ اسی مکان میں انھوں نے بیت المال بنا لیا تھا، یعنی مسلمانوں کا مال وہاں جمع کیا جاتا تھا اور ان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ان دنوں بہت مال آتا تھا۔ یہ سارا مال بیت المال میں رکھا جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سونے چاندی کے ٹکڑے کروا کر لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ تمام لوگوں میں برابر برابر تقسیم کرتے تھے۔ آزاد، غلام، مرد، عورت چھوٹے بڑے سب کو برابر حصہ ملا کرتا تھا۔ آپ اس مال سے اونٹ، گھوڑے اور ہتھیار خرید کر جہاد کے لیے جانے والوں کو دے دیا کرتے تھے۔ ایک سال آپ نے گرم اونی چادریں خریدیں اور سردی کے موسم میں یہ چادریں بیوہ عورتوں میں تقسیم کر دیں۔
جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ بیت المال کے نگرانوں کو بلایا۔ انھیں ساتھ لے کر آپ بیت المال گئے۔ آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ بیت المال میں کتنا مال باقی ہے۔ آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان اور دیگر حضرات بھی تھے۔ ان حضرات نے بیت المال کو کھولا تو اس میں کوئی درہم یا دینار نہیں تھا۔ البتہ مال رکھنے کا ایک موٹا کھردرا کپڑا ملا۔ اسے جھاڑا تو اس میں سے

561B

ایک درہم ملا (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی ہی میں سارا مال تقسیم کر چکے تھے)

یہ دیکھ کر ان سب حضرات کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔ سب نے دعا کی:

"اے اللہ! ابوبکر پر رحمت نازل فرما۔"

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بحرین سے مال آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا:

"جس آدمی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے قرض ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہو، وہ کھڑا ہو اور لے لے۔"

یہ اعلان سن کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ آپ نے عرض کیا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا، اگر بحرین سے مال آیا، تو میں تمہیں تین مرتبہ اتنا مال دوں گا۔"

یعنی آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"اٹھو اور خود اپنے ہاتھوں سے اسی طرح لے لو، جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔"

انھوں نے تین لپیں بھر لیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں دس دس درہم تقسیم فرمائے اور لوگوں سے فرمایا:

"یہ وہ وعدے پورے ہو رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں سے کیے تھے۔"

اگلے سال اس سے بھی زیادہ مال آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیس بیس درہم تقسیم کیے۔ اس پر بھی مال بچ رہا تو پانچ پانچ درہم اور تقسیم فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا:

"تمہارے غلام تمہاری خدمت کرتے ہیں۔ تمہارے کام کرتے ہیں، اس لیے انھیں بھی کچھ دے دیا کرو۔"

اس پر لوگوں نے عرض کیا:

"اگر آپ مہاجرین اور انصار کو زیادہ دیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ یہ پرانے لوگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا خاص مقام تھا۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ان لوگوں کی خدمت کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی انھیں دیں گے۔ یہ مال تو بس گزارے کی چیز ہے، اسے برابر تقسیم کرنا زیادہ دینے سے بہتر ہے۔"

عبداللہ فارانی

52

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے میدانِ جنگ سے آٹھ لاکھ درہم مدینہ منورہ بھیجے۔ یہ درہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''کیا لائے ہو؟''

انھوں نے بتایا: ''آٹھ لاکھ درہم۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمہارا بھلا ہو، کیا یہ پاکیزہ مال ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جی ہاں! پاکیزہ مال ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ساری رات جاگ کر گزاری۔ جب فجر کی اذان ہوگئی تو آپ کی بیوی نے کہا:

''آپ تمام رات سوئے کیوں نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عمر بن خطاب کیسے سوسکتا ہے جب کہ اس کے پاس لوگوں کے لیے اتنا مال آیا ہے کہ اسلام کی ابتدا سے لے کر آج تک کبھی نہیں آیا۔ اگر عمر کو اس حال میں موت آجاتی کہ یہ مال اس کے پاس رکھا ہوتا اور اسے صحیح جگہ خرچ نہ کیا گیا ہوتا تو وہ کیسے اللہ کی گرفت سے بچ سکتا تھا۔''

جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوگئے تو چند صحابہ کرام آپ کے پاس آگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''آج رات لوگوں کے لیے اتنا زیادہ مال آیا ہے کہ اسلام کی ابتدا سے لے کر آج تک نہیں آیا۔ اس مال کے تقسیم کرنے کے بارے میں میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ آپ لوگ بھی مجھے اس بارے میں مشورہ دیں۔

قدم بہ قدم

میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں کو ناپ کر تقسیم کروں۔''

ان حضرات نے کہا:

''اے امیر المومنین! ایسا نہ کریں، کیونکہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے اور آنے والے مال میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس لیے یہ پتا نہیں چلے گا کہ کسے دیا گیا اور کسے نہیں دیا گیا۔ آپ ایسا کریں کہ ایک رجسٹر بنوا لیں۔ لوگوں کے نام اس میں لکھ لیں، اس کے مطابق لوگوں کو مال دیتے رہیں، پھر جب بھی لوگوں کی تعداد بڑھے یا مال بھی بڑھے تو آپ اس رجسٹر کے مطابق لوگوں کو دیتے رہیے گا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھی بات ہے، رجسٹر بنوا لیتے ہیں۔ آپ لوگ مجھے مشورہ دیں کہ دینا کس سے شروع کروں۔''

ان حضرات نے کہا:

''آپ اپنے آپ سے شروع کریں، کیونکہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ لوگوں کے متوَلّی ہیں۔''

کچھ لوگوں نے یہ کہا:

''اے امیر المومنین! آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! ایسے نہیں! بلکہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کروں گا، پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی رشتے دار ہیں، انھیں دوں گا، پھر ان کے بعد جو رشتے دار ہیں، انھیں دوں گا۔''

چنانچہ آپ نے اسی ترتیب سے رجسٹر بنوا لیا۔ پہلے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے نام لکھوائے اور ان سب کو دیا۔ پھر بنو عبد شمس کو دیا، پھر بنو نوفل کو پھر عبدِ مناف کو دیا۔ بنو عبدالشمس کو پہلے اس لیے دیا کہ عبد شمس ہاشم کے ماں جائے بھائی تھے اور نوفل ماں جایا نہیں تھا، اس لیے عبد شمس سے زیادہ قریبی ہوا۔

مطلب یہ کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو اہمیت دی۔ آپ کے خاندان کے لوگوں کے نام پہلے لکھے۔

ایک عطردان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ یہ عورتوں کے لیے تھا۔ لوگ اسے دیکھنے لگے اور سوچنے لگے کہ دیکھیں یہ کسے دیا جاتا ہے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''کیا آپ یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں یہ عطردان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھجوا دوں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی۔''

سب نے کہا:

8620

"جی ہاں! ضرور بھجوا دیں۔"

آپ نے وہ عطردان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھجوا دیا۔ آپ نے اسے دیکھا، ساتھ ہی انھیں بتایا گیا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر بن خطاب پر کتنی فتوحات ہو رہی ہیں۔ اے اللہ! مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملنے والے عطیوں کے لیے اگلے سال تک زندہ نہ رکھنا۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں مال تقسیم کر رہے تھے۔ ایسے میں آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"تمہارے چہرے پر یہ نشان کیسا ہے؟"

اس نے بتایا:

"اے امیر المومنین! میں ایک غزوے میں گیا تھا۔ اس میں دشمن کی تلوار سے یہ زخم آیا تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"اسے ایک ہزار درہم گن کر دے دو۔"

آپ کے حکم پر اسے ایک ہزار درہم گن دیے گئے۔ تھوڑی دیر تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مال کو الٹتے پلٹتے رہے، پھر آپ نے اس کے بعد فرمایا:

"اسے ایک ہزار اور گن دو۔"

چنانچہ اسے ایک ہزار درہم اور دے دیے گئے۔ پھر یہ بات آپ نے دو مرتبہ اور فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس کثرت سے عطا پر اس شخص کو شرم محسوس ہوئی۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا خیال آیا، وہ آپ کو نظر نہ آیا تو آپ نے پوچھا:

"وہ شخص کہاں چلا گیا۔"

لوگوں نے بتایا:

"ہمارا خیال ہے، اس نے شرم محسوس کی، اس لیے چلا گیا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! جب تک وہ ٹھہرا رہتا، اور جب تک یہاں درہم باقی رہتے، میں اسے دیتا ہی رہتا، کیونکہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جسے اللہ کے راستے میں تلوار کا ایسا زخم آیا ہے کہ اس کے چہرے پر کالا نشان پڑ گیا ہے۔"

O

ایک سال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ لوگوں میں مال تقسیم کیا۔ اس کے بعد آپ کے پاس اصبہان سے اور مال آ گیا۔ اس پر آپ نے اعلان فرمایا:

"لوگوں کل صبح صبح آ کر چوتھی مرتبہ مال پھر لے جاؤ۔ میں تمہارا خزانچی نہیں ہوں کہ یہ مال جمع رکھوں۔"

چنانچہ آپ نے وہ سارا مال تقسیم کر دیا، یہاں تک کہ اس مال کی رسیاں بھی تقسیم کر دیں۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

53

حضرت عنترہ رحمہ اللہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر آئے۔ انھوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ سارا مال ہی تقسیم کر دیتے ہیں... کچھ بھی باقی نہیں بچاتے، حالانکہ اس مال میں آپ کے گھر والوں کا بھی حصہ ہے... اور اسی لیے میں نے آپ کے لیے کچھ مال چھپا کر رکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''وہ کیا ہے۔''

قنبر نے کہا:

''آپ خود چل کر دیکھ لیں، وہ کیا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ قنبر کے ساتھ چلے۔ وہ انھیں ایک کمرے میں لے آیا۔ وہاں ایک بڑا برتن رکھا تھا۔ اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ اس بڑے برتن میں سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے برتن بھرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر قنبر سے کہا:

''تیری ماں تجھے گم کرے... تو میرے گھر میں بڑی آگ داخل کرنا چاہتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے سونے چاندی کے وہ برتن تول تول کر ہر قوم کے سردار کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر دیے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

''اے دنیا مجھے دھوکا مت دے، کسی اور کو دھوکا دے۔''

O

جنگ جمل کے دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

''اے میرے بیٹے! اس جنگ میں آج جو بھی قتل ہوگا، دوسرا فریق اسے ظالم خیال کرے گا اور خود کو مظلوم سمجھے گا اور مجھے ایسا نظر آرہا ہے کہ میں بھی آج ظلماً قتل ہوجاؤں گا اور مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرضے کی ہے... اے میرے بیٹے ہمارا مال بیچ کر قرضہ ادا کر دینا... اور قرضہ ادا کردینے کے بعد جو مال بچے، اس کا تہائی وارثوں کے علاوہ دوسروں کو دے دینا... باقی وارثوں میں تقسیم کر دینا... اور اے میرے بیٹے! اگر قرض کی ادائیگی میں کچھ مشکل پیش آئے تو میرے مولا سے مدد لینا۔''

حضرت عبداللہ یہ بات نہ سمجھ سکے کہ ان کے والد کی میرے مولا سے کیا مراد ہے، اس لیے انھوں نے پوچھا:

''ابا جان! آپ کے مولا کون ہیں۔''

انھوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی ان کے قرضے کے بارے میں کوئی مشکل پیش آتی، میں کہتا:

قدم بہ قدم

''اے زبیر کے مولا! زبیر کا قرضہ ادا کردیں۔''

اللہ تعالیٰ فوراً اس کا انتظام فرما دیتے۔

O

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گمان کے مطابق اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ انھوں نے ترکے میں کوئی درہم یا دینار نہ چھوڑا، البتہ مدینہ منورہ میں کچھ زمینیں اور کچھ گھر تھے۔ کوفہ اور مصر میں بھی ایک ایک گھر تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر قرض اس لیے چڑھا تھا کہ کوئی آدمی ان کے پاس امانت رکھوانے کے لیے آتا تو آپ اس سے فرماتے:

''میرے پاس مال نہ رکھواؤ... مجھے ڈر ہے کہ کہیں ضائع نہ ہوجائے... اس لیے تم مجھے یہ قرض دے دو... جب ضرورت ہو لے لینا۔''

اس طرح آپ رکھوائے جانے والا مال لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفا کے دور میں تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ ان غزوات سے جو مال ملا، اس سے ان کی اتنی جائیداد ہوگئی کہ اس سے ان کا قرض ادا کیا گیا۔

حضرت عبداللہ ان کے بیٹے فرماتے ہیں:

''میں نے والد صاحب کے قرض کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ نکلا۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور اپنے غلام سے فرمایا:

''یہ دینار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ۔ انھیں دینے کے بعد تھوڑی دیر وہاں کسی کام کے بہانے رکے رہنا اور دیکھنا کہ وہ دیناروں کا کیا کرتے ہیں۔''

غلام وہ تھیلی ان کے پاس لے گیا، اس نے کہا:

''امیر المومنین فرما رہے ہیں کہ یہ دینار آپ اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرلیں۔''

563B

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ انھیں اس کا صلہ عطا فرمائے، ان پر رحم فرمائے، اے باندی ادھر آ! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ، یہ پانچ دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ دینار فلاں کو۔''

اس طرح انھوں نے تمام دینار ختم کر دیے۔

غلام نے واپس آ کر یہ ساری بات بتائی۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے ہی دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور غلام سے فرمایا:

''یہ دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ، انھیں دینے کے بعد کسی بہانے وہاں رکے رہنا اور دیکھنا کہ وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں۔''

غلام وہ دینار لے کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے کہا:

''امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ آپ یہ دینار اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر لیں۔''

یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انھیں اس کا صلہ عطا فرمائے۔''

پھر فرمایا:

''اے باندی ادھر آ! فلاں کے گھر میں اتنے دینار دے آؤ اور فلاں کے گھر میں اتنے دینار دے آ۔''

ایسے میں آپ کی بیوی آ گئیں۔ انھوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم بھی مسکین ہیں، ہمیں بھی کچھ دیں۔''

اس وقت تھیلی میں صرف دو دو دینار رہ گئے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ دو دینار اپنی بیوی کو دے دیے۔''

غلام نے واپس آ کر ساری صورتِ حال بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

''یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دوسروں پر سارا مال خرچ کرتے ہیں، یہ سب ایک جیسے مزاج کے ہیں۔''

O

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''اپنی اپنی تمنا کا اظہار کرو۔''

ایک صاحب نے کہا:

''میری دلی تمنا یہ ہے کہ میرا گھر درہموں سے بھر جائے اور میں ان سب درہموں کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''باقی حضرات بھی اپنی اپنی تمنا ظاہر کریں۔''

اب ایک اور صاحب نے عرض کیا:

''میری دلی تمنا یہ ہے کہ سونے چاندی سے بھرا ہوا گھر مجھے مل جائے اور میں اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں۔''

آپ نے پھر فرمایا:

''اپنی اپنی تمنا ظاہر کرو۔''

اب تیسرے صاحب نے کہا:

''میری دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گھر جواہرات سے بھرا ہو اور میں ان سب کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اپنی اپنی تمنا ظاہر کرو۔''

اب لوگوں نے کہا:

''اتنی بڑی تمناؤں کے بعد اور کیا تمنا ہو سکتی ہے۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اور میری دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گھر حضرت ابو عبیدہ، حضرت معاذ اور حضرت حذیفہ بن یمان جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو اور میں انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں میں لگاؤں۔'' (یعنی میری تمنا ہے کہ میرے پاس ایسے کام کے آدمی ہوں)

(جاری ہے)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چار ہزار درہم آئے۔ ایک اور شخص نے بھی چار ہزار درہم بھیجے۔ ایک تیسرے شخص نے دو ہزار بھیجے۔ ان کے ساتھ ایک بھاری چادر بھی آئی۔ اس کے بعد آپ بازار گئے۔ آپ نے اپنی سواری کے لیے ایک درہم کا چارہ ادھار خریدا۔ ان کا ایک پڑوسی وہاں موجود تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے پاس دس ہزار درہم آئے ہیں، اس لیے وہ بہت حیران ہوا کہ ان کے پاس اتنا مال آیا ہے اور یہ ایک درہم کا چارہ ادھار خرید رہے ہیں۔ یہ پڑوسی ان کی باندی کے پاس گئے۔ انھوں نے باندی سے کہا:

"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ سچ سچ بتانا... کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دس ہزار درہم نہیں آئے ہیں اور ان کے علاوہ ایک بھاری چادر نہیں آئی ہے۔"

باندی نے کہا: "ہاں آئے ہیں۔"

پڑوسی نے کہا:

"میں نے بازار میں دیکھا ہے، انھوں نے ایک درہم کا چارہ ادھار خریدا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ اتنا مال ہوتے ہوئے ادھار چارہ خریدنے کی کیا ضرورت؟"

جواب میں باندی نے کہا:

"دوس ہزار درہم تو انھوں نے رات کو سونے سے پہلے ہی تقسیم کر دیے تھے... اور وہ چادر اپنی کمر پر ڈال کر باہر چلے گئے تھے... واپس گھر آئے تو وہ چادر ان کی کمر پر نہیں تھی... یعنی وہ بھی کسی کو دے آئے تھے۔"

○

ایک تجارتی قافلہ مدینہ منورہ آیا۔ انھوں نے عیدگاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یہ جو قافلہ آیا ہے، میں رات بھر اس کا پہرہ دینا چاہتا ہوں، کیا آپ میرے ساتھ چل کر پہرہ دینا پسند کریں گے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! میں تیار ہوں۔"

یہ دونوں حضرات رات بھر قافلے کا پہرہ دیتے رہے اور باری باری نماز بھی پڑھتے رہے۔ رات میں کسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ نے اس کی والدہ سے کہا:

"اللہ سے ڈرو اور بچے کا خیال کرو۔"

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر پہرے کی جگہ پر چلے گئے۔ جلد ہی انھوں نے پھر بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ پھر اس عورت کے پاس گئے اور اس سے پھر یہی کہا:

"اللہ سے ڈرو، بچے کا خیال کرو۔"

یہ کہہ کر آپ پھر اپنی جگہ پر آ گئے۔ آپ نے تیسری بار پھر بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اب آپ نے اس عورت کے پاس جا کر کہا:

"تیرا بھلا ہو... میرا خیال ہے کہ تو بچے کے حق میں اچھی ماں نہیں ہے... کیا بات ہے... تیرا بچہ روئے جا رہا ہے۔"

اب اس عورت نے کہا:

"اے اللہ کے بندے! تو نے آج تو رات بار بار آ کر مجھے تنگ کر مارا۔ میں بہلا پھسلا کر اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں، لیکن یہ مانتا نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"تو اس کا دودھ کیوں چھڑانا چاہتی ہے؟"

عورت آپ کو پہچانتی نہیں تھی۔ اس نے کہا:

"امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف اس بچے کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں جس کا دودھ چھڑایا جا چکا ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اس بچے کی عمر کیا ہے؟"

عورت نے بچے کی عمر چند مہینے کی بتائی۔ یعنی بچہ ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ اس کا دودھ چھڑایا جاتا۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا:

"تو ابھی اس کا دودھ نہ چھڑا۔"

اس کے بعد صبح ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کے دوران بہت روئے۔ لوگوں کو ان کا نماز کے دوران رونا سمجھ میں نہ آیا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"عمر کے لیے ہلاکت کی بات ہوگی... اس نے مسلمانوں کے کتنے بچوں کو تکلیف پہنچائی۔ یہ اصول مقرر کیا کہ دودھ چھڑانے کے بعد بچے کا وظیفہ شروع ہوگا... اس وجہ سے نہ جانے کتنی عورتوں نے وقت سے پہلے بچوں کا دودھ چھڑایا ہوگا... اور بچوں کو تکلیف ہوئی ہوگی۔"

پھر آپ نے اعلان کرایا... اس اعلان میں آپ نے حکم دیا:

"مسلمان عورتو! تم اپنے بچوں کا دودھ جلدی نہ چھڑاؤ... اب ہر دودھ پیتے بچے کو وظیفہ ملا کرے گا... یعنی وظیفہ حاصل کرنے کے لیے اب بچے کا دودھ چھڑانے کی ضرورت نہیں۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے تمام گورنروں کو یہ حکم لکھ کر بھجوا دیا کہ اب ہر دودھ پیتے بچے کو وظیفہ ملا کرے گا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ حکیم صاحب نے ان کی بیماری کے لیے شہد تجویز کیا۔ اس وقت بیت المال میں تھوڑا سا شہد موجود تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اتنا سا شہد لینا بھی گوارا نہ کیا۔ مسجد میں گئے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا:

"مجھے علاج کے لیے شہد کی ضرورت ہے۔ بیت المال میں شہد موجود ہے، اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں لے لیتا ہوں، ورنہ وہ میرے لیے حرام ہے۔"

لوگوں نے خوشی سے انھیں شہد لینے کی اجازت دے دی۔

○

ایک مرتبہ کہیں سے آپ کے پاس مال آیا۔ آپ کی صاحبزادی، ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا تو انھوں نے آ کر آپ سے کہا:

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

مسکراہٹ کے پھول

☆ ایک دوست: یار آج میری طبیعت ٹھیک نہیں، ہر چیز کے دو دو نظر آ رہے ہیں۔
دوسرا دوست: (جلدی سے ایک ہزار کا نوٹ دیتے ہوئے) یہ لو دو ہزار روپے۔ جو میں نے تم سے ادھار لیے تھے۔ (محمد عرفان۔ جاوید ارشد، کراچی)

☆ ایک دوست: حج کے بعد شیطانوں کو کنکر مارے تھے؟
دوسرا دوست: رش ہی اتنا تھا کہ کنکر مارنے کا موقع نہیں ملا، البتہ گالیاں خوب دے کر آیا ہوں۔

☆ بیوی: ایسا لگتا ہے میں روز بروز خوب صورت ہوتی جا رہی ہوں۔
شوہر: اچھا وہ کیسے؟
بیوی: اب تو مجھ سے روٹیاں بھی جلنے لگی ہیں۔

☆ ایک سردار روز لوہار کی دکان پر جاتا اور پوچھتا گاجریں ہیں، لوہار انکار کر دیتا۔ ایک دن لوہار کو بہت غصہ آیا۔ اس نے سردار کے منہ پر مکا مار کر اس کے دانت توڑ دیے اور بولا، اب تو گاجریں کھا کر دکھا۔ اس سے اگلے دن سردار پھر لوہار کی دکان پر آیا۔ اس نے کہا: ''گاجروں کا حلوہ ہے۔''

☆ سردار: ڈاکٹر صاحب! مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔
ڈاکٹر: تم لیٹ کر 2000 تک گنتی کرنا، نیند آ جائے گی۔
دو دن بعد سردار ڈاکٹر کے پاس آیا۔
ڈاکٹر: کیا ہوا؟
سردار: جی ہاں! کیا تو تھا لیکن بہت مشکل کام ہے۔ 1000 تک گنتی کی تھی کہ نیند آنے لگی۔ تیز چائے پی کر خود کو جگائے رکھا اور 2000 تک گنتی پوری کی۔

☆ سردار: میں نے ایک بات پچھلے دس سال کے تجربے سے معلوم کی ہے۔
دوسرا سردار: وہ کیا؟
پہلا سردار: جب بھی پھاٹک بند ہوتا ہے تو ٹرین ضرور آتی ہے۔

☆ سردار: (جوتے فروش سے) تم نے اپنے جوتے کی بہت گارنٹی دی تھی۔
دکان دار: سردار جی! کیا ہوا ہے؟
سردار: اٹھا لے گیا کوئی۔

☆ بیوی: بیٹا آج کل میرے پیسے چرانے لگا ہے، جہاں بھی چھپاتی ہوں، ڈھونڈ لیتا ہے۔
شوہر: اس کی کتاب میں رکھ دیا کرو، امتحان تک نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ (نعیمہ خان۔ ملتان)

فرمایا ہے، اس لیے اس مال میں آپ کے رشتے داروں کا بھی حق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''اے میری بیٹی! میرے رشتے داروں کا حق میرے مال میں ہے، یہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت ہے۔''

یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شرمندہ ہو گئیں اور چادر کا دامن گھسیٹتی ہوئی چلی گئیں۔

○

بحرین سے آپ کے پاس مشک اور عنبر آیا۔ آپ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں، کوئی عورت یہ خوشبو تول دے، تاکہ اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔''

یہ سن کر آپ کی بیوی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''امیر المومنین! میں تول دیتی ہوں، میں تولنے میں بہت ماہر ہوں۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''میں تم سے نہیں تلوا سکتا۔''

انھوں نے پوچھا: ''وہ کیوں؟''

آپ نے فرمایا:

''مجھے ڈر ہے جب تم اسے اپنے ہاتھوں سے ترازو میں رکھو گی تو تمہارے ہاتھوں کو خوشبو لگ جائے گی۔ پھر تم اپنی گردن اور کن پٹی پر ہاتھ لگاؤ گی تو اس طرح تمہیں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ خوشبو ملے گی، لہٰذا میں تم سے نہیں تلواؤں گا۔'' (جاری ہے)

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''اے امیر المومنین! ہمارے پاس جلولا شہر کے مالِ غنیمت کے کچھ زیورات اور چاندی کے برتن آئے ہیں، آپ دیکھ لیں یا جس دن آپ فارغ ہوں، اس دن دیکھ لیں۔ پھر ان کے بارے میں آپ جو ارشاد فرمائیں گے، ہم ویسا ہی کریں گے۔''

ان کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جس دن تم مجھے فارغ دیکھو، یاد کروا دینا۔''

اس طرح ایک روز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آج آپ فارغ نظر آ رہے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں! تم میرے سامنے چمڑے کا دستر خوان بچھا دو اور اس پر وہ زیورات اور چاندی کے برتن ڈال دو۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مال کے پاس آ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''اے اللہ! آپ نے اس مال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت خوش نما معلوم ہوتی ہے، مثلاً عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، نشان لگے ہوئے سونے اور چاندی کے ڈھیر، گھوڑے ہوئے یا دوسرے مویشی ہوئے، اور زراعت ہوئی، لیکن یہ سب استعمال کی چیزیں ہیں۔ دنیاوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔'' (سورہ حدید: 23)

اور اے اللہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے، تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے، تم اس پر رنج نہ کرو اور تا کہ جو چیز تمہیں عطا فرمائی ہے، اس پر اتراؤ نہیں۔ اے اللہ جن مرغوب چیزوں کی محبت ہمارے دلوں میں بھلی اور خوش نما کر دی گئی ہے، ان سے خوش ہونا چھوڑنا ہمارے بس میں نہیں۔ اے اللہ! ہمیں ان چیزوں کو صحیح جگہ خرچ کرنے والا بنا اور میں ان کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

اتنے میں ایک صاحب آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کو اٹھا کر لائے۔ یہ آپ کی ایک باندی کے بیٹے تھے۔ اس بچے نے کہا:

''ابا جان! مجھے ایک انگوٹھی دے دیں۔''

آپ نے فرمایا: ''جا! اپنی ماں کے پاس جا، وہ تجھے ستو پلائے گی۔''

آپ نے اپنے بیٹے کو اس مال میں سے کچھ بھی نہ دیا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی کو دیکھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: ''یہ لڑکی کون ہے؟''

آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یہ آپ کی بیٹی ہے۔''

آپ نے پوچھا: ''یہ میری کون سی بیٹی ہے۔''

حضرت عبداللہ نے عرض کیا: ''یہ میری بیٹی ہے۔''

آپ نے پوچھا: ''یہ اتنی کمزور کیوں ہے۔''

حضرت عبداللہ نے عرض کیا:

''آپ کی وجہ سے، کیونکہ آپ اسے کچھ نہیں دیتے۔''

آپ نے فرمایا:

''اے بیٹے! اللہ کی قسم! میں تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ خود کما کر اپنی اولاد پر خرچ کرو۔''

مطلب یہ تھا کہ میں بیت المال سے کچھ نہیں دے سکتا۔

○

آپ نے جب اپنے بیٹے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شادی کی تو ایک مہینے تک اللہ کے مال میں سے انھیں خرچ دیتے رہے۔ پھر آپ نے اپنے خادم یرفا سے کہا۔

''عبداللہ کو بلا کر لے آؤ۔''

حضرت عبداللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے کہا:

''میں خلیفہ بننے سے پہلے بھی یہی سمجھتا تھا کہ میرے لیے بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ لینا جائز نہیں اور اب خلیفہ بننے کے بعد میرے لیے یہ مال اور زیادہ حرام ہو گیا ہے، کیونکہ اب یہ میرے پاس بطور امانت ہے اور میں تمہیں ایک ماہ کا خرچ دے چکا ہوں۔ اب تمہیں اس میں سے اور نہیں دے سکتا، ہاں میں تمہاری مدد

اس طرح کر سکتا ہوں کہ غابہ میں میرا جو باغ ہے، تم اس کا پھل کاٹ کر بیچ دو، اس سے کاروبار کرلو اور نفع گھر والوں پر خرچ کرتے رہو۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس روم کے بادشاہ کا قاصد آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے سوچا، روم کے بادشاہ کی بیوی کو کوئی ہدیہ بھیجیں۔ انھوں نے ایک درہم کا عطر خریدا۔ اسے شیشیوں میں ڈال کر قاصد کے ہاتھ بادشاہ کی بیوی کو بھیج دیا۔ قاصد نے وہ عطر بادشاہ کی بیوی کو دیا تو اس نے وہ شیشیاں خالی کر کے ان میں جواہرات بھر دیے اور قاصد سے کہا:

"جاؤ! یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی کو دے آؤ۔"

قاصد نے وہ شیشیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تک پہنچا دیں۔ انھوں نے وہ جواہرات ان شیشیوں سے ایک چادر پر الٹ دیے اور انھیں دیکھنے لگیں۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر آ گئے۔ انھوں نے جواہرات کو دیکھ کر پوچھا:

"یہ کیا ہے۔"

انھوں نے ساری بات بتا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سارے جواہرات اٹھا لیے اور ان کو بیچ دیا، ان کی قیمت میں سے صرف ایک دینار اپنی بیوی کو دیا اور باقی رقم مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دی۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کچھ اونٹ خریدے اور ان کو بیت المال کی چراگاہ میں چھوڑ دیا۔ جب وہ اونٹ خوب موٹے تازے ہو گئے تو وہ انھیں بیچنے کے لیے بازار میں لے آئے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بازار میں تشریف لے آئے۔ انھیں وہ موٹے تازے اونٹ نظر آئے تو انھوں نے پوچھا:

"یہ اونٹ کس کے ہیں۔"

لوگوں نے بتایا:

"آپ کے بیٹے عبداللہ کے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"واہ! واہ! امیر المومنین کے بیٹے کے کیا کہنے۔"

اس وقت حضرت عبداللہ وہاں نہیں تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ فرمایا ہے تو دوڑتے ہوئے آئے اور پوچھا:

"اے امیر المومنین! کیا بات ہے۔"

آپ نے پوچھا:

"یہ اونٹ کس کے ہیں؟"

انھوں نے عرض کیا:

"یہ اونٹ میں نے خریدے تھے اور بیت المال کی چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ اب میں انھیں بازار میں لایا ہوں، تاکہ انھیں بیچ کر نفع حاصل کروں۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"ہاں! بیت المال کی چراگاہ میں ان اونٹوں کو دیکھ کر لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے ... امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو چراؤ ... امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو پانی پلاؤ ... میرا بیٹا ہونے کی وجہ سے انھوں نے تمہارے اونٹوں کی زیادہ رعایت کی ہوگی ... اس لیے اے عبداللہ! ان اونٹوں کو بیچو اور تم نے جتنے میں خریدے تھے، وہ رقم تو تم رکھ لو ... باقی زاید رقم بیت المال میں جمع کرا دو۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

خلافت ملنے کے اگلے دن صبح سویرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بازار جانے کے لیے گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انھوں نے پوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

انھوں نے بتایا:

"بازار جا رہا ہوں۔" (یعنی اپنی روزی کمانے کے لیے جا رہا ہوں)

آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اس وقت کندھے پر کپڑے کے تھان رکھے ہوئے تھے۔ آپ کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اب آپ بازار نہیں جا سکتے۔" مطلب یہ تھا کہ تمام وقت خلافت کی ذمے داریوں میں لگائیں گے تو پھر یہ ذمے داریاں پوری ہوں گی۔

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سبحان اللہ! اگر مجھے خلافت کا اتنا کام کرنا پڑے گا کہ کمانے کے لیے وقت نہیں بچے گا تو میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ہم آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر کہا:

"اے عمر! تم کیسی بات کرتے ہو، کہیں بیت المال میں سے کچھ لینا میرے لیے مناسب نہ ہو۔"

ان کی بات کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

قدم بہ قدم

"ہم مشورہ کر لیتے ہیں۔"

چنانچہ بڑے بڑے صحابہ کرام کے مشورے سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا۔ دو سال سے کچھ زیادہ مدت آپ خلیفہ رہے۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا:

"میں نے عمر سے کہا تھا کہ کہیں بیت المال سے لینا میرے لیے مناسب نہ ہو، لیکن عمر نے میری بات نہ مانی اور مجھے ان کی بات مان کر بیت المال سے وظیفہ لینا پڑا۔ اس لیے جب میں مر جاؤں تو میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں واپس کر دینا۔"

جب آپ کا انتقال ہو گیا تو آپ کے مال میں سے آٹھ ہزار درہم الگ کیے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے بارے میں بتایا گیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا:

"ابوبکر اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال گئے۔" (یعنی آدمی اپنی ساری زندگی اور سارا مال دین پر لگا دے اور دنیا سے کچھ نہ لے)

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک عطیہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کر دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"اے عمر! تم نے یہ میری بھیجی ہوئی چیز واپس کیوں کر دی؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی سے کچھ نہ لیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا مطلب یہ تھا کہ مانگ کر نہ لیا جائے اور جو بغیر مانگے مل رہا ہو، وہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے، اسے لے لینا چاہیے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج کے بعد کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا اور جو بغیر مانگے آئے گا، اسے ضرور لوں گا۔"

○

سکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا:

"آپ مقطم پہاڑ کا دامن میرے ہاتھ ستر ہزار دینار میں بیچ دیں۔"

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اتنی زیادہ قیمت سن کر بہت حیران ہوئے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔ انھوں نے جواب میں فرمایا:

"میں اس بارے میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر پوچھوں گا، انھوں نے اجازت دی تو فروخت کر دوں گا۔"

566B

چنانچہ حضرت عمرو نے آپ کو خط لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر اس کے جواب میں لکھا:

''مقوقس سے پوچھو! وہ زمین تو بالکل بنجر ہے، نہ اس پر کاشت ہو سکتی ہے، نہ وہاں سے پانی نکالا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی کام آ سکتی ہے، تم اس کی اتنی زیادہ قیمت کیوں دے رہے ہو۔''

حضرت عمرو نے مقوقس سے یہ سوال پوچھا تو اس نے کہا:

''ہماری آسمانی کتابوں میں اس جگہ کی یہ فضیلت ملی ہے کہ اس میں جنت کے درخت ہیں۔''

حضرت عمرو بن عاص نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب میں لکھا:

''ہم تو صرف یہی جانتے ہیں کہ جنت کے درخت مومنوں کو ملیں گے، لہٰذا تم اس زمین میں اپنے ہاں کے مسلمانوں کو دفنایا کرو۔ اسے قبرستان بنالو اور کسی قیمت پر نہ بیچو!''

O

18 ہجری میں حجاز میں زبردست قحط پڑا تھا۔ وہ قحط نو ماہ جاری رہا۔ اس سال کو راکھ والا سال کہا گیا۔ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے مٹی راکھ ہوگئی تھی۔ رنگ بھی راکھ جیسا ہوگیا تھا۔ گویا ہر طرف راکھ اڑتی تھی۔ عربوں کا سارا علاقہ اس قحط کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں قحط زدہ علاقوں میں غلہ وغیرہ تقسیم کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجے۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے ابن خطاب! یہ کام میں نے آپ کے لیے نہیں کیا، بلکہ صرف اللہ کے لیے کیا تھا۔''

ان کی بات کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ابو عبیدہ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بہت سے کاموں کے لیے بھیجا کرتے تھے اور واپسی پر کچھ دیا کرتے تھے تو ہمارا لینے کو بالکل دل نہیں چاہتا تھا۔ حضور ہم سے فرماتے کہ انکار نہ کرو۔ یہ لے لو اور اسے اپنے دینی یا دنیاوی کاموں میں خرچ کرلو۔''

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے وہ ہزار درہم لے لیے۔

O

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بار بہت تنگی ہوئی۔ گھر والوں نے ان سے کہا:

''آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں اور اپنی حالت بتائیں۔''

حضرت ابو سعید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے:

''جو اللہ تعالیٰ سے غنیٰ طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنیٰ عطا فرمائیں گے (یعنی مال) اور جو اللہ تعالیٰ سے پاکیزگی مانگے گا، اللہ تعالیٰ اسے پاکیزگی عطا فرمائیں گے اور جو ہم سے کوئی چیز مانگے گا، وہ چیز ہمارے پاس ہوئی تو ہم اسے اپنے لیے بچا کر نہیں رکھیں گے، بلکہ ہم اسے وہ چیز دے دیں گے۔''

یہ سن کر حضرت ابو سعید بغیر کوئی بات کیے ہی واپس آ گئے۔ اس کے بعد دین کے لیے قربانیاں دیتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے تحاشا مال دیا۔ یہاں تک کہ انصار میں سے کوئی ان سے زیادہ مال دار نہ رہا۔ (جاری ہے)

بنو قریظہ فتح ہو گیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے کچھ وعدہ فرما رکھا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس وقت اس لیے گئے تھے کہ آپ اپنا وعدہ پورا فرمائیں۔ انھوں نے سنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''جو اللہ تعالیٰ سے غِنا طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنی بنا دیں گے اور جو قناعت اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے قناعت عطا فرما دیں گے۔'' (قناعت یہ ہے کہ انسان کو تھوڑی بہت جتنی دنیا ملے، اسی پر راضی ہو جائیں)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، تو اپنے دل میں کہنے لگے:

''اگر یہ بات ہے تو پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔''

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا، تاکہ وہاں کا جزیہ لا سکیں، چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے بہت سا مال لے کر آئے۔ جب حضرات انصار نے یہ خبر سنی کہ حضرت ابوعبیدہ بحرین سے آ گئے ہیں تو یہ حضرات فجر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ آپ انھیں دیکھ کر مسکرائے۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا:

''میرا خیال ہے، تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں۔''

انھوں نے کہا:

''جی ہاں! اے اللہ کے رسول! ایسی بات ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''میں تمھیں خوش خبری دیتا ہوں اور خوشی حاصل ہونے کی امید رکھو۔''

''یہ کہنے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو مال ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں، اس میں سے تمھیں ضرور حصہ ملے گا۔ اللہ کی قسم! مجھے تم پر غربت کا ڈر نہیں، بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی تھی اور تم بھی اس کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو جیسے پہلوں نے کی تھی۔ پھر یہ دنیا تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے انھیں ہلاک کیا تھا۔''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قادسیہ سے مالِ غنیمت آیا۔ آپ اس مال کا جائزہ لے رہے تھے اور رو رہے تھے۔ ان کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے آپ کو روتے دیکھ کر کہا:

''اے امیر المومنین! یہ تو خوشی کا دن ہے اور آپ رو رہے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! لیکن جن لوگوں کے پاس یہ مال آتا ہے، ان میں اس کی وجہ سے آپس میں بغض اور عداوت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔''

قادسیہ کے اس مال میں کسریٰ کا تاج بھی تھا۔ وہ تاج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تاج کے ساتھ کسریٰ کی زیب و زینت کا سامان بھی تھا۔ اس وقت وہاں لوگوں میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ سراقہ بن مالک وہ ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کا سفر شروع کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے انھوں نے آپ کا تعاقب کیا تھا، یہاں تک کہ آپ کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے۔ تین بار ایسا ہوا تھا۔ اس وقت آپ نے ان سے ارشاد فرمایا تھا:

''اے سراقہ! میں تو تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔''

مطلب یہ تھا کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے ... اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا ... تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے ... آخر یہ قتل کا ارادہ ختم کر کے وہاں سے واپس لوٹ گئے تھے ... بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قادسیہ کا مال آیا ... اس مال میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے ... یہ مال جب مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر کیا گیا تو وہ کنگن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نظر آئے ... تب آپ نے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ

دیے اور فرمایا:

"یہ پہن لیں۔"

حضرت سراقہ نے دونوں کنگن پہن لیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کنگن ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا:

"اللہ کی قدرت دیکھو! کسریٰ بن ہرمز کے دو کنگن اس وقت بنو مدلج کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"اے اللہ! مجھے معلوم ہے، تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ انھیں کہیں سے مال ملے اور وہ اسے تیرے راستے میں، تیرے بندوں پر خرچ کریں، لیکن تو نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے اور ان کے لیے زیادہ خیر والی صورت اختیار کرتے ہوئے ان سے مال کو دور رکھا، اے اللہ مجھے معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ انھیں کہیں سے مال ملے اور وہ اسے تیرے راستے میں اور تیرے بندوں پر خرچ کردیں، لیکن تو نے ان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان کے لیے زیادہ بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے ان سے مال کو دور رکھا اور اب میرے زمانے میں یہ مال زیادہ آرہا ہے، اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ مال کا زیادہ آنا کہیں تیری طرف سے عمر کے خلاف بات نہ ہو (یعنی کہیں اس سے عمر کے دین اور آخرت کا نقصان نہ ہو) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

"کیا یہ لوگ یوں گمان کررہے ہیں کہ ہم انھیں جو کچھ مال اور اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم انھیں جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ آپ نے ایک آدمی کو خوشبو وغیرہ کا تھیلا لانے کے لیے بھیجا۔ یہ تھیلا عراق کے ایک قلعے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تھا۔ اس میں ایک انگوٹھی بھی تھی۔ اس انگوٹھی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچے نے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی اس بچے کے منہ سے نکال لی اور پھر رو پڑے۔ پاس بیٹھے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا:

"آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ اتنی فتوحات عطا فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دشمن پر غلبہ عطا فرمایا ہے اور یہ خوشیاں عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کردی ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جن لوگوں پر دنیا کی فتوحات ہونے لگتی ہے اور انھیں دنیا بہت مل جاتی ہے تو ان کے درمیان ایسی عداوت پیدا ہوجاتی ہے اور ایسا بغض پیدا ہوجاتا ہے جو قیامت تک چلتا رہتا ہے۔ مجھے تو اس کا ڈر لگ رہا ہے۔ اس لیے رو رہا ہوں۔" (جاری ہے)

ادبی چٹکلے

مرزا غالب کو ان کے کسی ادبی نوجوان دوست نے خط لکھا اور انھیں دادا کے لفظ سے مخاطب کیا۔ غالب نے جواباً یہ وضاحت کی:

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں کچھ دیر کے لیے لوگوں کی خاطر بیٹھ جاتے تھے جسے کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ان سے بات کر لیتا اور اگر کسی کو کوئی ضرورت نہ ہوتی تو وہ کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ انھوں نے لوگوں کو کئی نمازیں پڑھائیں مگر کسی نماز کے بعد بیٹھے نہیں۔ حضرت ابن عباس نے ان کے خادم سے پوچھا:

''اے یرفا! کیا امیر المومنین کو کوئی تکلیف یا بیماری ہے۔''

یرفا نے کہا:

''نہیں! امیر المومنین کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔''

حضرت ابن عباس وہیں بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی وہیں آگئے۔ وہ بھی آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد یرفا باہر آئے۔ انھوں نے کہا:

''اے ابن عباس! اے ابن عفان! آپ دونوں اندر تشریف لے چلیں۔''

یہ دونوں حضرات اندر گئے۔ انھوں نے دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے مال کے بہت سے ڈھیر لگے ہیں۔ ہر ڈھیر پر ایک ہڈی رکھی ہے اور ہر ہڈی پر کچھ لکھا ہے۔ اس زمانے میں کاغذ بہت کم ہوتا تھا، اس لیے ہڈیوں پر بھی لکھا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''میں نے تمام اہل مدینہ پر نظر ڈالی تو تم دونوں ہی مجھے مدینہ منورہ میں سب سے بڑے خاندان والے نظر آئے۔ یہ مال لے جاؤ اور لوگوں میں تقسیم کرو۔ جو بچ جائے، وہ واپس کر دینا۔''

آپ کا حکم سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو لپیں بھر بھر کر مال لینا شروع کر دیا، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر مال کم پڑ گیا تو آپ ہمیں اور دیں گے۔''

قدم بہ قدم

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہونا اپنے باپ عباس رضی اللہ عنہ کی طرح جری، سمجھ دار اور ہوشیار، کیا مال اس وقت اللہ کے پاس نہیں تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم تنگ دستی کی وجہ سے کھال کھایا کرتے تھے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جی ہاں! اس وقت بھی یہ مال اللہ تعالیٰ کے پاس تھا، لیکن اگر اللہ تعالیٰ انھیں یہ سب کچھ دے دیتے تو وہ کسی اور طرح تقسیم فرماتے، جس طرح آپ کرتے ہیں، اس طرح نہ کرتے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اچھا! تو پھر کس طرح تقسیم فرماتے؟''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''خود بھی کھاتے اور ہمیں بھی کھلاتے۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونچی آواز سے رونے لگے، یہاں تک کہ ان کی پسلیاں زور زور سے ہلنے لگیں۔ پھر آپ نے فرمایا:

''میں یہ چاہتا ہوں، اس خلافت سے برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ اس پر مجھے کچھ انعام ملے، نہ میری اس پر پکڑ ہو۔''

یعنی اللہ کا خوف اس قدر تھا، چاہتے تھے، بس قیامت کے دن حساب کتاب نہ لیا جائے اور ایسے ہی معافی مل جائے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دروازے کے قریب پہنچے تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زور زور سے رونے کی آواز سنی۔ انھوں نے گھبرا کر کہا:

''اللہ کی قسم! امیر المومنین کو کوئی بڑا حادثہ پیش آگیا ہے جو اس طرح زور زور سے رو رہے ہیں۔''

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یہ سوچتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور آپ کا کندھا پکڑ کر عرض کیا:

''اے امیر المومنین پریشان نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! پریشان ہونے کی بہت بڑی بات ہے۔''

پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور اندر لے گئے۔

568B

انھوں نے دیکھا، وہاں اوپر نیچے مال کے بہت سے تھیلے رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''اب عمر بن خطاب کی اولاد کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو میرے دونوں ساتھیوں یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یہ مال دے دیتے اور یہ دونوں حضرات مال کو خرچ کرنے کا جو طریقہ اختیار کرتے، میں بھی اس طریقے کو اختیار کرتا۔''

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آیئے! بیٹھ کر بات کرتے ہیں کہ اسے کیسے خرچ کیا جائے۔''

اس کے بعد امہات المومنین (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات) کے لیے چار چار ہزار اور مہاجرین اور انصار کے لیے چار چار ہزار اور باقی لوگوں کے لیے دو دو ہزار درہم تجویز کیے اور اس طرح وہ سارا مال تقسیم کر دیا گیا۔

O

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابورافع کی بیوی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''آپ ہمارے لیے وہ کھانا تیار کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔''

انھوں نے کہا:

''اے میرے بیٹو! میں پکا تو دوں گی، لیکن آج تمھیں وہ کھانا اچھا نہیں لگے گا۔ خیر تم لوگوں کا اصرار ہے تو پکا دیتی ہوں۔''

اب وہ اٹھیں۔ انھوں نے جو لیے، ان کو پیسا اور پھونک مار کر موٹی موٹی بھوسی اڑا دی۔ پھر اس کی روٹی تیار کی۔ روٹی پر تیل لگایا، اس پر کالی مرچ چھڑکی، پھر ان کے سامنے رکھا، اور فرمایا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کھانا پسند تھا۔''

O

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ باہر نکلے۔ آپ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور زمین سے کھجوریں چن چن کر نوش فرمانے لگے۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابن عمر! کیا ہوا! تم نہیں کھا رہے؟''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول! ان کھجوروں کو کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

آپ نے فرمایا:

''لیکن میرا دل تو چاہ رہا ہے اور یہ چوتھی صبح ہے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اگر میں چاہتا اور اپنے رب سے دعا کرتا تو مجھے کسریٰ اور قیصر جیسا ملک دے دیتا، اے ابنِ عمر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم ایسے لوگوں میں رہ جاؤ گے جو ایک سال کی روزی ذخیرہ کر کے رکھیں گے اور یقین کمزور ہو جائے گا۔''

اسی وقت قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

''اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں رکھتے۔ اللہ ہی انھیں روزی پہنچاتا ہے اور تمھیں بھی اور وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔'' (سورہ عنکبوت: 60)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے نہ تو مجھے دنیا جمع کرنے کا اور نہ خواہشات کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا جو آدمی اس ارادے سے دنیا جمع کرتا ہے کہ بقیہ زندگی میں کام آئے گی تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ زندگی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ غور سے سنو! میں درہم و دینار جمع نہیں کرتا، نہ کل کے لیے کچھ بچا کر رکھتا ہوں۔'' (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا۔ اس میں دودھ اور شہد تھا۔ آپ نے فرمایا:

''پینے کی دو چیزوں کو ایک بنا دیا اور ایک پیالے میں دو سالن جمع کر دیے (یعنی دودھ اور شہد میں سے ہر ایک پینے اور سالن کے کام آسکتا ہے) مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ غور سے سنو! میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے، لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن ضرورت سے زاید چیزوں کے بارے میں پوچھے۔ میں تو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہوں، کیونکہ جو بھی اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرے گا، اللہ اسے بلند کریں گے اور جو تکبر کرے گا، اللہ اسے گرائیں گے اور جو خرچ کرے گا، میانہ روی اختیار کرے گا، اللہ اسے غنی کر دیں گے اور جو موت کو کثرت سے یاد کرے گا، اللہ اس سے محبت کریں گے۔''

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ آپ کی خدمت میں شہد ملا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے ہاتھ میں لیا تو رونے لگے۔ پھر ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔ آس پاس موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے سمجھا، انھیں کچھ ہو گیا ہے، لیکن ان سے کچھ پوچھ نہ سکے۔ جب آپ چپ ہو گئے تو ہم نے کہا:

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! آپ اتنا زیادہ کیوں روئے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''شہد ملا ہوا پانی دیکھ کر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اپنے سے دور کر رہے ہیں جب کہ مجھے کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ کیا چیز ہے جسے آپ دور کر رہے ہیں، مجھے تو کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، دنیا میری طرف بڑھی تو میں نے اس سے کہا، دور ہو جا، تو اس نے کہا، آپ تو مجھے لینے والے نہیں۔'' (یعنی مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے نہیں لیں گے، میں ایسے ہی زور لگا رہی ہوں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس واقعے کے یاد آنے پر میں رو رہا تھا اور شہد ملا پانی پینا میرے لیے مشکل ہو گیا اور مجھے ڈر لگا کہ اسے پی کر کہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ نہ جاؤں اور دنیا مجھ سے چمٹ نہ جائے۔''

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو آپ نے اتنا ہی وظیفہ لینا منظور کیا جو صحابہ کرام نے ان کے لیے مقرر کیا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ اتنا ہی وظیفہ لیتے رہے، لیکن وہ ان کی ضرورت سے بہت کم تھا۔ اس لیے انھیں گزر بسر میں مشکل پیش آنے لگی۔ اس پر مہاجرین کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنھم بھی تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ ہم آپ کے وظیفے میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کیسا رہے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم تو پہلے ہی ان کا وظیفہ بڑھانا چاہتے ہیں، چلو چلتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''وہ عمر ہیں... پہلے ہمیں ادھر اُدھر سے رائے معلوم کر لینی چاہیے۔ پھر ان سے براہ راست بات کریں گے اور میرا خیال ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا (یعنی حضرت عمر کی بیٹی) کے پاس جاتے ہیں، پہلے ان کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم

قدم بہ قدم

کرتے ہیں۔ ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہمارے نام نہ بتائیں۔''

اس مشورے کے بعد یہ حضرات ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا کے پاس گئے۔ انھوں نے آپ سے کہا:

''آپ یہ بات ایک جماعت کی طرف سے کر دیں، انھیں ہمارے نام نہ بتائیں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر نام بتانے میں کوئی حرج نہیں۔''

یہ بات طے کر کے یہ حضرات حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا کے پاس چلے آئے۔ اب حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں اور ان حضرات کے نام لیے بغیر یہ بات پیش کی۔ بات سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔ انھوں نے پوچھا:

''تم سے یہ بات کن لوگوں نے کہی؟''

حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا نے کہا:

''پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے، پھر میں ان کے نام آپ کو بتا سکتی ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں انھیں ایسی سخت سزا دیتا جس سے ان کے چہروں پر نشان پڑ جاتے۔ تم میرے اور ان کے درمیان واسطہ بنی ہو، اس لیے میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، تم بتاؤ۔ تمہارے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس کون سا تھا۔''

انھوں نے جواب دیا:

''گیروے رنگ کے دو کپڑے تھے۔ انھیں کسی وفد کے آنے پر اور جمعے کے خطبے کے لیے پہنا کرتے تھے۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تمہارے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے عمدہ کھانا کون سا کھایا؟'' (جاری ہے)

وقت

1. وقت ایک ایسا پہیہ ہے جو گردش کے دنوں میں قوموں کو متحرک رکھتا ہے۔
2. وقت ایک قیمتی تجوری ہے جس میں انسان کی تقدیر پوشیدہ ہوتی ہے۔
3. وقت ایک ایسا تاج ہے جسے دنیا میں صرف کامیاب لوگ ہی پہنتے ہیں۔
4. وقت بنانے اور گنوانے میں انسان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے۔
5. وقت کو قابو کرنا ہے تو اس کے ساتھ چلو۔
6. وقت کو ٹھوکر مارنے والے دوسروں کی ٹھوکر کا نشانہ بنتے ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ایک مرتبہ ہم نے جو کی ایک روٹی پکائی۔ پھر اس گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبے کی تلچھٹ (نیچے بچا ہوا گھی) الٹ دی۔ اس تلچھٹ سے روٹی کو چپڑ دیا۔ اس سے وہ روٹی خوب چکنی اور نرم ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوب مزے لے کر نوش فرمایا اور وہ روٹی آپ کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔''

یہ سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے ہاں سب سے نرم بستر کون سا تھا۔''

انھوں نے بتایا:

''ہمارا ایک موٹا سا کپڑا تھا۔ گرمی میں اسے خوب چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے تھے اور آدھے کو اوڑھ لیتے تھے۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ [illegible] نے فرمایا:

''اے حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ہر چیز میں ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے اور ضرورت سے زاید چیزوں کو اپنی اپنی جگہ میں رکھا ہے (اور ان میں لگے نہیں رہے) اور کم سے کم پر گزارہ کیا ہے۔ میں

نے بھی ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا ہے اور اللہ کی قسم ضرورت سے زاید چیزوں کو ان کی جگہ میں رکھوں گا اور میں بھی کم سے کم پر گزارہ کروں گا۔ میری اور میرے دو ساتھیوں کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جو ایک راستے پر چلے، ان میں سے پہلا آدمی توشہ لے کر چلا اور منزل مقصود پر پہنچ گیا، پھر دوسرے نے بھی اس کی پیروی کی اور اسی کے راستے پر چلا تو وہ بھی اسی منزل پر پہنچ گیا۔ پھر تیسرے آدمی نے بھی اس پہلے کی

قدم بہ قدم

پیروی کی، اگر وہ ان دونوں کے راستے کا خود کو پابند بنائے گا تو ان جیسا توشہ اس کے پاس ہوگا، تو ان سے جا ملے گا اور ان کے ساتھ رہا کرے گا اور اگر وہ ان دونوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور کے راستے پر چلے گا تو ان کے ساتھ کبھی نہیں ملے گا۔''

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں ان حضرات کو بتائیں تو وہ خاموش رہ گئے۔ کچھ بھی نہ کہہ سکے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت عراق بھیجی۔ اس میں حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو عراق اور فارس کے مختلف شہروں پر فتح نصیب فرمائی۔ ان علاقوں میں انھیں فارس اور خراسان کے سفید کپڑے ملے۔ وہ کپڑے ان حضرات نے اپنے پاس رکھ لیے اور ان کو پہننا شروع کر دیا۔ جب یہ حضرات واپس مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر منہ پھیر لیا اور ان سے کوئی بات نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہ ان حضرات میں شامل تھے، انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سلوک سے بہت سخت پریشانی ہوئی۔ اس کے بعد یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔

ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رویے اور بے رخی کی بات کی۔ انھوں نے فرمایا:

''امیر المومنین نے آپ سے بے رخی اس وجہ سے کی کہ انھوں نے آپ لوگوں کے بدنوں پر ایسا لباس دیکھا ہے جو انھوں نے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنے دیکھا اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنے دیکھا۔''

یہ سن کر یہ حضرات اپنے گھر گئے۔ انھوں نے وہ کپڑے اتار دیے اور اپنے پہلے والے کپڑے پہن لیے۔ اب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک کو الگ الگ سلام کیا، ہر ایک سے گلے ملے اور ایسی گرم جوشی سے ملے، گویا اس سے پہلے انھیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ پھر ہم نے مال غنیمت آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے آپ نے ہمارے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ پھر اس مال غنیمت میں سے کھجور اور سرخ اور زرد رنگ کے گھی کے حلوے کے ٹوکرے آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپ نے اس حلوے کو چکھا، وہ آپ کو بہت خوش ذائقہ اور خوش بودار لگا۔ آپ نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا:

''اے مہاجرین اور انصار کی جماعت! اللہ کی قسم مجھے نظر آ رہا ہے کہ اس کھانے کی وجہ سے تم میں سے بیٹا اپنے باپ کو اور باپ اپنے بیٹے کو ضرور قتل کرے گا۔''

اس کے بعد آپ نے اس حلوے کو تقسیم کرنے کا حکم دیا، وہ حلوہ ان مہاجرین

اور انصار کی اولاد میں تقسیم کر دیا گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید ہوئے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اب یہ حضرات آپس میں کہنے لگے:

''ساتھیو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد اور ان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہو... ہمیں ان کی وجہ سے بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے... اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر قیصر و کسریٰ کے ملک اور مشرق اور مغرب کے علاقے فتح کروائے ہیں، عرب اور عجم کے وفد ان کے پاس آتے ہیں... اور وہ ان پر یہ جبہ دیکھتے ہیں جس میں انھوں نے بارہ پیوند لگا رکھے ہیں، لہٰذا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت! آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی سے بڑی جنگ میں شریک ہونے والوں میں سے بڑے درجے کے ہو اور مہاجرین اور انصار میں سے شروع کے زمانے کے ہو... اگر آپ لوگ ان سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ یہ جبہ پہننا چھوڑ دیں اور اس کے بجائے کسی نرم کپڑے کا عمدہ جبہ بنالیں جس کو دیکھنے سے لوگوں پر رعب پڑے، اور صبح شام ان کے سامنے کھانے کے بڑے بڑے پیالے لائے جائیں جن میں سے یہ خود بھی کھائیں اور مہاجرین اور انصار میں سے جو حاضر ہوں، انھیں بھی کھلائیں... تو یہ بہت اچھا ہوگا۔''

یہ سن کر ان حضرات نے ایک دوسرے سے کہا:

''یہ بات صرف دو آدمی کر سکتے ہیں... یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کر سکتے ہیں... کیونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے زیادہ جرأت سے بات کرتے ہیں... اور پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سسر بھی ہیں... یا پھر حضرت سے یہ بات ان کی صاحب زادی ام المومنین حضرت حفصہ کر سکتی ہیں... چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، اور اس نسبت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔''

آخر مشورہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بات ان سے کہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں یہ بات ان سے نہیں کہہ سکتا... آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس جائیں... وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کرنے کی جرأت کر سکتی ہیں۔''

اب یہ حضرت ان کی طرف روانہ ہوئے... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اکٹھی بیٹھی مل گئیں... انھوں نے اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور درخواست کی:

''آپ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کریں۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

61

ان کی بات سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"میں یہ بات ان کی خدمت میں عرض کیے دیتی ہوں۔"

یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"میرے خیال میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ آپ ان سے بات کر کے دیکھ لیں۔ آپ کو پتا چل جائے۔"

چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انھوں نے ان دونوں کو اپنے قریب بٹھایا۔ تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"اے امیر المومنین! اگر اجازت ہو تو آپ سے کچھ بات کروں۔"

"اے ام المومنین! ضرور کریں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راستے پر چلتے رہے اور آخرکار اللہ تعالیٰ کی جنت اور خوش نودی انھیں مل گئی، نہ آپ دنیا حاصل کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی دنیا آپ کے پاس آئی۔ پھر اسی طرح ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے راستے پر چلے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کیا اور جھٹلانے والوں کو ختم

کیا اور اہل باطل کے تمام دلائل کا منہ توڑ جواب دیا۔ انھوں نے تمام رعایا میں انصاف کیا اور مال سب میں برابر تقسیم کیا اور مخلوق کے رب کو راضی کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت اور خوش نودی کی طرف اٹھا لیا اور رفیق اعلیٰ میں اپنے نبی کے پاس پہنچا دیا (رفیق اعلیٰ سے مراد حضرت انبیا کرام علیہم السلام کی جماعت ہے جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں) وہ نہ دنیا حاصل کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی دنیا ان کے

قدم بہ قدم

پاس آئی، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں کسریٰ اور قیصر کے خزانے اور ملک فتح کرا دیے ہیں اور ان دونوں کے خزانے وہاں سے آپ کی خدمت میں پہنچا دیے گئے ہیں اور مشرق اور مغرب کے علاقے بھی آپ کے ماتحت ہو گئے ہیں، بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس سلسلے کو اور بڑھائیں گے اور اسلام کو اور زیادہ مضبوط بنائیں گے۔ اب عجمی بادشاہوں کے قاصد اور عرب کے لوگوں کے وفد پر وفد آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ نے یہ جبہ پہن رکھا ہے جس میں آپ نے بارہ پیوند لگا رکھے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے اتار دیں اور اس کی جگہ نرم کپڑے کا عمدہ جبہ پہن لیں، جسے دیکھ کر لوگوں پر رعب پڑے اور صبح شام آپ کے سامنے کھانے کے بڑے بڑے پیالے لائے جائیں جن میں سے آپ بھی کھائیں اور مہاجرین اور انصار میں سے جو حاضر ہوں، انھیں بھی کھلائیں۔"

یہ باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ بہت روئے۔ پھر انھوں نے فرمایا:

"میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک مسلسل دس دن یا پانچ دن یا تین دن گندم کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی ہو یا کسی دن دوپہر کا کھانا بھی کھایا ہو اور رات کا کھانا بھی کھایا ہو۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں عرض کیا:

"نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زمین سے ایک بالشت اونچے دسترخوان پر کھانا رکھا گیا ہو، بلکہ آپ کے فرمانے پر کھانا زمین پر رکھا جاتا تھا اور فارغ ہونے پر دسترخوان اٹھا لیا جاتا تھا۔"

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں نے ایک ساتھ کہا:

"جی ہاں! ایسا ہی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ان سے فرمایا:

"آپ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ آپ دونوں کا تمام مسلمانوں پر عموماً اور مجھ پر خاص طور پر بڑا حق ہے۔ آپ دونوں مجھے دنیا کی ترغیب دینے آئی ہیں، حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ وہ بہت کھردرا اور سخت تھا۔ اس کی رگڑ کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک پر خارش ہونے لگی، کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے۔"

انھوں نے کہا:

آپ کے جسم مبارک پر اس بورے کے نشان ہمیں نظر آیا کرتے تھے۔ اور اے حفصہ! اب تم سنو تم نے ہی مجھے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ تم نے ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بستر دہرا کر کے بچھا دیا تھا جو آپ کو نرم محسوس ہوا۔ آپ اس پر سو گئے اور ایسے سوئے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے تم سے فرمایا تھا، اے حفصہ! تم نے یہ کیا کیا، آج رات تم نے میرا بستر دہرا کر کے بچھا دیا تھا، اس کی وجہ سے میں صبح صادق تک سوتا رہا۔ مجھے دنیا سے کیا واسطہ! تم نے نرم بستر میں مجھے لگا دیا (جس کی وجہ سے میں تہجد کے لیے نہ اٹھ سکا) اے حفصہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی آپ دن بھر بھوکے رہتے تھے اور رات کا اکثر حصہ آپ سجدے میں گزار دیتے تھے۔ آپ نے ساری عمر یونہی رکوع اور سجدے میں رونے دھونے میں گزار دی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت اور خوشنودی میں جگہ عطا فرما دی۔ عمر کبھی عمدہ کھانا نہیں کھائے گا اور کبھی نرم کپڑا نہیں پہنے گا، وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے نقشِ قدم پر چلے گا اور کبھی ایک وقت میں دو سالن نہیں کھائے گا اور نمک اور تیل بھی دو سالن ہیں، لیکن ان کو ایک وقت میں استعمال کرے گا اور مہینے میں ایک دن گوشت کھائے گا، تاکہ اس کا مہینا بھی عام لوگوں کی طرح گزرے۔''

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلیں۔ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ساری بات بتائی، چنانچہ حضرت عمر نے لباس اور کھانے کا معیار نہ بدلا بلکہ اسی زاہدانہ انداز سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جا ملے۔

○

ایک زمانے تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے کچھ نہ لیا۔ مسلمانوں کے کاموں کی وجہ سے آپ تجارت نہ کر سکے۔ اس وجہ سے آپ پر تنگی کی نوبت آ گئی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلایا اور ان سے کہا:

''میں خلافت کے کاموں میں بہت زیادہ مشغول ہو گیا ہوں۔ میرے لیے بیت المال میں سے کتنا لینا مناسب ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ بیت المال سے خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔''

یہی بات ایک اور صحابی نے بھی فرمائی۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''آپ دوپہر اور رات کا دو وقت کا کھانا لے لیا کریں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر میں اپنے دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ حضرت عبداللہ نے ان کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی ... آپ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ بڑھایا، ایک لقمہ لیا، پھر دوسرا لیا، اس کے بعد فرمایا:

''مجھے اس سالن میں جو چکنائی محسوس ہو رہی ہے، وہ گوشت کی نہیں ہے، بلکہ الگ سے ڈالی گئی ہے۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں آج دو درہم لے کر بازار گیا تھا ... میرا خیال تھا کہ میں ان دو درہموں سے عمدہ اور چربی والا گوشت خریدوں گا ... لیکن وہ گوشت مہنگا تھا ... اب میں نے یہ کیا کہ ایک درہم سے کمزور جانور کا گھٹیا گوشت خریدا ... (یعنی بغیر چربی کا) اور دوسرے درہم سے میں نے گھی خریدا، مطلب یہ کہ اب اس گوشت میں وہ گھی ڈالا گیا ہے ... میں نے اپنا خرچ نہیں بڑھایا ... میں نے سوچا، اس طرح میرے بیوی بچوں میں سے ہر ایک کو ایک ہڈی تو مل جائے گی۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوشت اور گھی دونوں آ جاتے تو ایک کو نوش فرماتے اور دوسرے کو صدقہ کر دیتے۔ دونوں کو نوش نہ فرماتے، اس لیے میں یہ سالن نہیں کھاؤں گا، اس میں گوشت بھی ہے اور گھی بھی۔''

اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

قدم بہ قدم

''اے امیر المومنین! اس وقت تو آپ یہ گوشت کھا لیں، آئندہ جب بھی مجھے گوشت اور گھی ملے گا، میں یہی کروں گا، یعنی ایک کو کھا لوں گا، دوسرے کو صدقہ کر دوں گا ... دونوں کو ملا کر ایک سالن نہیں بناؤں گا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، لیکن اس سالن کو کھانے کے لیے میں اب بھی تیار نہیں۔''

O

حضرت جارود رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ہوئے ... ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ حضرت جارود جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہاتھ صاف کرنے کے لیے انہوں نے تولیہ کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں نے باندی سے کہا:

''اے باندی! ذرا تولیہ تو لے آ۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اپنی ایڑیوں سے مل کر ہاتھ صاف کر لیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنے ہاتھ کو پیروں پر رگڑ کر صاف کر لیتے اور فرماتے تھے:

''یہ عمر اور آل عمر کا تولیہ ہے۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے۔ حضرت عمر نے انہیں کھانا کھلایا ... آپ نے محسوس کیا کہ ان لوگوں نے کم کھایا ہے اور بات دراصل یہ تھی کہ وہ لوگ عمدہ کھانے کھانے کے عادی تھے ... جب کہ حضرت عمر کا کھانا موٹا جھوٹا ہوتا تھا۔ یہ بات محسوس کر کے حضرت عمر نے فرمایا:

''اے عراق والو! اگر میں چاہتا تو میرے لیے بھی عمدہ اور نرم کھانے تیار کیے جاتے، جیسے تمہارے لیے تیار کیے جاتے ہیں، لیکن ہم دنیا کی چیزیں کم سے کم استعمال کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا بدلہ آخرت میں مل سکے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک قوم کے بارے میں فرمایا ہے:

ترجمہ: تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے۔ (سورہ احقاق) (یعنی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والوں سے یہ کہا جائے گا)

O

عراق کے کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر کے لیے ایک بڑا پیالہ لایا گیا۔ اس میں روٹی اور تیل تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''کھائیے!''

ان لوگوں نے تھوڑا سا کھایا۔ حضرت عمر سمجھ گئے کہ انہیں یہ سادہ کھانا پسند نہیں

572B

آیا۔ یہ بات محسوس کر کے حضرت عمر نے ان لوگوں سے فرمایا:

''تم جو کر رہے ہو، میں دیکھ رہا ہوں، تم لوگ کیا چاہتے ہو، یہی چاہتے ہو نا کہ رنگ برنگے، کھٹے میٹھے، گرم اور ٹھنڈے کھانے ہوں ... اور ان سب کو پیٹ میں ٹھونس دیا جائے ... لیکن میں ایسا کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔''

O

حضرت حفص بن ابی عاص رضی اللہ عنہ کھانے کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا نہ کھایا۔ آپ نے پوچھا:

''تم ہمارا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''آپ کا کھانا بہت سخت اور موٹا جھوٹا ہے ... میں اس کھانے کو نہیں کھا سکتا ... میرے گھر والوں نے میرے لیے عمدہ اور نرم کھانا تیار کیا ہے، میں جا کر وہ کھاؤں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ بات میرے بس میں نہیں ... یعنی میں عمدہ کھانا نہیں کھا سکتا۔ کیا میں اپنے گھر والوں کو حکم نہیں دے سکتا کہ وہ بکری ذبح کریں ... اسے آگ پر بھون لیں اور آٹے کو چھان کر اس کی پتلی پتلی چپاتیاں پکا لیں اور وہ ایک صاع (پیمانہ) کشمش ڈول میں ڈال کر اس پر پانی ڈال دیں، جس سے سرخ رنگ کی پینے کی چیز تیار ہو جائے۔''

یعنی کیا میں اس قسم کی عمدہ چیزیں تیار نہیں کرا سکتا اور نہیں کھا سکتا۔ آپ کی بات سن کر حضرت حفص بن ابی عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! آپ کی بات سن کر اندازہ ہو گیا کہ آپ اچھی زندگی کے طریقوں اور کھانے پینے کی قسموں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! میں جانتا ہوں ... لیکن اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں قیامت کے دن اپنی نیکیوں کے بدلے میں کمی کو بُرا نہ سمجھتا تو میں بھی تمہارے ساتھ اس زندگی کے مزوں میں ضرور شریک ہو جاتا۔''

O

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرے کے ایک وفد کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول دیکھا ... کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک روٹی لائی جاتی ... آپ اس روٹی کو کبھی گھی سے، کبھی تیل سے اور کبھی دودھ سے کھا لیتے۔ کبھی دھوپ میں خشک کیے ہوئے گوشت کے ٹکڑے بھی لائے جاتے۔ وہ پانی میں ابلے ہوئے ہوتے کبھی ہم نے تازہ گوشت بھی آپ کے سامنے دیکھا ... لیکن بہت ہی کم۔ وہ ہمیں بھی کھانا کھلایا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے ہم سے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں ... تم میرے کھانے کو گھٹیا سمجھتے ہو ... اچھا نہیں سمجھتے ... اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو میں تم سے بھی زیادہ عمدہ کھانے کھا سکتا تھا۔ تم سب سے زیادہ تازہ نعمت کی زندگی گزار سکتا تھا۔ غور سے سنو! اللہ کی قسم میں اونٹ کے سینے اور کوہان کے (ان دونوں جگہوں کا گوشت بہت عمدہ ہوتا ہے) بھنے ہوئے گوشت سے اور چپاتیوں اور رائی کی چٹنی سے ناواقف نہیں ہوں ... یعنی میں جانتا ہوں، تمہارے کھانے کیا کیا اور کون کون سے ہوتے ہیں ... لیکن میں جان بوجھ کر ایسے کھانے نہیں کھاتا ... کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا ہے، اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کیے ہوئے ایک غلط کام پر شرم دلاتے ہوئے فرماتے ہیں، تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور انہیں خوب کھا چکے اور پہن چکے۔

O

حضرت عقبہ بن مرقد رحمۃ اللہ علیہ کھجور اور گھی سے تیار کردہ حلوے کے ٹوکرے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے پوچھا:

''اے عقبہ! یہ کیا ہے۔''

انہوں نے عرض کیا:

''یہ کھانے کی کچھ چیزیں ہیں، آپ کے لیے لایا ہوں کہ آپ دن کے شروع میں مسلمانوں کے کاموں میں لگے رہتے ہیں ... میں چاہتا ہوں، جب آپ ان کاموں سے فارغ ہو کر گھر آئیں تو ان ٹوکروں میں سے کچھ کھا لیا کریں ... اس سے ان شاء اللہ آپ کو کچھ طاقت حاصل ہو گی۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکرے پر ڈھانپا ہوا کپڑا ہٹا کر دیکھا ... پھر فرمایا:

''اے عقبہ! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم نے ہر مسلمان کو حلوے کا ایک ایسا ٹوکرا دے دیا ہے۔''

حضرت عقبہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! اگر میں قبیلہ قیس کا سارا مال بھی خرچ کر دوں تو بھی ایسا نہیں کر سکتا، یعنی ہر مسلمان کے گھر میں ایک ٹوکرا پھر بھی نہیں دے سکتا۔''

ان کی بات سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

''پھر تو مجھے تمہارے اس حلوے کی ضرورت نہیں۔''

اس کے بعد آپ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا۔ اس میں سخت روٹی اور سخت گوشت کے ٹکڑوں سے بنا ہوا ثرید تھا۔ آپ نے وہ ان کے سامنے رکھا اور فرمایا:

''آؤ کھانا کھاؤ۔''

دونوں کھانے لگے۔ حضرت عمر اس کھانے کو بڑی رغبت سے کھا رہے تھے۔ حضرت عقبہ نے کوہان کی چربی سمجھ کر ایک سفید ٹکڑے کو اٹھایا تو پتا چلا، وہ کوہان کی چربی کا ٹکڑا نہیں تھا، بلکہ ایک پٹھے کا ٹکڑا تھا ... انہوں نے اسے واپس رکھ دیا ... پھر انہوں نے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اٹھا کر چبانا شروع کیا ... لیکن جب نہ چبایا گیا تو حضرت عمر کی نظر بچا کر منہ سے نکالا اور پیالے اور دستر خوان کے درمیان میں کہیں چھپا دیا ... اس طرح انہوں نے ایک دو بار اور کیا ... یعنی گوشت نہ چبایا جا سکا تو منہ سے نکال کر رکھ دیا۔ نبیذ منگوائی (نبیذ کھجور اور کشمش کے شربت کو کہتے ہیں) وہ شربت سرکہ بننے کے قریب تھا ... خوش ذائقہ نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا:

''لو پیو!''

حضرت عقبہ نے اس شربت کو پینے کی کوشش کی، لیکن ایک دو گھونٹ ہی لے سکے ... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ان سے نہیں پیا جا رہا تو آپ نے پیالہ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور پی گئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اے عقبہ! سنو! ہم روزانہ ایک اونٹ ذبح کرتے ہیں ... اس کی چربی اور عمدہ گوشت کو باہر سے آنے والے مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں ... اس کی گردن عمر کے گھرانے کو ملتی ہے ... وہ یہ سخت گوشت کھاتے ہیں اور یہ باسی نبیذ اس لیے پیتے ہیں تا کہ یہ پیٹ میں جا کر اس گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور وہ ہضم ہو جائے اور یہ سخت گوشت ہمیں تکلیف نہ دے سکے۔'' (جاری ہے)

ضروری اعلان

نوٹ فرما لیں۔ سالنامہ شمارہ 572 نمبر کی بجائے 584 نمبر ہو گا۔
بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ایسا کرنا پڑا ہے۔
آپ اس سلسلے میں اس شمارے کی دو باتیں پڑھ لیں۔
بات آپ پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ شکریہ! (مدیر)

حضرت عمرؓ ایک آدمی کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کو پیاس لگی۔ آپ نے اس سے پانی مانگا۔ وہ پانی کے بجائے شہد لے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''یہ کیا ہے۔''

اس نے بتایا: ''جی یہ شہد ہے۔''

آپ نے سن کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! شہد پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے نہیں، یہ تو مزے لینے کی چیز ہے۔''

آپ نے اس شہد کو نہ پیا، بلکہ اس سے پانی منگا کر پیا۔

O

حضرت عمرؓ شہر ایلہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار بھی تھے۔ مدینہ منورہ سے ایلہ کا سفر بہت لمبا ہے۔ اس لیے مسلسل اونٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے آپ کا موٹا کھردرا کپڑا، پیچھے سے پھٹ گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا وہاں کے پادری کو دیا (مطلب یہ کہ وہ شہر فتح کیا ہوا تھا) اور اس سے فرمایا:

''اسے دھو بھی دو اور اس میں پیوند بھی لگا دو۔''

پادری کرتہ لے گیا۔ اس نے اسے دھویا اور اس میں پیوند لگا کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا۔ اس نے آپ کا کرتہ آپ کو پیش کیا۔ ساتھ میں وہ ایک کرتہ اپنے پاس سے بھی لایا۔ اس نے وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا، وہ نرم اور باریک تھا۔ آپ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور اس کا کرتہ اسے دے دیا اور فرمایا:

''یہ پرانا کرتہ اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے۔'' (کیونکہ یہ موٹا ہے)

O

قدم بہ قدم

حضرت عثمان بن عفانؓ جمعے کے دن منبر پر آئے تو ان کے بدن پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی۔ اس کی قیمت چار یا پانچ درہم ہوگی۔ ایک گہرے رنگ کی چادر لیے ہوئے تھے۔ وہ چادر کوفے کی بنی ہوئی تھی۔ لوگ ان کی اس سادہ زندگی پر حیران ہو کر کہہ رہے تھے: ''یہ امیر المومنین ہیں۔ یہ امیر المومنین ہیں۔''

آپ لوگوں کو تو عمدہ کھانا کھلاتے تھے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل وغیرہ کھاتے تھے یعنی بالکل سادہ کھانا کھاتے تھے۔

O

حضرت علیؓ نے قبیلہ ثقیف کے ایک صاحب کو ایک قصبے عکبرا کا حاکم مقرر فرمایا۔ اس قصبے میں مسلمان نہیں رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''ظہر کے وقت میرے پاس آنا۔''

یہ صاحب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انھیں دروازے پر کوئی دربان نظر نہ آیا۔ حضرت علیؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک پیالہ اور پانی کا کوزہ رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا۔ انھوں نے خیال کیا کہ حضرت علیؓ انھیں اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی چیز دیں گے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ اس تھیلے میں کیا ہے۔ تھیلے پر مہر لگی تھی، آپ نے اس مہر کو توڑا اور تھیلے کو کھولا۔ انھوں نے دیکھا، اس میں ستو تھے۔ آپ نے اس پیالے میں ستو گھولے، مجھے بھی پلائے اور خود بھی پیے۔ اس قدر سادگی دیکھ کر ان صاحب سے رہا نہ گیا۔ انھوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں جب کہ عراق میں تو بہت زیادہ چیزیں کھانے کی ہیں۔''

ان کا مطلب تھا، عراق میں رہ کر صرف ستو کھانا بڑی حیرت کی بات ہے۔ انھیں اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ستو کے تھیلے پر مہر لگی ہوئی تھی۔ ان کی حیرت کو محسوس کر کے حضرت علیؓ نے فرمایا: ''ہاں! اللہ کی قسم! میں کنجوسی کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا، بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق خریدتا ہوں اور منگواتا بھی ہوں مدینہ منورہ سے۔ اگر تھیلے کو ایسے ہی کھلا رہنے دوں تو ڈر ہے کہ ادھر اُدھر گر نہ جائیں یا اڑ نہ جائیں اور اس طرح یہ ختم نہ ہو جائیں۔ ختم ہونے کی صورت میں مجھے عراق میں ستو بنانے پڑیں گے، یہی وجہ ہے کہ میں ان ستوؤں کو سنبھال کر رکھتا ہوں اور میں اپنے پیٹ میں پاک چیزیں ہی ڈالتا ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو دوپہر کا کھانا کھلاتے تھے اور خود وہی چیزیں کھاتے تھے جو ان کے پاس مدینہ منورہ سے آتی تھیں۔

O

حضرت علیؓ کے پاس ایک مرتبہ فالودہ لایا گیا۔ فالودہ آپ کے سامنے رکھا

گیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''اے فالودے! تیری خوشبو بہت اچھی ہے اور رنگ بہت خوب صورت ہے اور تیرا ذائقہ بہت عمدہ ہے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے جس چیز کی عادت نہیں، میں خود کو اس کا عادی بناؤں۔''

O

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ کے ہاں گئے۔ انھوں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک لنگی باندھی ہوئی تھی۔ اس پر پیوند لگا ہوا تھا۔ کسی نے آپ کے اس قدر سادہ لباس کو دیکھ کر کہا: ''امیر المومنین! اس قدر سادہ کپڑے؟''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''میں یہ دو سادہ کپڑے اس لیے پہنتا ہوں کہ میں ان کی وجہ سے اکڑ سے بچا رہوں گا اور ان میں نماز بھی بہتر ہوگی اور مومن بندے کے لیے یہ سنت بھی ہیں۔''

مطلب یہ تھا کہ اس طرح عام مسلمان بھی سادہ کپڑے پہننے لگ جائیں گے۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے لئے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''مجھ سے میری یہ تلوار خریدنے کے لیے کون تیار ہے، اگر لنگی خریدنے کے لیے میرے پاس چار درہم ہوتے تو میں یہ تلوار نہ بیچتا۔''

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کے دن آپ کی خدمت میں آنے والوں کے سامنے بھوسی اور گوشت کا حریرہ رکھا۔ ان حضرات نے وہ کھانا دیکھ کر کہا:

''اللہ آپ کو ٹھیک ٹھاک رکھے، اگر آپ ہمیں یہ بطخ کھلا دیتے تو زیادہ اچھا تھا، کیونکہ اب تو اللہ نے بہت مال دے رکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلیفۂ وقت کے لیے اللہ کے مال میں سے صرف دو بڑے پیالے لینے حلال ہیں۔ ایک پیالہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے اور دوسرا پیالہ آنے والوں کے لیے۔'' (جاری ہے)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ وہ کجاوے پر ڈالنے والی چادر کو بچھا کر اس پر لیٹے ہوئے تھے۔ گھوڑے کو دانہ کھلانے والے تھیلے کو تکیہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''آپ کے ساتھیوں نے مکان بنالیے، سامان بنالیا، آپ نے کیوں نہیں بنایا۔''

کہنے لگے:

''اے امیر المومنین! قبر تک پہنچنے کے لیے یہ سامان بھی کافی ہے۔''

O

حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے۔ ایسے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہاں آگئے۔ ان کے بدن پر پیوند لگی ایک چادر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو ان کا ناز و نعم والا زمانہ یاد آگیا۔ ان کی موجودہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ رونے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''آج تو تمھارا تنگی کا زمانہ ہے، لیکن اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب آدمی صبح کو ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا اور تمھارے گھروں پر ایسے پردے لٹکائے جائیں گے جیسے کعبے پر لٹکائے جاتے ہیں۔''

آپ کی بات سن کر صحابہ کرام نے کہا:

''پھر تو ہم اس زمانے میں زیادہ بہتر ہوں گے۔ ضرورت کے کاموں میں دوسرے لگا کریں گے۔ ہمیں نہیں لگنا پڑے گا اور ہم عبادت کے لیے فارغ ہو جائیں گے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! آج تم اس دن سے زیادہ بہتر ہو۔''

(کیونکہ دین کا کام تم تکالیف اور مشقتوں کے ساتھ کر رہے ہو)

O

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ چادر کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ پھٹی ہوئی جگہ پر کھال کا پیوند لگایا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بہت ترس آیا۔ آپ پر رقت طاری ہوگئی (یعنی رونے والی کیفیت طاری ہوگئی) آپ کی وجہ سے صحابہ کرام کا بھی ایسا ہی حال ہوگیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

''اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا، جس دن تم میں سے ہر ایک ایک جوڑا صبح اور ایک جوڑا شام میں پہنے گا۔ کھانے کا ایک بڑا پیالہ اس کے سامنے رکھا جائے گا اور ایک اٹھایا جائے گا اور تم گھروں میں ایسے پردے لٹکاؤ گے جیسے کعبے پر لٹکائے جاتے ہیں۔''

آپ کی بات سن کر صحابہ نے عرض کیا:

''ہم تو چاہتے ہیں، ایسا ہو جائے، ہمیں بھی وسعت اور سہولت حاصل ہو جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایسا ضرور ہو کر رہے گا، لیکن آج تم لوگ اس دن سے بہتر ہو۔'' (کیونکہ دین کا کام مجاہدوں کے ساتھ کرتے ہو)

O

جس روز حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ ان پر جھکے، گویا انھیں کوئی وصیت فرما رہے ہوں۔ پھر آپ نے سر اٹھایا تو صحابہ کرام نے آپ کی آنکھوں میں رونے کا اثر محسوس کیا۔ آپ دوبارہ ان پر جھکے، پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس مرتبہ آپ روتے نظر آئے۔ پھر آپ ان پر تیسری بار جھکے، پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس بار آپ سسکیاں لے رہے تھے۔ اس سے صحابہ کرام نے جان لیا کہ حضرت عثمان بن مظعون کا انتقال ہوگیا ہے۔ تب صحابہ بھی رونے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''ٹھہرو! یہ آواز سے رونا، شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ سے توبہ کرو۔''

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن مظعون کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے ابوسائب! تم غم نہ کرو، تم دنیا سے چلے گئے اور تم نے دنیا سے کچھ نہیں لیا۔''

O

ایک روز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے۔ ان سے کہا گیا:

''اور لیجیے!''

آپ نے فرمایا:

''میرے لیے یہی کافی ہے، میرے لیے یہی کافی ہے، کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والے قیامت کے دن بھوکے ہوں گے اور اے سلمان! دنیا مومن کے لیے جیل خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔''

O

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے پانچ ہزار وظیفہ ملتا تھا اور وہ تقریباً تیس ہزار مسلمانوں کے امیر تھے۔ ان حالات میں ان کے پاس ایک چغہ تھا۔ اس کے کچھ حصے کو بچھا کر باقی اوپر اوڑھ لیا کرتے تھے اور اسی چغے کو پہن کر لوگوں میں بیان کیا کرتے تھے جب انھیں وظیفہ ملتا تھا تو اسے اسی وقت خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اس میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بناتے تھے۔ ان کو بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔

O

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابو عبداللہ (یہ حضرت سلمان فارسی کی کنیت ہے) کیا میں آپ کے لیے ایک کمرہ بنوا دوں۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار گزری تو حضرت حذیفہ نے جلدی سے کہا۔

''آپ پہلے یہ بات سن لیں کہ میں آپ کے لیے کیسا کمرہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے لیے ایسا کمرہ بنانا چاہتا ہوں کہ جب آپ اس میں لیٹیں تو آپ کا سر ایک دیوار سے لگے اور پاؤں دوسری دیوار کو اور جب آپ اس میں کھڑے ہوں تو آپ کا سر اس کی چھت سے لگے۔''

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے دل میں رہتے ہو۔'' یعنی اب تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔

(جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ 65

عبداللہ فارانی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کسی درخت کے سایے میں بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے، یعنی آپ اپنے علاقے کے حکمران تھے اور حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے کاموں کے لیے کسی درخت کے سایے میں بیٹھ جاتے تھے۔ ان کاموں کے لیے ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ سایہ گھوم کر جس طرف جاتا، آپ کھسک کر ادھر ہو جاتے۔ ایک شخص نے ان سے کہا:

''کیا میں آپ کے لیے ایک کمرہ بنوا دوں۔ آپ گرمیوں میں اس کے سایے میں رہا کریں اور سردیوں میں اس میں رہ کر سردی سے بچا کریں۔''

آپ نے اس سے فرمایا: ''ہاں! بنوا دو۔''

جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر چل پڑا تو آپ نے اسے زور سے آواز دی اور فرمایا:

''کمرہ کیسا بناؤ گے۔''

اس نے کہا: ''ایسا کمرہ بناؤں گا کہ آپ اس میں کھڑے ہوں تو آپ کا سر اس کی چھت کو جا لگے اور اگر آپ اس میں لیٹیں تو آپ کے پاؤں دیوار کو لگیں۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پھر تو ٹھیک ہے۔''

○

ابو اسماء رحمہ اللہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ آپ اس وقت ربذہ نامی بستی میں تھے۔ ان کے پاس ایک کالی عورت بیٹھی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس پر نہ تو خوب صورتی کا کوئی اثر تھا نہ خوشبو کا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''کیا تمھیں معلوم ہے، یہ کالی عورت مجھ سے کیا کہہ رہی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے، میں عراق چلا جاؤں۔ وہاں رہا کروں۔ میں عراق چلا جاؤں تو وہاں کے لوگ اپنی دنیا کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے، کیونکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے بڑے صحابہ میں سے ہوں، اس لیے وہاں والے مجھے خوب ہدیے دیں گے اور یوں میرے پاس دنیا زیادہ ہو جائے گی اور مجھے ان کے کام بھی کرنے پڑیں گے جس کی وجہ سے عبادت اور اعمال کا وقت کم ہو جائے گا اور میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ پل صراط سے پہلے ایک پھسلن والا راستہ ہے، جب ہم اس سے گزریں تو ہمارا بوجھ اتنا ہلکا ہو اور ایسا سمٹا ہوا ہو کہ ہم اسے اٹھا سکیں۔ یہ ہماری نجات کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس راستے سے گزریں اور ہمارا بوجھ زیادہ ہو۔''

○

حضرت عبداللہ بن خراش رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ میں دیکھا۔ وہ ایک کالے چھپر کے نیچے بیٹھے تھے اور اسی چھپر کے نیچے ان کی کالے رنگ کی بیوی بیٹھی تھی۔ آپ بوری کے ایک ٹکڑے پر بیٹھے تھے۔ ان سے عرض کیا گیا۔

''آپ کی اولاد زندہ نہیں رہتی۔''

آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے، وہ انھیں اس فانی گھر سے لے لیتا ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والے گھر میں ضرورت کے وقت ہمیں دے دے گا۔ وہ بچے وہاں کام آئیں گے۔''

کسی نے عرض کیا: ''آپ اس کالے رنگ کی عورت کی بجائے کوئی اور خوب صورت عورت لے لیتے تو اچھا تھا۔''

آپ نے جواب دیا: ''میں کسی ایسی عورت سے شادی کروں جس سے مجھ میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی ایسی عورت سے شادی کروں جس سے مجھ میں بڑائی پیدا ہو۔''

کسی نے کہا:

''آپ اس سے زیادہ نرم بستر لے لیتے۔''

آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! مغفرت فرما اور جو تو نے دیا ہے، اس میں سے جتنا جی چاہے لے لے۔''

○

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا:

''فلاں فلاں شخص نے جائیداد بنائی ہے، آپ جائیداد کیوں نہیں بناتے۔''

آپ نے فرمایا: ''میں امیر بن کر کیا کروں گا، مجھے تو روزانہ پانی یا دودھ کا ایک گھونٹ اور ہر ہفتے تھوڑی سی گندم کافی ہے۔''

○

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی سے فرمایا:

''آج مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مسجد کے دروازے پر میری ایک دکان ہو اور مسجد کی نماز باجماعت مجھ سے ایک بھی فوت نہ ہو، اور مجھے اس دکان سے روزانہ چالیس دینار نفع ہو جو میں سب اللہ کے راستے میں صدقہ کر دوں۔''

ان سے پوچھا گیا:

''آپ کو یہ بات کیوں پسند نہیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''حساب کتاب کی سختی کی وجہ سے۔''

○

سخت سردی کی ایک رات میں کچھ لوگ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان ٹھہرے۔ آپ نے ان کے پاس گرم کھانا بھیجا، لیکن لحاف نہ بھیجے۔ مہمانوں میں سے ایک نے کہا: ''انھوں نے ہمارے لیے کھانا تو بھیجا ہے، لیکن سردی سے بچنے کا انتظام نہ کیا، اس لیے اس سردی میں ہمیں کھانے کا مزہ نہیں آیا۔ میں یہ بات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہوں گا۔''

دوسرے مہمان نے کہا:

''رہنے دو، نہ بات کرو۔''

اس نے کہا: ''نہیں! میں تو ضرور ذکر کروں گا۔''

وہ ان کے دروازے پر چلا گیا۔ اس نے دیکھا، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور ان کی بیوی کے بدن پر تھوڑے سے ناقابل ذکر کپڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھانپ گئے۔ آپ نے فرمایا:

''میرا خیال ہے، آپ لوگوں نے بھی یہ رات میری طرح (لحاف کے بغیر) گزاری ہے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا: ''ہمارا ایک گھر ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔ ہم نے اپنے سارے بستر اور لحاف وہاں بھیج دیے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز یہاں ہوتی تو ہم ضرور تمہارے پاس بھیج دیتے۔ ہمارے سامنے ایک بہت سخت گھاٹی ہے۔ اس پر چڑھنا بڑا مشکل ہے۔ ہلکا بوجھ لے کر اس میں سے گزرنے والا زیادہ بوجھ والے سے بہتر ہے۔ سمجھ گئے۔ میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔''

اس نے فوراً کہا:

''جی ہاں! سمجھ گیا۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

66

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بدر کے لیے خاص طور پر بہت عمدہ لباس تیار کرواتے اور انھیں بھیجا کرتے تھے، آپ نے حضرت معاذ بن عفرا رضی اللہ عنہ کو ایک جوڑا بھیجا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابوافلح! یہ جوڑا بیچ دو۔''

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا ڈیڑھ ہزار درہم میں بیچ دیا۔ اب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''ان ڈیڑھ ہزار درہم سے میرے لیے غلام خرید لائیں۔''

حضرت ابوایوب ان درہموں سے پانچ غلام خرید لائے۔ انھیں دیکھ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو آدمی ڈیڑھ ہزار درہم کے پانچ غلام خرید کر انھیں آزاد کرسکتا ہے، وہ اس رقم کے دو چھلکے (لنگی اور چادر) پہنے تو وہ بہت بے وقوف ہے، اے خادم غلاموں کو لے جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے بھیجے ہوئے جوڑے کا یہ کیا ہے اور وہ ایسا قیمتی لباس نہیں پہنتے تو آپ نے ان کے لیے چند درہم کا ایک موٹا جوڑا بنوا کر بھیج دیا۔ خادم وہ جوڑا ان کی خدمت میں لایا تو آپ نے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جوڑا دے کر تمھیں میرے پاس نہیں، کسی اور کے پاس بھیجا ہے۔''

اس پر قاصد نے کہا:

''جی نہیں! آپ کے پاس ہی بھیجا ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے:

''امیر المومنین! کیا آپ نے یہ جوڑا میرے لیے بھیجا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! بھیجا ہے۔ پہلے ہم نے آپ کے پاس ان کپڑوں میں سے لباس بھجوایا تھا جو ہم اپنے بدری بھائیوں کے لیے بنواتے ہیں، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے وہ لباس نہیں پہنا، اس لیے میں نے اس مرتبہ آپ کے لیے یہ معمولی جوڑا بھیج دیا۔''

یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگرچہ میں وہ بہترین لباس نہیں پہنتا، لیکن میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آپ کی طرف سے مجھے بہترین چیز ملے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو عمدہ کپڑوں میں سے ایک جوڑا بھیج دیا۔''

ظاہر ہے حضرت معاذ ایک بار پھر اس لباس

قدم بہ قدم

سے غلام خرید کر آزاد کرنا چاہتے تھے۔

○

حضرت لجلاج غطفانی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے:

''جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، بس ضرورت کے مطابق کھاتا اور پیتا ہوں۔''

حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ ان کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال ان کے جاہلیت میں گزرے اور ستر سال اسلام کی حالت میں زندہ رہے۔

○

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ کوئی ساتھ کھانے والا نہیں ہوتا تھا اور جب کھاتے تو چاہے کھانا کتنا زیادہ کیوں نہ ہوتا، پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن مطیع رحمہ اللہ ان کی عیادت کے لیے آئے۔ انھوں نے دیکھا، آپ کا جسم بہت دبلا ہو چکا ہے۔ انھوں نے آپ کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''کیا آپ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کرتیں۔ اگر آپ ان کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کریں تو ان کا دبلا پن ختم ہوسکتا ہے اور ان کا جسم بہتر ہو جائے گا، اس لیے ان کے لیے عمدہ خاص کھانا تیار کیا کریں۔''

ان کی بات سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ہم تو ایسا ہی کرتے ہیں، لیکن یہ اپنے کھانے پر تمام گھر والوں کو اور تمام حاضرین کو بلا لیتے ہیں۔ اپنا سارا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے ہیں، خود بہت کم کھاتے ہیں، لہٰذا آپ خود ان سے بات کریں۔''

اس پر حضرت ابن مطیع نے حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ آپ کی کنیت ہے) اگر آپ کچھ اچھا کھانا کھا لیا کریں تو آپ کی کمزوری دور ہو جائے گی۔''

آپ نے فرمایا:

''مسلسل آٹھ سال ایسے گزرے ہیں کہ میں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، صرف ایک مرتبہ ہی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہوگا۔ اب تم چاہتے ہو کہ میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا کروں جب کہ تھوڑی سی زندگی رہ گئی ہے۔''

○

حضرت عمر بن حمزہ رحمہ اللہ اپنے والد کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایسے میں ایک آدمی ادھر سے گزرا۔ اس نے کہا:

''میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، میں نے آپ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جُرف کے مقام پر بات کرتے دیکھا ہے۔ آپ نے اس وقت ان سے کیا کہا تھا۔''

حضرت عمر بن حمزہ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''میں نے ان سے کہا تھا، اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کا جسم بہت دبلا ہو گیا ہے اور عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے نہ آپ کا حق پہچانتے ہیں اور نہ آپ کا مقام۔ آپ یہاں سے گھر واپس جا کر اپنے گھر والوں سے کہیں کہ وہ آپ کے لیے خاص طور سے اچھا کھانا تیار کرایا کریں۔ میری بات سن کر انھوں نے کہا تھا، تیرا بھلا ہو، اللہ کی قسم! میں نے گیارہ سال سے بلکہ بارہ سال سے بلکہ تیرہ سال سے بلکہ چودہ سال سے ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اب تو زندگی ہی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ اب ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔''

○

حضرت عبیدہ بن عدی رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ عراق سے آئے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں آپ کے لیے ہدیہ لایا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''وہ کیا ہے؟''

انھوں نے بتایا:

''یہ ایک جوارش ہے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''جوارش کیا ہوتی ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''اس سے کھانا خوب ہضم ہوتا ہے۔''

حضرت عبداللہ نے فرمایا:

''میں نے چالیس سال سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ میں اس جوارش کا کیا کروں گا۔''

(جاری ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے پیٹ والے آدمی کو دیکھا تو اس کے پیٹ میں انگلی مار کر فرمایا:

''یہ کھانا اس پیٹ کے علاوہ کسی اور پیٹ میں ہوتا تو یہ تمہارے لیے بہتر تھا۔''

(کاش! آج پیٹ بھر بھر کر کھانے والے سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور انھیں کیا کرنا چاہیے)

○

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے ایک نئی قمیص پہنی۔ آپ اسے دیکھ کر خوش تھیں، وہ آپ کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں قمیص کو دیکھ کر خوش ہوتے دیکھ لیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا دیکھ رہی ہو، اس وقت اللہ تعالیٰ تمھیں نظرِ رحمت سے نہیں دیکھ رہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے پوچھا:

''وہ کیوں؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جب دنیا کی زینت کی وجہ سے بندے میں عجب (خود کو اچھا سمجھنا) پیدا ہو جاتا ہے تو جب تک وہ بندہ اس زینت کو چھوڑ نہیں دیتا، اس وقت تک اس کا رب اس سے ناراض رہتا ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے اسی وقت وہ قمیص اتار کر صدقہ کر دی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''شاید یہ صدقہ تمہارے اس عجب کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔''

○

قدم بہ قدم

غزوہ احد کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت عبدالرحمن کی زد پر آ گئے، یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار کے لشکر میں شامل تھے۔ انھوں نے باپ خیال کرتے ہوئے، حضرت ابوبکر پر وار نہ کیا، مسلمان ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن نے اس بات کا ذکر اپنے والد سے کیا، یعنی یہ کہا:

''احد کی لڑائی میں آپ میرے سامنے آ گئے تھے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر آپ کو قتل نہیں کیا تھا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لیکن اگر تم میری زد پر آ جاتے تو میں تمھیں نہ چھوڑتا، اللہ کا دشمن سمجھ کر تمھیں ضرور قتل کرتا۔''

○

جنگ بدر کے دن جو کافر قتل ہوئے، ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''انھیں گھسیٹ کر کنویں میں ڈال دیا جائے، چنانچہ ان سب کو گھسیٹ کر کنویں میں ڈال دیا گیا۔ پھر آپ کنویں کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا:

''اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا۔ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا، میں نے تو اسے سچا پایا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حیران ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ مردہ لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان لوگوں کو اب معلوم ہو گیا ہے کہ ان کے رب نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، وہ سچا تھا۔''

○

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت فاقے کی نوبت آ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کسی کام کی تلاش میں نکلے، تا کہ کھانے کی کسی چیز کا انتظام ہو جائے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

ایک یہودی کے باغ میں انھیں پانی کے ڈول نکالنے کا کام مل گیا۔ آپ نے پانی کے سترہ ڈول نکالے۔ ہر ڈول کے بدلے میں ایک کھجور طے ہوئی تھی۔ یہودی نے تمام قسم کی کھجوریں آپ کے سامنے کر دیں، تا کہ آپ اپنی پسند کی سترہ کھجوریں لے سکیں۔ آپ نے سترہ عجوہ کھجوریں لے لیں اور لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''اے ابوالحسن! آپ کو یہ کھجوریں کہاں سے ملیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم! مجھے آپ کے فاقے کی خبر ملی تو میں کسی کام کی تلاش میں نکل گیا، تاکہ آپ کے لیے کھانے کی کوئی چیز حاصل کرسکوں اور اس طرح یہ کھجوریں لانے کے قابل ہوا۔"

یہ سن کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم نے ایسا اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت میں کیا ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی ہاں! اے اللہ کے رسول!"

اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"جو بندہ بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کرتا ہے، فقر وفاقہ اس کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے پانی کا ریلہ ڈھلوان کی طرف آتا ہے، لہٰذا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے، اسے چاہیے کہ وہ بلا اور آزمائش کے لیے ڈھال تیار کرلے۔" (یعنی صبر، زہد اور قناعت کے لیے تیار رہے)

O

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے بیعت کے لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا:

"ابوبکر! کیوں روتے ہو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر اس وقت میرے والد کی جگہ آپ کے چچا ابوطالب کا ہاتھ ہوتا اور ان کی جگہ وہ مسلمان ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان لانے پر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتے تو یہ میرے لیے میرے والد کے مسلمان ہونے سے زیادہ خوشی کا سبب ہوتا اور مجھے زیادہ پسند ہوتا۔ یعنی مجھے اپنے والد کے ایمان لانے سے زیادہ آپ کے چچا کے ایمان لانے کی خوشی ہوتی۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔)

O

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں آئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے۔ وہ مکان دومنزلہ تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں اوپر ہوں اور آپ نیچے، لہٰذا آپ اوپر والی منزل میں قیام فرمایئے۔"

ان کی بات کے جواب میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"ہمیں سہولت اس میں ہے کہ نیچے رہیں، کیونکہ ہمارے پاس لوگ آتے رہتے ہیں۔" (یعنی ملاقات کے لیے آنے والوں کو تکلیف ہوگی)

چنانچہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نچلی منزل میں قیام فرمایا۔ ایسے میں ایک رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ اس کا پانی کمرے میں پھیل گیا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ فوراً کمبل کے ذریعے اس پانی کو جذب کرنے لگے کہ کہیں چھت نہ ٹپکنے لگے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تکلیف نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ کمبل مکمل طور پر گیلا ہوگیا اور انھوں نے وہ رات جاگ کر گزاری۔ (جاری ہے)

68

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ہجرت کے سفر کے بعد حضور ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرما تھے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیوی کھانا تیار کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے، جب آپ ﷺ بچا ہوا کھانا واپس کرتے تو وہ خاص طور پر اس جگہ سے کھاتے جہاں آپ کی انگلیاں مبارک لگی ہوتیں، یوں وہ حضور ﷺ کی [illegible] حاصل کرتا [illegible] بچے تھے۔ ایک رات آپ ﷺ نے [illegible] نا واپس کیا۔ اس میں لہسن یا پیاز [illegible] انھیں کھانا جوں کا توں نظر آیا، یعنی [illegible] ﷺ نے اس میں سے نوش نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی انگلیوں کے نشان والی جگہ سے برکت کے لیے کھانا کھاتے ہیں، لیکن آج کھانے پر آپ کی انگلیوں کے نشانات نظر نہیں آئے۔ گویا آج آپ نے کھانا ایسے ہی واپس کر دیا۔ اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا۔''

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اس کھانے میں لہسن یا پیاز کی بو محسوس ہوئی تھی اور میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا رہتا ہوں۔ فرشتوں سے بھی بات کرتا ہوں۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے کسی کو بو آئے، لیکن آپ لوگ یہ کھانا کھا لیں۔''

O

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا ایک پرنالہ تھا۔ اس پرنالے کا پانی اس جگہ گرتا تھا، جہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرتے تھے۔ ایک جمعے کے روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نئے کپڑے پہنے اور اس جگہ سے گزرے۔ آپ پر پرنالے سے پانی گرا۔ آپ کے کپڑے ناپاک ہوگئے۔ اور اس وقت آپ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ آپ نے حکم فرمایا:

''اس پرنالے کو اکھاڑ دیا جائے۔''

یہ فرما کر آپ گھر گئے۔ دوسرے کپڑے پہنے اور پھر مسجد میں آ کر لوگوں کو جمعے کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! یہ پرنالہ حضور ﷺ نے لگایا تھا، آپ نے اسے اکھڑوا دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھبرائے، پھر آپ نے کہا:

''میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری کمر پر چڑھ کر یہ پرنالہ وہیں لگا دیں جہاں حضور ﷺ نے لگایا تھا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھوں پر پاؤں رکھ کر پرنالہ وہیں لگا دیا جہاں وہ پہلے تھا۔

O

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنی باتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہنسا رہے تھے۔ حضور ﷺ بھی اس وقت وہیں تشریف فرما تھے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت ہنس مکھ اور خوب صورت انسان تھے۔ اپنی باتوں سے لوگوں کو ہنساتے رہتے تھے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے ان کے پہلو پر انگلی ماری۔ غالباً آپ ﷺ نے انگلی مار کر انھیں خبردار کرنا چاہا تھا، انگلی لگنے پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کے انگلی مارنے سے مجھے درد ہو گیا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بدلہ لے لو۔''

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ نے تو قمیص پہنی ہوئی ہے جب کہ میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔''

مطلب یہ کہ آپ بھی اپنے بدن پر سے کپڑا ہٹا لیں۔ آپ ﷺ نے کپڑا ہٹا دیا۔ فوراً ہی حضرت اسید رضی اللہ عنہ آپ کے بدن مبارک سے چمٹ گئے اور آپ کے پہلو کے بوسے لینے لگے۔ ساتھ ہی حضرت اسید کہہ رہے تھے:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرا مقصد تو یہ تھا، یعنی میں بدلہ لینے کے بہانے آپ کے بدن مبارک کا بوسہ لینا چاہتا تھا۔''

O

یا پھر سرورِ مجذوب ہیں

[illegible]
لوگ کہتے ہیں کئی اسماء سے وہ منسوب ہیں
فوجِ طفلاں کو بڑے عرصے سے وہ مطلوب ہیں
اشتیاق احمد ہیں یا وہ سرورِ مجذوب ہیں
جو بھی ہیں، کچھ شک نہیں اس میں، بہت ہی خوب ہیں

غرق ہو ہو کر کئی تیراک اس چیلنج میں
ہوگئے بیمار وہ اس دکھ میں فکر و رنج میں
مبتلا ہیں کتنے قاری اب بھی شش و پنج میں
اشتیاق احمد ہیں یا وہ سرورِ مجذوب ہیں
جو بھی ہیں، کچھ شک نہیں اس میں، بہت ہی خوب ہیں

کھولنا جب چاہتے ہیں ان کے عاشق ان کا پول
وہ جواباً عرض کرتے ہیں ہمیشہ گول مول
''بچوں کا اسلام'' میں بجتا ہے مدت سے یہ ڈھول
اشتیاق احمد ہیں یا وہ سرورِ مجذوب ہیں
جو بھی ہیں، کچھ شک نہیں اس میں، بہت ہی خوب ہیں

ان کے ناول میں چھپے پیغام سے ہے ہم کو کام
گٹھلیوں کے دام سے کیا، آم سے ہے ہم کو کام
نام میں کیا رکھا ہے، بس کام سے ہے ہم کو کام
اشتیاق احمد ہیں یا وہ سرورِ مجذوب ہیں
جو بھی ہیں، کچھ شک نہیں اس میں، بہت ہی خوب ہیں

عالمِ اطفال میں مقبول تو بے حد ہیں وہ
یعنی عبداللہ فارانی کے ہم مسند ہیں وہ
سرورِ مجذوب ہیں یا اشتیاق احمد ہیں وہ
اشتیاق احمد ہیں یا وہ سرورِ مجذوب ہیں
جو بھی ہیں، کچھ شک نہیں اس میں، بہت ہی خوب ہیں

اثر جونپوری

جنگِ بدر کے دن حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کی صفوں کو سیدھا فرما رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک تیر تھا، جس کی نوک نہیں تھی۔ اس سے آپ لوگوں کی صفوں کو سیدھا کرنے کا کام لے رہے تھے۔ ایسے میں آپ حضرت سواد بن عزیہ ؓ کے پاس سے گزرے۔ یہ صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پیٹ میں وہ تیر چبھوتے ہوئے فرمایا:

''اے سواد! سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔'' (یعنی صف سے باہر نہ نکلو)

انھوں نے عرض کیا:

''آپ کے تیر چبھونے سے مجھے تکلیف ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے، لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیں۔''

اس پر آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر سے کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا: ''لو! اپنا بدلہ لے لو۔''

حضرت سواد آپ کے بدن مبارک سے چمٹ گئے اور پیٹ کے بوسے لینے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ لڑائی کا موقع آ گیا ہے۔ (شاید میں اس لڑائی میں شہید ہو جاؤں۔ تو میں نے چاہا، آپ سے آخری ملاقات اس طرح ہو کہ میری کھال سے آپ کی کھال مل جائے۔''

اس پر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

O

''جنگِ احد کے دن اہلِ مدینہ کو شکست ہو گئی تو ساتھ ہی کفار کی طرف سے یہ خبر اڑا دی گئی:

''حضور ﷺ شہید ہو گئے۔''

یہ خبر سن کر تمام مردوں اور عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ مدینہ طیبہ کے کونے کونے سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک انصاری عورت پردے میں مدینہ منورہ سے نکلیں اور میدانِ احد کی طرف چل پڑیں۔ ان کے والد، بیٹے، خاوند اور بھائی، یہ چاروں شہید ہو چکے تھے۔ ایک شہید کے پاس پہنچیں تو پوچھا: ''یہ کون ہیں۔''

کسی نے بتایا: ''یہ تمہارے والد ہیں۔''

یہ آگے بڑھیں تو پھر ایک شہید کی لاش نظر آئی۔

ان کے بارے میں پوچھا: ''یہ کون ہیں۔''

بتایا گیا: ''یہ آپ کے بھائی ہیں۔''

اسی طرح انھیں بتایا گیا، یہ آپ کے خاوند ہیں، یہ آپ کے بیٹے ہیں، وہ سن کر ہر بار یہی کہتی رہیں۔

''اللہ کے رسول ﷺ کی کیا خبر ہے۔''

لوگ انھیں بتاتے:

''حضور ﷺ آگے ہیں۔''

اس طرح آخر وہ حضور ﷺ تک پہنچ گئیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کے کپڑے کا ایک کونہ پکڑ کر فرمایا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! جب آپ صحیح سلامت ہیں تو مجھے اپنے شہید ہو جانے والوں کی کوئی پروا نہیں۔ اب ہر مصیبت ہلکی اور آسان ہے۔'' (جاری ہے)

خدا کا تحفہ

چنبیلی ایک ایسا پھول ہے، جس کی خوشبو بہت پسندیدہ ہوتی ہے۔ خوب صورت، خوش نما، سفید چاندنی جیسے پھول جاسمین کہلاتے ہیں۔ انھیں پاکستان میں ''چنبیلی'' کہا جاتا ہے اور یہ پاکستان کا قومی پھول ہے۔ چنبیلی عام طور پر تمام ایشیائی ممالک مثلاً چین جاپان، انڈونیشیا، فلپائن میں پایا جاتا ہے، لیکن اس خوب صورت پھول کی مقبولیت صرف ایشیائی ممالک تک ہی محدود نہیں بلکہ وسطی ایشیا اور یورپی ممالک میں بھی اسے برتری اور مقبولیت حاصل ہے۔ خاص طور پر چنبیلی کے عطر کو طبی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظ ''جاسمین'' کا مطلب ہے ''خدا کا تحفہ'' اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ چنبیلی کی عام طور پر دو سو اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر سفید ہوتی ہیں جب کہ زرد رنگ کے پھول بھی پائے جاتے ہیں۔

چنبیلی کی بیلیں 3 میٹر تک لمبی ہوتی ہیں اور آس پاس کے پودوں اور دیواروں پر پھیلتی ہیں۔ چنبیلی کے پھول کی فرحت بخش خوشبو رات کے پر سکون اور پر امن ماحول سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔ یہ پھول رات میں کھلتے ہیں اور سارا ماحول خوشبو دار کر دیتے ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے ہی انھیں توڑ لیا جاتا ہے اور منڈیوں میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مشہور اقسام میں جیسمینم گرینڈی فلورم، جیسمینم آفیشل اور جیسمینم مبا یک شامل ہیں۔ بین الاقوامی اقسام میں فلپائنی، سمپاگتیا، انڈونیشین اور ہوائی کیپا قابلِ ذکر ہیں۔

چنبیلی کے پھول بہت زیادہ فائدہ مند ہوتے ہیں۔ ان کی کچھ اقسام دیسی ادویات میں استعمال کی جاتی ہیں۔ کچھ اقسام خوشبویات میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ چین میں چنبیلی کے پھول کو مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً پیٹ کی بیماریاں، پیچش، مروڑ، قے وغیرہ۔ چنبیلی کے پھول کو سبز چائے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، جس سے چائے انتہائی مزے دار اور خوشبو دار بنتی ہے۔

چنبیلی کے پھول کا ہر حصہ بہت سی بیماریوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی کلیاں السر اور یرقان کے علاج کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ اس کے پتے اور پھول سینے کے کینسر اور ہڈیوں کے کینسر کے علاج کے لیے نہایت مفید ہیں۔ انسان کو جتنی بھی بڑی پریشانی یا ذہنی ڈپریشن ہو، اس کی خوشبو سونگھنے کے بعد ساری کی ساری پریشانی جاتی رہتی ہے اور انسان کا دل و دماغ ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ چائنا، انڈونیشا اور سعودی عربیہ میں جیسمین کی ''اروما تھراپی'' بہت عام ہے، جس کے ذریعے مریض اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے اور اس کے مزاج میں مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ چنبیلی کی چائے اور تیل مختلف بیماریوں کے علاج میں بہت فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

تصور عباس سہو

جنگِ احد کے دن حضرت طلحہ ؓ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر تیر چلا رہے تھے اور آپ ﷺ ان کے پیچھے تھے۔ حضرت طلحہ ؓ آپ ﷺ کی ڈھال بن گئے تھے۔ آپ خود بھی بہت ماہر تیر انداز تھے۔ جب بھی تیر چلاتے، حضور ﷺ اوپر ہو کر دیکھتے کہ تیر کسے لگا ہے۔ دوسری طرف حضرت طلحہ ؓ اپنا سینہ اوپر کر کے کہتے:

"اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ اوپر کو نہ اٹھیں، کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہے۔"

اس وقت حضرت طلحہ ؓ آپ کی حفاظت کی خاطر خود کو شہادت کے لیے پیش کر چکے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: "یا رسول اللہ ﷺ! میں بہت مضبوط اور طاقت ور ہوں۔ آپ اپنی تمام تر ضرورتوں میں میری مدد لیں اور جو چاہیں، مجھے حکم دیں۔"

O

حضور ﷺ کو ایک کمان ہدیے میں ملی تھی۔ آپ ﷺ نے وہ کمان جنگِ احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان ؓ کو دے دی۔ حضرت قتادہ ؓ اس کمان کو لے کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر پر تیر چلانے لگے۔ یہاں تک کہ کمان کا سرا ٹوٹ گیا۔ یہ پھر بھی برابر آپ کے سامنے کھڑے رہے اور آنے والے تیروں کو اپنے چہرے پر روکتے رہے۔ جونہی کوئی تیر آپ کی طرف آتا، حضرت قتادہ ؓ اپنا چہرہ سامنے کر دیتے اور حضور ﷺ کے چہرے کو بچا لیتے، چونکہ ان کی وہ کمان ٹوٹ چکی تھی، اس لیے تیر تو چلا نہیں سکتے تھے۔

O

اپنے آخری دنوں میں ایک روز حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کے پاس باہر تشریف لائے۔ ہم لوگ مسجد میں تھے، آپ ﷺ نے سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ سیدھے منبر کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ منبر پر بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام آپ کے پیچھے چلتے ہوئے منبر کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس وقت حوضِ کوثر پر کھڑا ہوا ہوں۔" (یعنی میں خود حوضِ کوثر پر کھڑا دیکھ رہا ہوں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"ایک بندے پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی، لیکن اس نے آخرت کو اختیار کر لیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس فرمان سے آپ کی مراد کیا ہے، البتہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سمجھ گئے اور رونے لگے اور یوں کہنے لگے:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہم اپنا مال اور جان سب آپ پر قربان کرتے ہیں۔"

اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے اور یہ منبر پر بیٹھنا آپ کا آخری بیٹھنا تھا، اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما نہ ہو سکے۔

O

جب سورہ فتح (اذا جاء نصر اللہ) نازل ہوئی اور اس میں بتا دیا گیا کہ آپ کو جس کام کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا، وہ پورا ہو گیا تو حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ کو بلا کر فرمایا: "مجھے اس سورت میں اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے۔"

یہ سن کر سیدہ فاطمہ ؓ رونے لگیں۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "مت رو! کیونکہ میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔"

یہ سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ حضور ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے سیدہ فاطمہ ؓ سے پوچھا:

"میں نے تمھیں روتے ہوئے اور پھر ہنستے ہوئے دیکھا، اس کی کیا وجہ تھی؟"

سیدہ فاطمہ ؓ نے فرمایا:

"حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کو آپ کی وفات کی خبر دی گئی ہے، تو یہ سن کر میں رونے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں آپ ﷺ کے خاندان میں سے سب سے پہلے آپ سے جا ملوں گی تو یہ سن کر میں ہنس پڑی تھی۔"

ایک روایت کے مطابق وہ زوجہ محترمہ ام سلمہ تھیں۔

O

حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن بھیجا۔ جب وہ چلنے لگے تو آپ ﷺ انھیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ خود بھی شہر سے باہر نکلے۔ حضرت معاذ ؓ سواری پر سوار تھے اور حضور ﷺ آپ کو ہدایات دے کر فارغ ہو چکے تو فرمایا:

"اے معاذ! شاید اس سال کے بعد آیندہ تم مجھ سے نہ مل سکو اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔"

قدم بہ قدم

یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل ؓ حضور ﷺ کی جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف منہ کر کے ان سے فرمایا:

"(قیامت کے دن) لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب متقی لوگ ہوں گے۔ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔" (یعنی اس کے لیے کسی خاص قوم میں سے ہونا یا میرے شہر میں رہنا ضروری نہیں)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"اے معاذ مت رو! کیونکہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شیطان کی طرف سے ہے۔"

O

حضور نبی کریم ﷺ کے انتقال سے چھ دن پہلے صحابہ کرام ؓ کو آپ کے انتقال کی خبر ہو گئی تھی۔ جدائی کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے اپنے قریبی صحابہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے گھر میں جمع فرمایا۔ ان سب پر آپ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"مرحبا! اللہ تمہاری عمر دراز کرے، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے، اللہ تمھیں ٹھکانا دے، اللہ تمہاری مدد فرمائے، اللہ تمھیں بلند فرمائے، اللہ تمھیں ہدایت دے، اللہ تمھیں رزق عطا فرمائے، اللہ تمھیں توفیق عطا فرمائے، اللہ تمھیں سلامت رکھے، اللہ تمھیں قبول فرمائے، میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے، اور تمہارے کام اسی کے سپرد کرتا ہوں، میں تمھیں اس بات سے واضح طور پر ڈراتا ہوں کہ اللہ کے مقابلے میں اس کے بندوں کے متعلق اس کی زمین میں تکبر نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اور تم سے فرمایا ہے۔"

"یہ عالم آخرت ہم انھی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں، نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔" (جاری ہے)

آپ نے اس وقت یہ بھی فرمایا:
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
ترجمہ: ''کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟''
پھر آپ نے ارشاد فرمایا:
''اب سے بلند رفیق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس جانے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے۔''
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
''اے اللہ کے رسول! آپ کو غسل کون دے گا؟''
آپ نے فرمایا:
''میرے خاندان کے مرد سب سے زیادہ قریب کے رشتے والے، پھر اس کے بعد والا، پھر اس کے بعد والا درجہ بدرجہ۔''
صحابہ کرام نے پوچھا:
''ہم آپ کو کفن کس میں دیں؟''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''اگر تم چاہو تو مجھے میرے انہی کپڑوں میں کفن دے دینا یعنی یمنی جوڑے میں یا مصری کپڑوں میں کفن دے دینا۔''
اب صحابہ کرام نے پوچھا:
''ہم میں سے کون آپ کی نماز جنازہ پڑھائے؟''
یہ پوچھتے وقت صحابہ کرام رو پڑے۔ ساتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے۔ پھر آپ نے فرمایا:
''ذرا ٹھہرو، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور تمہیں تمہارے نبی کی طرف سے بہترین اجر ملے۔

قدم بہ قدم

فرمائے، جب تم مجھے غسل دے چکو اور میرے جنازے کو میرے اس گھر میں قبر کے کنارے رکھ دو تو پھر تم سب تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے جانا، کیونکہ سب سے پہلے میرے خلیل اور ہم نشین حضرت جبرائیل علیہ السلام میری نماز جنازہ پڑھیں گے، پھر حضرت میکائیل علیہ السلام، پھر اسرافیل علیہ السلام، پھر ملک الموت علیہم السلام اپنے پورے لشکر کے ساتھ، پھر سارے فرشتے نماز پڑھیں گے۔ پھر تم ایک ایک جماعت بن کر اندر آنا اور مجھ پر درود و سلام پڑھنا اور کسی عورت کو مرد کر کے رونے دھونے اور شور مچانے دینا اور بلند آواز سے رونے دینا، ورنہ مجھے تکلیف ہوگی۔ پہلے میرے خاندان کے مرد اندر آ کر صلوٰۃ و سلام پڑھیں۔ پھر تم لوگ۔ تم میری طرف سے اپنے لیے سلام قبول کرو اور جتنے میرے بھائی اس وقت غائب ہیں، انہیں میرا سلام پہنچا دو۔ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرے بعد جو بھی دین میں داخل ہوا میں اسے بھی سلام کہہ رہا ہوں اور آج سے لے کر قیامت تک جو بھی میرے دین کی پیروی کرے گا، میں اسے بھی سلام کہہ رہا ہوں۔''
اس کے بعد صحابہ کرام نے کہا:
''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون آپ کو قبر میں اتارے۔''
آپ نے فرمایا:
''میرے خاندان کے مرد اور ان کے ساتھ بہت سے فرشتے ہوں گے۔ فرشتے تو تمہیں دیکھ رہے ہوں گے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکو گے۔''

○

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھ گئی تو آپ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:
''میرے قریب آ جاؤ۔''
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قریب جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سہارے پر بٹھا لیا اور آپ کے وصال تک آپ کے پاس ہی رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ آپ کے خاندان والے بھی آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے:
''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور وفات کے بعد بھی آپ پاک ہیں۔'' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ایسی خوشبو مہک رہی تھی کہ ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی تھی۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:
''آؤ، بھائی کفن دفن کی تیاری کریں۔''

ہمارا کردار

یحییٰ صاحب کا پورا گھرانہ تیاریوں میں مصروف تھا۔ انھیں آج اپنے دوست کی شادی میں جانا تھا، پورے گھر کی دعوت تھی۔ تھوڑی دیر بعد یحییٰ صاحب کا پورا گھرانہ دو گاڑیوں میں روانہ ہو گیا، لیکن یحییٰ صاحب کے پورے بنگلے میں تمام لائٹیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

○

سرمد اور عمیر دوپہر کے بارہ بجے اپنے دفتر سے واپس آرہے تھے... عمیر شہر کی مشہور سڑک پر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، اچانک ساتھ بیٹھے سرمد نے عجیب بات کی:

''یار تم نے سورج کو چراغ دکھانے والی کہاوت سنی تو ہوگی، لیکن کبھی ایسا دیکھا نہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب؟'' عمیر نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

عبداللہ بن مستقیم، کراچی

''وہ سامنے دیکھو!'' سرمد نے ہاتھ سے سڑک کے کنارے لگی اسٹریٹ لائٹس کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ ہاہاہا۔'' عمیر ہنس پڑا، کیونکہ دوپہر کے بارہ بجے تپتی دھوپ میں، جب سورج سر پر تھا، اسٹریٹ لائٹس جلانا واقعی سورج کو چراغ دکھانے کے برابر تھا۔

○

''یار کل اتوار ہے، انکل عمیر سے بیٹری مانگ کر لے آنا۔''

''کیوں، ایسی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''یار جب سے گھر میں اے۔ سی لگا ہے، ہم بہت بجلی کا بل تو ڈبل آرہا ہے۔''

''ارے تو بجلی کے بل کا انکل عمیر کی بیٹری سے کیا واسطہ؟''

''اور کیا تمھیں پتا نہیں، ہم علیحدہ بیٹری سے لائٹیں لگائیں گے۔''

''اوہ اوہ''

○

شہر میں جگہ جگہ رنگ برنگے قمقمے اور لائٹیں بڑی تعداد میں لگائی جا رہی تھیں۔ وجہ بارہ ربیع الاول جو آنے والی تھی... بارہ ربیع الاول کو جوش اور جذبے کے ساتھ منانے کے لیے بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ چوری کی بجلی سے لائٹیں لگائی جا رہی تھیں...

ادھر حکومت چیخ چیخ کر یہ اعلان کر رہی تھی کہ بجلی کم سے کم استعمال کریں، اے۔ سی 26 ڈگری پر چلائیں، فالتو لائٹیں بند کردیں، استری اور بجلی کھینچنے والی مشینیں شام سات بجے کے بعد کم سے کم استعمال کریں۔ مگر چند محب الوطن اور مخلص لوگوں کے سوا کسی نے حکومت کی بات پر کان نہ دھرے۔

○

ملک میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بڑھ گیا، جس کی وجہ سے عوام سڑکوں پر نکل آئے... خوب توڑ پھوڑ کی، گاڑیاں نذرِ آتش کریں، دکانوں کے شیشے توڑ پھوڑ دیے...

پھر حکومت کو تنگ آکر یہ یقین دلانا پڑا کہ لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں کمی کی جائے گی۔ مگر لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں کوئی کمی نہیں ہوئی، کیونکہ بجلی ہوتی... تو لوڈشیڈنگ میں کمی ہوتی... نتیجہ یہ کہ عوام دوبارہ سڑکوں پر نکل آئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، لیکن صرف سڑکوں پر نکلنے سے لوڈشیڈنگ کم ہوئی ہے، نہ ہوگی۔

ایسے میں انصار کی طرف سے پیغام ملا:

''کفن دفن کے انتظامات میں ہمارا بھی ایک آدمی شامل کیا جائے۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغام بھجوایا:

''اپنا ایک آدمی اندر بھیج دیں۔''

انھوں نے حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ ان کے ایک ہاتھ میں گھڑا تھا۔

ابھی ان حضرات نے غسل شروع نہیں کیا تھا کہ ان سب کو یہ آواز سنائی دی:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے نہ اتارو، انھیں ایسے ہی یعنی کپڑوں میں غسل دے دو۔''

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے ان حضرات کی راہنمائی فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ وہ قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر نہلا رہے تھے۔ حضرت فضل پردے کے لیے چادر تانے ہوئے تھے۔ وہ انصاری پانی لا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔

○

غسل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اس طرح پڑھی گئی کہ مردوں کی ایک جماعت کو اندر بھیجا گیا۔ انھوں نے امام کے بغیر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔ وہ نماز پڑھ کر باہر آگئے۔ پھر عورتوں کو اندر بھیجا گیا۔ انھوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی، پھر بچوں کو اندر بھیجا گیا۔ انھوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر غلاموں کی جماعت کو اندر بھیجا گیا اور انھوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں ان سب حضرات کا کوئی امام نہیں تھا۔

○

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن پہنا دیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے۔ ان کے ساتھ اتنے مہاجرین اور انصار بھی تھے جتنے کہ اندر آسکتے تھے۔ اندر آنے پر ان دونوں حضرات نے کہا:

''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

باقی حضرات نے بھی انھی الفاظ میں سلام کیا۔ پھر انھوں نے صفیں بنالیں اور امام کوئی نہ بنا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پہلی صف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔ ان دونوں نے کہا:

''اے اللہ! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ آسمان سے نازل ہوا، وہ آپ نے ہم تک پہنچایا اور انھوں نے اپنی امت کے ساتھ پوری خیرخواہی کی اور اللہ کے راستے میں آپ نے خوب محنت کی اور جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت عطا فرمادی اور اللہ کا کلمہ یعنی دینِ اسلام پورا ہوگیا اور لوگ اللہ واحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے معبود! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو اس بات پر عمل کرتے ہیں جو ان سب پر اتاری گئی اور ہمیں آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع فرما اور ہمارا ان سے تعارف کرادینا اور ان کا تعارف ہم سے کرادینا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دنیا میں بدلہ نہیں چاہتے، نہ اس ایمان کو کسی قیمت پر بیچیں گے۔''

لوگ ان کی دعا پر آمین کہتے جا رہے تھے۔ اس طرح لوگ باہر آتے جا رہے تھے اور دوسرے اندر جا رہے تھے، یہاں تک کہ تمام مردوں نے نماز پڑھ لی، پھر عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے پڑھی۔ (جاری ہے)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا:

''جاؤ اور جا کر سنو کہ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں، پھر مجھے آ کر بتاؤ۔''

غلام نے آ کر آپ کو بتایا:

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضور کا انتقال ہو گیا ہے۔''

یہ سنتے ہی آپ تیزی سے چلے اور آپ فرما رہے تھے۔

''ہائے! میری کمر ٹوٹ گئی۔''

ان کی حالت ایسی تھی کہ لوگ خیال کر رہے تھے، یہ مسجد تک نہیں پہنچ سکیں گے، خیر آپ ہمت کر کے کسی طرح مسجد تک پہنچ ہی گئے۔ پہلے آپ حجرہ مبارک میں گئے، پھر حجرے سے مسجد میں آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے کہہ رہے تھے۔

''جس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، میں اس کی گردن ماردوں گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے قریب پہنچ کر فرمایا:

''عمر بیٹھ جاؤ۔''

آپ کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر کلمہ شہادت کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! تم میں سے جو آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، اسے

یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو موت نہیں آسکتی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمادیا ہے۔

'اور محمد بس رسول ہی تو ہیں، آپ سے پہلے اور بہت رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے۔''

(سورہ آل عمران: 144)

یہ آیت سن کر، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاوت سے پہلے ہم اس آیت کو جانتے ہی نہیں تھے اور گویا یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ تمام حضرات نے اس آیت کو فوراً قبول کرلیا اور ہر ایک اسے پڑھنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جوں ہی میں نے حضرت ابوبکر کو یہ آیت پڑھتے سنا، مارے دہشت کے میں کانپنے لگا اور میرے پیروں میں مجھے اٹھانے کی سکت نہ رہی اور میں زمین پر گر گیا۔ یہ آیت ان سے سن کر مجھے پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اس قدر رنج اور صدمہ ہوا کہ بعض صحابہ کو یہ گمان ہونے لگا کہ اب اسلام مٹ جائے گا۔ میں بھی یہی خیال کرنے والوں میں تھا۔ ایک روز میں مدینہ منورہ کی ایک حویلی میں بیٹھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے۔ شدید رنج اور غم کی حالت میں مجھے ان کے گزرنے کا پتا نہ چلا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے عرض کرنے لگے:

''اے خلیفۂ رسول! میں آپ کو ایک عجیب بات نہ بتاؤں۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، میں نے انھیں سلام کیا، لیکن انھوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔''

یعنی بڑے بڑے صحابہ کی حالت یہ تھی۔

○

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے سر پر کپڑا ڈالا ہوا تھا اور بہت زیادہ غمگین تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے۔ آپ بہت غمگین نظر آ رہے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"مجھ پر وہ غم آ پڑا ہے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا غم) جو آپ کو پیش نہیں آیا۔"

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لو اور سنو! یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ سو تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تمہارے خیال میں کوئی آدمی ایسا ہے جسے مجھ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم ہوا ہو؟"

○

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ کا جنازہ حجرے میں رکھا تھا۔ ہم سب ازواج مطہرات جمع تھیں اور رو رہی تھیں۔ پھر رات کے آخری حصے میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے لیے ہم نے پھاؤڑوں کی آواز سنی تو ہماری بھی چیخ نکل گئی اور مسجد والوں کی بھی (یعنی جو لوگ مسجد میں جمع تھے) اور سارا مدینہ اس چیخ سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی اور جب انھوں نے اذان میں حضور کا نام لیا یعنی اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو زور زور سے رو پڑے۔ اس سے ہمارا غم اور بڑھ گیا اور تمام لوگ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس لیے دروازہ اندر سے بند کرنا پڑا۔ ہائے وہ کتنی بڑی مصیبت تھی۔ اس کے بعد جو بھی مصیبت ہم پر آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کی مصیبت کو یاد کرنے سے وہ مصیبت ہلکی ہو جاتی۔"

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا:

"آج ہم وحی سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے والے کلام سے محروم ہو گئے۔"

○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر لوگ رونے لگے اور کہنے لگے:

"ہماری تمنا یہ تھی کہ ہم حضور سے پہلے فوت ہو جاتے، کیونکہ اب ہمیں خطرہ ہے کہ آپ کے بعد کہیں ہم فتنوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔"

اس پر حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"لیکن اللہ کی قسم! میری تمنا تو یہ نہیں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہو جاتا، بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جیسے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کو سچا مانا، اور آپ کی تصدیق کی، ایسے میں آپ کے انتقال کے بعد ان کی تصدیق کروں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں ایک دم بے اختیار آنسو آ جاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا:

"میں ہر رات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں۔"

یہ فرما کر آپ رونے لگے۔

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

حضرت غرفہ بن حارث کندی نے ایک دن سنا کہ ایک نصرانی حضور ﷺ کو برا بھلا کہہ رہا ہے، یہ آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے والے تھے، غصے میں آگئے۔ انھوں نے اسے اتنا مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی۔

نصرانی اسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے لے گئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم ان سے امن کا معاہدہ کر چکے ہیں۔''

یعنی امن کا معاہدہ کرنے کے بعد ہم انھیں کس طرح مار پیٹ سکتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی پناہ! یہ لوگ حضور ﷺ کو برا بھلا کہیں اور ہم ان سے کیے گئے معاہدے کا پاس کریں، ہم نے تو ان سے ان شرائط پر معاہدہ کیا ہے کہ ہم ان کے عبادت خانوں کو کچھ نہیں کہیں گے، یہ اپنے عبادت خانوں میں جو چاہیں، کریں، کہیں اور ہم ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا، تو ہم ان کی طرف سے لڑیں گے اور ان کے کاموں میں ہم کوئی دخل نہیں دیں گے۔ ہاں اگر یہ ہم سے کسی بات کا فیصلہ کروانا چاہیں تو ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر یہ اپنے معاملات کے بارے میں ہم سے الگ تھلگ رہیں گے تو ہم انھیں کچھ نہیں کہیں گے۔''

ان کی بات سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

یعنی تم نے جو کیا ٹھیک کیا، اسے سزا ہی دینی چاہیے تھی۔

O

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو نخلہ کے مقام پر بھیجا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''تم وہاں جاؤ اور قریش کے بارے میں کچھ خبر لے کر آؤ۔''

آپ نے انھیں صرف خبر لانے کا حکم دیا تھا... لڑنے کا نہیں... یہ واقعہ ان مہینوں کا ہے، جن میں کافر لڑتے نہیں تھے... یعنی کچھ مہینے انھوں نے حرام قرار دیے ہوئے تھے... انھیں روانہ کرتے وقت آپ نے انھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ انھیں کہاں جانا ہے، البتہ انھیں ایک خط دیا تھا اور سفر کی سمت بتائی تھی... ساتھ میں یہ فرمایا تھا:

''تم اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ... جب چلتے چلتے دو دن ہو جائیں تو یہ خط کھول کر دیکھ لینا اور اس میں جو ہدایت دی گئی ہے، اس پر عمل کرنا... خط پڑھنے کے بعد اپنے کسی ساتھی کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔''

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو دن تک چلتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے آپ ﷺ کے خط کو کھولا اور اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

''یہاں سے چل کر مقام نخلہ تک پہنچو... اور قریش کے بارے میں جو خبریں مل سکیں، وہ لے کر ہمارے پاس آؤ۔''

خط پڑھ کر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''میں تو اللہ کے رسول کی بات سنوں گا بھی اور مانوں گا بھی، تم میں سے جسے شہادت کا شوق ہو، وہ میرے ساتھ چلے، میں تو وہاں جا رہا ہوں۔ حضور کے حکم کو پورا کروں گا اور جسے شوق نہ ہو، وہ واپس چلا جائے، کیونکہ حضور ﷺ نے مجبور کر کے ساتھ لے جانے سے منع فرمایا ہے۔''

یہ سن کر کسی ایک صحابی نے بھی واپس لوٹ جانے کی بات نہیں کی، سب کے سب ان کے ساتھ نخلہ کی طرف روانہ ہوئے جب یہ لوگ نجران پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ گم ہو گیا۔ اس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ یہ حضرات اونٹ تلاش کرنے کے لیے پیچھے رہ گئے۔ باقی لوگ چلتے ہوئے نخلہ پہنچ گئے۔

ایسے میں چار کافر عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور مغیرہ بن عبداللہ، ان کے پاس سے گزرے۔ ان کے ساتھ ان کا تجارتی سامان تھا۔ یہ تجارت کا سامان طائف سے لائے تھے۔ کفار نے جب انھیں دیکھا تو ان میں حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سر منڈا ہوا تھا۔ اس سے انھوں نے خیال کیا کہ یہ لوگ عمرہ کر کے آ رہے ہیں، اس لیے ان سے انھیں کوئی خطرہ نہیں، یعنی یہ لڑنے کے ارادے سے

نہیں آئے۔

اور وہ رجب کے مہینے کا آخری دن تھا... اور رجب حرمت کے چار مہینوں میں شامل ہے... یعنی ان مہینوں میں عرب کے کفار آپس میں لڑتے نہیں تھے... ان مہینوں کا احترام کرتے تھے... اس لیے حضور ﷺ کے صحابہ نے ان کفار کے بارے میں آپس میں مشورہ کیا، اگر ہم ان کافروں کو قتل کریں گے تو حرمت کے مہینے میں قتل کریں گے اور ایسا کرنا تمام عرب کے دستور کے خلاف ہوگا اور اگر انھیں آج چھوڑ دیا گیا تو یہ آج حرم میں داخل ہو کر محفوظ ہو جائیں گے... کیونکہ حرم کی حدود میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں...

اس مشورے کے بعد صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کر لیا کہ انھیں آج ہی قتل کر دیا جائے... چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا... عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا... مغیرہ بھاگ نکلا... ان لوگوں کے تجارتی سامان پر بھی قبضہ کر لیا گیا... اب ان دو قیدیوں اور تجارتی سامان کو لے کر یہ حضرات حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنا دیا... آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نے تمہیں حرمت کے مہینے میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں قیدیوں اور اس تجارتی سامان کو روک دیا... اس میں سے کوئی چیز نہ لی... حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر ان حضرات کو بہت شرمندگی ہوئی... وہ خیال کرنے لگے کہ ہم تو ہلاک ہو گئے... مسلمان بھائیوں نے بھی انھیں سخت سست کہا:

اور جب قریش کو اس واقعے کی خبر ملی تو انھوں نے کہا:

''محمد (ﷺ) نے حرمت کے مہینے میں خون بہایا، ہمارے مال پر قبضہ کیا اور ہمارے آدمیوں کو قید کیا، حرمت کے مہینے کی بے حرمتی کی ہے، حرمت کے مہینوں کو عام مہینے کی طرح بنا دیا ہے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اس میں خاص طور پر (یعنی ارادۃً) قتال کرنا جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے، ان کو اس سے خارج کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم عظیم ہے اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل خاص سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔'' (سورہ بقرہ: 217)

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ ماننا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے تجارتی سامان تو رکھ لیا، لیکن قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

اب نخلہ جانے والے صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو امید ہے کہ ہمیں اس غزوہ پر ثواب ملے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: حقیقت میں جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے ترکِ وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو، ایسے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس غلطی کو معاف کر دیں گے اور تم پر رحمت کریں گے۔''

اس غزوہ میں جانے والے آٹھ صحابہ تھے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔

غزوہ خندق کے موقعے پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''کوئی بھی راستے میں عصر کی نماز نہ پڑھے، بلکہ سب بنو قریظہ میں پہنچ کر نماز پڑھیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ابھی بنو قریظہ نہیں پہنچے تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ اب بعض صحابہ نے کہا:

''ہم تو عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچ کر ہی پڑھیں گے۔''

کچھ صحابہ نے کہا: ''ہم تو یہاں راستے میں ہی نماز پڑھیں گے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ہم تیز چلیں، یہ مقصد نہیں تھا کہ چاہے راستے میں نماز کا وقت ہوجائے، تو بھی نماز نہ پڑھیں۔''

اب کچھ صحابہ نے عصر کی نماز راستے میں پڑھی اور کچھ نے بنو قریظہ پہنچ کر قضا پڑھی۔ سفر سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی۔

آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے کچھ بھی نہ کہا، یعنی دونوں جماعتوں میں سے کسی سے بھی کوئی ناراضی ظاہر نہیں فرمائی۔

O

جنگ حنین کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

''اے عباس! زور سے یہ آواز لگاؤ، اے انصار کی جماعت! اے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کرنے والو!''

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زور سے یہ آواز لگائی تو مسلمانوں نے جواب میں کہا:

''ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔''

پھر واپس پلٹ پڑے۔ بعض نے اپنی سواریوں کو موڑنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ نہ مڑیں تو سواریوں پر سے چھلانگیں لگا دیں۔ زرہیں بھی اتار کر پھینک دیں اور صرف تلوار اور ڈھال لے کر آواز کی طرف دوڑ پڑے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد سو کے قریب صحابہ جمع ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کا جائزہ لیے بغیر ہی جنگ شروع کردی۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی آواز تو انصار کے لیے لگوائی تھی اور دوسری آواز قبیلہ خزرج کے لوگوں کے لیے لگوائی تھی، کیونکہ یہ لوگ جم کر لڑنے والے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواریوں کی طرف جھانکا تو ان کی نظریں اس جگہ پر پڑیں، جہاں خوب زور شور سے تلواریں چل رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب تنور گرم ہوا ہے۔''

یعنی خوب گھمسان کا رن پڑا ہے۔ اس طرح ان سو صحابہ نے اس قدر زبردست جنگ کی کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً فتح عطا فرما دی اور بھاگ کر جانے والے ابھی پوری طرح پلٹ بھی نہیں پائے تھے کہ کافر قیدی گرفتار ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ان قیدیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف رسیوں سے بندھے ہوئے تھے، کافروں میں سے بہت سے قتل ہوگئے تھے اور کچھ باقی شکست کھا کر بھاگ نکلے تھے، کافروں کا سارا سامان اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور مال غنیمت کے عطا کردیا۔

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ راستے میں آپ نے ایک اونچا قبہ دیکھا (یعنی ایک اونچی عمارت دیکھی) آپ نے پوچھا: ''یہ کس کا ہے؟''

آپ کو بتایا گیا: ''یہ فلاں انصاری کا ہے۔''

یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے۔ دل میں یہ بات رکھی۔ پھر کسی وقت وہ انصاری خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہاں اور صحابہ بھی موجود تھے۔ ان انصاری صحابی نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

پھر چند بار ایسا ہی ہوا، وہ سلام کرتے، آپ جواب نہ دیتے۔ آخر سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے ان سے ناراض ہیں۔ انھوں نے صحابہ کرام سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول کی نظروں کو پھرا ہوا پا رہا ہوں۔ خیر تو ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی ہے کیا۔''

ایک صحابی نے انھیں بتایا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے، ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، راستے میں آپ نے تمہارا اونچا قبہ دیکھا، آپ نے ہم سے پوچھا:

''یہ قبہ کس کا ہے؟''

''ہم نے آپ کو بتا دیا کہ تمہارا ہے... بس اتنی بات ہوئی ہے۔''

ساری بات سن کر وہ صحابی گئے اور اس قبے کو گرا دیا، زمین کے برابر کر دیا اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا بھی نہیں کہ کیا کر آئے ہیں۔

پھر کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس طرف سے ہوا تو آپ کو وہ قبہ وہاں نظر نہ آیا۔ آپ نے پوچھا:

''وہ قبہ کا کیا ہوا؟''

صحابہ کرام نے آپ کو بتایا:

''قبے والے انصاری نے آپ کی ناراضی محسوس کر کے ہم سے پوچھا تھا۔ ہم نے انھیں بتایا تھا کہ آپ کا گزر ان کے قبے کے پاس سے ہوا تھا تو آپ نے ہم سے پوچھا تھا کہ یہ کس کا ہے۔ بس اتنی بات ہوئی تھی۔ انصاری سمجھ گئے اور انھوں نے قبے کو بالکل گرا دیا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے مگر صرف وہ تعمیر جو سخت ضروری ہو اور مجبوری ہو۔'' یعنی جس کے بغیر کام نہ چل سکے، آپ نے ان انصاری صحابی کے لیے یہ بھی فرمایا۔

''اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔''

O

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر سرخ رنگ کی چادر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو دیکھ کر فرمایا:

''یہ کیا کپڑا ہے۔''

حضرت عبداللہ سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چادر پسند نہیں آئی۔ سفر سے واپسی پر یہ اپنے گھر گئے۔ گھر والے اس وقت تنور میں آگ جلا رہے تھے۔ انھوں نے وہ چادر اس تنور میں ڈال دی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بدن پر وہ چادر نظر نہ آئی تو آپ نے پوچھا:

''وہ چادر کہاں گئی۔''

حضرت عبداللہ نے بتایا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے اسے آگ میں ڈال دیا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اپنے گھر والوں میں سے کسی کو کیوں نہ دے دی۔''

عورتوں کے لیے سرخ کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے آپ نے فرمایا، کسی عورت کو دے دیتے۔ (جاری ہے)

584 A

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"خریم اسدی بہت اچھا آدمی ہے... اگر اس میں دو باتیں نہ ہوں، ایک تو اس کے سر کے بال بہت بڑے ہیں، دوسرے وہ لنگی ٹخنوں سے نیچے باندھتا ہے۔"

جب حضرت خریم اسدی رضی اللہ عنہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا تو انھوں نے اسی وقت اپنے بال کانوں کی لو سے نیچے سے کاٹ دیے (یعنی کانوں کی لو تک رہنے دیے اور جتنے بڑھے ہوئے تھے، وہ کاٹ دیے) اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنے لگے۔

(یہ ہے عمل)

○

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی سے منگنی کی اور اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"کیا تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے۔"

انھوں نے کہا:

"جی نہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"تم اسے دیکھ لو، اس سے تم دونوں میں محبت بڑھے گی۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس لڑکی کے گھر گئے۔ اس کے والدین سے اس بات کا ذکر کیا۔ ماں اور باپ دونوں حیران ہوئے، ان کی طرف دیکھنے لگے۔ لڑکی کو دکھانے میں شرم محسوس کرنے لگے۔ اس پر حضرت

قدم بہ قدم

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر جانے لگے، تب اس لڑکی نے اپنے ماں باپ سے کہا:

"ان صاحب کو میرے پاس لائیں۔"

لڑکی خود پردے میں ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ حضرت مغیرہ قریب گئے تو لڑکی نے ان سے کہا:

"اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ آپ مجھے دیکھ لیں تو ضرور دیکھ لیں، ورنہ میری طرف سے بالکل اجازت نہیں۔"

اس پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا، پھر اس سے شادی کی۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جتنی عورتوں سے میں نے شادی کی، ان سب میں مجھے اسی سے زیادہ محبت تھی، اس کی قدر میری نگاہ میں سب سے زیادہ تھی۔"

○

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد نبوی کے پاس سے گزرے۔ آپ نے مسجد میں ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس کے جسم پر سبز رنگ کی ایک چادر تھی۔ اس میں ریشم کی گھنڈیاں تھیں۔ آپ اس کے پہلو میں جا کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی آپ نے اس سے فرمایا:

"ارے میاں! جتنی چاہو، لمبی نماز پڑھ لو، جب تک تمہاری نماز ختم نہیں ہو جائے گی، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

جب اس شخص نے یہ دیکھا تو نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مڑا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

"ذرا اپنا یہ کپڑا تو مجھے دکھاؤ۔"

پھر آپ نے اس کا کپڑا پکڑ کر اس کی ریشم والی تمام گھنڈیاں کاٹ دیں۔ پھر اس سے فرمایا:

"لو اپنا کپڑا اب لے لو۔"

○

جنگ یمامہ میں نبوت کا جھوٹا دعوے دار مسیلمہ کذاب مارا گیا تھا، لیکن اس جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے تھے۔ خاص طور پر قرآن کریم کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی تھی۔ اس جنگ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ اس وقت وہاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"اے زید! یہ میرے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں... یہ میرے پاس

آئے اور انھوں نے یوں کہا، اس جنگ یمامہ میں قرآن کے حافظ بہت شہید ہو گئے ہیں۔۔۔(اس جنگ میں تقریباً چودہ سو صحابہ شہید ہوئے تھے اور ان میں سے سات سو صحابہ حافظِ قرآن تھے) مجھے یہ ڈر محسوس ہو رہا ہے کہ اگر آیندہ لڑائیوں میں یوں ہی قرآن کریم کے حافظ بڑی تعداد میں شہید ہوتے رہے۔۔۔ تو پھر قرآن مجید کا اکثر حصہ جاتا رہے گا، اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ سارا قرآن ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیں (اس سے پہلے سارا قرآن ایک جگہ لکھا ہوا نہیں تھا، بلکہ کئی صحابہ کرام کے پاس تھوڑا تھوڑا لکھا ہوا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر میں نے ان سے کہا۔۔۔ اے عمر! ہم اس کام کی جرأت کیسے کریں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔۔۔ میری بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ کام سراسر خیر ہی خیر ہے۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے یہ بات بار بار آ کر کہتے رہے اور میں انھیں یہی جواب دیتا رہا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، ہم اس کے کرنے کی جرأت کس طرح کریں۔۔۔ لیکن یہ بھی بار بار یہی کہتے رہے کہ یہ کام سراسر خیر ہی خیر ہے۔۔۔(یعنی یہ کام تو ہمیں کرنا ہی ہوگا) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے جان لیا کہ جو عمر کہہ رہے ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ اب میری رائے اور عمر کی رائے ایک ہو گئی ہے، اس لیے میں نے آپ کو بلوایا ہے۔۔۔ آپ یہ کام شروع کر دیں۔۔۔ کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی لکھا کرتے تھے، اس لیے آپ ہی سارے قرآن کو جمع کریں۔"

یہ سن کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کے پتھر اِدھر اُدھر جمع کرنے کا حکم دیتے تو میرے لیے یہ کام قرآن کریم جمع کرنے سے زیادہ آسان ہوتا۔ اب انھوں نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول! آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔"

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ کام سراسر خیر ہی خیر ہے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انکار کرتے رہے۔۔۔ اور یہ کہتے رہے کہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ کام میں کیسے کر سکتا ہوں۔۔۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بار بار یہی کہتے رہے کہ یہ کام کرنا ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سینہ بھی کھول دیا اور ان کی رائے بھی ان دونوں حضرات کے مطابق ہو گئی۔۔۔

اب حضرت زید نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا۔ قرآن اس وقت تک کاغذوں پر، سفید پتھروں پر، چوڑی ہڈیوں پر، کھجور کی ٹہنیوں پر (یعنی مختلف جگہوں پر) لکھا ہوا تھا، جو قرآن صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا، انھوں نے وہ بھی جمع کر لیا۔ یہاں تک کہ حضرت خذیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بہت قرآن لکھا ہوا ملا۔ اس طرح یہ تمام صحیفے جمع کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیے گئے۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں یہ ان سے عاریتاً (واپس کرنے کی شرط پر) لے لیا اور حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن عاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیا اور ان حضرات کو حکم دیا کہ یہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے کو بنیاد بنا کر قرآن مجید کا ایک نہایت مستند ایڈیشن تیار کریں۔

اس طرح جب قرآن کریم کا ایڈیشن مکمل ہو گیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسخہ انھیں واپس دے دیا گیا۔ اب جو نسخہ تیار ہوا تھا، اسے مصحفِ عثمانی کہا گیا۔ اس کی بہت سی نقلیں تیار کرا کر مختلف شہروں میں بھیج دی گئیں کہ بس اس نسخے کو مستند مانا جائے اور اسی کے مطابق قرأت کی جائے۔۔۔ اسی کے مطابق کتابت کی جائے۔۔۔ مصحفِ عثمانی کے علاوہ جتنے مصاحف تھے، ان سب کو جلا دینے کا حکم دیا گیا۔۔۔(جاری ہے)

دوسروں سے آگے نکلنے کا ہنر

کلاس روم میں سناٹا طاری تھا۔ طلبہ کی نظریں کبھی استاد کی طرف اٹھتیں اور کبھی بورڈ کی طرف۔ استاد کے سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ سوال تھا ہی ایسا۔ استاد نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بغیر ایک لفظ کہے، بلیک بورڈ پر ایک لمبی لکیر کھینچ دی۔ پھر اپنا رخ طلبہ کی طرف کرتے ہوئے پوچھا: "تم میں سے کون ہے جو اس لکیر کو چھوئے بغیر چھوٹا کر دے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" کلاس کے سب سے ذہین طالب علم نے آخر اس خاموشی کو توڑتے ہوئے جواب دیا: "لکیر کو چھوٹا کرنے کے لیے اسے مٹانا پڑے گا اور آپ چھونے سے بھی منع کر رہے ہیں۔"

استاد نے گہری نظروں سے طلبہ کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر بورڈ پر پہلی لکیر کے متوازی مگر اس سے بڑی ایک اور لکیر کھینچ دی۔ جس کے بعد سب نے دیکھ لیا کہ استاد نے پچھلی لکیر کو چھوئے بغیر اسے چھوٹا کر دیا تھا۔ طلبہ نے آج اپنی زندگی کا سب سے بڑا سبق سیکھ لیا تھا۔ دوسروں کو بدنام کیے بغیر، انہیں نقصان پہنچائے بغیر، ان سے حسد کیے بغیر، ان سے الجھے بغیر ان سے آگے نکلنے کا ہنر چند منٹ میں سیکھ لیا تھا۔

ہانیہ محبوب۔ اسلام آباد

75

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے امیر المومنین! کیا ہی اچھا ہوتا، اگر آپ اپنے ان کھردرے کپڑوں کی بجائے نرم کپڑے پہنتے اور اپنے اس کھانے کے بجائے عمدہ کھانا کھاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بڑی وسعت فرما دی ہے اور مال بھی پہلے سے زیادہ عطا فرمایا ہے۔"

ان کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تمہاری بات کے خلاف بات تم سے ہی ثابت کرتا ہوں، کیا تمہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت والی زندگی یاد نہیں۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی کے واقعات یاد دلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"میرا فیصلہ یہ ہے کہ جہاں تک میرا بس چلے گا، میں مشقت اور تنگی والی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی زندگی گزاروں گا، تا کہ مجھے آخرت میں نعمتوں اور راحتوں والی، ان دونوں جیسی زندگی مل سکے۔"

O

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنا، اس کی آستین لمبی نظر آئی تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! میرے کرتے کی زائد آستین کو چھری سے کاٹ دو۔"

انھوں نے چھری سے دونوں آستینوں کا کپڑا کاٹ دیا۔ وہ چھری سے سیدھا نہ کٹ سکا، کیونکہ ایسا کام قینچی سے درست ہوتا ہے۔ درست نہ کٹنے کی وجہ سے آستین کا کنارہ ناہموار ہو گیا۔ حضرت عبداللہ نے یہ دیکھ کر عرض کیا:

قدم بہ قدم

"اے ابا جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں قینچی سے برابر کر دوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! ایسے ہی رہنے دو، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔"

چنانچہ وہ کرتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایسے ہی رہا، یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا، انھوں نے اس کے دھاگے کئی مرتبہ پیروں پر گرتے دیکھے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کی قسم اے حجر اسود! سن لے، مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔

O

ایک دیہاتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"یہ کیا بات ہے، آل معاویہ لوگوں کو پانی میں شہد ملا کر پلاتے ہیں اور فلاں قبیلے والے لوگوں کو دودھ پلاتے ہیں جب کہ آپ لوگوں کو نبیذ پلاتے ہیں (پانی میں کھجور یا کشمش کچھ دیر پڑی رہے تو اسے نبیذ کہتے ہیں) تو کیا آپ لوگ کنجوس ہیں (اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے، لیکن کنجوسی کی وجہ سے نبیذ پلاتے ہیں جو کہ ایک سستی چیز ہے) یا پھر آپ لوگ غریب ہیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"ہم لوگ نہ تو کنجوس ہیں، نہ غریب، بلکہ نبیذ پلانے کی ایک وجہ ہے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تھے۔ آپ کے پیچھے آپ کی سواری پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا تو ہم نے اس سبیل کی نبیذ آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس نبیذ کو پی لیا اور فرمایا تم نے بہت اچھا انتظام کیا، ایسا ہی کرتے رہنا۔"

مطلب یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے نے نبیذ کی ایک سبیل لگائی ہوئی تھی۔ لوگ اس سے نبیذ پیتے تھے۔ اس دیہاتی نے دوسرے خاندانوں کی مثالیں بتائیں، فلاں قبیلے والے یہ پلاتے ہیں، فلاں والے یہ پلاتے ہیں اور آپ ہیں کہ سستی سی چیز نبیذ پلاتے ہیں۔ اس کی بات کا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا۔

O

حضرت مجاہد رحمہ اللہ ایک سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

585B

چلتے چلتے جب وہ ایک جگہ کے پاس سے گزرے تو راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہولیے، ساتھیوں نے ان سے پوچھا:

''آپ نے ایسا کیوں کیا۔ راستہ کیوں چھوڑ دیا۔''

انھوں نے فرمایا:

''میں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہاں ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، اس لیے میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔''

○

حضرت عبدالرحمٰن بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''قرآنِ کریم میں خوف کی نماز کا اور مقیم کی نماز کا ذکر تو ملتا ہے، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں ملتا۔'' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم عرب کے لوگ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجڈ اور کم علم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا۔ ہم نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جیسے کرتے دیکھا، ہم بھی ویسے ہی کرتے ہیں، چنانچہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسافر والی نماز پڑھی ہے، ہم بھی پڑھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کا قرآن میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ بہت سے احکامات حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث سے ثابت بھی تو ہیں۔''

○

ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

''آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔''

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کا برائی سے تذکرہ کرنے سے ہمیشہ بچتے رہنا، کیونکہ تمھیں معلوم نہیں کہ وہ کیا کارنامے انجام دے گئے ہیں۔''

○

لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ لوگوں کے امرِ خلافت کو سنبھال لیں۔ یعنی آپ خلیفہ بن جائیں، کیونکہ تمام لوگ آپ کے خلیفہ بننے پر راضی ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''آپ ذرا یہ بتائیں! اگر مشرق میں کسی ایک آدمی نے میرے خلیفہ بننے کی مخالفت کی تو آپ کیا کریں گے۔''

انھوں نے کہا: ''اگر ایک آدمی نے مخالفت کی تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور امت کے معاملے میں کسی ایک آدمی کو قتل کرنا پڑے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔'' انھوں نے فرمایا:

''میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد ﷺ کی امت نیزے کا دستہ پکڑے اور میں اس نیزے کا بھالا پکڑوں اور پھر ایک مسلمان کو قتل کیا جائے اور اس کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، وہ سب مل جائے۔'' (جاری ہے)

حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ خلیفہ بننا چاہتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے۔''

جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عرب کے بڑے سردار میرے ہاتھ میں تھے۔ جس سے میں جنگ کرتا تھا، وہ اس سے جنگ کرتے تھے اور جس سے میں صلح کرتا تھا، وہ اس سے صلح کرتے تھے، لیکن میں نے خلافت کو چھوڑ دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا خون نہ بہے۔ تو کیا اب میں حجاز کے کمزور لوگوں کے ذریعے خلافت چھیننے کا ارادہ کرسکتا ہوں (یعنی جب میرے ساتھ بڑے اور طاقت ور لوگ تھے، میں نے تو اس وقت خلافت چھوڑ دی تھی، اب تو میرے ساتھ کمزور لوگ ہیں، اب میں خلیفہ بننے کا ارادہ کس طرح کرسکتا ہوں)

O

یزید بن معاویہ نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت اشعث صنعانی رحمہ اللہ کو بھیجا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کے پاس بہت سے صحابی بیٹھے تھے، حضرت ابو اشعث نے ان سے پوچھا:

''آپ اس وقت لوگوں کو کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔'' (یعنی اس وقت مسلمانوں میں آپس میں جنگیں ہو رہی تھیں)

انھوں نے فرمایا:

''مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اگر میں (مسلمانوں میں آپس میں لڑنے کے) ایسے حالات دیکھوں تو اپنے گھر میں بیٹھ جاؤں۔''

حضرت اشعث نے پوچھا:

قدم بہ قدم

''اگر کوئی میرے گھر میں گھس آئے (تو کہاں جاؤں)؟''

''اندر والی کوٹھری میں بیٹھ جانا، اگر کوئی وہاں بھی تمھیں قتل کرنے کے لیے آجائے تو پھر اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا (یعنی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جانا اور اس سے کہنا، مجھے قتل کر کے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جا اور ظالموں کی یہی سزا ہے، لہٰذا میں اپنی تلوار توڑ چکا ہوں اور گھر میں بیٹھ چکا ہوں۔ جب کوئی میرے گھر میں گھس آئے، تو میں اپنی اندر والی کوٹھری میں گھس جاؤں گا اور جب کوئی وہاں بھی آجائے گا تو میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یہی کہوں گا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا ہے۔''

O

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار عنایت فرمائی اور فرمایا:

''اے محمد بن مسلمہ! اس تلوار کو لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہو اور جب تم دیکھو کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگی ہیں تو یہ تلوار پتھر پر مار کر توڑ دینا اور پھر اپنی زبان اور ہاتھ کو روکے رکھنا، یہاں تک کہ یا تو موت آکر فیصلہ کر دے یا پھر لوگ تمھیں قتل کر دیں۔''

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور ان لوگوں میں آپس میں لڑائی شروع ہو گئی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں رکھی ہوئی چٹان کے پاس گئے اور اس تلوار کو اس پہ مار کر توڑ دیا۔

O

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ایک شہزادے تھے۔ جب انھیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کی خبر پہنچی تو یہ اپنی قوم کے نمائندے بن کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے پہلے ان کی ملاقات آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم سے ہوئی۔ صحابہ کرام نے انھیں بتایا:

''آپ کے آنے سے تین دن پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے آنے کی خوش خبری سنا دی تھی اور آپ نے فرمایا تھا:

'تمہارے پاس وائل بن حجر آرہے ہیں۔'

پھر حضرت وائل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انھیں خوش آمدید کہا، ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور انھیں اپنے قریب بٹھایا۔ پھر لوگوں کو بلایا۔ جب سب لوگ آپ کے پاس آگئے تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ انھیں اپنے ساتھ منبر پر لے گئے۔ حضرت وائل منبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیچے بیٹھے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اپنی خوشی سے آئے ہیں۔ کسی نے انھیں آنے پر مجبور نہیں کیا اور وہاں شہزادوں میں سے بس یہی باقی رہ گئے ہیں اور اے وائل بن حجر! اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہاری اولاد میں برکت عطا فرمائے۔''

یہ فرمانے کے بعد حضور ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ پھر آپ نے مدینہ منورہ سے دور ایک مقام پر انھیں ٹھہرانے کا حکم فرمایا اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم انھیں اپنے ساتھ اس جگہ تک لے جاؤ، جہاں انھیں ٹھہرانا ہے۔''

آپ کے حکم کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے۔ حضرت وائل مسجد سے نکلے اور اپنی سواری پر بیٹھ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''آپ مجھے بھی اپنی سواری پر بٹھالیں۔ زمین بہت گرم ہے اور یہ میرے تلوے جلا رہی ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت وائل بن حجر نے کہا:

''میں تمھیں اپنی اونٹنی پر بٹھا تو لیتا، لیکن تم شہزادے نہیں ہو (یعنی میری حیثیت کے آدمی نہیں ہو) اس لیے تمھیں ساتھ بٹھانے سے لوگ طعنہ دیں گے کہ کیسے معمولی آدمی کو ساتھ بٹھا رکھا ہے اور یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔''

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں ننگے پاؤں ہوں، آپ اپنے جوتے اتار کر دے دیں، تا کہ میں گرم زمین سے بچا رہوں۔''

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں تمھیں چمڑے کے یہ دو جوتے دینے میں کنجوسی نہ کرتا، لیکن تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کا لباس پہنتے ہیں۔ اس لیے جوتی دینے پر لوگ مجھے طعنہ دیں گے اور یہ بات مجھے پسند نہیں۔''

اس طرح شدید گرم زمین پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ننگے پاؤں حضرت وائل کو اس مقام تک لے چلے جہاں پہنچنے کا حکم ملا تھا۔

پھر ایک وقت آیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے تو انھوں نے حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

''اس پورے علاقے کے لوگوں نے تو میری بیعت کر لی ہے، اب تم اپنا لشکر لے کر روانہ ہو جاؤ اور لوگوں سے میری بیعت لو اور مدینہ تک جاؤ۔ مدینہ والوں سے بھی میری بیعت لو اور اگر تمھیں وائل بن حجر زندہ مل جائیں تو انھیں میرے پاس لے آنا۔''

چنانچہ حضرت بسر بن ارطاۃ نے حکم کی تعمیل کی اور حضرت وائل بن حجر تک بھی پہنچے۔ آپ نے انھیں ساتھ لیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ان کی شان کے مطابق استقبال کیا۔ اپنے دربار میں انھیں لے آئے، اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرا یہ تخت بہتر ہے یا آپ کی اونٹنی کی پشت؟''

اس پر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے امیر المومنین! میں کفر اور جاہلیت چھوڑ کر نیا نیا اسلام میں داخل ہوا تھا اور جاہلیت والے طور طریقے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے اور میں نے آپ کو سواری پر بٹھانے اور جوتی دینے سے جو انکار کیا تھا تو یہ سب جاہلیت کا اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کامل ایمان بھیجا ہے۔ اس اسلام نے ان تمام کاموں پر پردہ ڈال دیا جو میں نے کیے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''آپ ہمارے ساتھ شامل ہو کے ہمارے مخالفین سے جنگ کیوں نہیں کرتے۔''

اس کے جواب میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کیا کیا تھا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''انھوں نے کیا کیا تھا۔''

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انھوں نے اپنی تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دیا تھا۔''

یعنی مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ ہونے کی صورت میں کسی کی طرف سے بھی نہ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضور ﷺ کی یہی ہدایت تھی۔ (جاری ہے)

طویل سمندری پل

آپ سے ایک سوال ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا طویل ترین سمندری پل کہاں ہے؟ اگر نہیں تو ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ چین میں۔ جی ہاں! چین کے پاس دنیا کی سب سے طویل ترین دیوار ''دیوار چین'' تو تھی ہی مگر اس نے اب دنیا کا طویل ترین سمندری پل بھی بنا لیا ہے۔ اس پل کا نام جائیوزو بے پل ہے اور یہ بیالیس کلو میٹر طویل ہے۔ اس پل کے ذریعے سے چین کے ساحلی شہر چنگ ڈاؤ کو جزیرہ ہوانگ سے ملایا گیا ہے۔ اس کی چوڑائی ایک سو میٹر ہے۔ اپنی نوعیت کے اس منفرد پل کی تعمیر پر ایک اعشاریہ پانچ ارب امریکی ڈالر لاگت آئی ہے۔ اس پل کو پانچ ہزار ستون سمندر میں سہارا دیے ہوئے ہیں۔ یہ پل صرف چار سال کے مختصر عرصے میں مکمل ہوا۔ اس پر تین راستے بنائے گئے ہیں۔ کہیں سیدھا، کہیں بل کھاتا یہ پل چین کی زینت قرار دیا جا رہا ہے۔

فہیم احمد

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

کے ہاتھوں سے چھڑاؤں، یہ مجھے سارے جزیرۃ العرب کے مل جانے سے زیادہ پسند ہے۔

O

حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایسے میں ایک صحابی اٹھ کر کہیں چلے گئے اور اپنی جوتیاں وہیں چھوڑ گئے۔ ایک شخص نے وہ جوتیاں اٹھا کر اپنے نیچے رکھ لیں۔

جب وہ صاحب واپس آئے تو لگے اپنی جوتیاں تلاش کرنے اور پوچھنے لگے:

''میری جوتیاں کہاں ہیں؟''

لوگوں نے کہا: ''ہم نے تو نہیں دیکھیں۔''

وہ کچھ دیر تک تلاش کرتا رہا، آخر جس شخص نے جوتیاں اٹھائی تھیں، اس نے کہا:

''یہ رہیں تمہاری جوتیاں۔''

اس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مومن کو پریشان کرنے کا قیامت کے دن کیا جواب دو گے۔''

اس نے جواب میں کہا: ''میں نے تو مذاق میں چھپائی تھیں۔''

آپ نے اس کی بات کے جواب میں پھر یہی فرمایا:

''مومن کو پریشان کرنے کا کیا جواب دو گے۔''

آپ نے دو تین مرتبہ یہ بات فرمائی۔ مطلب یہ تھا کہ ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے، جس سے دوسرے کو پریشانی ہو، نیز آپ نے فرمایا، مسلمان کو پریشان کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

O

حضور ﷺ میدان عرفات میں تھے، آپ کو وہاں سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہونا تھا (حج کے موقعے پر تمام حاجی میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ اس میدان میں جمع ہونے سے سب کا حج ہوتا ہے۔ وہاں سے تمام حاجی مزدلفہ جاتے ہیں، جہاں رات بھر ٹھہرنا ہوتا ہے) آپ کو حضرت اسامہ ؓ کا انتظار کرنا پڑ گیا۔ حضرت اسامہ ؓ کا انتظار کرنے کی وجہ سے روانگی میں دیر ہو گئی۔ آخر حضرت اسامہ بن زید ؓ آ گئے۔ لوگوں نے دیکھا، وہ نو عمر ہیں۔ ان کا ناک بیٹھا ہوا ہے اور رنگ کالا ہے۔ یہ دیکھ کر یمن کے لوگوں نے حقارت آمیز انداز میں کہا:

''اس لڑکے کی وجہ سے ہم سب کو اتنی دیر تک روکا گیا۔''

حضرت عروہ ؓ فرماتے ہیں:

''یمن والے اپنے اسی جملے کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہوئے۔''

اس روایت کے راوی ابن سعد نے حضرت یزید بن ہارون سے پوچھا:

''حضرت عروہ جو یہ فرما رہے ہیں کہ اسی وجہ سے یمن کے لوگ کفر میں مبتلا ہوئے تو اس کا کیا مطلب ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں یمن والے جو مرتد ہوئے تھے، وہ حضور ﷺ کے اس رویے کو حقیر سمجھنے کی سزا میں ہوئے تھے۔''

O

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ ان میں سے جو عرب

حضرت عمر بن خطاب ؓ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''جب تم کسی شہر کا محاصرہ کرتے ہو تو کیا کرتے ہو؟''

حضرت انس بن مالک ؓ نے جواب دیا:

''ہم اپنے کسی ساتھی کو کھال کی مضبوط ڈھال دے کر شہر کی طرف بھیجتے ہیں۔''

حضرت عمر ؓ نے پوچھا:

''ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر شہر والے اسے پتھر ماریں تو اس کا کیا بنے گا۔''

انھوں نے کہا: ''وہ شہید ہو جائے گا۔''

اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''ایسا نہ کیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے اس بات سے بالکل خوشی نہیں ہو گی کہ تم لوگ ایک مسلمان کی جان ضائع کر کے ایسا شہر فتح کرتے ہو جس میں چار ہزار جنگ جو جوان ہوں۔''

یعنی ایک مسلمان مجاہد کی جان اس شہر سے اور شہر میں موجود چار ہزار جنگ جو جوانوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے، ایک بار آپ نے فرمایا، میں ایک مسلمان کو کافروں

587B

تھے، انھیں تو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دیا اور جو عجمی غلام تھے، انھیں نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

"تم نے ان سب کو برابر کیوں نہ دیا۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔"

○

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ حضرت سلمان، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم سے ملنے کے لیے آئے۔ یہ تینوں حضرات صحابہ کی جماعت میں بیٹھے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا:

"اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن میں ابھی اپنی جگہ نہیں بنائی۔"

مطلب یہ تھا کہ آخر ابھی تک حضرت ابوسفیان کو کیوں قتل نہیں کیا گیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے کہا:

"تم لوگ یہ بات قریش کے بزرگ اور ان کے سردار کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تم نے یہ بات کہہ کر انھیں غصہ دلایا ہے۔ اگر تم نے انھیں غصہ دلایا ہے تو پھر تم نے اپنے رب کو غصہ دلایا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس ان حضرات کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"اے بھائیو! کیا میری بات سن کر تم لوگوں کو غصہ آیا تھا۔"

ان حضرات نے کہا: "نہیں! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔"

○

عبداللہ نامی ایک صاحب نے شراب پی لی۔ یہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، یعنی ہنسی مذاق کی باتیں کیا کرتے تھے کہ آپ کو ہنسی آجاتی تھی۔ آپ نے انھیں شراب نوشی کی وجہ سے کوڑے لگوائے۔ انھیں پھر ایک دن لایا گیا، کیونکہ انھوں نے پھر شراب پی لی تھی۔ آپ نے پھر انھیں کوڑے لگوائے۔ ایسے میں ایک شخص نے یہ کہہ دیا:

"اللہ اس پر لعنت بھیج (اسے شراب پینے کے جرم میں) بار بار لایا جاتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"ان پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میں جانتا ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں۔"

○

ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آبیٹھے اور کہنے لگے:

"اے اللہ کے رسول! میرے چند غلام ہیں، وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، اس پر میں انھیں مارتا ہوں، انھیں گالی دیتا ہوں، تو میرا ان کے ساتھ یہ سلوک کیسا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب قیامت کا دن ہوگا تو انھوں نے جو تمہاری خیانت کی ہوگی، جو نافرمانی کی ہوگی اور جو جھوٹ بولا ہوگا، اس کا حساب کیا جائے گا اور تم نے انھیں جو سزا دی ہوگی، اس کا بھی حساب کیا جائے گا، اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے برابر ہوگی تو معاملہ برابر برابر ہو جائے گا، نہ تمہیں انعام ملے گا نہ سزا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تمہیں ان پر فضیلت ہو جائے گی اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو اس زائد کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔"

یہ سن کر وہ صاحب ایک طرف کو ہو کر زور زور سے رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے۔

'اور (وہاں) قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے۔ سو کسی پر اصلاً ظلم نہیں ہوگا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کے عمل کو وہاں ضرور حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔"

یہ سن کر ان صاحب نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے لیے اور ان غلاموں کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ میں ان سے الگ ہو جاؤں، اس لیے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب غلام آزاد ہیں۔" (جاری ہے)

جواہرات سے قیمتی

- ○ اخلاق وہ چیز ہے کہ جس کی قیمت کچھ نہیں دینی پڑتی مگر اس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔
- ○ شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہے۔
- ○ منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔
- ○ نیکی کرنا کمال نہیں، گناہ چھوڑنا کمال ہے۔
- ○ گھڑیوں کی پڑتال وقت کو نہیں روک سکتی۔
- ○ اصل دوست وہ ہوتا ہے جس سے دور رہ کر بھی محبت ہو۔
- ○ چپ رہنا اس سے بہتر ہے کہ دل کی بات کسی سے بیان کریں۔
- ○ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا فانی چیزوں کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔
- ○ خود کو بدلنا مشکل ہے، لیکن دوسروں کو بدلنا مشکل ترین ہے۔
- ○ عقل جس بات کو چھپاتی ہے، نشا اسے ظاہر کرتا ہے۔

ارسال کرنے والے...... رفاقت حیات لدوہ۔ یوسف علی پنڈ سلطانی۔

ایک آدمی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس شخص کو جواب نہیں دے رہے تھے اور آپ ﷺ کو ان کا جواب نہ دینا پسند آرہا تھا اور آپ مسکرا رہے تھے۔ جب وہ شخص بہت زیادہ برا بھلا کہنے لگا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی اس کی کسی بات کا جواب دے دیا۔ اس پر حضور ﷺ ناراض ہوکر وہاں سے چل دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہ دیکھا تو آپ بھی حضور ﷺ کے پیچھے چل دیے۔ پھر جاکر آپ سے عرض کرنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! جب وہ مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا تو آپ بیٹھے رہے، لیکن جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دے دیا تو آپ کو غصہ آگیا اور وہاں سے اٹھ کر چل پڑے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''پہلے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا، وہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے اس کی بات کا جواب دیا تو شیطان درمیان میں آگیا اور فرشتہ چلا گیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا:

''تین باتیں ایسی ہیں جو بالکل حق ہیں۔ جس بندے پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس ظلم کا بدلہ نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی زوردار مدد کریں گے اور جو آدمی تعلق پیدا کرنے کے لیے ہدیہ دینے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو خوب بڑھا دیتے ہیں اور جو مال بڑھانے کی نیت سے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کم کر دیتے ہیں۔''

○

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضرت مقداد ؓ کو برا بھلا کہہ دیا۔ حضرت عمر ؓ کو پتا چلا تو آپ نے فرمایا:

''اگر میں عبداللہ کی زبان نہ کاٹوں تو میرے اوپر نذر واجب ہے۔''

اب لوگوں نے حضرت عمر ؓ سے اس سلسلے میں بات کی اور حضرت عبداللہ کو معاف کرنے کے لیے کہا۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''مجھے اس کی زبان کاٹنے دو، تاکہ آئندہ حضور ﷺ کے کسی صحابی کو برا بھلا نہ کہہ سکے، اور یہ مستقل قانون بن جائے اور جس پر میرے بعد بھی عمل ہوتا رہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے کسی صحابی کو گالی دیتا ہوا پایا گیا، اس کی زبان ضرور کاٹی جائے گی۔''

○

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دوسرے آدمی کی برائی کی۔ آپ نے فرمایا:

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ، تمہارے کلمہ شہادت کا اعتبار نہیں۔''

اس شخص نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

آپ نے فرمایا: ''تم قرآن کا مذاق اڑا رہے ہو۔ جو قرآن کے حرام کردہ کاموں کو حلال سمجھے، وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا۔''

مطلب یہ تھا کہ قرآن میں مسلمان کی غیبت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور تم غیبت کر رہے ہو۔

○

حضرت خالد بن ولید ؓ اور حضرت سعد ؓ کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی۔ پھر حضرت خالد بن ولید ؓ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت سعد ؓ کے پاس بیٹھے ایک شخص نے حضرت خالد بن ولید ؓ کی برائیاں شروع کر دیں۔ اس پر حضرت سعد ؓ نے اسے جھڑک دیا اور فرمایا:

''چپ رہو! ہمارے درمیان جو بات ہوئی تھی، وہ وہیں ختم ہوگئی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر ہمارے دین تک نہیں پہنچ سکتی۔''

یعنی اس جھگڑے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کی برائیاں بیان کرکے اپنے دین کا نقصان نہیں کر سکتے۔

○

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ نے آپ ﷺ سے حضرت صفیہ ؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے غیبت کا پہلو نکلتا تھا۔ (یعنی وہ چھوٹے قد والی ہیں) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو یہ بات اس کے پانی کے مزے کو خراب کر دے۔''

○

ایک مرتبہ حضرت عائشہ ؓ نے کسی آدمی کی نقل اتار دی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"اے عائشہ! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے اتنا، اور اتنا مال مل جائے، تم میرے سامنے کسی کی نقل اتار دو۔"

(یعنی کسی کی نقل اتارنا اتنا برا ہے کہ بدلے میں زیادہ سے زیادہ مال لینا بھی قبول نہ کروں)

○

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زاید اونٹ تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تم صفیہ رضی اللہ عنہا کو ایک اونٹ دے دو۔"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا:

"میں اور اس یہودن کو اونٹ دوں؟"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک یہودی کی بیٹی تھیں۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ بات کہی تو آپ ان سے ناراض ہو گئے۔ آپ نے تقریباً دو ڈھائی ماہ تک ان سے بات نہ کی، نہ ان کے ہاں گئے۔

○

حضور نبی کریم ﷺ کے مرض الوفات میں ازواجِ مطہرات آپ کے پاس جمع ہوئیں ایسے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"اللہ کی قسم! میری دلی تمنا ہے کہ آپ کو جو مرض ہے، وہ مجھے ہوتا۔"

دوسری ازواجِ مطہرات نے ان کی اس بات کو سرسری خیال کیا اور ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اشارہ کرتے دیکھ لیا۔ آپ نے ان سب سے فرمایا:

"تم سب کلّی کرو۔"

انھوں نے حیران ہو کر پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! ہم کس لیے کلّی کریں۔"

آپ نے فرمایا:

"تم نے ابھی صفیہ کے بارے میں جو ایک دوسری کو آنکھ سے اشارہ کیا ہے، اس کی وجہ سے تم نے مردار گوشت کھایا ہے، اس لیے کلّی کرو۔ اللہ کی قسم! یہ اپنی بات میں سچی ہیں۔"

یعنی حضرت صفیہ نے یہ بات دل سے کہی ہے۔

○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی اٹھ کر چلا گیا۔ صحابہ میں سے کسی نے کہہ دیا۔

"یہ آدمی کس قدر کمزور ہے، کس قدر عاجز ہے۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تم نے اپنے ساتھی کی غیبت کی ہے اور اس کا گوشت کھایا ہے۔" (جاری ہے)

حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایسے میں ایک آدمی کے بارے میں کسی نے کہا:

"کوئی دوسرا اس کے کھانے کا بندوبست کردے تو وہ کھا لیتا ہے، کوئی دوسرا آدمی اس کی سواری پر کجاوہ کس دے تو وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔" (مطلب یہ تھا کہ وہ بہت سست ہے، اپنے کام خود نہیں کرتا)

حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"تم اس کی غیبت کر رہے ہو۔"

ان لوگوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہم نے تو وہی بات کہی ہے، جو اس میں ہے۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"غیبت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جو اس میں موجود ہے۔"

یعنی اسی کو تو غیبت کہتے ہیں، اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو پھر تو یہ بہتان ہوگا۔

O

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفروں میں ایک صاحب رہا کرتے تھے۔ وہ آپ دونوں کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن ان کے ذمے کھانا پکانا تھا، لیکن وہ سوتے رہ گئے۔ اس طرح وقت پر کھانا نہ پک سکا۔ ان دونوں حضرات نے ان کے بارے میں یہ کہہ دیا: "یہ تو سوئے ہے۔"

پھر ان حضرات نے انھیں جگا دیا اور ان سے کہا:

"تم حضور ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور آپ سے کہو کہ ہم نے سالن منگوایا ہے۔"

انھوں نے جا کر آپ ﷺ سے یہ عرض کر دیا۔ آپ نے سن کر فرمایا:

"وہ دونوں تو کھانا کھا چکے ہیں۔"

ان صاحب نے جا کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو آپ کا جواب بتا دیا۔ اب یہ دونوں حضرات خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہم نے کون سے سالن سے روٹی کھائی ہے؟"

آپ نے فرمایا: "اپنے بھائی کے گوشت سے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں اس کا گوشت تم دونوں کے سامنے والے دانتوں میں دیکھ رہا ہوں۔"

ان دونوں حضرات نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے استغفار فرما دیجیے۔"

آپ نے فرمایا:

"اس سے کہو! وہ تمھارے لیے استغفار کرے۔" (یعنی جس کی غیبت کی ہے، اس سے معافی مانگو)

O

ایک رات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا پہرہ دیا۔ یہ حضرات چلے جا رہے تھے کہ ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی۔ یہ حضرات اس گھر کی طرف چل پڑے۔ نزدیک پہنچے تو گھر کا دروازہ بند نظر آیا اور اندر کچھ لوگ زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا:

"کیا آپ جانتے ہیں، یہ گھر کس کا ہے۔"

انھوں نے کہا: "جی نہیں! میں نہیں جانتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ ربیعہ بن اُمیہ بن خلف رضی اللہ عنہ کا گھر ہے اور یہ سب اس وقت شراب پیے ہوئے ہیں (یعنی ان کے شور سے یہ بات ثابت ہے) آپ کا کیا خیال ہے (ہمیں کیا کرنا چاہیے)۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہم وہ کام کر بیٹھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور سراغ مت لگاؤ اور ہم اس گھر کے افراد کا سراغ لگانے لگ گئے ہیں۔""

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔

''اور سراغ مت لگاؤ اور ہم اس گھر کے افراد کا سراغ لگانے لگ گئے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک صاحب کئی دن سے نظر نہیں آئے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آئیں! فلاں کے گھر جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ کس کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

چنانچہ یہ حضرات ان کے گھر گئے۔ انھوں نے دیکھا، ان کے گھر کا دروازہ کھلا ہے اور وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور ان کی بیوی پینے کی کوئی چیز برتن میں ڈال ڈال کر انھیں پلا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اس کام میں لگ کر انھوں نے ہمارے پاس آنا چھوڑا ہوا ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن نے عرض کیا:

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ اس برتن میں کیا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کیا آپ کو یہ ڈر ہے کہ ہم جاسوسی کر رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! بلاشبہ یہ جاسوسی ہے۔'' (جس سے اللہ نے روکا ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اب اس گناہ سے توبہ کا کیا طریقہ ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا:

''آپ کو اس کی جو بات معلوم ہوئی ہے، وہ اسے نہ بتائیں اور آپ انھیں دل میں اچھا ہی خیال کریں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹ آئے۔

O

کچھ مسافروں نے مدینہ منورہ کے ایک کونے میں آ کر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک رات ان کا پہرہ دینے کے لیے چلے گئے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو آپ ایک گھر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے دیکھا، اس گھر میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ کچھ پی رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔''

ان میں سے ایک نے کہا:

''جی ہاں! اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روکا ہے۔'' (یعنی لوگوں کے گھروں کے اندرونی حالات معلوم کرنے سے منع فرمایا ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ کر واپس آ گئے۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

80

واقعات صحابہ کے

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے۔ آپ کو ایک جگہ آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ روشنی کی طرف چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک گھر تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا، اندر چراغ جل رہا تھا۔ وہاں ایک بوڑھے شخص موجود تھے۔ ان کے سامنے پینے کی کوئی چیز رکھی تھی اور ایک باندی انھیں گانا سنا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھر میں داخل ہوگئے۔ بوڑھے کو اس وقت پتا چلا جب آپ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ آپ نے ان سے کہا:

''آج جیسا برا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک بوڑھا اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے اور وہ یہ برا کام کر رہا ہے۔''

آپ کی بات سن کر بوڑھے نے کہا:

''آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن اے امیر المومنین، آپ نے جو کیا ہے، وہ اس سے زیادہ برا ہے۔ آپ نے ٹوہ لگائی ہے اور بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

پھر آپ دانت سے کپڑا پکڑ کر روتے ہوئے اس گھر سے باہر نکل آئے اور آپ اس وقت یہ کہہ رہے تھے:

''اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے رب نے معاف نہ فرمایا تو اسے اس کی ماں گم کرے۔''

اس کے بعد وہ بوڑھے شخص کافی عرصہ تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں نہ آئے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ وہ بوڑھے صاحب ذرا چھپتے ہوئے آئے اور لوگوں کے پیچھے جا بیٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا تو فرمایا:

''ان صاحب کو میرے پاس لاؤ۔''

ایک آدمی نے جا کر ان سے کہا:

''امیر المومنین آپ کو بلا رہے ہیں۔''

قدم بہ قدم

وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ اب امیر المومنین اسے سزا دیں گے۔ یہ آپ کے کچھ نزدیک پہنچ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''میرے اور قریب آجائیں۔''

یہ آپ کے اور قریب آگئے۔ آپ نے پھر فرمایا:

''اور قریب آجائیں۔''

یہاں تک کہ وہ آپ سے جا لگے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''ذرا اپنا کان میرے قریب لائیں۔''

وہ کان قریب لے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''غور سے سنو اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر اور اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے اس رات تمھیں جو کرتے دیکھا تھا، وہ میں نے کسی کو نہیں بتایا، حتیٰ کہ اس رات میرے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن میں نے انھیں بھی نہیں بتایا تھا۔''

اب ان صاحب نے آپ سے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! ذرا اپنا کان میرے قریب کریں۔''

پھر ان صاحب نے آپ کے کان سے منہ لگا کر کہا:

''اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی وہ کام پھر دوبارہ نہیں کیا۔'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زور زور سے اللہ اکبر کہنے لگے اور لوگوں کو پتا نہیں تھا کہ آپ کس وجہ سے اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔

O

ایک آدمی نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میری ایک بیٹی ہے۔ جب وہ پیدا ہوئی تو وہ جاہلیت کے دن تھے۔ میں نے اسے زندہ دفن کرنا چاہا، لیکن پھر مرنے سے پہلے اسے

Scanned by CamScanner

گڑھے سے نکال لیا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ اسلام کا زمانہ پایا۔ ہمارے ساتھ وہ بھی مسلمان ہوگئی، لیکن پھر اس سے ایسا گناہ سرزد ہوگیا جس پر شرعی سزا لازم آتی تھی۔ اس نے خود کو اس گناہ کی سزا دینے کی کوشش کی، یعنی ایک چھری سے خود کو ذبح کرنے کی کوشش کی، ہم لوگ موقعے پر پہنچ گئے، اسے بچا تو لیا، لیکن اس کے گلے کی کچھ رگیں کٹ گئیں، پھر ہم نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اس کی دینی حالت اچھی ہوگئی۔ اب ایک قوم کے لوگ اس کی شادی کا پیغام دے رہے ہیں۔ کیا میں ان لوگوں کو ساری بات بتادوں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری بات سن کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تو اس کا عیب چھپایا ہے اور تم اسے ظاہر کرنا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! اگر تم نے کسی کو اس لڑکی کی کوئی بات بتائی تو میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے تمام شہریوں کو عبرت ہوگی۔ تم اس کی شادی اس طرح کرو جس طرح ایک پاک دامن مسلمان عورت کی کی جاتی ہے۔''

○

ایک عورت نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

''اے امیر المومنین! مجھے ایک بچہ ملا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مصری کپڑا بھی ملا تھا۔ اس میں سو دینار تھے۔ میں نے دونوں کو اٹھا لیا اور گھر لے آئی۔ اس بچے کو دودھ پلانے والی عورت کا اجرت پر انتظام کیا۔ اب میرے پاس چار عورتیں آتی ہیں اور وہ چاروں اسے چومتی ہیں، مجھے نہیں معلوم ان چاروں میں سے کون اس بچے کی ماں ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''اب جب وہ عورتیں آئیں تو مجھے خبر کرنا۔''

وہ عورتیں آئیں تو اس نے آپ کو اطلاع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے۔ آپ نے ان میں سے ایک عورت سے کہا:

''تم میں سے کون اس بچے کی ماں ہے۔''

اس عورت نے کہا:

''اللہ کی قسم! آپ نے معلوم کرنے کا اچھا انداز اختیار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کے عیب پر پردہ ڈالا ہے، آپ اس کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے ٹھیک کہا۔''

پھر آپ نے پہلی عورت سے کہا:

''آئندہ یہ عورتیں تمہارے پاس آئیں تو ان سے کچھ نہ پوچھنا۔ اس بچے سے اچھا سلوک کرتی رہنا۔''

یہ فرمایا اور آپ واپس آگئے۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تھے۔ ان کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ایسے میں کسی کی ہوا خارج ہوگئی۔ اس کی بدبو آپ نے محسوس کی تو فرمایا:

''میں تاکید کرتا ہوں، جس آدمی کی ہوا خارج ہوئی ہے، وہ کھڑا ہوجائے اور جاکر وضو کرے۔''

یہ سن کر حضرت جریر بن عبداللہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! ہم تمام لوگ وضو کیوں نہ کریں۔''

یعنی اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور جس کی ہوا خارج ہے، اس کے عیب پر پردہ بھی پڑا رہے گا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) بھی بہت اچھے سردار تھے اور اسلام کے بعد بھی بہت اچھے سردار ہیں۔''

یعنی آپ نے پردہ پوشی کی کیسی اچھی ترکیب بتائی۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا۔ اس کے بارے میں آپ کو بتایا گیا:

''اس نے اونٹ چوری کیا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''میرے خیال میں تو تم نے چوری نہیں کی۔''

اس نے جواب میں کہا:

''جی نہیں! میں نے چوری کی ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''شاید تمہیں شبہ ہو گیا ہو۔'' (کہ تمہارا اونٹ ہے یا کسی اور کا)

اس نے کہا:

''نہیں! میں نے چوری کی ہے۔''

اب آپ نے اپنے خادم سے فرمایا:

''اے قنبر! اسے لے جاؤ۔ اس کی انگلی باندھ دو، آگ جلالو اور جلاد کو ہاتھ کاٹنے کے لیے بلالو اور میرے واپس آنے کا انتظار کرو۔''

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اس سے پوچھا:

''تم نے چوری کی ہے۔''

اس نے کہا:

''نہیں!''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب سن کر اسے چھوڑ دیا۔ اس پر لوگوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! جب وہ ایک دفعہ آپ کے سامنے چوری کا اقرار کر چکا تھا تو پھر آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا۔''

آپ نے فرمایا:

''میں نے اسی کی بات پر اسے پکڑا تھا اور اسی کی بات پر اسے چھوڑ دیا۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے چوری کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس کا ہاتھ کاٹا جانے لگا تو آپ رو پڑے، میں نے آپ سے پوچھا، آپ کیوں رو رہے ہیں۔''

قدم بہ قدم

آپ نے فرمایا:

''میں کیوں نہ روؤں! جب کہ میرے امتی کا ہاتھ میرے سامنے کاٹا جارہا ہے۔''

لوگوں نے کہا:

''تو آپ نے اسے معاف کیوں نہ کر دیا۔''

آپ نے فرمایا:

''وہ بہت بُرا حاکم ہے جو شرعی سزا معاف کر دے۔ ہاں تم لوگ آپس میں یہ جرائم معاف کر دیا کرو۔''

مطلب یہ کہ شرعاً جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم معاف نہیں کر سکتا۔

○

ایک شخص اپنے بھتیجے کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آیا۔ اس کا بھتیجا نشے میں تھا۔ اس آدمی نے بتایا:

''میں نے اسے نشے میں مدہوش پایا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اسے خوب اچھی طرح ہلاؤ اور جھنجھوڑو اور اس کے منہ کو سونگھو۔''

لوگوں نے اسے خوب ہلایا، پھر اس کے منہ کو سونگھا تو اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے جیل میں ڈالنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن اسے جیل سے باہر نکلوایا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''کوڑے کی گانٹھ کو کوٹ دو تا کہ وہ چابک جیسا ہو جائے۔''

چنانچہ کوڑے کو کوٹ دیا گیا۔ پھر جلاد سے فرمایا:

''اسے مارو، لیکن ہاتھ اتنا نہ اٹھاؤ کہ بغل نظر آنے لگے (یعنی زور سے نہ مارو) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس طرح کوڑے لگوائے جو زیادہ سخت نہیں تھے۔ کوڑے

مارتے وقت جلاد کا ہاتھ بھی زیادہ اوپر نہیں اٹھتا تھا۔ کوڑے لگائے جانے کے وقت اس شخص نے جبہ اور شلوار پہنی ہوئی تھی۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ شخص بُرا ہے۔"

پھر اس سے فرمایا جو اسے لے کر آیا تھا۔

"اے شخص! تم نے اسے تمیز نہیں سکھائی۔ اسے اچھا ادب اور سلیقہ نہیں سکھایا۔ اس نے رسوائی والا کام کر لیا تھا تو تم اس کے جرم پر پردہ ڈال دیتے۔"

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں اور جب کسی حاکم کے سامنے کسی کا جرم ثابت ہو جائے تو وہ شرعی سزا دینے کا پابند ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتانے لگے:

"مسلمانوں میں سے جس کا ہاتھ سب سے پہلے کاٹا گیا، وہ ایک انصاری تھا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو غم کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برا حال ہو گیا۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کو اس شخص کے لائے جانے پر گرانی محسوس ہو رہی ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"مجھے گرانی کیوں نہ ہو جب کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بنے ہوئے ہو، یعنی تمہیں اسے وہیں معاف کر دینا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، لیکن میں معاف نہیں کر سکتا، کیونکہ جب حاکم کے پاس کوئی جرم شرعاً ثابت ہو جائے تو ضروری ہے کہ وہ اس جرم کی شرعی سزا نافذ کرے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔"

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور وہ موقع تھا حج یا عمرے کا۔ ان دونوں حضرات نے ایک سوار کو آتے دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

"میرا خیال ہے، یہ ہمیں تلاش کر رہا ہے۔"

اتنے میں وہ آدمی ان تک پہنچ گیا۔ آتے ہی اس نے رونا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"کیا بات ہے، اگر تمہیں کسی کا قرض دینا ہے تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اگر تمہیں کسی کا ڈر ہے تو ہم تمہیں امن دیں گے، لیکن اگر تم نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے تو پھر تمہیں اس قتل کا بدلہ دینا ہوگا اور اگر تمہیں کسی قوم کے پڑوس میں رہنا پسند نہیں تو ہم تمہیں وہاں سے کسی اور جگہ لے جائیں گے۔"

اب اس نے بتایا:

"میں قبیلہ بنو تمیم کا آدمی ہوں۔ میں نے شراب پی لی تھی۔ اس پر حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مجھے کوڑے بھی لگوائے اور میرا سر بھی منڈایا، پھر میرا منہ کالا کرا کے لوگوں کے درمیان چکر بھی لگوایا اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا تم لوگ نہ اس کے پاس بیٹھو گے نہ اس کے ساتھ کھانا کھاؤ گے۔ اس پر میرے دل میں تین باتیں آئیں یا تو میں تلوار لے کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں یا میں آپ کے پاس آ جاؤں اور آپ مجھے ملک شام میں بھیج دیں، کیونکہ ملک شام والے مجھے جانتے نہیں، اس لیے وہاں رہنا میرے لیے آسان ہوگا یا میں دشمن کے ساتھ جا ملوں اور ان کے ساتھ کھاؤں پیوں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ پھر اس سے فرمایا:

"تم دشمن سے جا ملو اور مجھے بے انتہا مال مل جائے، تب بھی مجھے اس سے ذرہ برابر خوشی نہیں ہوگی۔ زمانہ جاہلیت میں میں خود شراب پیتا تھا اور شراب پینا زنا جیسا جرم نہیں۔"

پھر آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھوایا کہ انھیں اس کا منہ کالا کر کے لوگوں میں نہیں پھروانا چاہیے تھا۔ اب لوگوں میں اعلان کراؤ کہ اس کے ساتھ بیٹھا کریں، کھایا کریں اور اگر یہ آیندہ شراب سے توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کرو۔"

اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سواری بھی دی اور دو سو درہم بھی دیے۔ (جاری ہے)

جواہرات سے قیمتی

- O دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے۔
- O انسان نماز روزے سے نہیں، معمولات سے پہچانا جاتا ہے۔
- O جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہے، اس کی ہلاکت کا فیصلہ کرتی ہے۔
- O تم میں بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے۔
- O اوپر نگاہیں کر کے چلنا شریروں کی نشانی ہے۔
- O مومن کے دروازے پر سائل اللہ کا تحفہ ہے۔
- O قناعت آرام کی کنجی ہے۔
- O موت کو اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سویا کرو۔
- O علم بہت بڑا پردہ ہے۔
- O مردہ جاتا ہے جو کسی کے دل میں زندہ نہ رہا۔
- O جو چیز آپ کے پاس سب سے اچھی ہے، اسے اللہ کے راستے میں لگا دیں۔ اس طرح آپ کی زندگی سب سے اچھی ہو جائے گی۔
- O رزق صرف یہ نہیں کہ جیب میں مال ہو، بلکہ رزق یہ بھی ہے کہ ذہن میں اچھے خیالات ہوں۔
- O اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی چیز یعنی آزمائش کا مخلوق سے گلہ نہ کر۔
- O ہمارا ہونا کس کام کا اگر ہمارے نہ ہونے سے کچھ فرق نہ پڑے۔
- O نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک کہ اٹھائی نہ جائے۔
- O دل کی صفائی چاہتا ہے تو آنکھ جہاں سے بند کر لے، یہی وہ رخنہ ہے، جہاں سے غبار آتا ہے۔
- O سنجیدہ رہنے والا ہمیشہ عزت پاتا ہے۔
- O ایمان پر موت جنت میں جانے کی سند ہے۔
- O جس نے صبر کیا، اس نے سب کچھ پالیا۔
- O بلند مقام خواہشات سے اور آرزوؤں سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ عزم، ارادے، تدبیر اور عمل سے حاصل ہوتا۔

ارسال کرنے والے

واصف علی واصف جلال پور پیروالا۔ ام کلثوم فیصل آباد۔ ام کلثوم خان پور بگا شیر۔
ڈاکٹر میر افضل رتیڑہ ٹونسہ۔ محمد ابراہیم قاسمی ملتان۔ عائشہ، فائزہ، سائرہ، حاجی خلیل شاہ پور جاکہ۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ اس سے کوئی گناہ ہوگیا تھا۔ لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''یہ تو بتاؤ! اگر تمھیں یہ آدمی کسی کنویں میں گرا ملتا تو کیا تم اسے نہ نکالتے۔''

لوگوں نے جواب دیا: ''ضرور نکالتے۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم اسے برا بھلا نہ کہو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اس نے تمھیں اس گناہ سے بچا رکھا ہے۔''

اس پر لوگوں نے ان سے کہا:

''کیا آپ کو اس شخص سے نفرت محسوس نہیں ہورہی۔''

آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کے برے عمل سے نفرت ہے جب یہ اس گناہ کو چھوڑ دے گا تو یہ پھر میرا بھائی ہے۔''

O

صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا۔''

اتنے میں ایک انصاری صحابی آگئے۔ ان کی ڈاڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ انھوں نے اپنی جوتیاں بائیں ہاتھ میں لٹکا رکھی تھیں۔

اگلے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات بیان فرمائی۔ اس روز بھی وہی انصاری صحابی اسی حالت میں آئے۔ تیسرے دن پھر آپ نے وہی بات ارشاد فرمائی اور تیسرے دن بھی وہی صحابی اسی حالت میں آئے۔ جب یہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا:

''میرے والد کا مجھ سے جھگڑا ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ سے میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے ہاں تین دن کے لیے ٹھہرا لیں۔''

انھوں نے فوراً کہا:

''ضرور، کیوں نہیں۔''

اس طرح حضرت عبداللہ نے تین راتیں ان کے پاس گزاریں، لیکن انھوں نے رات میں انھیں کوئی خاص عبادت کرتے نہ دیکھا، البتہ جب ان کی آنکھ کھل جاتی تھی تو کروٹ بدلتے ہوئے تھوڑا اللہ کا ذکر کر لیتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے۔ پھر نماز فجر کے لیے بستر سے اٹھ جاتے تھے۔ ہاں جب بات کرتے تو خیر ہی کی کرتے تھے۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور ان کے تمام اعمال معمول کے مطابق نظر آئے اور کوئی خاص عمل نظر نہ آیا تو انھوں نے ان انصاری سے کہا:

''اے اللہ کے بندے! میرا اپنے والد سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، نہ ان سے کوئی ناراضی ہے، نہ میں نے کوئی قسم کھائی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بارے میں تین مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آنے والا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے۔ اس پر میں نے سوچا کہ میں آپ کے ہاں رہ کر آپ کا وہ خاص عمل دیکھوں جو آپ کرتے ہیں، پھر میں بھی وہ عمل کیا کروں، لیکن ان تینوں دنوں میں میں نے آپ کو کوئی خاص عمل کرتے نہیں دیکھا۔ اب آپ بتائیں۔ آخر آپ کا وہ کون سا عمل ہے، جس کی وجہ سے آپ اس درجے کو پہنچ گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔''

حضرت عبداللہ کی بات کے جواب میں انھوں نے کہا: ''میرا کوئی خاص عمل نہیں ہے۔ وہی ہے جو آپ نے دیکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو وہاں سے چل پڑے۔ اس وقت ان انصاری صحابی نے انھیں آواز دی اور فرمایا:

''میرے اعمال تو وہی ہیں جو تم نے دیکھے ہیں، البتہ ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا اور کسی کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دے رکھی ہو تو میں اس پر حسد

نہیں کرتا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ نے کہا:

"بس! اسی چیز نے آپ کو اس مرتبے پر پہنچایا ہے۔"

نوٹ: بعض روایات کی رو سے ان صحابی کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ ہے۔

O

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، لیکن ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا:

"آپ کا چہرہ اس قدر کیوں چمک رہا ہے۔"

(حالانکہ آپ تو بیمار پڑے ہیں)

انھوں نے فرمایا:

"مجھے اپنے اعمال میں سے دو عملوں پر سب سے زیادہ بھروسہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ میں کوئی بے کار بات نہیں کرتا اور دوسرے یہ کہ میرا دل تمام مسلمانوں سے بالکل صاف ہے۔"

O

ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو، حالانکہ مجھ میں تین عمدہ صفات پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب میں قرآن کی کسی آیت کو پڑھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس آیت کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے، وہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ جب میں مسلمانوں کے حاکم کے بارے میں سنتا ہوں کہ وہ انصاف والے فیصلے کرتا ہے تو اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے، مجھے کبھی بھی اس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ہی نہ پڑے اور تیسری بات یہ کہ جب میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے فلاں علاقے میں بارش ہوئی ہے تو اس سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، حالانکہ اس علاقے میں میرا کوئی چرنے والا جانور نہیں ہے۔"

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو اچھی حالت میں پا کر خوش ہوتا ہوں۔

O

ایک صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے آہستہ آواز میں فرمایا:

"یہ شخص اپنے خاندان کا برا آدمی ہے۔"

جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بہت خوشی ظاہر فرمائی۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے۔ انھوں نے بھی اجازت مانگی۔ آپ نے اس کے لیے آہستہ سے فرمایا:

"یہ اپنے خاندان کا اچھا آدمی ہے۔"

جب وہ اندر آئے تو آپ نے کوئی خاص خوشی ظاہر نہ فرمائی۔ جب وہ چلے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! فلاں شخص آیا۔ اس نے آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، یہ بُرا آدمی ہے، لیکن جب وہ اندر آیا تو آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا، پھر ایک دوسرے صاحب سے آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، اچھا آدمی ہے، لیکن جب وہ خدمت میں حاضر ہوا تو خاص خوشی کا اظہار نہیں فرمایا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے بچتے رہیں۔"

(جاری ہے)

83

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے اپنا کپڑا پکڑ رکھا تھا۔ اس سے ان کے گھٹنے ننگے ہو رہے تھے اور انھیں اس بات کا خیال نہیں تھا۔ انھیں دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے یہ ساتھی (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کسی سے جھگڑا کر کے آ رہے ہیں۔''

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نزدیک آ گئے اور انھوں نے آتے ہی عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ بات ہو گئی تھی، جلدی میں میں انھیں نامناسب الفاظ کہہ بیٹھا، لیکن پھر مجھے ندامت ہوئی جس پر میں نے ان سے معافی مانگی، لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ (اب آپ جیسے فرمائیں)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔''

دوسری طرف جلد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ندامت محسوس ہوئی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر پوچھا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر ہیں؟''

گھر والوں نے بتایا:

''نہیں! گھر نہیں ہیں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ انھیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (غصے کی وجہ سے) بدلنے لگا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور انھوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دوبار عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! قصور میرا زیادہ ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو تم سب نے کہا تھا، تم غلط کہتے ہو، لیکن اس وقت ابوبکر نے کہا تھا، آپ ٹھیک کہتے ہیں اور انھوں نے دل و جان سے مجھ سے غم خواری کی۔ پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا، کیا تم میرے لیے میرے اس ساتھی کو چھوڑ نہیں سکتے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد پھر کسی نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔

O

قدم بہ قدم

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کے وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا اور پھر آپ سے فرمایا:

''زندگی میں ہمارے درمیان کبھی کوئی بات بھی ہو جایا کرتی تھی جیسا کہ سوکنوں میں ہو جایا کرتی ہے تو جو کچھ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے اور مجھے بھی۔''

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اللہ آپ کی ایسی ساری باتیں معاف کرے اور ان سے درگزر فرمائے اور ان باتوں کی سزا سے محفوظ فرمائے۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ نے مجھے خوش کیا، اللہ آپ کو خوش فرمائے۔''

اس کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا اور ان سے بھی یہی کہا۔

O

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے گھر آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''اے فاطمہ! یہ حضرت ابوبکر آپ سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں انھیں اجازت دے دوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر اندر آ کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے لگے اور ان سے یوں کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے اپنا گھر بار مال و دولت،

S9 SB

اہل وعیال اور خاندان کو صرف اس لیے چھوڑا تھا، تا کہ اللہ اور اس کے رسول راضی ہو جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے آپ لوگ راضی ہو جائیں۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر انھیں راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی کے بارے میں فرمایا:

"مجھے اس سے نفرت ہے۔"

کسی شخص نے جا کر اس آدمی سے کہا:

"کیا بات ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تم سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔"

اور بھی کئی لوگوں نے اس سے یہ بات کہی تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

"اے عمر! کیا میں نے (مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے) اسلام میں کوئی شگاف ڈالا ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں۔"

اس نے کہا:

"کیا میں نے کسی انسان سے کوئی زیادتی کی ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں۔"

پھر اس نے کہا:

"کیا میں نے اسلام میں کوئی نئی بات پیدا کی ہے، یعنی کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔" (یعنی کوئی ایسی بات شروع کی ہے جو سنت کے خلاف ہو)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں!"

اب اس نے کہا:

"تب پھر آپ کس وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو سورہ احزاب میں فرماتے ہیں۔

'اور ہم لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو، تکلیف پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں اور آپ نے میرے بارے میں یہ بات کہہ کر مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بالکل معاف نہ کرے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! یہ آدمی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اللہ کی قسم اس نے نہ تو شگاف ڈالا ہے، اور نہ کچھ اور کیا ہے (واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی ہے) اے اللہ میری یہ غلطی معاف فرما۔"

یہ کہہ کر آپ اس سے معافی مانگتے رہے، یہاں تک کہ اس نے معاف کر دیا۔ (جاری ہے)

حضرت رجا بن ربیعہ رحمہ اللہ

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی مسجد میں ایک حلقے میں بیٹھے تھے۔ اس حلقے میں حضرت ابو سعید ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بھی تھے۔ اتنے میں حضرت حسن ؓ وہاں سے گزرے۔ آپ نے سب کو سلام کیا، سب نے جواب دیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو خاموش رہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ حضرت حسن کے پیچھے گئے اور جا کر کہا:

''وعلیکم السلام ورحمہ اللہ۔''

پھر انھوں نے حضرت ابوسعید سے کہا:

''یہ وہ انسان ہیں جو تمام زمین والوں میں سے آسمان والوں کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ کی قسم! جنگِ صفین کے بعد سے آج تک میں نے ان سے بات نہیں کی۔''

حضرت ابوسعید ؓ نے ان کی بات سن کر کہا:

''آپ ان سے جا کر اپنا عذر بیان کیوں نہیں کر دیتے؟''

انھوں نے کہا: ''بہت اچھا! میں تیار ہوں۔''

اس وقت تک حضرت حسن ؓ اپنے گھر کے اندر جا چکے تھے۔ حضرت عبداللہ وہاں کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوسعید ؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت حسن ؓ نے اجازت دے دی۔ اندر جا کر حضرت ابوسعید نے حضرت عبداللہ بن عمرو کے لیے اجازت مانگی۔ انھیں بھی اجازت مل گئی اور وہ بھی اندر آ گئے۔

اب حضرت ابوسعید نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے کہا:

''حضرت حسن ؓ کے گزرنے پر آپ نے جو بات ہم سے کہی تھی، وہ ذرا اب پھر کہہ دیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا:

''بہت اچھا! میں نے یہ کہا تھا کہ یہ تمام زمین والوں میں سے تمام آسمان والوں کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔''

اس پر حضرت حسن ؓ نے فرمایا: ''جب تمھیں معلوم ہے کہ میں تمام زمین والوں میں سے آسمان والوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر تم نے جنگِ صفین کے دن ہم سے جنگ کیوں کی تھی۔ تم نے ہمارے مخالفین کی تعداد میں اضافہ کیوں کیا۔''

آپ کی بات کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے عرض کیا:

''اللہ کی قسم! نہ تو میں نے لشکر کی تعداد میں اضافہ کیا اور نہ میں نے ان کے ساتھ ہو کر تلوار چلائی۔ البتہ میں اپنے والد (یعنی حضرت عمرو بن عاص ؓ) کے ساتھ گیا تھا۔''

حضرت حسن ؓ نے فرمایا: ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس کام سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو، اس کام میں اللہ کی مخلوق کی بات نہیں ماننی چاہیے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے عرض کیا:

''جی معلوم ہے، لیکن میں والد صاحب کے ساتھ اس لیے گیا تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلسل روزے رکھتا تھا۔ میرے والد نے اس بارے میں میری شکایت کی اور یوں کہا، اے اللہ کے رسول! عبداللہ دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کرتا ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا، کبھی روزے رکھا کرو اور کبھی چھوڑ دیا کرو، کبھی رات کو نماز پڑھا کرو اور کبھی سویا کرو، کیونکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا، اے عبداللہ! اپنے والد کی بات مانا کرو اور چونکہ حضور ﷺ نے مجھے والد کی بات ماننے کی بہت تاکید کی تھی، اس لیے جب وہ جنگِ صفین میں شریک ہوئے تو مجھے ان کے ساتھ جانا پڑا۔''

اس پر حضرت حسن ؓ نے ان کا عذر قبول کر لیا۔

(جنگ صفین مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان ہوئی تھی)

O

حضرت خولہ ؓ لوگوں کے ساتھ چلی جا رہی تھیں۔ ایسے میں حضرت عمر ؓ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے حضرت عمر ؓ سے رکنے کے لیے کہا۔ آپ رک گئے اور ان کے قریب آ گئے اور ان کی بات سننے کے لیے اپنا کان جھکا دیا۔ اپنے دونوں ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھ دیے۔ حضرت خولہ ؓ اس وقت بہت زیادہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ انھیں سنبھالنے کے لیے آپ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تھے۔ آپ اس طرح کھڑے ان کی بات سنتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے اپنی بات پوری کر لی اور واپس

قدم بہ قدم

چلی گئیں۔ ایسے میں ایک شخص نے کہا:

''اے امیر المومنین! اس بڑھیا کی وجہ سے آپ نے قریش کے بڑے بڑے مردوں کو روکے رکھا۔''

حضرت عمر ؓ نے ناراض ہو کر فرمایا:

''تیرا ناس ہو، تو جانتا بھی ہے، یہ خاتون کون تھیں۔''

اس شخص نے کہا: ''جی نہیں! میں انھیں نہیں جانتا۔''

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ''یہ وہ خاتون ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنی تھی۔ یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ؓ تھیں۔ اللہ کی قسم! اگر یہ رات بھر میرے پاس سے نہ ہٹتیں تو میں بھی ان کی بات کے پورا ہونے تک یونہی کھڑا رہتا۔''

(حضرت خولہ نے اپنی جوانی میں بہادری کے بہت کارنامے انجام دیے۔ جنگوں میں حصہ لیتی رہیں)

O

حضرت سلمان فارسی ؓ حضرت عمر ؓ کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت عمر ؓ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ حضرت سلمان فارسی ؓ کو دیکھ کر آپ نے وہ تکیہ حضرت سلمان ؓ کو دے دیا۔ اس پر حضرت سلمان ؓ نے فرمایا:

''اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔''

حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''اے سلمان! اللہ اور اس کے رسول کا وہ فرمان ذرا ہمیں بھی سنا دیں۔''

حضرت سلمان ؓ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ایک تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ تکیہ میرے لیے رکھ دیا۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''اے سلمان! جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جاتا ہے اور وہ میزبان اس کے اکرام کے لیے تکیہ رکھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت ضرور فرمائیں گے۔'' (جاری ہے)

دو آدمی حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وہ ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ انھوں نے اسے اٹھا کر ان دونوں کے لیے رکھ دیا۔ اس پر انھوں نے کہا:

''ہمیں اس کی ضرورت نہیں! ہم تو آپ سے کچھ سننے کے لیے آئے ہیں، تاکہ ہمیں اس سے کچھ فائدہ ہو۔''

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے مہمان کا اکرام نہیں کرتا، اس کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں، اس آدمی کے لیے خوش حالی اور نیک انجامی ہے جو اپنے گھوڑے کی رسی اللہ کے راستے میں پکڑے ہوئے ہے اور روٹی کے ایک ٹکڑے اور ٹھنڈے پانی پر افطار کر لیتا ہے اور بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو گائے اور بیل کی طرح مختلف مزے دار کھانے کھانے کے لیے اپنی زبان گھماتے ہیں اور اپنے خادم سے کہتے ہیں، فلاں چیز اٹھائے اور فلاں چیز رکھ دے اور کھانے میں ایسے لگتے ہیں کہ اللہ کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔''

○

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں تھے اور وہ گھر اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی جگہ نہ پا کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ انھیں کھڑے دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں دیکھا۔ آپ کو کوئی جگہ نظر نہ آئی تو آپ نے اپنی چادر اٹھائی اور اسے لپیٹ کر

قدم بہ قدم

حضرت جریر کی طرف پھینک دیا، ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''اس پر بیٹھ جاؤ۔'' (یعنی دروازے پر بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ)

حضرت جریر نے چادر لے کر اپنے سینے سے لگائی اور اسے چوم کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دی۔ پھر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کا ایسے اکرام فرمائے جیسا آپ نے میرا اکرام فرمایا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کسی قوم کا قابل احترام آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو۔''

○

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی سے کوئی جھگڑا ہو گیا۔ اس آدمی نے آپ کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا۔ وہ دور تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ آپ کو جب اس بات کا پتا چلا تو اس شخص کو بلوا لیا اور اس کی پٹائی کرائی۔ کسی نے اس بات پر اعتراض کیا، یعنی یہ اعتراض کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس شخص کی پٹائی نہیں کروانی چاہیے تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کرنے والے سے کہا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم فرمائیں اور میں ان کی توہین کرنے کی اجازت دے دوں۔ اس شخص کی اس گستاخی کو جو آدمی اچھا سمجھ رہا ہے، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے۔''

چنانچہ اس واقعے کے بعد آپ نے قانون بنا دیا کہ ایسے شخص کی پٹائی کی جائے گی۔

○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے آکر سلام کیا اور کھڑے اپنے لیے بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے چہروں کو دیکھنے لگے کہ کون انھیں جگہ دیتا ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنی جگہ سے سرک کر فرمایا:

''اے ابوالحسن! یہاں آ جاؤ۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے آ گئے اور اس جگہ، یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بیٹھ گئے۔ اس وقت صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار صاف دیکھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''فضیلت والے کے مقام کو فضیلت والا ہی جانتا ہے۔''

○

Scanned by CamScanner

کوفے کے محلے رَحبہ میں ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئی۔انھوں نے کہا:

''السلام علیک یا مولانا۔'' (اے ہمارے آقا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم لوگ تو عرب ہو، میں تمہارا آقا کیسے ہوسکتا ہوں۔''

انھوں نے جواب میں کہا:

''ہم نے ایک موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں جس کا آقا اور دوست ہوں، یہ علی بھی اس کے آقا اور دوست ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا ہیں، لہٰذا آپ بھی ہمارے آقا ہوئے۔''

جب یہ لوگ وہاں سے چلے تو حضرت رباح ان کے پیچھے گئے۔ وہ جاننا چاہتے تھے، یہ کون لوگ ہیں، معلوم ہوا، وہ انصار کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس لشکر کا امیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے پوچھا:

''تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا۔''

اس پر کسی نے حضرت علی رضی اللہ کی شکایت کر دی، اس وقت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا تو آپ کا چہرۂ انور غصے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

''میں جس کا دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔''

اس پر شکایت لگانے والے نے کہا:

''آیندہ میں کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت لگا کر آپ کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔''

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

''جس نے علی کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔''

O

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر برائی سے کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم اس قبر والے کو جانتے ہو۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کے ساتھ کیا کرو، کیونکہ اگر تم انھیں تکلیف پہنچاؤ گے تو اس ذاتِ اقدس کو قبر میں تکلیف پہنچاؤ گے۔'' (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر بن خالد رحمہ اللہ حضرت سعد بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ان سے پوچھا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں کو کوفے میں حضرت علی ؓ کو برا بھلا کہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو کیا آپ نے انھیں کبھی برا کہا ہے۔"

حضرت سعد ؓ نے فرمایا:

"اللہ کی پناہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں سعد کی جان ہے، میں نے حضور ﷺ سے حضرت علی ؓ کی شان کے بارے میں کچھ ایسے فضائل سنے ہیں کہ اگر میرے سر کے درمیانی حصے پر آرا رکھ دیا جائے اور مجھ سے کہا جائے کہ انھیں برا کہوں تو بھی انھیں برا نہیں کہوں گا۔" (حیاۃ الصحابہ)

○

ابوعبداللہ جدلی رحمہ اللہ حضرت ام سلمہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا: "تم لوگوں کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔"

انھوں نے یہ سن کر عرض کیا: "اللہ کی پناہ! بھلا آپ ﷺ کو کیسے برا کہا جا سکتا ہے۔"

اس پر حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے علی کو برا کہا، اس نے مجھے برا کہا۔"

○

حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک روز حضور ﷺ کے منبر پر تھے۔ اتنے میں حضرت حسن ؓ وہاں آگئے۔ یہ ابھی کم عمر بچے تھے۔ انھوں نے کہا:

"آپ میرے نانا کے منبر پر سے اتر آئیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

"تم نے ٹھیک کہا، یہ تمہارے نانا ابا کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔"

پھر آپ نے حضرت حسن ؓ کو گود میں اٹھا لیا اور رونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی ؓ نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں نے اس بچے سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ اپنی طرف سے کہہ رہا تھا۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ پر کوئی شبہ نہیں۔"

○

حضرت عمر فاروق ؓ منبر پر بیان فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت حسین بن علی ؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

"آپ میرے نانا کے منبر پر سے اتر آئیں۔"

حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"بے شک! یہ تمہارے نانا کا ہے، میرے باپ کا نہیں، لیکن تمہیں ایسا کہنے کے لیے کس نے کہا؟"

اس پر حضرت علی ؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

"اسے ایسا کہنے کے لیے کسی نے نہیں کہا۔"

پھر حضرت علی ؓ نے حضرت حسین ؓ سے کہا:

"میں تمہاری ہی خوب پٹائی کروں گا۔"

اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"اسے کچھ نہ کہنا، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے، یہ اس کے نانا کا منبر ہے۔"

○

حضرت حسین ؓ ایک دن حضرت عمر ؓ کے گھر گئے۔ آپ اندر حضرت امیر معاویہ ؓ سے بات چیت کر رہے تھے اور دروازے پر آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ کھڑے تھے، گویا انھیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت حسین ؓ واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد جب ان کی ملاقات حضرت عمر ؓ سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے۔"

انھوں نے بتایا:

"میں ایک دن آیا تھا، آپ اندر حضرت امیر معاویہ ؓ سے تنہائی میں بات کر رہے تھے اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی اور وہ واپس لوٹ گئے تھے، اس لیے میں بھی واپس لوٹ گیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"نہیں! تم عبداللہ سے زیادہ اجازت ملنے کے حق دار ہو، کیونکہ ہمارے سروں پر جو آج یہ شرافت کا تاج نظر آرہا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھرانے کی برکت سے دیا ہے۔"

پھر حضرت عمر ؓ نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔"

○

حضور ﷺ کی وفات کے چند دن بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے۔ حضرت علی ؓ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ایسے میں آپ حضرت حسن ؓ کے پاس سے گزرے۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور یہ شعر پڑھنے لگے:

"اس بچے پر میرا باپ قربان، اس کی شکل صورت نبی کریم ﷺ سے ملتی جلتی ہے۔ حضرت علی ؓ سے نہیں ملتی۔"

حضرت علی ؓ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

○

حضرت ابوہریرہ ؓ کی ملاقات حضرت حسن ؓ سے ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے ان سے کہا:

"آپ ذرا اپنے پیٹ پر سے اس جگہ سے کپڑا ہٹا دیں جس جگہ پر میں نے حضور ﷺ کو بوسہ لیتے دیکھا ہے۔"

حضرت حسن ؓ نے کپڑا ہٹایا تو حضرت ابوہریرہ ؓ نے اس جگہ کا بوسہ لیا۔

○

کچھ لوگ حضرت ابوہریرہ ؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں حضرت حسن ؓ ادھر سے گزرے۔ انھوں نے ان حضرات کو سلام کیا، ان حضرات نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کو حضرت حسن ؓ کے گزرنے اور سلام کرنے کا پتا نہ چلا۔ کسی نے انھیں بتایا:

"یہ سلام حضرت حسن ؓ نے کیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت ابوہریرہ ؓ فوراً ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا:

"اے میرے سردار! وعلیک السلام۔"

کسی نے ان سے کہا:

"آپ انھیں میرے سردار کہہ رہے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا، یہ سردار ہیں۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت

تھا۔ ایسے میں مروان ان کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا:

"ہم آپ کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس وقت سے آج تک مجھے آپ کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا، بس اس بات پر غصہ آیا ہے کہ آپ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سمٹ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ راستے میں ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی۔ وہ دونوں اپنی والدہ کے ساتھ تھے۔ آپ تیزی سے چل کر ان کے پاس پہنچے اور فرمایا:

"میرے بیٹوں کو کیا ہوا ہے؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یہ پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے مشکیزے کی طرف ہاتھ بڑھا کر پانی دیکھا، لیکن اس میں پانی نہیں تھا۔ اس روز لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ لوگ پانی کی تلاش میں تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا:

"کسی کے پاس پانی ہے۔"

یہ اعلان سن کر سب نے اپنے اپنے مشکیزوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھا کہ شاید کسی میں تھوڑا بہت پانی ہو، لیکن کسی مشکیزے میں پانی نہ ملا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"اے فاطمہ! ایک بچہ مجھے دے دو۔"

انھوں نے پردے کے پیچھے سے ایک بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ نے بچے کو لے کر اپنے سینے سے لگایا۔ بچہ رو رہا تھا، چپ نہیں کر رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک نکال کر اس کے منہ میں دے دی۔ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک چوسنے لگا۔ یہاں تک کہ چپ ہو گیا، اب مجھے اس کے رونے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی جب کہ دوسرا بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ اب آپ نے فرمایا:

"دوسرا بچہ بھی مجھے دو۔"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا بچہ بھی آپ کو دے دیا۔ آپ نے اس کے ساتھ بھی وہی کیا۔ وہ بھی چپ ہو گیا۔ اب مجھے کسی کے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بعد ہم وہاں سے ہٹ کر ادھر اُدھر ہو گئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان سے اتنی محبت کرتے دیکھا ہے تو میں کیوں ان سے محبت نہ کروں۔" (طبرانی 181/9)

○

ایک روز حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی رکاب پکڑی یعنی احترام کے طور پر ایسا کیا۔ اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! آپ ایک طرف ہو جائیں اور میری رکاب نہ پکڑیں۔"

[illegible] عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"[illegible] کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علما [illegible] کا اکرام کا ایسا ہی معاملہ کریں۔"

[illegible] پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو انھوں نے اسے چوم لیا اور فرمایا:

"ہمیں اپنے نبی کے گھر والوں کا ایسا اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

○

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایسے میں ایک پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اس میں پینے کی کوئی چیز تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس پر انھوں نے کہا:

"یا نبی اللہ! آپ کا اس پیالے پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! پہلے تم پی لو۔"

انھوں نے پیالہ لے تو لیا، لیکن پھر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! پہلے آپ لے لیں۔ اس پیالے پر آپ کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔" آپ نے فرمایا:

"نہیں! پہلے تم پی لو، کیونکہ برکت ہمارے بڑوں کے ساتھ ہے۔ جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔"

○

حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت مُحَیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خیبر گئے۔ دونوں کھجوروں کے ایک باغ میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن سہل کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن سہل، حضرت محیصہ بن مسعود اور حضرت حُوَیصہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عبداللہ بن سہل کے قتل کے بارے میں آپ سے بات کرنے لگے۔ بات حضرت عبدالرحمن نے شروع کی۔ یہ ان تینوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"بڑوں کی بڑائی قائم کرو۔"

یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو عمر میں بڑا ہے، وہ بات کرے، چنانچہ انھوں نے اپنے قتل ہونے والے ساتھی کے بارے میں بات کی۔ آپ نے فرمایا:

"اگر تم لوگوں کے قبیلے کے پچاس آدمی قسم کھا لیں، تو تم اپنے مقتول کے بدلے کے حق دار ہو سکتے ہو۔"

انھوں نے کہا:

"یہ واقعہ ایسا ہے کہ ہم نے نہیں دیکھا۔" (اس لیے ہم قسم نہیں کھا سکتے)

اس پر آپ نے فرمایا:

"تو پھر اگر یہود کے پچاس آدمی قسم کھا لیں تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔"

ان حضرات نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ تو کافر لوگ ہیں۔" (یہ تو جھوٹی قسم کھا لیں گے)

اب آپ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنے پاس سے دیت دے دی، یعنی خون بہا دے دیا۔ (جاری ہے)

حضرموت میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ وہاں کے تمام لوگ ان کی بات مانتے تھے۔ وہاں انھیں حضور ﷺ کی نبوت کی خبر ملی۔ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ اور اس کے رسول کے شوق میں وہاں سے نکل پڑے۔ ان کے مدینہ منورہ میں پہنچنے سے پہلے ہی حضور ﷺ ان کے آنے کی خوش خبری اپنے صحابہ کو سنا چکے تھے۔ جب یہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور اپنی چادر بچھا کر انھیں اس پر بٹھایا۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور تمام نبیوں پر درود بھیجا۔ اتنے میں تمام لوگ آپ کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ اب آپ نے فرمایا: ''لوگو! یہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس دور دراز کے علاقے حضرموت سے اپنی خوشی سے آئے ہیں۔ کسی نے انھیں آنے پر مجبور نہیں کیا۔ یہ اللہ، اللہ کے رسول اور اس کے دین کے شوق میں آئے ہیں۔''

اس پر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے لوگوں سے ان کے بارے میں فرمایا:

''ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، کیونکہ یہ اپنی سلطنت چھوڑ کر ابھی نئے نئے آئے ہیں۔''

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میرے خاندان والوں نے جو کچھ میرے پاس تھا، وہ سب چھین لیا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جتنا انھوں نے لیا ہے، وہ بھی تمھیں دوں گا اور اس کا دگنا اور بھی دوں گا۔''

O

قدم بہ قدم

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت کی:

''اللہ سے ڈرتے رہنا، اپنے بڑے کو سردار بنانا، کیونکہ جب کوئی قوم اپنے بڑے کو سردار بناتی ہے تو وہ اپنے آباؤ اجداد کی ٹھیک طرح جانشین بنتی ہے اور جب وہ اپنے چھوٹے کو سردار بناتی ہے تو اس سے ان کا درجہ برابر والوں کی نگاہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اپنے پاس مال رکھو اور اسے حاصل کرو، کیونکہ مال سے کریم اور سخی لوگوں کو شرافت ملتی ہے اور اسی کے ذریعے سے انسان کمینے اور کنجوس آدمی کا ضرورت مند نہیں بنتا اور لوگوں سے کچھ نہ مانگنا، کیونکہ یہ انسان کے لیے کمائی کا سب سے گھٹیا اور ادنیٰ درجہ ہے (جسے سخت مجبوری ہی میں اختیار کرنا چاہیے) جب میں مر جاؤں تو مجھ پر نوحہ نہ کرنا، کیونکہ حضور ﷺ پر کسی نے نوحہ نہیں کیا تھا اور جب میں مر جاؤں تو مجھے کسی ایسی جگہ دفن کرنا جس کا قبیلہ بنو بکر بن وائل کو پتا نہ چل سکے۔ کہیں وہ میری قبر کے ساتھ کوئی نامناسب حرکت نہ کر سکیں، کیونکہ میں زمانہ جاہلیت میں انھیں غافل پا کر ان پر چھاپے مارا کرتا تھا۔''

O

ایک شخص نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس کے الفاظ سنے تو اسے ڈانٹ دیا اور فرمایا:

''بکواس بند کرو، اللہ تجھے خیر سے دور کرے اور تجھ پر گالیاں دینے والے مسلط کرے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنت میں بھی حضور ﷺ کی بیوی ہوں گی۔ تو نے یہ الفاظ کہہ کر انھیں تکلیف پہنچائی۔''

O

حضرت زید بن وہب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے۔ وہ ان سے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھنا چاہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وہ آیت انھیں پڑھائی تو انھوں نے کہا: ''آپ نے مجھے یہ آیت اور طرح پڑھائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور طرح پڑھائی تھی۔''

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ اس قدر روئے کہ ان کے آنسو نیچے کنکریوں پر گرتے نظر آئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمھیں جس طرح پڑھایا ہے، تم ویسے ہی پڑھو، کیونکہ اللہ کی قسم! ان کی قرأت بہت زیادہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ اس میں اسلام داخل ہوتا تھا۔ اس میں سے نکلتا نہیں تھا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس قلعے میں شگاف پڑ گیا، اسلام اب اس قلعے سے باہر آ رہا ہے، اس کے اندر نہیں جا رہا۔''

ایک شخص نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے قاری لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم ہم سے زیادہ بزدل ہو، اور جب تم سے کچھ مانگا جائے تو تم بہت کنجوس بن جاتے ہو اور جب تم کھاتے ہو تو سب سے بڑے

لقمے لیتے ہو۔"

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جواب میں اسے کچھ نہ کہا۔ خاموشی اختیار کر لی۔ (یعنی اس کی جاہلانہ باتوں پر صبر کرلیا)

کسی نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتا دی۔ آپ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا اس شخص نے آپ کو ایسے ایسے کہا ہے۔"

جواب میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اللہ اسے معاف فرمائے! کیا یہ ضروری ہے کہ ہم ان سے جو بات سنیں، اس پر ان کی پکڑ کریں۔"

مطلب یہ کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی خواہش ظاہر نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کے پاس گئے۔ اسے گریبان سے پکڑا اور اس کا گلا گھونٹا۔ پھر اسے کھینچتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے۔ اب اس آدمی نے کہا:

"میں نے تو یہ بات مذاق میں کی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی بھیجی: "اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے، ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔"

○

کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے امیر المومنین! ہم نے آپ سے زیادہ انصاف سے فیصلہ کرنے والا اور حق بات کہنے والا اور منافقوں پر آپ سے زیادہ سخت آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بعد آپ تمام لوگوں سے زیادہ بہتر ہیں۔"

ان کی یہ بات سن کر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم لوگ غلط کہتے ہو، ہم نے وہ آدمی دیکھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بہتر ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اے عوف! وہ کون ہے؟"

انھوں نے کہا: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عوف ٹھیک کہہ رہے ہیں اور تم سب غلط کہہ رہے ہو، اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو والے تھے۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

89

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ کچھ لوگ فلاں جگہ جمع ہیں اور وہ آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل بتا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے آدمی بھیج کر ان سب کو بلا لیا۔ جب وہ آ گئے تو ان سے فرمایا:

''اے بدترین لوگو! اے قبیلے کے شریرو! اے پاک دامن عورت کو بگاڑنے والو۔''

انھوں نے حیران ہو کر کہا:

''اے امیر المومنین! آپ ہمیں ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ ہم سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پھر وہی الفاظ کہے اور ایک بار پھر کہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''تم لوگوں نے مجھ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کیوں فرق ڈالا اور مجھے ان سے بہتر کیوں بتایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری دلی تمنا ہے کہ مجھے جنت میں ایسی جگہ ملے جہاں سے مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آتے رہیں۔ اس امت کے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہٰذا میری اس بات کے بعد جو بھی کوئی اور بات کہے گا، وہ بہتان باندھنے والا شمار ہوگا اور اسے بہتان باندھنے کی سزا ملے گی۔''

O

ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے امیر المومنین! کیا بات ہے، مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا، حالانکہ آپ ان سے زیادہ فضائل والے ہیں اور ان سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور آپ کو بڑی سبقت حاصل ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''اگر تو قبیلہ قریش کا ہے تو میرے خیال میں تو قریش کے قبیلے کی شاخ عائذہ کا ہے۔''

اس نے کہا:

''جی ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔''

اب آپ نے فرمایا:

''اگر مومن اللہ کی پناہ میں نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور قتل کر دیتا اور اگر تو زندہ رہا تو میں تجھے اس قدر ڈراؤں گا... کہ تجھے اس سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا... تیرا ناس ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چار صفات کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے... ایک یہ کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں امام بنایا گیا... دوسرا یہ کہ انھوں نے مجھ سے پہلے ہجرت کی... اور تیسری یہ کہ ہجرت کے موقعے پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھے اور چوتھی یہ کہ انھوں نے مجھ سے پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کیا تھا... تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ کے قرآن میں تمام لوگوں کی مذمت کی گئی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا جب آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے، غم نہ کر! یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

O

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ان کی خدمت میں ایک گھوڑا پیش کیا گیا۔ اس وقت ایک آدمی نے کہا:

''یہ گھوڑا مجھے سواری کے لیے دے دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں یہ گھوڑا ایک ایسے لڑکے کو سواری کے لیے دے دوں جسے ناتجربہ کاری کے باوجود گھوڑوں پر سوار کیا گیا ہو، یہ مجھے تمھیں دینے سے زیادہ پسند ہے۔''

آپ کی بات سن کر اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

"میں آپ سے بھی اور آپ کے باپ سے بھی زیادہ عمدہ گھوڑے سوار ہوں۔"

اس شخص نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہاں موجود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر اس کا سر پکڑا اور ناک کے بال گھسیٹا۔ اس سے اس کے ناک سے خون اس طرح بہنے لگا جیسے کسی بڑے مشکیزے کا منہ نکل گیا ہو۔

وہ شخص انصاری تھا۔ انصار نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینا چاہا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتا چلا تو فرمایا:

"یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں انھیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بدلہ دلواؤں گا... میں انھیں ان کے گھروں سے نکال دوں، مجھے یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں انھیں ایسے لوگوں کو بدلہ دلواؤں جو اللہ کے لیے اللہ کے بندوں کو برائیوں سے روکتے ہیں۔"

O

ایک شخص نے اپنی لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو فرمایا:

"اپنی لنگی اوپر کر لو۔"

اس شخص نے دیکھا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی لنگی بھی ٹخنوں سے نیچی تھی، چنانچہ اس نے کہا:

"آپ بھی اپنی لنگی اوپر کر لیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"میں تم جیسا نہیں ہوں... میری پنڈلیاں پتلی ہیں اور میں لوگوں کا امام بنتا ہوں (یعنی میں لنگی نیچی کر کے اپنی پنڈلیوں کو چھپاتا ہوں، تاکہ ان سے دل میں نفرت پیدا نہ ہو۔"

یہ بات کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کو مارنے لگے اور فرمانے لگے:

"تم ابن مسعود کی بات کا جواب دیتے ہو۔"

O

ایک شخص نے کسی بات پر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت پر قسم کھالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اس شخص کو تیس کوڑے لگوائے، یہاں تک کہ اس کی کھال پھٹ گئی اور کمر سوج گئی۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ عبداللہ ابن سبا انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا:

"کیا آپ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی تعظیم کرتا ہے اور آپ کو دوسروں سے افضل قرار دیتا ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"اسے اتنی سزا تو ضروری ہے کہ جس شہر میں رہتا ہو، وہ اس میں نہیں رہ سکتا۔"

چنانچہ آپ نے اسے ملک بدر کر کے شام بھیج دیا۔

O

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

"آپ تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔"

آپ نے اس سے فرمایا:

"کیا تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟"

اس نے کہا: "نہیں۔"

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"کیا تو نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔"

اس نے کہا: "نہیں!"

اب آپ نے اس سے فرمایا:

"اگر تم یہ کہتے کہ ہاں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو میں تمھیں قتل کر دیتا اور اگر تم یہ کہتے کہ ہاں میں نے ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے تو میں تم پر حد شرعی جاری کر دیتا (کیونکہ تم نے جو کہا ہے، بہتان ہے، میں تمھیں بہتان باندھنے کی سزا دیتا) (جاری ہے)

واقعات صحابہؓ

عبداللہ فارانی

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے بیان فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا:

''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اگر میں اس بات سے پہلے ہی وضاحت کے ساتھ منع کر چکا ہوتا تو اس پر ان لوگوں کو ضرور سزا دیتا، کیونکہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میں نے جس کام سے ابھی روکا نہ ہو، اس پر کسی کو سزا دوں، لہٰذا میرے آج کے اس اعلان کے بعد اگر کسی نے ایسی بات کہی تو وہ بہتان باندھنے والا شمار ہوگا اور اسے بہتان باندھنے والے کی سزا ملے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد تو ہم نے کئی نئے کام ایسے شروع کر دیے ہیں جن کے بارے میں اللہ ہی فیصلہ کرے گا کہ وہ صحیح ہیں یا غلط۔'' (ابن ابی عاصم۔ ابن عساکر)

O

حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کر رہے تھے۔ ان دونوں کے درجے کو گھٹا رہے تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر یہ ساری بات بتائی۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا:

''اللہ اس پر لعنت کرے جو اپنے دل میں ان دونوں حضرات کے بارے میں اچھے اور نیک جذبات کے علاوہ کچھ اور رکھے۔ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور آپ کے وزیر تھے۔''

اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے فرمایا:

''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے میں بیزار ہوں اور بری ہوں بلکہ انھوں نے جو غلط باتیں کی ہیں، ان پر سزا ضرور دوں گا... اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا... اور جان کو پیدا فرمایا... ان دونوں سے صرف وہی محبت کرے گا جو مومن اور متقی ہوگا اور ان دونوں سے وہی بغض رکھے گا جو بدکار اور خراب ہوگا... یہ دونوں حضرات سچائی اور وفاداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے... دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نیکی کا حکم فرمایا کرتے تھے اور برائی سے روکا کرتے تھے اور سزا دیا کرتے تھے... جو کچھ بھی کرتے تھے... اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کی رائے کو ان دونوں کی رائے جتنا نہیں سمجھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں سے جتنی محبت تھی، اتنی کسی اور سے نہیں تھی، حضور دنیا سے تشریف لے گئے تو ان دونوں سے بالکل راضی تھے اور اس زمانے کے تمام لوگ بھی ان سے راضی تھے... پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی ذمے داری دی گئی... پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اٹھا لیا تو مسلمانوں نے ان پر نماز کی ذمے داری کو برقرار رکھا، بلکہ ان پر زکوٰۃ کی ذمے داری بھی ڈال دی، کیونکہ قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر اکٹھا ہی آیا ہے... بنو عبدالمطلب میں سے سب سے پہلے ان کا نام خلافت کے لیے پیش کرنے والا میں تھا... انھیں تو خلیفہ بننا سب سے زیادہ ناگوار تھا... بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ان کی جگہ خلیفہ بن جائے... اللہ کی قسم حضور کے بعد جتنے آدمی باقی رہ گئے تھے، وہ ان میں سے سب سے بہترین تھے... سب سے زیادہ شفیق تھے... سب سے زیادہ رحم دل اور بڑے عقل مند اور پرہیزگار انسان اور سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے...

قدم بہ قدم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شفقت اور رحم دلی میں حضرت میکائیل اور معاف کرنے اور وقار سے چلنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی تھی... وہ خلیفہ بن کر بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر چلتے رہے... یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا... اللہ ان پر رحم فرمائے... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کر کے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا... کچھ لوگ ان کی خلافت پر راضی تھے... کچھ راضی نہیں تھے... میں ان میں سے تھا جو ان کی خلافت پر راضی تھا، لیکن اللہ کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے عمدہ طریقے سے خلافت کا کام سنبھالا کہ ان کے دنیا سے جانے سے پہلے وہ سب لوگ بھی ان سے راضی ہو چکے تھے جو شروع میں راضی نہیں تھے اور انھوں نے خلافت کے کام کو بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلایا... وہ ان دونوں حضرات کے نشان قدم پر اس طرح چلے... جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتا ہے اور اللہ کی قسم! وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد رہ جانے والوں میں سب سے بہترین تھے اور بڑے مہربان تھے اور رحم دل تھے... ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کرتے تھے... پھر اللہ تعالیٰ نے حق کو ان کی زبان پر اس طرح جاری کر دیا تھا کہ ہمیں محسوس ہوتا تھا کہ فرشتہ ان کی زبان پر بول رہا ہے... ان کے اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی... اور ان کی ہجرت کو دین کے قائم ہونے کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دل میں ان کی محبت اور منافقوں کے دل میں ان کی ہیبت ڈالی ہوئی تھی... اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دشمنوں کے بارے میں سخت دل اور سخت کلام ہونے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اور کافروں پر دانت پیسنے اور سخت ناراض ہونے میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی تھی... اب بتاؤ، تمھیں کون، ان جیسا لا کر دے سکتا ہے، ان دونوں کے درجے کو وہی پہنچ سکتا ہے جو ان سے محبت کرے گا اور ان کی پیروی کرے گا اور جو ان دونوں سے محبت کرے گا، وہ مجھ سے محبت کرنے والا ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا، وہ مجھ سے بغض رکھنے والا ہے... اور میں اس سے بری ہوں، لوگو! اگر میں ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ باتیں پہلے کہہ چکا ہوتا تو میں ان کے خلاف بولنے والوں کو آج سخت سے سخت سزا دیتا، لہٰذا میرے آج کے اس بیان کے بعد جو اس جرم میں پکڑ کر میرے پاس لایا جائے گا، میں اسے وہ سزا دوں گا جو بہتان باندھنے والے کی سزا ہوتی ہے... غور سے سن لو، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے پہلے بہترین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر اللہ ہی جانتے ہیں کہ خیر اور بہتری کہاں ہے... میں اپنی یہ بات ختم کرتا ہوں... اللہ میری اور تم سب کی مغفرت

فرمائے۔" (کنز العمال 460/4)

○

ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:
"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) جہنم میں ہیں۔"
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:
"تمھیں اس بات کا پتا کیسے چلا۔"
اس نے جواب دیا:
"اس لیے کہ انھوں نے بہت سے نئے کام کیے۔"
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:
"اگر تمہاری کوئی بیٹی ہو تو کیا تم اس کی شادی بغیر مشورے کے کر دو گے۔"
اس نے کہا: "نہیں!"
اب آپ نے فرمایا:
"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی دو بیٹیوں کی شادی کے بارے میں جو رائے تھی، کیا اس سے بہتر کوئی رائے ہو سکتی ہے... ذرا مجھے بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تھے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے تھے یا نہیں۔"

اس نے کہا:
"کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم استخارہ کرتے تھے۔"
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
"اچھا یہ بتاؤ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کی جو شادی کی تھی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خیر کا انتخاب کیا تھا یا نہیں... سنو! میں نے تمہاری گردن اڑا دینے کے بارے میں غور کیا تھا، لیکن ابھی اللہ کو منظور نہیں تھا... غور سے سنو! اگر تم اس کے علاوہ کچھ اور کہو گے تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

○

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پیدل چلے جا رہے تھے... راستے میں ایک آدمی ملا... وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شان میں نامناسب کلمات کہہ رہا تھا... حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:
"تم ایسے لوگوں کو برا کہہ رہے ہو جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے فضائل اور انعامات مل چکے ہیں۔ اللہ کی قسم! یا تو تم انھیں برا کہنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہارے لیے بددعا کروں گا۔"
اس شخص نے جواب میں کہا:
"یہ شخص مجھے ایسے ڈرا رہے ہیں جیسے کہ یہ نبی ہوں۔"
اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی:
"اے اللہ! اگر یہ ان لوگوں کو برا کہہ رہا ہے جنھیں تیری طرف سے بہت سے فضائل اور انعامات مل چکے ہیں تو تو اسے عبرت ناک سزا دے۔"
اسی وقت ایک بختی اونٹنی تیزی سے اس طرف آئی۔ لوگ اسے دیکھ کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ اس اونٹنی نے اس شخص کو پیروں کے نیچے کچل کر مار ڈالا۔
حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہاں سے چل پڑے تو لوگ پیچھے پیچھے چلنے لگے، وہ کہہ رہے تھے:
"اے ابو اسحٰق! اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔"

○

حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے ایک بازار میں چلے جا رہے تھے۔ ایک جگہ انھوں نے بہت سے لوگوں کو جمع دیکھا۔ ان کے درمیان ایک آدمی سواری پر بیٹھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہہ رہا تھا۔ ایسے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہاں آگئے۔ انھوں نے پوچھا:
"یہاں کیا ہو رہا ہے۔"
لوگوں نے انھیں بتایا:
"سواری پر سوار شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہہ رہا ہے۔"
یہ سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ لوگوں نے انھیں راستہ دے دیا۔ آپ نے اس آدمی کے نزدیک جا کر فرمایا:
"او فلاں! تو کس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہہ رہا ہے۔ کیا وہ سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے۔ کیا انھوں نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ کیا وہ لوگوں میں سب سے بڑے زاہد اور سب سے بڑے عالم نہیں تھے۔"
آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے فضائل بیان کیے اور یہ بھی کہا:
"کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد نہیں تھے۔ کیا غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تھا۔"
یہ فرمانے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف منہ کر کے یہ دعا مانگی:
"اے اللہ! اگر یہ آدمی تیرے ایک دوست کو برا کہہ رہا ہے تو ان لوگوں کے چلے جانے سے پہلے انھیں اپنی قدرت دکھا دے۔"
اللہ کی قدرت کہ سب لوگ ابھی وہیں تھے کہ اس شخص کی سواری کے پاؤں زمین میں دھنسنے لگے۔ اس سے وہ سر کے بل نیچے گرا۔ اس کا سر پھٹ گیا اور اس کا بھیجا باہر نکل آیا۔ (حاکم 500/3) (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بڑی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کوفے والے ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ ایسے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سلام کیا اور تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ اتنے میں وہاں کوفے کا ایک شخص آیا اور کسی کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اے مغیرہ! یہ کسے بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔''

انھوں نے بتایا: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔''

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا:

''اے مغیرہ بن شعبہ! اے مغیرہ بن شعبہ، اے مغیرہ بن شعبہ! کیا میں سن نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آپ سامنے برا کہا جا رہا ہے اور نہ آپ اس پر انکار کر رہے ہیں، نہ اسے بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات میرے کانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کر لیا ہے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات نقل نہیں کر سکتا، کیونکہ میں غلط بات نقل کروں گا تو قیامت کے دن جب آپ سے میری ملاقات ہوگی تو حضور مجھ سے اس غلط بات کے بارے میں پوچھیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنت میں جائیں گے، عثمان جنت میں جائیں گے، علی جنت میں جائیں گے، طلحہ جنت میں جائیں گے، زبیر جنت میں جائیں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں جائیں گے، سعد بن ابی وقاص جنت میں جائیں گے اور نویں نمبر پر ایمان لانے والا جنت میں جائے گا۔ اگر میں اس کا نام لینا چاہتا تو لے سکتا تھا۔''

اس پر مسجد میں موجود لوگوں نے شور مچا دیا کہ وہ نواں آدمی کون ہے۔ اس کا بھی نام بتائیں۔ انھوں نے فرمایا، تم مجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھ رہے ہو اور اللہ بہت بڑے ہیں۔ نواں مسلمان میں ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دسویں ہیں اس کے بعد انھوں نے فرمایا:

''ایک آدمی جو کسی موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو، (یعنی جہاد کے سفر میں یا تبلیغی سفر میں) اور اس کا چہرہ غبار آلود ہوا ہو اور تمھیں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مل جائے تو بھی اس شخص کا یہ عمل تمہاری ساری زندگی کے تمام اعمال سے زیادہ افضل ہوگا۔'' (ابونعیم فی الحلیۃ 95/1)

○

قدم بہ قدم

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا گیا تو ان کی خدمت میں پینے کی چیز لائی گئی۔ انھوں نے اسے پیا تو وہ زخم کے راستے باہر آ گئی۔ اس سے سب کو پتا چل گیا کہ اب ان کے بچنے کی امید نہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''ہائے عمر، ہائے میرے بھائی! آپ کے بعد ہمارا کون ہوگا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''اے میرے بھائی! ایسے نہ کہو، کیا آپ جانتے ہیں کہ جس کے مرنے پر اونچی آواز سے رویا جائے گا، اسے عذاب دیا جائے گا، بشرطیکہ وہ مرتے وقت اس کی وصیت کر کے گیا ہو۔''

○

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس حالت میں آپ سے ملنے کے لیے آئیں تو انھوں نے کہا:

''اے رسول اللہ کے صحابی، اے رسول اللہ کے سسر اور اے امیر المومنین۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ سے فرمایا:

''اے عبداللہ! مجھے بٹھا دو، میں یہ سب کچھ سن کر اب صبر نہیں کر سکتا۔''

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بٹھا لیا۔ اب آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''تم پر جو میرے حق ہیں، میں ان کا واسطہ دے کر تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں کہ تم آج کے بعد مجھ پر نوحہ کرو، تمہاری آنکھوں پر تو میں کوئی پابندی نہیں لگا سکتا (کیونکہ آنسوؤں سے رونے میں کوئی حرج نہیں) لیکن یہ بات یاد رکھو کہ جس میت پر نوحہ کیا جائے گا اور جو خوبیاں اس میں نہیں ہیں، وہ بیان کی جائیں گی تو فرشتے اسے لکھ لیں گے۔''

○

حضرت زید بن سعید رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا:

''اے زید بن سعید! کیوں رو رہے ہیں۔''

انھوں نے جواب دیا:

''میں اسلام کے نقصان پر رو رہا ہوں۔ حضرت عمر ؓ کی وفات سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ گیا جو قیامت تک پُر نہیں ہو سکے گا۔''

O

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے آ کر لوگوں کو بتایا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

حضرت ابووائل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس روز میں نے لوگوں کو جتنا غمگین اور روتے ہوئے دیکھا اور کسی دن نہیں دیکھا۔''

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر مجھے پتا چل جاتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلاں کتے سے محبت کرتے ہیں تو میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ کانٹے دار جھاڑیوں کو بھی حضرت عمر ؓ کے انتقال کا غم محسوس ہوا ہے۔''

O

صنعا کے گورنر حضرت ثمامہ بن عدی ؓ تھے۔ انھیں حضور ﷺ کی محبت نصیب ہوئی تھی۔ جب انھیں حضرت عثمان ؓ کے انتقال کی خبر ملی تو رونے لگے اور فرمانے لگے:

''اب ہم سے نبوت کے طرز پر چلنے والی خلافت چھین لی گئی۔'' (حیاۃ الصحابہ)

O

جس روز حضرت عثمان ؓ کے گھر کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کیا گیا۔ اس دن حضرت زید بن ثابت ؓ ان کی شہادت پر رو رہے تھے۔ حضرت ابوصالح کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوہریرہ ؓ ان مظالم کا ذکر کرتے تھے جو حضرت عثمان ؓ ڈھائے گئے تھے تو رونے لگ جاتے اور ان کا ہائے ہائے کر کے زور زور سے رونا مجھے ایسے یاد ہے جیسے میں اب سن رہا ہوں۔

O

قریش کے چند سردار حضور ﷺ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت حضور ﷺ کے پاس حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنھم موجود تھے اور یہ سب حضرات خستہ حال، غریب اور کمزور مسلمان تھے۔ انھیں دیکھ کر ان سرداروں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول (مذاق کے طور پر یا رسول اللہ کہہ کر پکارا) کیا آپ کو اپنی قوم کے یہی لوگ پسند آئے (یعنی غریب اور نادار لوگ) اور کیا ہمیں ان لوگوں کا فرماں بردار بن کر رہنا ہوگا (یعنی اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ایسے نادار لوگوں کے تابع ہو کر رہنا ہوگا) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر دیں تو پھر شاید ہم آپ کی پیروی کر لیں۔''

اس سے پہلے کہ آپ ﷺ انھیں کوئی جواب دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: اور اس قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں، نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا۔ اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خالص اس کی رضا ہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ انھیں نکال دیں، ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (سورہ انعام: 51)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹانے سے منع فرمایا: (جاری ہے)

بڑے قحط

محمد متین شاہ۔ خان گڑھ

مسلسل بھوک کا نام قحط ہے۔ دنیا کی ابتدا ہی سے انسان قحط اور خشک سالی کا سامنا کرتا آیا ہے۔ فرعون کے عہد میں مصر میں سات سال تک دریائے نیل خشک رہا جس سے سخت قحط پڑا۔ لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ غلے کے گودام خالی پڑے تھے۔ انجیل میں کئی قحطوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط سے بچنے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ اس انتظام کی بدولت مصر کے لوگ قحط کی مشکلات سے بچ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر 1800ء تک یورپ میں کم از کم تین سو پچاس قحط پڑے، یعنی ہر دس یا پانچ سال میں ایک قحط پڑا۔ اس عرصے کے دوران برطانیہ میں ہر دس سال میں ایک بڑا قحط پڑا۔ ان بڑے قحطوں کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قحط پڑے۔

یورپ میں پڑنے والے قحط نسبتاً کم سنگین تھے۔ چین میں ایک ہی صدی میں نوے بڑے قحط پڑے۔ پچھلی صدی میں شمالی چین میں پچانوے لاکھ لوگ بھوک سے لقمۂ اجل بنے۔

22-1921ء میں روس میں قحط لاکھوں لوگوں کو نگل گیا۔ 70-1969ء میں بنگال میں بہت بڑا قحط پڑا جس سے ایک کروڑ آدمی موت کی آغوش میں سو گئے۔ 1942ء میں بمبئی میں دس لاکھ لوگ قحط سے مر گئے۔ ہندوستان میں 1964ء میں اس صدی کا سب سے بڑا قحط پڑا۔

اللہ پاک ہم سب کو تمام آفات سے محفوظ رکھے اور ایمان کی دولت سے مالا مال کرے، آمین۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ بڑی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کوفے والے ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ ایسے میں حضرت سعید بن زید ؓ وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت مغیرہ ؓ نے انھیں سلام کیا اور تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ اتنے میں وہاں کوفے کا ایک شخص آیا اور کسی کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ حضرت سعید بن زید ؓ نے پوچھا:

"اے مغیرہ! یہ کسے بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔"

انھوں نے بتایا: "حضرت علی ؓ کو۔"

حضرت سعید بن زید ؓ نے یہ سن کر کہا:

"اے مغیرہ بن شعبہ! اے مغیرہ بن شعبہ! اے مغیرہ بن شعبہ! کیا میں سن نہیں رہا کہ حضور ﷺ کے صحابہ کو آپ سامنے برا کہا جا رہا ہے اور نہ آپ اس پر انکار کر رہے ہیں، نہ اسے بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات میرے کانوں نے حضور ﷺ سے سنی ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کر لیا ہے اور میں حضور ﷺ سے غلط بات نقل نہیں کر سکتا، کیونکہ میں غلط بات نقل کروں گا تو قیامت کے دن جب آپ سے میری ملاقات ہوگی تو حضور مجھ سے اس غلط بات کے بارے میں پوچھیں گے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے، ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنت میں جائیں گے، عثمان جنت میں جائیں گے، علی جنت میں جائیں گے، طلحہ جنت میں جائیں گے، زبیر جنت میں جائیں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں جائیں گے، سعد بن ابی وقاص جنت میں جائیں گے اور نویں نمبر پر ایمان لانے والا جنت میں جائے گا۔ اگر میں اس کا نام لینا چاہتا تو لے سکتا تھا۔"

اس پر مسجد میں موجود لوگوں نے شور مچا دیا کہ وہ نواں آدمی کون ہے۔ اس کا بھی نام بتائیں۔ انھوں نے فرمایا، تم مجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھ رہے ہو اور اللہ بہت بڑے ہیں۔ نواں مسلمان میں ہوں اور حضور ﷺ دسویں ہیں اس کے بعد انھوں نے فرمایا:

"ایک آدمی جو کسی موقعے پر حضور ﷺ کے ساتھ رہا ہو، (یعنی جہاد کے سفر میں یا تبلیغی سفر میں) اور اس کا چہرہ غبار آلود ہوا ہو اور تمھیں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مل جائے تو بھی اس شخص کا یہ عمل تمہاری ساری زندگی کے تمام اعمال سے زیادہ افضل ہوگا۔" (ابونعیم فی الحلیۃ 95/1)

○

جب حضرت عمر ؓ کو خنجر مارا گیا تو ان کی خدمت میں پینے کی چیز لائی گئی۔ انھوں نے اسے پیا تو وہ زخم کے راستے باہر آ گئی۔ اس سے سب کو پتا چل گیا کہ اب ان کے بچنے کی امید نہیں۔ حضرت صہیب ؓ فرمانے لگے:

"ہائے عمر، ہائے میرے بھائی! آپ کے بعد ہمارا کون ہوگا۔"

حضرت عمر ؓ نے ان سے فرمایا:

"اے میرے بھائی! ایسے نہ کہو، کیا آپ جانتے ہیں کہ جس کے مرنے پر اونچی آواز سے رویا جائے گا، اسے عذاب دیا جائے گا، بشرطیکہ وہ مرتے وقت اس کی وصیت کر کے گیا ہو۔"

○

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس حالت میں آپ سے ملنے کے لیے آئیں تو انھوں نے کہا:

"اے رسول اللہ کے صحابی، اے رسول اللہ کے سسر اور اے امیر المومنین۔"

حضرت عمر ؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ سے فرمایا:

"اے عبداللہ! مجھے بٹھا دو، میں یہ سب کچھ سن کر اب صبر نہیں کر سکتا۔"

حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بٹھا لیا۔ اب آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"تم پر جو میرے حق ہیں، میں ان کا واسطہ دے کر تمھیں اس بات سے منع کرتا ہوں کہ تم آج کے بعد مجھ پر نوحہ کرو، تمہاری آنکھوں پر تو میں کوئی پابندی نہیں لگا سکتا (کیونکہ آنسوؤں سے رونے میں کوئی حرج نہیں) لیکن یہ بات یاد رکھو کہ جس میت پر نوحہ کیا جائے گا اور جو خوبیاں اس میں نہیں ہیں، وہ بیان کی جائیں گی تو فرشتے اسے لکھ لیں گے۔"

○

حضرت زید بن سعید ؓ رو رہے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا:

"اے زید بن سعید! کیوں رو رہے ہیں۔"

انھوں نے جواب دیا:

''میں اسلام کے نقصان پر رو رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ گیا جو قیامت تک پُر نہیں ہو سکے گا۔''

O

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آ کر لوگوں کو بتایا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

حضرت ابووائل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس روز میں نے لوگوں کو جتنا غمگین اور روتے ہوئے دیکھا اور کسی دن نہیں دیکھا۔''

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر مجھے پتا چل جاتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلاں کتے سے محبت کرتے ہیں تو میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ کانٹے دار جھاڑیوں کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا غم محسوس ہوا ہے۔''

O

صنعا کے گورنر حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں حضور ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ جب انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو رونے لگے اور فرمانے لگے:

''اب ہم سے نبوت کے طرز پر چلنے والی خلافت چھین لی گئی۔'' (حیاۃ الصحابہ)

O

جس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کیا گیا۔ اس دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کی شہادت پر رو رہے تھے۔ حضرت ابوصالح کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان مظالم کا ذکر کرتے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ڈھائے گئے تھے تو رونے لگ جاتے اور ان کا ہائے ہائے کر کے زور زور سے رونا مجھے ایسے یاد ہے جیسے میں اب سن رہا ہوں۔

O

قریش کے چند سردار حضور ﷺ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت حضور ﷺ کے پاس حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنھم موجود تھے اور یہ سب حضرات خستہ حال، غریب اور کمزور مسلمان تھے۔ انھیں دیکھ کر ان سرداروں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول (مذاق کے طور پر یا رسول اللہ کہہ کر پکارا) کیا آپ کو اپنی قوم کے یہی لوگ پسند آئے (یعنی غریب اور نادار لوگ) اور کیا ہمیں ان لوگوں کا فرماں بردار بن کر رہنا ہوگا (یعنی اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ایسے نادار لوگوں کے تابع ہو کر رہنا ہوگا) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر دیں تو پھر شاید ہم آپ کی پیروی کر لیں۔''

اس سے پہلے کہ آپ ﷺ انھیں کوئی جواب دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: اور اس قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں، نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا۔ اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خالص اس کی رضا ہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ انھیں نکال دیں، ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (سورہ انعام: 51)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹانے سے منع فرمایا: (جاری ہے)

بڑے قحط

محمد متین شاہ۔ خان گڑھ

مسلسل بھوک کا نام قحط ہے۔ دنیا کی ابتداء ہی سے انسان قحط اور خشک سالی کا سامنا کرتا آیا ہے۔ فرعون کے عہد میں مصر میں سات سال تک دریائے نیل خشک رہا جس سے سخت قحط پڑا۔ لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ غلے کے گودام خالی پڑے تھے۔ انجیل میں کئی قحطوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط سے بچنے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ اس انتظام کی بدولت مصر کے لوگ قحط کی مشکلات سے بچ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر 1800ء تک یورپ میں کم از کم تین سو پچاس قحط پڑے، یعنی ہر دس یا پانچ سال میں ایک قحط پڑا۔ اس عرصے کے دوران برطانیہ میں ہر دس سال میں ایک بڑا قحط پڑا۔ ان بڑے قحطوں کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قحط پڑے۔

یورپ میں پڑنے والے قحط نسبتاً کم سنگین تھے۔ چین میں ایک ہی صدی میں نوے بڑے قحط پڑے۔ پچھلی صدی میں شمالی چین میں پچانوے لاکھ لوگ بھوک سے لقمۂ اجل بنے۔

22-1921ء میں روس میں قحط لاکھوں لوگوں کو نگل گیا۔

70-1969ء میں بنگال میں بہت بڑا قحط پڑا جس سے ایک کروڑ آدمی موت کی آغوش میں سو گئے۔ 1942ء میں بمبئی میں دس لاکھ لوگ قحط سے مر گئے۔ ہندوستان میں 1964ء میں اس صدی کا سب سے بڑا قحط پڑا۔

اللہ پاک ہم سب کو تمام آفات سے محفوظ رکھے اور ایمان کی دولت سے مالا مال کرے، آمین۔

عبداللہ فارانی

92

واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں اپنی ماں کو سخت گرم اور پتھریلی زمین میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر چھ میل لے گیا، زمین اتنی گرم تھی کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیتا تو وہ پک جاتا۔ تو کیا میں نے اس کے احسانات کا بدلہ ادا کر دیا۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہاری والدہ نے تمہارے لیے جتنی تکالیف اٹھائیں، شاید ان میں سے ایک ٹیس کا بدلہ اتر گیا ہو۔" (یعنی اس نے جو تکالیف برداشت کی ہیں، تم کسی صورت بھی ان کا بدلہ نہیں چکا سکتے)

○

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"اے فلاں! یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟"

اس نے بتایا: "یہ میرے والد ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "ان کے آگے نہ چلو، ان سے پہلے نہ بیٹھو، ان کا نام لے کر نہ پکارو، انھیں گالی دیے جانے کا سبب نہ بنو۔" (یعنی تم کسی کے باپ کو گالی دو گے تو وہ جواب میں تمہارے باپ کو گالی دے گا)

○

حضرت ابو غسان رحمہ اللہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ کے پتھریلے میدان میں چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے ان سے پوچھا: "یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔"

حضرت ابو غسان نے جواب دیا: "یہ میرے والد ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"ان کے آگے مت چلا کرو، کسی کو اپنے اور ان کے درمیان نہ آنے دو، اپنے والد کے مکان کی ایسی چھت پر نہ چلو جس کی منڈیر نہ ہو، کیونکہ اس سے ان کے دل میں (تمہارے چھت سے نیچے گر جانے کا) ڈر پیدا ہوگا (اور وہ اس سے پریشان ہوں گے) اور جس گوشت والی ہڈی پر تمہارے والد کی نظر پڑ چکی ہو، اسے نہ کھاؤ۔"

○

ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔"

اس نے کہا: "جی ہاں!"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم ان دونوں کی خدمت کرو (یعنی چونکہ تمہارے والدین محتاجِ خدمت ہیں، اس لیے تم ان کی خدمت کرو۔" تمہارا جہاد یہی ہے) (ابن ماجہ)

○

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"حضور! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن مجھ میں جہاد میں جانے کی طاقت نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میری والدہ زندہ ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "اپنی والدہ کی خدمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جاؤ (یعنی مرتے دم تک تم ان کی خدمت کرتے رہو) جب تم یہ کرو گے تو گویا تم نے حج، عمرہ اور جہاد بھی کچھ کر لیا۔" (طبرانی)

○

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: "تم لوگ اس بستی میں جانے کی تیاری کر لو جس کے رہنے والے بہت ظالم ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بستی فتح کر کے تمہیں دیں گے۔" (آپ کا ارادہ خیبر کا تھا)

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"میرے ساتھ اڑیل سواری والا اور کمزور سواری والا ہرگز نہ جائے۔"

یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جا کر اپنی والدہ سے کہا:

”میرا سفر کا سامان تیار کر دیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کی تیاری کا حکم فرمایا ہے۔“

آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا: ”تم جا رہے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری مدد کے بغیر اندر آ جا نہیں سکتی۔“

اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔“

ان کی والدہ نے اپنے دودھ کا حوالہ دیا، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر بھی نہ مانے۔ اس پر ان کی والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر یہ ساری بات بتا دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”تم جاؤ، تمہارا کام تمہارے بغیر ہی ہو جائے گا۔“

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھ رہا ہوں، آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ ضرور میری طرف سے آپ کو کوئی بات پہنچی ہے، جس کی وجہ سے آپ ایسا فرما رہے ہیں۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہاری والدہ نے تمہیں دودھ کا واسطہ دیا، لیکن تم نے پھر بھی ان کی بات نہیں مانی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنے والدین کے پاس یا دونوں میں سے ایک کے پاس رہو گے تو تم اللہ کے راستے میں نہیں ہو، انسان جب والدین کے پاس رہ کر اچھی طرح خدمت کرتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کر کے ان کا حق ادا کرتا ہے تو بھی وہ اللہ ہی کے راستے میں ہوتا ہے۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد دو سال تک والدہ کی خدمت کرتے رہے۔ جب تک ان کا انتقال نہیں ہو گیا، کسی غزوے میں نہیں گئے۔

O

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے گئے۔ چلتے چلتے وہ مکے اور مدینے کے درمیان ایک درخت کے پاس پہنچے تو اسے پہچان لیا اور اس کے نیچے بیٹھ گئے، پھر فرمایا:

”میں نے دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں اس گھاٹی سے ایک آدمی آیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، پھر اس نے کہا:

”اے اللہ کے رسول! میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور میری نیت صرف اللہ کو راضی کرنے اور آخرت اچھی بنانے کی ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟“

اس نے عرض کیا: ”جی ہاں!“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”واپس جا کر ان کی خدمت کرو۔ ان سے اچھا سلوک کرو۔“

وہ شخص جہاں سے آیا تھا، وہیں چلا گیا۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

93

واقعات صحابہؓ

قدم بہ قدم

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں کھجور کے ایک درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے درخت بیچنے کے بجائے اسے اندر سے کھود کر اس کا گودا نکالا اور اپنی والدہ کو کھلا دیا۔ کسی نے پوچھا:

''آپ نے ایسا کیوں کیا، یعنی اتنا قیمتی درخت ضائع کر دیا، آپ کو معلوم بھی ہے کہ ایک درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ چکی ہے۔''

جواب میں انھوں نے کہا:

''میری والدہ نے مجھ سے کھجور کا گودا مانگا تھا اور میری عادت یہ ہے کہ جب میری والدہ مجھ سے کچھ مانگتی ہیں اور اس چیز کا والدہ کے لیے حاصل کرنا میرے بس میں ہوتا ہے تو میں وہ چیز ضرور انھیں دیتا ہوں۔''

○

حضور نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور لوگوں میں بیان فرما رہے تھے۔ ایسے میں حضرت امام حسین بن علیؓ گھر سے نکل آئے۔ ان کے گلے میں کپڑے کا ایک ٹکڑا لٹک رہا تھا۔ وہ زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ اس میں ان کا پاؤں الجھ گیا اور آپ منہ کے بل زمین پر گر گئے۔ آپ ﷺ انھیں اٹھانے کے لیے منبر سے اترنے لگے، لیکن اس دوران صحابہ کرام انھیں اٹھا کر آپ کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس وقت فرمایا:

''شیطان کو اللہ مارے۔ اولاد تو بس فتنہ ہے اور آزمائش ہی ہے۔ اللہ کی قسم مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ میں کب منبر سے اتر آیا ہوں۔ مجھے تو بس اس وقت پتا چلا جب تم لوگ اسے اٹھا کر میرے پاس لے آئے۔'' (طبرانی)

○

ایک مرتبہ حضور ﷺ سجدے میں تھے۔ ایسے میں حضرت امام حسینؓ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ انھیں ہاتھ سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ پھر سجدے میں گئے تو یہ پھر آپ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اٹھ کر انھیں چھوڑا تو یہ چلے گئے۔ (حیاۃ الصحابہ)

○

ایک روز حضور ﷺ سجدے میں تھے۔ اتنے میں حضرت حسنؓ وہاں آ گئے اور آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ آپ نے انھیں نیچے نہیں اتارا، اسی طرح سجدے میں رہے (یعنی سجدہ لمبا کر دیا) یہاں تک کہ حضرت حسنؓ خود ہی نیچے اتر آئے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ان کے لیے اپنی ٹانگیں کھول لیا کرتے تھے اور یہ نیچے سے نکل کر دوسری طرف نکل جاتے تھے۔ (طبرانی)

ایک روز حضور نبی کریم ﷺ حضرت ابو قتادہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے کندھے پر آپ کی نواسی حضرت اُمامہ بنت عاصؓ بیٹھی تھیں۔ آپ نے اسی طرح نماز شروع کر دی۔ جب رکوع میں جاتے تو انھیں نیچے اتار دیتے۔ جب سجدے سے سر اٹھاتے تو انھیں پھر اٹھا لیتے۔

○

ایک روز آپ ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ کے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے ایک کندھے پر حضرت حسنؓ اور دوسرے پر حضرت حسینؓ بیٹھے تھے۔ آپ کبھی ایک کو چومتے تو کبھی دوسرے کو۔ آپ اسی طرح چلتے چلتے حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ایسے میں ایک شخص نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کو ان دونوں سے محبت ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' (ابن ماجہ۔ احمد)

○

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز دیکھا کہ حضور ﷺ حضرت حسن بن علیؓ کی زبان اور ہونٹ چوس رہے تھے اور جس زبان اور ہونٹ کو حضور ﷺ نے چوسا ہو، اسے کبھی عذاب نہیں ہو سکتا۔ (احمد)

○

حضور ﷺ کے ایک صاحب زادے تھے۔ وہ مدینہ منورہ کے کنارے محلے میں ایک عورت کا دودھ پیتے تھے۔ اس عورت کا خاوند لوہار تھا۔ آپ ﷺ بچے سے ملنے جاتے تھے تو لوہار کا گھر بھٹی میں گھاس جلانے کی وجہ سے دھوئیں سے بھرا ہوتا تھا۔ حضور اس حالت میں اپنے بچے کو چوما کرتے تھے اور ناک لگا کر سونگھا کرتے تھے۔ (بخاری)

Scanned by CamScanner

○

ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے آئی۔ آپ نے اسے تین کھجوریں دیں۔ اس نے ایک ایک کھجور دونوں بیٹیوں کو دے دی اور تیسری کھجور اپنے منہ کی طرف لے جانے لگی۔ دونوں بچیاں اس کھجور کو بھی دیکھنے لگیں۔ اس نے کھجور خود نہ کھائی، اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا۔ اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔ پھر حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ آپ کو سنایا۔ آپ نے فرمایا:

''وہ اپنے اس شفقت بھرے سلوک کی وجہ سے جنت کی حق دار ہوگئی ہے۔''

○

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ وہ بچے کو اپنے ساتھ چمٹانے لگا۔ حضور ﷺ نے پوچھا:

''کیا تم اس بچے پر رحم کر رہے ہو؟''

اس نے عرض کیا: ''جی ہاں!''

آپ نے فرمایا: ''تم اس پر جتنا رحم کھا رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم پر رحم فرما رہے ہیں، وہ تو ارحم الراحمین ہیں۔ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔''

○

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں اس کا ایک بیٹا وہاں آگیا۔ اس نے اسے چوم کر اپنی ران پر بٹھا لیا۔ پھر اس کی ایک بیٹی آگئی، اس نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''تم نے دونوں سے ایک جیسا سلوک کیوں نہیں کیا، بیٹی کو نہ چوما، نہ سے ران پر بٹھایا۔''

○

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ وہاں اس وقت حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

''میرے تو دس بچے پیدا ہوئے، میں نے تو ان میں سے ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔'' (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہ

حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میرے پڑوسی نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صبر کرو۔''

یہ سن کر حضرت محمد بن عبداللہ چلے گئے، پھر آئے اور یہی بات کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر آئے اور یہی بات کی۔ اب آپ نے فرمایا:

''اپنے گھر کا سارا سامان اٹھا کر گلی میں رکھ لو... تمہارے پاس جو بھی آئے اور پوچھے کہ یہ کیا معاملہ ہے تو تم بتاتے رہنا کہ تمہارے پڑوسی نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے، اس طرح سب اسے برا بھلا کہیں گے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہیے اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ یا تو وہ خیر کی بات کہے یا چپ رہے۔''

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں تشریف لے جانے لگے۔ آپ نے فرمایا:

''آج ہمارے ساتھ وہ نہ جائے جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی ہو۔''

آپ کی یہ بات سن کر ایک شخص نے کہا:

''میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار کی جڑ میں پیشاب کیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم آج ہمارے ساتھ نہ جاؤ۔''

O

حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ آپ نے ہم میں سے ہر تین آدمیوں کو ایک ایک اونٹ سواری کے لیے دیا۔ صحرا اور جنگل میں تو ان میں سے دو دو اونٹوں پر سوار ہو جاتے اور ایک پیچھے سے اونٹ کو چلاتا اور پہاڑوں میں سب ہی اتر جاتے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ اس وقت پیدل چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پیدل چل رہے ہو، کیا بات ہے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''جی میں ابھی اترا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھی سوار ہیں۔'' (یعنی اب ان کی باری ہے)

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے گئے۔

قدم بہ قدم

آپ کا گزر ان کے دونوں ساتھیوں کے پاس سے ہوا، اس پر انھوں نے اپنے اونٹ کو بٹھا لیا اور دونوں اس سے اتر گئے۔ جب حضرت رباح ان کے قریب پہنچے تو دونوں نے ان سے کہا:

''اے رباح! اب تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور مدینہ واپسی تک یوں ہی بیٹھے رہو۔ ہم دونوں باری باری سوار ہوتے رہیں گے۔'' (یعنی اب تم پیدل نہ چلنا)

انھوں نے پوچھا:

''یہ کیوں؟''

ان دونوں نے کہا:

''حضور ابھی ہم سے فرما گئے ہیں کہ تمہارا ساتھی بہت نیک ہے، تم اس کے ساتھ اچھی طرح رہو۔''

O

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کھانا کھا رہی تھیں کہ ان کے پاس سے ایک باوقار آدمی گزرا۔ آپ نے اسے بلا کر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی گزرا۔ اسے بلایا نہیں، بس روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔

کسی نے ان سے پوچھا:

''آپ نے دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیوں نہیں کیا؟''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

''ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق معاملہ کریں۔'' (اور ہر ایک کو اس کے درجے پر رکھیں)

O

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا ایک سفر میں تھیں۔ انھوں نے قریش کے کچھ لوگوں کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک مال دار باوقار آدمی بھی وہاں آ گیا۔ آپ نے فرمایا:

''اسے بلالو۔''

اسے بلایا گیا تو وہ سواری سے نیچے اترا۔ اس نے بیٹھ کر کھانا کھایا اور چلا گیا۔ اس کے بعد ایک مانگنے والا آیا۔ آپ نے اس کے لیے فرمایا:

''اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دو۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''اس مال دار کے ساتھ اکرام والا معاملہ کرنا ہی ہمارے لیے مناسب تھا اور فقیر نے سوال کیا تو اسے اتنا دینے کے لیے کہہ دیا جس سے وہ خوش ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔'' (یعنی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے)

○

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز بازار گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت طفیل بن ابی بن کعب رحمہ اللہ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر جب بھی بازار جاتے تھے تو راستے میں ملنے والے ہر شخص کو سلام کرتے تھے۔ اس روز حضرت طفیل نے آپ سے کہا:

''آخر آپ بازار میں کس لیے آئے ہیں، نہ کسی دکان سے کچھ خریدتے ہیں، نہ کسی چیز کی قیمت معلوم کرتے ہیں، نہ بازار میں کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ آیئے ہم یہاں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کریں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اے پیٹو (ان کا پیٹ بڑھا ہوا تھا) ہم تو سلام کی وجہ سے بازار آتے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو بھی ملے گا، ہم اسے سلام کریں گے۔''

○

ایک یہودی نے حضرت ابو امامہ باہلی کو آتے دیکھا تو وہ جلدی سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا جب حضرت ابو امامہ باہلی نزدیک آئے تو یک دم سامنے آ گیا اور انھیں سلام کیا:

حضرت ابو امامہ باہلی نے فرمایا:

''اے یہودی! تیرا ناس ہو! تو نے ایسا کیوں کیا؟''

اس نے کہا: ''آپ جب بھی بازار میں آتے ہیں، دوسروں کو بہت زیادہ سلام کرتے ہیں اور سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں، اس سے میں یہ سمجھا کہ یہ کوئی بہت فضیلت والا عمل ہے، اس لیے میں نے چاہا، میں بھی فضیلت حاصل کرلوں۔''

یہ سن کر حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے السلام علیکم کو ہماری امتِ مسلمہ کے لیے آسان، امت (مسلمہ) کے لیے آپس کا سلام بنا دیا ہے اور ہمارے ساتھ رہنے والے ذمّی کافروں کے لیے اسے امن کی نشانی بنا دیا ہے۔''

○

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔ حضرت محمد بن زیاد رحمہ اللہ ان کا ہاتھ تھامے ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں جو شخص بھی ان کے پاس سے گزرتا، چاہے، وہ مسلمان ہوتا یا نصرانی، چھوٹا ہوتا یا بڑا، آپ اسے سلام ضرور کرتے۔ آپ گھر کے دروازے پر پہنچے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! ہمیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کا حکم دیا ہے کہ ہم آپس میں سلام پھیلائیں۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سلام ان الفاظ پر پورا ہو جاتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

''رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ علیکم اہل البیت۔''

(طبرانی 33/8)

O

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''السلام علیکم اے اللہ کے رسول۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

پھر دوسرے نے آکر کہا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

آپ نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

پھر تیسرے نے آکر کہا:

''السلام علیکم اے اللہ کے رسول ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''وعلیک۔''

اس پر ان صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے تینوں کو جواب دیا، لیکن پہلے دونوں کو آپ نے مجھ سے اچھا جواب دیا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے سلام میں کوئی چیز تو چھوڑی نہیں (یعنی تم نے مکمل سلام کیا) اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اور جب تمہیں کوئی شرعی طور پر سلام کرے تو اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کیا کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو، چونکہ تم نے سلام میں سارے ہی الفاظ کہہ دیے، اس لیے میں نے تمہارے سلام کا جواب تمہارے ہی الفاظ میں دے دیا ہے۔'' (طبرانی 33/8)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت لینے کے بعد فرمایا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

جواب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بالکل آہستہ آواز میں کہا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ!''

آہستہ آواز کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن نہ سکے۔ تین مرتبہ یہی ہوا، یعنی آپ نے سلام کیا اور حضرت سعد نے بالکل آہستہ آواز میں جواب دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے تو حضرت سعد باہر نکل کر آپ کی طرف لپکے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کا ہر سلام میرے کانوں تک پہنچا اور میں نے آپ کے ہر سلام کا جواب دیا، لیکن ارادۃً آہستہ سے کہا، تاکہ آپ سن نہ سکیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کے سلام کی برکت زیادہ سے زیادہ حاصل کر لوں۔''

پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے۔

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب آپ انصار کے گھروں میں تشریف لاتے تو انصار کے بچے آکر آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ آپ ان کے لیے دعا فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور انھیں سلام کرتے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ اب یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا:

''اے عائشہ! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت وحی لے کر آئے تھے) تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔''

یہ سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

یہاں تک کہہ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کچھ اور بھی الفاظ بڑھانے

عنہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں نے ان کے سلام کو سنا ہی نہیں۔ میں تو کسی گہری سوچ میں گم تھا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''آپ کس سوچ میں تھے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں شیطان کے خلاف سوچ رہا تھا کہ وہ ایسے برے خیالات میرے دل میں ڈال رہا تھا کہ زمین پر جو کچھ ہے، وہ سارا مجھے مل جائے۔ میں ان خیالات کو زبان پر نہیں لا سکتا۔ (یعنی جو جو خیالات شیطان میرے دل میں ڈال رہا تھا) جب شیطان نے میرے دل میں یہ برے برے خیالات ڈالنے شروع کیے تو میں نے دل میں کہا:

''اے کاش! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتا کہ ان شیطانی خیالات سے کیسے نجات ملے گی۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تھی اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ شیطان جو برے خیالات ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے، ان سے ہمیں نجات کیسے ملے گی۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ان سے نجات تمہیں اس طرح ملے گی کہ تم وہ کلمہ کہہ لیا کرو جو میں نے موت کے وقت اپنے چچا کو پیش کیا تھا، لیکن انھوں نے وہ کلمہ نہیں پڑھا تھا۔'' (یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیا کرو)

○

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسجد میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں نظر بھر کر دیکھا، لیکن ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دو مرتبہ یہ کہا:

''اے امیر المومنین! کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کیا ہوا؟''

انھوں نے کہا:

''اور تو کوئی بات نہیں! البتہ بات یہ ہے کہ میں ابھی ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے مجھے نظر بھر کر دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے تو ان سے پوچھا، آپ نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں نے تو ایسا نہیں کیا۔''

یہ سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص نے فوراً کہا:

''آپ نے ایسا کیا ہے۔''

اس پر بات اتنی بڑھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم کھا لی اور ادھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پر قسم کھا لی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات یاد آ گئی تو انھوں نے کہا:

''استغفر اللہ واتوب الیہ۔ آپ میرے پاس سے گزرے تھے۔ اس وقت میں اس بات کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور وہ بات ایسی ہے کہ جب بھی مجھے یاد آتی ہے تو میری نگاہ پر اور میرے دل پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے، جس کی وجہ سے نہ مجھے کچھ نظر آتا ہے اور نہ کچھ سمجھ آتا ہے۔''

اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں آپ کو وہ بات بتاؤں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے ابتدائی حصے کا ذکر فرمایا کہ دعا کے شروع میں اسے پڑھنا چاہیے۔ اتنے میں ایک دیہاتی آ گیا اور آپ اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے۔ میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ پھر مجھے خطرہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے کہیں حضور گھر کے اندر نہ چلے جائیں، اس لیے میں نے زمین پر زور سے پاؤں مارے۔ اس پر آپ میری طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا:

''یہ کون ہے۔ ابو اسحاق ہے؟''

انھوں نے کہا:

''جی ہاں!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اور تو کوئی بات نہیں۔ بس یہ بات ہے کہ آپ نے دعا کے ابتدائی حصے کا ذکر فرمایا تھا۔ پھر وہ دیہاتی آ گیا اور بات درمیان میں رہ گئی۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! وہ مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ ان کلمات کے ساتھ جو مسلمان دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کریں گے۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

حضرت اشعث بن قیس اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہما حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس وقت مدائن شہر میں تھے۔ یہ حضرات شہر کے کنارے پر واقع ان کی جھگی کے اندر داخل ہوئے۔ انھیں سلام کیا اور یہ دعا دی:

''اللہ آپ کو زندہ رکھے۔''

پھر انھوں نے پوچھا: ''کیا آپ ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں؟''

انھوں نے فوراً کہا: ''جی ہاں!''

انھوں نے پوچھا:

''کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔''

انھوں نے کہا: ''معلوم نہیں۔''

اس پر ان دونوں کو شک ہو گیا۔ کہنے لگے:

''شاید یہ وہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں جن سے ہم ملنا چاہتے ہیں۔''

ان کی بات سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ہی وہ شخص ہوں جس سے تم ملنا چاہتے ہو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، لیکن حضور کا ساتھی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں چلا جائے۔ (یعنی جس کا ایمان پر خاتمہ ہو جائے اور مجھے اپنے خاتمے کے بارے میں پتا نہیں) آپ لوگ کس لیے میرے پاس آئے ہیں۔''

ان دونوں نے کہا: ''ملک شام میں آپ کے ایک بھائی ہیں۔ ہم ان کے پاس سے آئے ہیں۔''

حضرت سلمان نے پوچھا: ''وہ کون ہیں؟''

انھوں نے کہا:

''وہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں۔''

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''انھوں نے جو ہدیہ تم دونوں کے ہاتھ بھیجا ہے، وہ کہاں ہے۔''

دونوں نے کہا:

''انھوں نے تو کوئی ہدیہ نہیں بھیجا۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ سے ڈرو، جو امانت لائے ہو، وہ میرے حوالے کرو، آج تک جو بھی ان کے پاس سے میرے پاس آیا ہے، وہ اپنے ساتھ ان کی طرف سے ہدیہ ضرور لایا ہے۔''

ان دونوں نے یہ بات سن کر کہا:

''آپ ہمارے سامان کی تلاشی لے لیں اور اس میں سے جو چاہیں، لے لیں، لیکن انھوں نے آپ کے لیے ہمیں کچھ نہیں دیا تھا۔ بس ہم سے صرف اتنا کہا تھا کہ میں تم لوگوں کو ایک صاحب ایسے قابل احترام ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے تنہائی میں بات کیا کرتے تھے تو کسی اور کو ان کے ساتھ نہیں بلاتے تھے۔ جب تم دونوں ان کے پاس جاؤ تو انھیں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔''

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اس کے علاوہ میں اور کون سا ہدیہ تم دونوں سے چاہتا تھا اور کون سا ہدیہ سلام سے افضل ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بابرکت اور پاکیزہ کلام ہے۔''

یعنی اسی ہدیے کی تو بات کر رہا تھا۔

○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضور نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا تو انھوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کیا:

''میں اس وقت ناپاک ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درخت کے پتے گر جاتے ہیں۔''

(یعنی اس حالت میں بھی مصافحہ کیا جا سکتا ہے)

○

حضرت ابو رجا عطاردی رحمہ اللہ مدینہ منورہ آئے۔ انھوں نے دیکھا، لوگ ایک جگہ جمع ہیں۔ ان کے درمیان میں ایک شخص ہے، وہ دوسرے آدمی کو چوم رہا ہے اور کہہ رہا ہے:

''میں آپ پر قربان جاؤں، اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔''

انھوں نے کسی سے پوچھا: ''یہ چومنے والا کون ہے اور کسے چوم رہا ہے؟''

اس نے بتایا: ''یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے چوم رہے ہیں کہ سب کی رائے یہ تھی کہ جن مرتدوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے، ان سے جنگ نہ کی جائے۔ بس اکیلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے جنگ کی جائے اور آخر سب کی رائے کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہوا اور اس میں اسلام کو فائدہ پہنچا۔'' (ابن عساکر)

○

حضرت عبدالرحمٰن بن رزین رحمہ اللہ ربذہ سے گزرے، وہاں کے لوگوں نے انھیں بتایا:

''یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن رزین اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھیں سلام کیا تو انھوں نے دونوں ہاتھ باہر نکال کر فرمایا: ''میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔''

انھوں نے دیکھا، ان کے ہاتھ خوب بڑے تھے، چنانچہ ان حضرات نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔

○

ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے ذرا سا سرک گئے۔ انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! جگہ تو بہت ہے۔''

(یعنی پھر آپ کیوں سرکے)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی مومن کا حق ہے۔''

○

مسجد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا:

''اے ابوالحسن! یہاں آجاؤ۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور صلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آبیٹھے۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت کثیر بن مرہ رحمہ اللہ ایک دن مسجد میں گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ایک حلقے میں پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہیں۔ جب ان کی نظر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ پر پڑی تو انھوں نے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا:
”تم جانتے ہو، میں نے کیوں پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ اس لیے پھیلائے تھے، تاکہ کوئی نیک آدمی یہاں آ کر بیٹھ جائے۔“

○

دو آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک گدا بچھا دیا۔ ان میں سے ایک تو گدے پر بیٹھ گیا اور دوسرا زمین پر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا جو زمین پر بیٹھ گیا تھا:
”اٹھو اور گدے پر بیٹھو، کیونکہ ایسے اکرام کا انکار تو گدھا ہی کر سکتا ہے۔“

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔ ان کے خاوند حضرت خنیس بن حذافہ بھی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے اور جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:
”اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں۔“
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ چند دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا:
”اے عمر! تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں، میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس وقت آپ کو مجھ پر غصہ آیا ہوگا؟“
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
”ہاں! غصہ آیا تو تھا۔“
اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
”اس وقت میں نے تمھیں اس لیے جواب نہیں دیا تھا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے سنا تھا لیکن اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔“

○

ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:
”یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔“
یعنی یہ ترکیب بتائی آپ نے دل کی سختی کو دور کرنے کی۔

○

جنگ احد کے دن حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:
”میرے والد کی کیا خبر ہے؟“
آپ نے ان سے فرمایا:
”وہ تو شہید ہو گئے۔“
یہ سن کر حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ نے انھیں پکڑ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی سواری پر بٹھا لیا، پھر فرمایا:
”کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میں تمھارا باپ بن جاؤں اور عائشہ تمھاری ماں۔“

○

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا بھی رکھتے۔ جب اونٹنی پر سفر کرتے کرتے اکتا جاتے تو آرام کرنے کے لیے اس پر بیٹھ جاتے اور ایک پگڑی بھی ساتھ لے جاتے۔ اسے ضرورت کے وقت سر پر باندھ لیتے۔ ایک روز

دعوتِ عام

نورالھدیٰ۔ لاہور

عام طور پر دعوت کا لفظ سنتے ہی منہ میں پانی آجاتا ہے اور دماغ فوراً مختلف قسم کے پکوان کی طرف چلا جاتا ہے اور پھر رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ظاہر ہے، دعوت جو ہے۔ اسی طرح ہمارے پیارے اور ننھے سے "بچوں کا اسلام" میں ان گنت دعوتیں ملیں، جو ہمارے بڑے کام کی رہیں، بہت فائدہ مند ثابت ہوئیں۔ بھی کوئی نہ کوئی ہمیں دعوتیں دیتا ہی رہا۔ ہم دعوت سے محروم نہیں ہوئے۔ کسی نہ کسی صورت میں یہ دعوتیں ہمارے پاس آتی رہیں۔ بس فرق اتنا سا ہے کہ یہ دعوتیں بغیر کھانے پینے کے تھیں اور ظاہر ہے جب دعوتیں کھانے پینے کے بغیر ہوں تو پھر ہمارا اکثر ہی دل بے دل ہو جاتا ہے اور فوراً کہہ اٹھتا ہے:

"یہ بھی کوئی دعوت ہے جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو۔"

مگر دل نے پھر بھی ہر ہر دعوت کو بے دل سے قبول کیا۔ ان دعوتوں کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ان میں وقت بالکل ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑا فائدہ یہ کہ مال تو بالکل بھی لگتا نہیں اور نہ ہی دل بوجھل ہوتا ہے۔ غرض یہ دعوتیں کام کی دعوتیں ثابت ہوئیں اور اب ہم جو دعوت دینے جا رہے ہیں، وہ دعوت ذرا پیچیدہ قسم کی ہے۔ ہم نے سوچا بھی دعوتوں پر دعوتیں دیے جا رہے ہیں تو پھر ہم بھی ہمت کر کے دعوت دے ہی دیں۔ تو قارئین اب تک آپ نے جو دعوتیں سنیں، بلکہ پڑھیں، یہ ان سب سے ذرا مختلف ہے۔ دعوت اس قسم کی ہے کہ آج کل دنیا میں کتنے لوگ فوت ہو رہے ہیں اور ظاہر ہے، ان میں کفار بھی ہیں۔ ذرا اب ذہن پر زور ڈالیں اور سوچیں کہ ہم کیا کر سکے؟ یعنی جو اس دنیا سے چلے گئے، ان تک دین پہنچایا؟ ان تک کلمہ پہنچایا؟ وہ تو بے چارے بغیر دین کے، بغیر حساب کتاب کے دوزخ میں چلے گئے اور ہم جنت میں۔ ہم تو یہی سوچتے رہے بلکہ اکثریت یہی سوچتی ہے کہ جب اللہ کے رستے میں نکلیں گے تو تب ہی دعوت دیں گے۔ ہے نا یہی بات۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہم ساری زندگی اللہ کے راستے میں نہ نکلے تو کفار جہنم رسید ہوتے رہیں گے؟ اب ہماری صرف یہ درخواست ہے کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم گھر میں بیٹھے پانچ یا دس منٹ اس بات کی فکر کر لیں کہ یا اللہ! پورے عالم میں جو مسلمان ہیں، انھیں ہدایت دے اور جو کفار ہیں، انھیں اسلام کی دولت سے نواز۔ جہاں جہاں بھی جس جس کونے میں بھی تیرے نافرمان ہیں، انھیں سچا راستہ دکھا۔ تو ہمارا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ ہاں بھی کہاں کہاں دین کا کام کیا تو یہ کہنے والے تو ہوں گے کہ ہم جا نہیں سکے تھے مگر اے اللہ! ہم نے فکر کی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں اور کل روز محشر میں کفار ہمارا گریبان پکڑ کر اور چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہوں:

"اے اللہ! ان مسلمانوں نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔ اگر یہ ہمیں تیرا دین پہنچاتے تو ہم ضرور عمل کرتے۔"

آپ کو ہماری دعوت کیسی لگی؟ بتایئے گا ضرور!

اس گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی ان کے پاس سے گزرا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"کیا تم فلاں ابن فلاں نہیں ہو۔"

اس نے کہا:

"ہاں! میں وہی ہوں۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا گدھا اسے دے دیا اور پھر فرمایا:

"اس پر سوار ہو جاؤ۔"

پھر آپ نے اپنی پگڑی بھی اسے دے دی اور فرمایا:

"یہ پگڑی بھی اپنے سر پر باندھ لینا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی نے ان سے پوچھا:

"آپ جس گدھے پر آرام کیا کرتے تھے، وہ گدھا بھی اسے دے دیا اور جو پگڑی سر پر باندھتے تھے، وہ بھی اسے دے دی۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔"

یعنی اس نے حیرت ظاہر کی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کے محبت اور تعلق والوں سے اچھا سلوک کرے (یعنی اپنے والد کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے) اس دیہاتی کے والد میرے والد (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے محبوب دوست تھے۔"

اس سلسلے میں ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے یہ کہا تھا:

"کیا اس دیہاتی کو دو درہم دینے کافی نہیں تھے، یعنی آپ نے اسے اپنا گدھا بھی دے دیا اور پگڑی بھی۔ آپ اسے دو درہم دے دیتے۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے والد کے دوستوں سے اچھا سلوک کرو اور ان سے تعلقات ختم نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بجھا دیں گے۔"

○

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے والدین کے انتقال کے بعد کوئی ایسا کام ہے، جس کے کرنے سے میں والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں میں شمار ہو جاؤں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں! ان دونوں کے لیے دعا کرنا، استغفار کرنا اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا اور والدین کے ذریعے جو رشتے داری بنتی ہے، اس کا خیال رکھنا اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔"

○

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے کھانے کی دعوت دی۔ ان حضرات نے اس کی دعوت قبول کر لی اور اس کے گھر کھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب یہ دونوں حضرات کھانا کھا کر وہاں سے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"میں اس کھانے میں شریک تو ہو گیا ہوں، لیکن میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اس میں شرکت نہ کرتا تو اچھا تھا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"وہ کیوں؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس نے یہ کھانا اپنی شان دکھانے کے لیے کھلایا ہے۔" (جاری ہے)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کھانے پر بلایا۔ آپ کھانے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا:

''میرا تو روزہ تھا، لیکن میں نے چاہا، آپ کی دعوت قبول کرلوں اور آپ کے لیے برکت کی دعا کروں۔'' (یعنی آنا ضروری ہے، کھانا ضروری نہیں)

○

حضرت معاویہ بن قرّہ رحمہ اللہ حضرت معقل قرنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے جارہے تھے۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے راستے سے کوئی تکلیف دینے والی چیز ہٹائی۔ کچھ آگے گئے تو پھر راستے میں کوئی چیز پڑی نظر آئی۔ اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ بن قرّہ اسے ہٹانے کے لیے جلدی سے آگے بڑھے۔ اس وقت حضرت معقل نے ان سے فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! تم ایسا کیوں کررہے ہو۔''

انھوں نے جواب دیا:

''میں نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا، اس لیے میں بھی یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر انھوں نے فرمایا:

''تم نے بہت اچھا کیا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو مسلمانوں کے راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹائے گا، اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس کی ایک نیکی بھی اللہ کے ہاں قبول ہوگئی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

○

ایک شخص کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک آگئی۔ اس نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! میں چھینک آنے پر کیا کہوں؟''

آپ نے فرمایا: ''الحمدللہ کہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پوچھا:

''ہم اس کے جواب میں کیا کہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''تم یرحمک اللہ کہو۔''

اس شخص نے پوچھا:

''میں ان کے جواب میں کیا کہوں۔''

آپ نے فرمایا:

''تم کہو یَھْدِیْکُمُ اللّٰہ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی، آپ نے ان میں سے ایک کی چھینک کا تو جواب دیا، دوسرے کو نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس نے چھینک کے بعد الحمدللہ کہا تھا اور دوسرے نے نہیں کہا تھا۔'' (اس لیے میں نے پہلے کو چھینک کا جواب دیا، دوسرے کو نہیں دیا)

○

حضرت مکحول ازدی رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے شخص کو چھینک آئی، یعنی وہ آپ سے کافی دور تھا، چھینک کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر تم نے الحمدللہ کہا ہے تو یرحمک اللہ!''

○

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو آپ ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔

○

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع والے سال بہت زیادہ بیمار ہوگئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میری بیماری بڑھ گئی ہے اور میں مال دار آدمی ہوں، میرا اور کوئی وارث بھی نہیں، صرف ایک بیٹی ہے۔ تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں!''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض

اکابر کے نقش قدم پر

یہ نظم ''آمنے سامنے'' میں شائع شدہ ایک خط کے جواب میں تحریر کی گئی ہے، جس میں لکھا تھا کہ اس رسالے سے اکابر پرستی کی بو آتی ہے وغیرہ وغیرہ تو جواباً عرض ہے کہ شہید ملت حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب نے فرمایا تھا کہ بندہ اپنے اکابر کا ٹھیٹھ مقلد ہے اور اپنی کتاب شخصیات و تاثرات میں لکھتے ہیں (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ اکثر گمراہ فرقوں کے موجد بلا کے ذہین و فطین اور قابل ہوتے ہیں اور دراصل یہی قابلیت انھیں کسی اللہ والے پختہ کار کی صحبت سے محروم رکھنے کا سبب بن جاتی ہے اور وہ خود کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور یوں ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کے نقش قدم سے قدم ملا کر چلو، لہٰذا اسی پس منظر میں یہ نظم برائے تعمیر ملاحظہ فرمائیں! نہ کہ برائے تنقید!

اثر جونپوری

کوئی لاکھ انگلی اٹھاتا ہے ہم پر
چلیں گے اکابر کے نقشِ قدم پر

ہمارے اکابر غلامانِ آقا ﷺ
غلامانِ آقا ﷺ مقامِ ارم پر

ہمارے اکابر کی قائم حکومت
ہماری زباں پر ہمارے قلم پر

ہمیں راہِ سنت پہ چلنا سکھایا
ہمارے اکابر کا احساں ہے ہم پر

نگاہِ اکابر کا فیضان ہے یہ
ہماری نظر ہے خدا کے کرم پر

اکابر کے مسلک پہ موت آئے ہم کو
دعا ہم نے مانگی ہے یہ ملتزم پر

اثر احترامِ اکابر کا مسلک
گراں کس لیے ہے مرے محترم پر

کیا: ''آدھا مال صدقہ کردوں؟''

آپ نے فرمایا:

''نہیں! ہاں تہائی مال صدقہ کردیں اور تہائی بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں غریب چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم جو بھی خرچ کرو، اللہ کی رضا کے لیے کرو، اس پر تمھیں اللہ کی طرف سے اجر ضرور ملے گا، حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے، اس پر بھی اجر ملے گا۔''

اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ مہاجرین تو آپ کے ساتھ مکّہ سے واپس چلے جائیں گے اور میں یہاں ہی رہ جاؤں گا اور میرا انتقال یہاں مکّے میں ہو جائے گا اور چونکہ مکّے سے ہجرت کر کے گیا تھا تو اب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا انتقال یہاں ہو، یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرا انتقال مدینہ منورہ میں ہو۔''

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''نہیں، تمھاری زندگی لمبی ہوگی (اور اس مرض میں تمھارا انتقال نہیں ہوگا) اور تم جو بھی نیک عمل کرو گے۔ اس سے تمھارا درجہ بھی بلند ہوگا اور تمھاری عزت میں اضافہ ہوگا اور تمھارے ذریعے اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت فائدہ ہوگا اور دوسروں کا بہت نقصان ہوگا (حضرت سعد کے ہاتھ پر عراق فتح ہوا) اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو آخر تک پہنچا (یعنی مکّہ میں فوت ہونے سے ٹوٹنے نہ پائے) اور (مکّہ میں موت دے کر) انھیں ایڑیوں کے بل واپس نہ کر۔''

O

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل چل کر بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ وہ اس وقت بے ہوش تھے۔ آپ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی ان پر چھڑکا۔ اس سے انھیں ہوش آ گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے آپ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا کیا کروں۔ اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ کروں۔''

آپ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ وراثت کی آیت نازل ہوگئی۔

O

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک بیمار دیہاتی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کی عادت یہ تھی کہ جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کے لے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

''ڈر کی کوئی بات نہیں، ان شاء اللہ یہ بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔''

آپ نے اس سے بھی یہی کلمات کہے۔ اس بوڑھے نے جواب میں کہا:

''آپ اسے پاکی کا ذریعہ کہہ رہے ہیں۔ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ یہ تو بہت تیز بخار ہے جو ایک بوڑھے پر جوش مار رہا ہے اور یہ بخار تو مجھے قبرستان پہنچا کر چھوڑے گا۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اچھا تو پھر ایسے ہی سہی۔''

اور وہ اسی بیماری میں چل بسا۔ (جاری ہے)

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے۔ اس گدھے کے پالان پر فدک کی بنی ہوئی ایک چادر تھی۔ آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پیچھے بٹھایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ چلتے چلتے حضور ﷺ کا گزر ایک مجلس کے پاس سے ہوا۔ اس مجلس میں منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ ابھی تک اس نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس مجلس میں مشرک، بت پرست اور یہودی، سب ملے جلے بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ مسلمان بھی تھے۔ ان مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب آپ ﷺ کی سواری وہاں سے گزرنے لگی تو سواری کا گرد و غبار اس مجلس پر پڑا۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر رکھ لی اور بولا:

"ہم پر غبار نہ ڈالو۔"

آپ ﷺ وہاں ٹھہر گئے۔ اپنی سواری سے اتر کر آپ انھیں اسلام کی دعوت دینے لگے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت بھی کی۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے کہا:

"آپ جو کہہ رہے ہیں، اگر یہ حق ہے تو اس سے اچھی بات کوئی نہیں ہوسکتی، لیکن آپ ہماری مجلسوں میں آکر اپنی بات سنا کر ہمیں تکلیف نہ پہنچایا کریں۔ آپ اپنے ٹھکانے پر جائیں اور ہم میں سے جو آپ کے پاس آئے، اسے آپ اپنی بات سنا دیا کریں۔"

اس کی بات سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! نہیں! آپ ہماری مجلسوں

قدم بہ قدم

میں تشریف لایا کریں اور ہمیں اپنی بات سنایا کریں۔ یہ ہمیں بہت پسند ہے۔"

اس بات پر مشرکوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، پھر بات ہاتھا پائی کے قریب پہنچ گئی۔ ایسے میں حضور ﷺ ان سب کو ٹھنڈا کرتے رہے۔ آخر سب خاموش ہوگئے۔ آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر وہاں سے چل پڑے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"اے سعد! عبداللہ بن ابی نے جو کہا، تم نے سنا؟"

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ اسے معاف فرما دیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا فرما دیا، آپ کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے لوگوں نے تو اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے تاج پہنا کر اپنا سردار بنا لیں (عبداللہ بن ابی کو) لیکن اتنے میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آ گئے۔ اس کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا (یعنی اس کی تاج پوشی نہ ہوسکی) بس اس وجہ سے اسے آپ سے حسد ہے۔ آپ کا مقام اور مرتبہ اس کے گلے سے نہیں اتر رہا۔ اس وقت اس نے جو کچھ کہا، وہ سب اسی غصے اور حسد کی وجہ سے ہے۔"

○

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے آئے۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰ سے پوچھا:

"اے ابوموسیٰ! آپ عیادت کرنے آئے ہیں یا ملنے؟"

حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا: "اے امیر المومنین! میں تو عیادت کرنے آیا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو صبح سے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ایک باغ عطا فرما دیتے ہیں۔"

○

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کے لیے آئے۔ انھوں نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

"دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت مت مانگو۔"

یعنی دروازے سے ذرا ہٹ کر اجازت مانگنی چاہیے۔

○

ایک آدمی نے حضور ﷺ کے حجرے میں جھانکا۔ آپ نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ ایک تیر لے کر اس کی طرف لپکے، یعنی یوں لگا کہ جیسے آپ اسے

6093

تیر سے کچوکا لگائیں گے۔

اس طرح آپ نے غصے کا اظہار فرمایا، یعنی یہ بہت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ کوئی کسی کے گھر کے اندر جھانکے۔

O

ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کے گھر میں جھانکا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کنگھی تھی، جس سے آپ سر کھجلا رہے تھے۔ جب آپ نے اسے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا تو اس سے فرمایا:

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو یہ کنگھی تمہاری آنکھ میں مار دیتا۔ نگاہ کی وجہ سے ہی اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم حضرت اسلم رحمہ اللہ سے فرمایا:

"اے اسلم! میرے دروازے پر پہرہ دیا کرو اور کسی سے کوئی چیز ہرگز نہ لینا۔"

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جسم پر نئے کپڑے دیکھے تو پوچھا:

"یہ کپڑے تمھیں کہاں سے مل گئے۔"

انھوں نے بتایا: "یہ کپڑے مجھے حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیے ہیں۔" (یعنی آپ کے بیٹے نے دیے ہیں)

اس پر آپ نے فرمایا:

"عبیداللہ سے تو لے لیا کرو اور کسی سے نہ ہرگز لیا کرو۔"

ایک روز یہ دروازے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے ان سے پوچھا:

"کیا میں اندر چلا جاؤں۔"

حضرت اسلم نے کہا: "امیر المومنین کچھ دیر کے لیے مشغول ہیں۔"

یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس قدر زور سے ان کے کان کے پیچھے مارا کہ ان کی چیخ نکل گئی۔ پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اندر گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا: "تمھیں کیا ہوا؟"

انھوں نے کہا: "حضرت زبیر نے مارا ہے۔"

اور پھر ساری بات بتادی، ساری بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں زبیر کو دیکھ لوں گا، تم انھیں اندر بھیج دو۔"

حضرت زبیر اندر آئے تو آپ نے ان سے پوچھا:

"آپ نے اس غلام کو کیوں مارا؟"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یہ کہہ رہا تھا، آپ ابھی اندر نہیں جا سکتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اس سے پہلے اس نے کبھی آپ کو میرے دروازے سے واپس کیا ہے؟"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: "نہیں!"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس نے آپ سے اتنا ہی تو کہا تھا کہ تھوڑی دیر انتظار کر لیں، کیونکہ امیر المومنین مشغول ہیں تو آپ انتظار کر لیتے اور مجھے معذور سمجھ لیتے۔ اللہ کی قسم جب کسی درندے کو زخمی کیا جاتا ہے تو باقی درندے اسے کھا جاتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ آپ نے اسے مارا ہے تو دوسرے بھی اسے مارنے لگ جائیں گے)۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

100

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ایک آدمی نے حضرت حذیفہ ؓ سے اجازت مانگی اور اندر جھانک کر کہا:

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔"

حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا:

"تیری آنکھ تو اندر آچکی۔"

مطلب یہ کہ تو نے اندر تو جھانک لیا اور پوچھ رہا ہے، کیا میں اندر آجاؤں۔

O

ایک شخص نے حضرت حذیفہ ؓ سے پوچھا:

"کیا میں گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی ماں سے بھی اجازت لوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! اجازت لینا ضروری ہے، نہ جانے والدہ اندر کس حالت میں ہوں۔"

O

حضرت ابوسُوید عبدی رحمہ اللہ حضرت عمر ؓ سے ملنے کے لیے گئے اور وہاں جا کر آپ کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ جب اجازت ملنے میں دیر ہوئی تو وہ کھڑے ہوگئے اور ایک سوراخ سے اندر جھانکنے لگ گئے۔ حضرت عمر ؓ کو اس بات کا پتا چل گیا۔ جب انھیں اجازت مل گئی تو یہ اندر جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"ابھی تم لوگوں میں سے اندر کون جھانک رہا تھا؟"

حضرت سُوید نے کہا:

"جی میں نے جھانکا تھا۔"

حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"تم نے میرے گھر میں جھانکنا کس بنیاد پر جائز سمجھا۔"

اس پر حضرت سُوید نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! اجازت ملنے میں دیر ہو رہی تھی، اس لیے میں نے دیکھ لیا۔ مستقل دیکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔"

اس پر حضرت عمر ؓ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ مطلب یہ تھا کہ ان کا ایسا کرنا ناپسندیدہ بات تھی۔

O

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے پوچھا:

"اسلام کا کون سا کڑا سب سے مضبوط ہے۔"

ایک صحابی ؓ نے عرض کیا: "جی! نماز۔"

آپ نے فرمایا:

"نماز بہت اچھی چیز ہے، لیکن جو میں پوچھ رہا ہوں، وہ یہ نہیں ہے۔"

ایک اور صحابی نے عرض کیا:

"جی جہاد!"

آپ نے فرمایا: "جہاد بھی اچھی چیز ہے، لیکن جو میں پوچھ رہا ہوں، وہ یہ نہیں۔"

اس کے بعد آپ نے خود ہی فرمایا:

"ایمان کا سب سے مضبوط کڑا یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض رکھو۔"

O

کسی نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "سیدہ عائشہ ؓ۔"

اس شخص نے پھر پوچھا:

"اور مردوں میں آپ کو کون محبوب ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "حضرت ابوبکر صدیق ؓ۔"

O

ایک صحابی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص اس طرف سے گزرے۔ پاس بیٹھے شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! مجھے اس شخص سے محبت ہے۔"

آپ نے پوچھا:

"کیا تم نے اسے یہ بات بتائی ہے۔"

اس نے کہا: "جی نہیں!"

آپ نے فرمایا: "تم یہ بات اسے بتادو۔"

وہ صاحب اٹھے اور ان صاحب کے پیچھے گئے۔ ان کے پاس جا کر انھوں نے کہا:

"میں آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

ان صاحب نے انھیں ان الفاظ میں دعا دی:

"جس ذات کی وجہ سے تم نے مجھ سے محبت کی، وہ تم سے محبت کرے۔"

O

حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر آپ کو سلام کیا اور واپس چلا گیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ ؓ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے اس شخص سے محبت ہے۔"

آپ نے پوچھا:

"کیا تم نے اسے یہ بات بتادی ہے۔"

انھوں نے کہا: "نہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ بات اپنے بھائی کو بتادو۔"

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اسی وقت گئے اور جا کر اسے سلام کیا، پھر انھوں نے اس شخص کا کندھا پکڑ کر کہا:

"میں آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں اور یہ بتانے کے لیے مجھے حضور ﷺ نے فرمایا ہے، ورنہ میں نہ بتاتا۔"

انھوں نے جواب میں کہا:

"میں بھی آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

O

قبا میں رہنے والے کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے۔ حضور ﷺ کو اس بات کا پتا چلا تو آپ نے اپنے کچھ صحابہ سے فرمایا:

"آؤ چلیں! ان میں صلح کرائیں۔"

O

حضرت خلاد بن سائب ؓ حضرت اسامہ بن زید ؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے حضرت خلاد کے منہ پر ان کی تعریف کی۔ ساتھ میں آپ نے ان سے کہا:

"میں نے آپ کے منہ پر آپ کی تعریف اس لیے کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب مومن کے منہ پر اس کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کے دل میں ایمان بڑھ جاتا ہے (کیونکہ تعریف سے مومن پھولتا نہیں بلکہ اعمال پر اس کا یقین بڑھ جاتا ہے کہ نیک اعمال کی وجہ سے لوگ تعریف کر رہے ہیں)۔" (جاری ہے)

ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

''اے ہم میں سب سے بہتر! اور سب سے بہتر کے بیٹے! اور اے ہمارے سردار! اور ہمارے سردار کے بیٹے!''

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''تم میرے بارے میں وہ کہو جو میں تمھیں بتاتا ہوں، تاکہ شیطان تمھیں سیدھے راستے سے نہ ہٹا سکے... مجھے اسی درجے پر رکھو جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے، میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول بھی ہوں۔''

○

ایک آدمی نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے اس سے تین بار فرمایا:

''تم نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی۔ تم میں سے اگر کسی کو کسی کی تعریف کرنی ہی ہے تو وہ یوں کہے، میرا فلاں کے بارے میں یہ گمان ہے اور اللہ ہی اسے بہتر جانتے ہیں۔ اللہ کے سامنے وہ کسی کو مقدس بنا کر پیش نہ کرے، بلکہ یوں کہے، میرا گمان یوں ہے، میرا خیال یہ ہے۔''

○

ایک روز حضرت رجا بن ابی رجا رحمہ اللہ حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایسے میں دونوں بصرہ والوں کی مسجد تک پہنچے۔ وہاں مسجد کے ایک دروازے پر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اور مسجد میں سکبہ نامی ایک شخص بہت لمبی نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ان کی طبیعت میں نرمی بہت تھی۔ انھوں نے کہا:

''اے محجن! کیا آپ بھی ایسی نماز پڑھتے ہیں جیسی سکبہ پڑھ رہے ہیں۔''

حضرت محجن نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد انھوں نے کہا:

''ایک مرتبہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ پھر ہم لوگ چلنے لگے۔ یہاں تک کہ احد پہاڑ پر چڑھ گئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''ہائے حسرت اور افسوس! ایک دن اس بستی کو بستی والے چھوڑ دیں گے، حالانکہ یہ بستی اس دن بہت زیادہ آباد ہوگی۔ دجال مدینہ کی طرف آئے گا، لیکن اسے مدینہ منورہ کے ہر دروازے پر فرشتہ ملے گا، اس لیے وہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ احد پہاڑ سے اترے۔ جب ہم مسجد میں پہنچے تو ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا۔ حضور نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟''

میں نے آپ ﷺ کو بتایا: ''یہ فلاں شخص ہے۔''

اور میں اس کی بہت تعریف کرنے لگا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''بس کرو، اس کی تعریف اسے نہ سناؤ، ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔''

پھر آپ چلنے لگے۔ جب آپ حجروں کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑ کر تین بار فرمایا:

''تمھارے دین کا بہترین عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہے۔''

○

حضرت ابراہیم تیمی کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی نے ان کے پاس آ کر انھیں سلام کیا۔ لوگوں میں سے ایک نے اس کے منہ پر اس کی تعریف شروع کر دی۔ وہ تعریف سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے تو اس شخص کو ذبح کر ڈالا۔ اللہ تمھیں ذبح کرے۔ تم اس کے منہ پر اس کے دین کے بارے میں اس کی تعریف کر رہے ہو۔''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کوڑا بھی رکھا تھا اور لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں سامنے سے حضرت جارود رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ایک شخص نے انھیں دیکھ کر کہا: ''یہ قبیلہ ربیعہ کے سردار ہیں۔''

اس کی بات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آس پاس بیٹھے لوگوں نے بھی سنا۔ خود حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے بھی سنا۔ جب حضرت جارود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کوڑا مارا۔ اس پر حضرت جارود نے کہا:

''اے امیر المومنین! میں نے آپ کا کیا قصور کیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم نے میرا کیا قصور کیا ہے؟ کیا تم نے اس شخص کی بات نہیں سنی؟"

حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "جی ہاں! سنی ہے۔ تو پھر کیا ہو گیا؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ اس کے تعریفی کلمات سن کر کہیں تمہارے دل میں برا اثر نہ پیدا ہو جائے (یعنی تم میں کوئی غرور نہ پیدا ہو جائے) اس لیے میں نے چاہا، اس کا اثر جھاڑ دوں۔"

O

ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے لگا۔ وہاں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور یہ بھاری بھرکم آدمی تھے۔ یہ اس شخص کے پاس گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر مٹھی میں کنکریاں بھر کر اس کے منہ میں ڈالنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ کیا کر رہے ہیں۔"

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم (دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے اور لوگوں کو بگاڑنے کے لیے) تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر مٹی ڈال دیا کرو۔"

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے فرمان کا ظاہری مطلب لیا جب کہ آپ ﷺ کے یہ فرمانے سے مقصد یہ تھا کہ اسے کچھ نہ دو۔

O

ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے لوگوں میں سب سے بہتر! اے لوگوں میں سب سے بہتر کے بیٹے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"نہ میں سب سے بہتر! نہ سب سے بہتر کا بیٹا! بلکہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ اللہ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! بلا وجہ تعریفیں کر کے تم آدمی کے پیچھے پڑ جاتے ہو، پھر اسے ہلاک کر کے چھوڑتے ہو۔"

یعنی اس کے دل میں فخر اور غرور پیدا ہو جاتا ہے۔

O

نبوت سے پہلے ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ لوگ ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت قریش میں حضور ﷺ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا:

"چچا جان! آپ جانتے ہی ہیں، آپ کے بھائی ابو طالب کے بچے بہت زیادہ ہیں اور آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ قریش میں سخت قحط آیا ہوا ہے۔ آیئے ان کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کچھ بچے ہم سنبھال لیتے ہیں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی بات سے اتفاق کیا اور دونوں ابو طالب کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ قحط سے قوم کا کتنا برا حال ہے۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ کے کچھ بچے ہم سنبھال لیں۔"

ابو طالب نے کہا: "میرے بیٹے عقیل کو میرے پاس رہنے دیں اور باقی بچوں کے ساتھ جیسے چاہیں کر لیں۔"

چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو لے لیا۔ یہ دونوں آپ حضرات کے پاس اس وقت تک رہے جب تک یہ مال دار ہو کر اپنے پیروں پر نہ کھڑے ہو گئے۔ (جاری ہے)

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنھا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"میں یہ غلام آزاد کرنا چاہتی ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم یہ غلام اپنے اس ماموں کو دے دو جو دیہات میں رہتے ہیں۔ یہ ان کے جانور چرایا کرے گا۔ اس میں تمھیں زیادہ ثواب ملے گا۔"

○

ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتے دار ہیں۔ میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں، لیکن وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ میں برداشت کر کے ان کے ساتھ ان سے درگزر کرتا ہوں، وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں۔" (یعنی وہ بلاوجہ مجھ پر ناراض ہوتے ہیں اور مجھ پر سختی کرتے ہیں)

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ کی چٹکی ڈال رہے ہو (یعنی تمہارے اچھے سلوک کے بدلے میں برا سلوک کر کے وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں) اور جب تک تم ان صفات پر رہو گے، اس وقت تمہارے ساتھ اللہ کی طرف سے مددگار رہے گا۔"

یعنی اللہ کا فرشتہ تمہاری مدد کرتا رہے گا۔
(مسلم 315/2)

○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک جمعرات کی شام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا:

"ہماری اس مجلس میں جو بھی قطع رحمی کرنے والا بیٹھا ہو، میں اس سے پوری تاکید سے کہتا ہوں کہ وہ ہمارے پاس سے اٹھ کر چلا جائے۔"

اس پر کوئی بھی نہ کھڑا ہوا، انھوں نے اپنی بات تین بار دہرائی۔ آخر ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور وہاں سے اپنی پھوپھی کے پاس گیا۔ اس سے اس نے دو سال سے تعلقات ختم کر رکھے تھے اور اسے چھوڑا ہوا تھا۔ پھوپھی نے اس سے پوچھا:

"میاں تم کیسے آ گئے۔"

اس نوجوان نے کہا:

"میں نے ابھی ابھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایسے اور ایسے فرماتے سنا ہے۔" (اس وجہ سے آیا ہوں)

پھوپھی نے اس نوجوان سے کہا:

"تم ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو، انھوں نے ایسے کیوں کہا ہے۔"

نوجوان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ان سے پوچھا:

"آپ نے ایسے ایسے کیوں فرمایا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ شب جمعہ میں، یعنی ہر جمعرات کی شام کو تمام بنی آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں (اور ان انسانوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں) لیکن قطع رحمی کرنے والوں کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔"

○

حضرت خداش رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے آپ سے وہ پیالہ بطور ہدیہ مانگ لیا۔ آپ نے انھیں وہ پیالہ دے دیا۔ وہ پیالہ ان کے ہاں رکھا رہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے فرمایا کرتے تھے:

"وہ پیالہ میرے پاس لاؤ۔"

وہ زمزم کے پانی سے بھر کر پیالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں سے کچھ پیتے اور کچھ برکت کے لیے اپنے سر اور چہرے پر ڈال لیتے۔ پھر ایک چور نے ظلم کیا اور گھر کے دوسرے سامان کے ساتھ وہ پیالہ بھی لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے چور کو برا بھلا نہ کہا، نہ اس پر لعنت بھیجی۔ (طبقات ابن سعد)

○

حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آئے اور اپنے بھتیجے حُر بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت حُر ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے اور عبادت گزار علما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ میں ہوتے تھے، چاہے وہ جوان ہوتے یا عمر رسیدہ۔

حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حُر سے کہا:

"اے میرے بھتیجے! تمھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بہت درجہ حاصل ہے۔ تم ان سے میرے لیے خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرو۔"

یہ گئے اور اجازت لے آئے جب یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو آپ سے عرض کیا:

"اے ابن خطاب! اللہ کی قسم! آپ ہمیں زیادہ نہیں دیتے اور ہمارے درمیان عدل کا معاملہ نہیں کرتے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ کو سزا دینے کا ارادہ فرما لیا۔ یہ بات محسوس کر کے حضرت حُر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے، سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجیے اور نیک کام کی تعلیم دیا کیجیے اور جاہلوں سے ایک کنارے ہو جایا کیجیے (سورہ اعراف:199) اور یہ بھی ان جاہلوں میں سے ہے۔ اس لیے آپ اس سے کنارہ کر لیں۔"

جب حضرت حُر نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً رک گئے اور سزا دینے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ بہت بڑی صفت تھی کہ کسی کام کا ارادہ کر لیتے اور پھر انھیں بتایا جاتا کہ اللہ کی کتاب اس سے روک رہی ہے تو فوراً رک جاتے۔ (بخاری)

○

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن ربیعہ کے دوست تھے اور یہ بہت پرانے دوست تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں شہادت پائی تو اس وقت

بھی وہ حضرت عامر کے دوست تھے۔ حبشہ کی ہجرت میں بھی دونوں ساتھ گئے تھے، سارے قافلے میں یہ دونوں ساتھ رہے، حضرت فرماتے ہیں:

''میں نے کوئی شخص بھی ان سے زیادہ اچھے اخلاق والا اور مخالفت نہ کرنے والا نہیں دیکھا۔''

O

غزوہ حنین میں فتح پانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے نئے مسلمانوں کی دلجوئی فرمائی اور پرانے لوگوں کی نسبت انھیں زیادہ دیا، چنانچہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے۔ حضرت عیینہ بن حصن کو بھی سو اونٹ دیے اور بھی کچھ لوگوں کو کافی مال دیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا:

''مالِ غنیمت کی اس تقسیم میں اللہ کی رضا مقصد نہیں رہی۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ان سے فرمایا:

''میں یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا۔''

اور انھوں نے جا کر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں تو اس سے بھی زیادہ ستایا گیا، لیکن انھوں نے صبر کیا تھا، چنانچہ میں بھی صبر کروں گا۔''

ایک روایت کے مطابق ایسے ایک شخص کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''اے اللہ کے رسول! اجازت دیجیے، میں اس کی گردن اڑا دوں۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''نہیں! جانے دو۔'' (البدایہ: 362/4)

(جاری ہے)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ لوگوں کو کوئی چیز تقسیم فرما رہے تھے۔ ایسے میں بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! انصاف سے تقسیم فرمائیں۔''

آپ نے فرمایا:

''تیرا ناس ہو، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا۔ اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو میں ناکام اور برباد ہو جاؤں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! اسے چھوڑ دو۔ اس کے ایسے ساتھی ہیں کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں تم اپنے نماز روزے کو کم سمجھو گے (یعنی ظاہر میں)۔ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کی ہنسلی سے آگے نہیں جائے گا (یعنی ان کے دل کی طرف نہیں جائے گا اور یہ لوگ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو لگ کر اس سے پار ہو جاتا ہے۔ تیر کے پھل کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر اس کی تانت کو دیکھا جائے جس سے تیر کے پھل کو لکڑی پر مضبوط کیا جاتا ہے تو اس میں بھی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر اس کے پر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، حالانکہ یہ تیر اس شکار کی اوجھڑی اور خون میں سے گزر کر پار گیا ہے، لیکن پورے تیر پر اس اوجھڑی اور خون کا کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں سے ایک کالا آدمی ہوگا۔ اس کے ایک بازو کا گوشت خوب ہلتا ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب کہ لوگوں میں اختلاف اور انتشار کا زور ہوگا۔''

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی یہ نشانیاں بتائیں اور یہ جو تیر کا ذکر فرمایا تو اس سے مطلب یہ تھا کہ جس طرح تیر پر کچھ نہیں لگتا، اسی طرح ان لوگوں پر قرآن کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ان لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی اور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو لانے کا حکم دیا تھا۔ لوگ اسے ڈھونڈ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو نشانیاں بتائی تھیں، وہ میں نے اس میں پوری دیکھی تھیں، یعنی وہ کالا تھا اس کے بازو کا گوشت خوب ہلتا تھا۔''

(البدایہ 362/4)

O

جب منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی مر گیا تو اس کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن اُبی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''آپ مجھے اپنی قمیص دے دیں۔ میں اس میں اپنے باپ کو دفناؤں گا اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں اور اس کے لیے استغفار فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قمیص دے دی اور فرمایا:

''جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے خبر کر دینا۔ میں اس کی نماز جنازہ پڑھوں گا۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے استغفار کرنے اور نہ کرنے، دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، آپ ان منافقین کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔''

چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

613 B

''اوران میں کوئی مرجائے تو اس کے جنازے پر کبھی نماز نہ پڑھیں۔'' (سورہ توبہ:84)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے اور اس دنیا سے تشریف لے جانے تک آپ کا یہی معمول رہا۔(احمد۔ترمذی)

○

ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا۔اس کی وجہ سے آپ چند دن بیمار رہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول!ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے۔اس نے گرہیں لگا کر فلاں کنویں میں پھینک دی ہیں۔آپ آدمی بھیج کر وہ منگوالیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔وہ اسے نکال کر آپ کی خدمت میں لائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گرہوں کو کھولا تو آپ اس طرح ٹھیک ہو کر کھڑے ہوئے جیسے کسی بندھن سے نکلے ہوں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کرتی ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا۔اس کے اثر کی وجہ سے آپ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنی بیویوں کے پاس گئے ہیں،لیکن حقیقت میں آپ گئے نہیں ہوتے تھے اور یہ اثر سب سے سخت جادو کا ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عائشہ!کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی۔وہ اللہ نے قبول فرمالی۔میرے پاس دو فرشتے آئے،ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا،دوسرا پاؤں کے پاس۔سر والے نے دوسرے سے کہا:

''ان حضرت کو کیا ہوا؟''

دوسرے نے کہا:

''ان پر جادو کیا گیا ہے۔''

پہلے نے کہا:

''جادو کس نے کیا ہے۔''

دوسرے نے کہا:

''لبید بن اعصم نے جو بنو زریق کا ہے۔وہ یہودیوں کا ساتھی اور طرف دار ہے اور منافق ہے۔''

اب پہلے فرشتے نے پوچھا:

''اس نے جادو کس چیز میں کیا ہے۔''

دوسرے نے کہا:

''کنگھی پر اور کنگھی سے گرے ہوئے بالوں پر کیا ہے۔''

پہلے نے پوچھا:

''یہ چیزیں کہاں ہیں؟''

اس نے کہا:

''نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں زروان کنویں کے اندر جو پتھر رکھا ہوا ہے،اس کے نیچے رکھی ہوئی ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے اور یہ چیزیں اس میں سے نکال لیں اور فرمایا:

''یہ کنواں وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے۔''

اس کنویں کا پانی سرخ تھا اور اس کنویں کے کھجوروں کے درخت ایسے وحشت ناک تھے جیسے شیطانوں کے سر ہوں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''آپ نے یہ چیزیں لوگوں کو کیوں نہ دکھا دیں، ان کو دفن کیوں کرایا۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تو (جادو سے) شفا عطا فرما دی اور میں کسی کے خلاف فتنہ کھڑا کرنا نہیں چاہتا۔''

(بخاری،مسلم) (جاری ہے)

ایک یہودی عورت بکری کے گوشت میں زہر ملا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی... آپ نے اس میں سے کچھ گوشت نوش فرمایا ہی تھا کہ آپ کو پتا چل گیا... ایک روایت کے مطابق گوشت نے خود کہا تھا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے نہ کھائیں... مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔''

لیکن اس وقت تک آپ ایک لقمہ کھا چکے تھے، آپ کے ساتھ چند صحابہ نے بھی اس گوشت میں کھایا... اسی وقت آپ نے فرمایا:

''رک جاؤ! اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔''

اس عورت کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا... آپ نے اس سے پوچھا:

''تم نے اس گوشت میں زہر کیوں ملایا؟''

اس یہودی عورت نے پوچھا:

''آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اس گوشت نے یہ بات بتائی ہے۔''

اب اس نے کہا:

''ہاں! میں نے اس میں زہر ملایا ہے۔''

آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

''تو نے ایسا کیوں کیا۔''

''اس نے جواب دیا:

''میں نے سوچا تھا، اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ زہریلی بکری آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی... اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو ہماری جان آپ سے چھوٹ جائے گی۔''

قدم بہ قدم

آپ نے اسے معاف کر دیا، اسے کوئی سزا نہ دی... جن صحابی نے آپ کے ساتھ اس گوشت میں سے کھایا تھا، ان کا انتقال ہو گیا تھا... آپ پر بھی اس زہر کا اثر رہا... اس کے علاج کے لیے آپ نے سینگھی لگوائی (ایک علاج جس میں نشتر سے خون نکال جاتا ہے) انتقال کر جانے والے صحابی حضرت بشر بن برا رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے اس عورت کو قتل کروا دیا تھا۔

آپ جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو حضرت بشر بن برا رضی اللہ عنہ کی بہن آپ کی خدمت میں آئی تھیں... آپ نے اس سے فرمایا تھا:

''اے ام بشر! میں نے تمہارے بھائی کے ساتھ جو بکری کا گوشت خیبر کھایا تھا... اس کی وجہ سے اس وقت میں اپنے دل کی رگ کٹتی محسوس کر رہا ہوں۔''

اس سے صحابہ کرام نے یہ مطلب نکالا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نوازا، ایسے ہی آپ کو شہادت کا رتبہ بھی عطا فرمایا... کیونکہ جو زہر سے وفات پائے، وہ بھی شہید ہے (البدایہ 208/4)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے... اچانک تیس کافر ہتھیار لگائے نمودار ہوئے۔ وہ آپ پر حملہ کرنا چاہتے تھے... آپ نے فوراً ان کے لیے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سننے کی طاقت ختم کر دی... اس طرح وہ کچھ بھی نہ کر سکے... صحابہ کرام نے انہیں پکڑ لیا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''تمہیں ایسا کرنے کے لیے کسی نے بھیجا ہے... یا خود اپنی مرضی سے آئے ہو؟''

انہوں نے بتایا:

''ہم اپنی مرضی سے آئے ہیں... کسی نے ہمیں نہیں بھیجا۔''

اس پر آپ نے انہیں چھوڑ دینے کا حکم فرمایا:

O

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! میرے قبیلے دوس نے میری دعوت قبول نہیں کی... اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے تو لوگ کہنے لگے:

''اب تو قبیلہ دوس والے ہلاک ہو گئے۔'' (کیونکہ آپ ان کے لیے بددعا کرنے لگے ہیں)

ادھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھانے کے بعد یہ دعا کی۔

''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت نصیب فرما، انہیں یہاں لے آ... اے اللہ دوس کو ہدایت نصیب فرما، انہیں یہاں لے آ... اے اللہ دوس کو ہدایت نصیب فرما، انہیں یہاں لے آ۔''

یعنی آپ نے تین بار یہ دعا فرمائی... حضرت طفیل واپس چلے گئے... اور خیبر کے موقعے پر اپنے قبیلے دوس کے ستر اسی گھرانے مسلمان کر کے لے آئے...

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کی چادر لیے لیٹے ہوئے تھے... ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی... آپ نے انہیں اجازت دے دی... اور آپ اسی طرح لیٹے رہے ...اور اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی... آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی اور آپ اسی طرح لیٹے رہے... اور وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے... ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے... انہوں نے بھی اجازت مانگی... تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے... تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے... آپ نے حضرت عثمان کے آنے پر اتنا اہتمام کیا... یعنی اٹھ کر بیٹھ گئے... جب کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے آنے پر ایسا نہیں کیا۔''

آپ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا:

''عثمان بہت ہی حیا والے ہیں... مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اسی حالت میں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی تو وہ حیا کی وجہ سے اپنی بات نہیں کہہ سکیں گے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''میں اس آدمی سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔''

(احمد البدایہ 203/7)

O

حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ کے پاس بیٹھے تھے... ایسے میں انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا... آسمان سے ایک فرشتہ اترتا نظر آیا... انھوں نے اسے دیکھ کر کہا:

''جس وقت سے یہ فرشتہ پیدا ہوا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک یہ کبھی زمین پر نہیں اترا (یعنی آج یہ پہلی بار زمین پر آیا ہے)

جب وہ فرشتہ زمین پر آ گیا تو اس نے کہا:

''اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ کو بادشاہ اور رسول بناؤں یا بندہ اور رسول؟''

فرشتے کی بات سن کر حضرت جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنے رب کے سامنے تواضع اختیار کریں۔''

یہ سن کر آپ نے اس فرشتے سے فرمایا:

''میں بندہ اور رسول بننا چاہتا ہوں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں۔

''اس واقعے کے بعد آپ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسے کھانا کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے، ایسے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتے ہوں۔'' (ہیثمی 19/9) (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ایک عورت مردوں سے بے حیائی کی باتیں کیا کرتی تھی۔ بہت بے باک تھی۔ بدکلام تھی۔ ایک مرتبہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے گزری۔ حضور ﷺ ایک اونچی جگہ پر بیٹھے ثرید کھا رہے تھے۔ اس عورت نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کہا:

''دیکھو! ایسے بیٹھے ہیں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔ ایسے کھا رہے ہیں جیسے غلام کھاتا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''کون سا بندہ مجھ سے زیادہ بندگی اختیار کرنے والا ہوگا۔''

پھر اس عورت نے کہا:

''یہ خود کھا رہے ہیں اور مجھے نہیں کھلا رہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''تو بھی کھالے۔''

اس نے کہا:

''مجھے اپنے ہاتھ سے دیں۔''

حضور ﷺ نے اسے دیا تو وہ بولی: ''جو آپ کے منہ میں ہے، اس میں سے بھی دیں۔''

حضور ﷺ نے اس میں سے بھی اسے دے دیا۔ اس نے وہ کھالیا۔ اس کھانے کی برکت سے اس پر شرم و حیا چھا گئی۔ اس کے بعد اس نے انتقال تک کسی سے کوئی بے حیائی کی بات نہ کی۔ (طبرانی)

○

ایک آدمی سامنے سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''تسلی رکھو، میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو قریش کی ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت بھی کھا لیتی تھی۔'' (طبرانی)

○

حضرت عامر بن ربیعہ ؓ، حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد سے باہر نکلے۔ ایسے میں آپ ﷺ کی جوتی مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ حضرت عامر نے وہ ٹھیک کرنے کے لیے اٹھالی۔ آپ ﷺ نے وہ ان کے ہاتھ سے لے لی اور فرمایا:

''تسمہ تو میرا ٹوٹا ہے اور ٹھیک تم کرو۔ اس سے برتری نظر آتی ہے اور میں دوسروں پر اپنی برتری پسند نہیں کرتا (یعنی میں تو سب کے برابر رہنا پسند کرتا ہوں)۔'' (البزاز)

○

آپ ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے آپ پر کپڑے سے سایہ کر دیا۔ آپ کو زمین پر کپڑے کا سایہ نظر آیا تو آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا:

''رہنے دو۔''

یہ فرما کر آپ نے کپڑا اس سے لے کر رکھ دیا، پھر فرمایا:

''میں تم جیسا آدمی ہوں۔'' (میں اپنے لیے کوئی امتیازی سلوک نہیں چاہتا) (طبرانی)

○

حضرت عباس ؓ نے ایک دن فرمایا کہ پتا چلاؤں گا کہ آپ ﷺ ہم میں اور کتنا رہیں گے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو لوگوں کے ساتھ رہنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ ان کا سارا گرد و غبار آپ پر آجاتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے لیے ایک تخت بنوالیں۔ اس پر بیٹھ کر آپ لوگوں سے بات کیا کریں تو بہتر ہے۔''

آپ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''میں اپنے لیے الگ جگہ بنانا نہیں چاہتا۔'' (جمع الفوائد)

○

حضرت اسود ؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے پوچھا:

''جب حضور ﷺ گھر تشریف لاتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟''

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا:

''آپ گھر والوں کے کام کاج میں لگ جاتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو باہر تشریف لے جاتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے۔'' (احمد)

○

حضرت ابوہریرہ ؓ ایک دن حضور ﷺ کے ساتھ بازار گئے۔ حضور ﷺ کپڑا بیچنے والوں کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے چار درہم میں ایک شلوار خریدی۔ بازار والوں نے ایک تولنے والا رکھا ہوا تھا۔

615B

آپ نے اس سے فرمایا:

''تولواور جھکتا ہوا تولو۔''

آپ نے وہ شلوار لے لی۔ حضرت ابو ہریرہ نے وہ شلوار اٹھانا چاہی تو آپ نے فرمایا:

''چیز کا مالک ہی خود اسے اٹھانے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، ہاں اگر وہ اتنا کمزور ہو کہ اپنی چیز نہ اٹھا سکتا ہو تو اس کا سامان اٹھانے میں اس کا مسلمان بھائی مدد کر دے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ یہ شلوار پہنیں گے؟''

آپ نے فرمایا:

''دن رات، سفر و حضر میں پہنوں گا، کیونکہ مجھے ستر ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے اس سے زیادہ ستر ڈھانپنے والی کوئی چیز نہیں ملی۔'' (طبرانی)

ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تولنے والے سے فرمایا:

''تولواور جھکتا ہوا تولو۔''

اس پر تولنے والے نے کہا:

''میں نے یہ بات کسی اور سے نہیں سنی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''تیرے ہلاک ہونے اور تیرے دین کے بگاڑ کے لیے یہ کافی ہے کہ تو اپنے نبی کو نہیں پہچانتا۔''

یہ سن کر اس نے ترازو وہیں پھینکی اور کود کر اٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو تھام کر اسے بوسہ دینا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا:

''ایسا تو عجم کے لوگ (یعنی نصرانی) اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور میں تو بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو تم لوگوں میں سے ہی ایک آدمی ہوں۔'' (طبرانی)

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اونٹ پر بیٹھ کر ملک شام تشریف لے گئے تو لوگ اس بارے میں باتیں کرنے لگے:

''امیر المومنین کو گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کرنا چاہیے تھا۔''

یعنی اس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان لوگوں کی نظر ایسے لوگوں کی سواری کی طرف جا رہی ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

اس سے آپ کی مراد شام کفار تھے۔

(جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

106

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے ... وہ عصیدہ گھوٹ رہی تھی ... عصیدہ وہ کھانا ہے جو آٹے میں گھی ڈال کر بنایا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

''عصیدے کو اس طرح نہیں گھوٹا جاتا۔''

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ڈوئی لے لی، پھر اس سے گھوٹ کر دکھایا اور فرمایا:

''اس طرح گھوٹا جاتا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورتوں سے کہا کرتے تھے:

''جب تک پانی گرم نہ ہو جائے، تم میں سے کوئی عورت اس میں آٹا نہ ڈالے ... جب پانی گرم ہو جائے تو اس میں تھوڑا تھوڑا کر کے آٹا ڈالتی جاؤ اور ڈوئی سے اسے ہلاتی جاؤ ... اس طرح آٹا اچھی طرح مل جائے گا اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں بنے گا۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان کرایا ... جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عمر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد فرمایا:

''لوگو! میری چند خالائیں تھیں، وہ قبیلہ بنو مخزوم کی تھیں۔ میں ان کے جانور چرایا کرتا تھا۔ وہ مجھے مٹھی میں کش مش اور کھجور دے دیا کرتی تھیں۔ میں ان پر سارا دن گزارا کرتا تھا اور وہ بہت ہی اچھا دن ہوتا تھا۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ ممبر سے نیچے اترے، یعنی بس یہی کہنے کے لیے لوگوں کو جمع کرایا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! آپ نے اور تو کوئی خاص بات کہی نہیں ... بس اپنا عیب ہی بیان کیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے ابن عوف! تیرا بھلا ہو ... میں تنہائی میں بیٹھا تھا، میرے نفس نے مجھ سے کہا:

''تو امیر المومنین ہے، تجھ سے افضل کون ہو سکتا ہے ... تو میں نے چاہا، اپنے نفس کو اس کی حیثیت بتا دوں۔''

O

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ایک سخت گرم دن میں سر پر چادر رکھے باہر نکلے ... ان کے پاس سے ایک نوجوان گدھے پر گزرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''اے جوان! مجھے اپنے ساتھ گدھے پر بٹھا لے۔''

وہ نوجوان کود کر گدھے سے اترا، اس نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! آپ سوار ہو جائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! پہلے تم سوار ہو جاؤ، میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا، تم مجھے نرم جگہ بٹھانا چاہتے ہو اور خود سخت جگہ بیٹھنا چاہتے ہو۔''

اس پر وہ نوجوان گدھے پر آگے بیٹھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے۔ جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے ... اور سب لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔

O

چند لڑکے درختوں سے گری ہوئی کھجوریں چن رہے تھے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف آ گئے اور آپ کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ لڑکوں نے جب آپ کو دیکھا تو ادھر ادھر دوڑ گئے۔ ان میں حضرت سنان بن مسلمہ بھی تھے۔ یہ نہ بھاگے۔ ان کی لنگی میں کچھ کھجوریں تھیں، جو انہوں نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ جمع کی تھیں ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انہوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! یہ کھجوریں وہ ہیں جو ہوا سے گری ہیں۔ (یعنی درخت سے نہیں توڑی گئیں)۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی لنگی میں رکھی کھجوروں کو دیکھا اور انہیں کچھ نہ کہا، اس وقت حضرت سنان نے آپ سے کہا:

''امیر المومنین! میں گھر جانا چاہتا ہوں ... راستے میں آگے لڑکے کھڑے ہیں ... وہ میری تمام کھجوریں چھین لیں گے۔''

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''گھبراؤ نہیں ... چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں ان کے گھر تک چھوڑ آئے۔ (ابن سعد)

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور ان کو اپنی چادر میں ڈال کر اٹھانے لگے ... کسی نے ان سے کہا:

''امیر المومنین! آپ کی جگہ میں اٹھا لیتا ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے یہ کھجوریں اپنے بچوں کے لیے خریدیں ہیں، لہٰذا بچوں کا باپ ہی ان کو اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔"

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکلے۔ ان کے جسم پر قطر کی بنی ہوئی دو سرخی مائل چادریں تھیں۔ ان میں سے ایک آپ کی پنڈلی تک تھی، جب کہ دوسری انہوں نے اپنے اوپر لپیٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ایک کوڑا بھی تھا، یہ کوڑا لے کر وہ بازار میں جاتے تھے۔ بازار والوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا کرتے تھے، عمدہ طریقے سے بیچنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

"پورا تولو اور پورا ناپو... گوشت میں ہوا نہ بھرو، کیونکہ اس طرح گوشت موٹا نظر آئے گا اور لوگ دھوکا کھائیں گے۔" (ابن سعد)

O

حضرت مطر مسجد سے باہر نکلے... ان کے پیچھے سے کسی نے کہا:

"اپنی لنگی اونچی کرلو، کیونکہ لنگی اونچی کرنے سے پتا چلے گا کہ تم اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والے ہو اور اس طرح تمہاری لنگی صاف بھی رہے گی... اور اپنے سر کے بال بھی صاف کرلو، اگر تم مسلمان ہو۔"

انہوں نے مڑ کر دیکھا... یہ الفاظ کہنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ہاتھ میں کوڑا بھی تھا... اس کے بعد آپ چلتے ہوئے اونٹوں کے بازار میں پہنچ گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

"بیچو ضرور، لیکن قسم نہ کھاؤ، قسم کھانے سے مال تو بک جاتا ہے، لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد آپ ایک کھجور والے کے پاس آئے۔ وہاں ایک خادمہ کھڑی رو رہی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"کیا بات ہے۔"

اس نے بتایا:

"اس نے مجھے ایک درہم کی کھجوریں دیں، لیکن میرے آقا نے یہ کھجوریں لینے سے انکار کر دیا۔ میں یہ کھجوریں اسے واپس کرنے آئی ہوں، لیکن یہ واپس لینے پر آمادہ نہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھجور والے سے فرمایا:

"تم کھجوریں واپس لے لو اور اسے اس کا درہم واپس دے دو، کیونکہ یہ تو بالکل بے اختیار ہے۔ (اپنے مالک کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتی)

"کھجور والا کھجوریں واپس لینے سے انکار کرنے لگا۔ اس پر حضرت مطر نے کہا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں، یہ کون ہیں۔"

اس نے کہا:

"نہیں! میں انہیں نہیں جانتا۔"

انہوں نے بتایا:

"یہ امیر المومنین حضرت علی ہیں۔"

اس نے فوراً کھجوریں واپس لے لیں اور ایک درہم اس لڑکی کو دے دیا... اور کہنے لگا:

"آپ ناراض نہ ہوں۔"

آپ نے اس سے فرمایا:

"جب تم لوگوں کو پورا دو گے تو میں تم سے راضی رہوں گا۔"

پھر آپ نے کھجوروں والوں کے پاس سے گزرتے ہوئے فرمایا:

"مسکین کو کھلایا کرو، اس سے تمہاری کمائی بڑھ جائے گی۔"

پھر مچھلی والوں سے فرمایا:

"بازار میں ایسی مچھلی فروخت نہیں ہونی چاہیے جو پانی میں مر کر اوپر تیرنے لگ گئی ہو۔" (جاری)

وہ بڑھیا

محمد ندیم اکرم۔ کراچی

"ابو جان! آجائیں کھانا لگ گیا ہے۔"

امی کے کہنے پر میں نے ابو جان کو کھانا لگنے کی اطلاع دی، اتوار کا دن تھا، ابو اور چچا کی اتوار کو چھٹی ہوتی ہے، یہی وجہ میرے گھر پر موجود ہونے کی بھی تھی، ابھی ہم کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ اچانک دروازے پر دستک نے سب کو اپنی جانب متوجہ کرلیا... چچا دروازہ کھولنے گئے، ایک بڑھیا اشارے کے انداز میں کہہ رہی تھی کہ مجھے نماز پڑھنی ہے، چچا نے ابو کی اجازت کے بعد اسے اندر آنے کی اجازت دے دی... بڑھیا وضو کے بعد نماز میں مشغول ہوگئی اور ہم کھانا کھانے لگے... اچانک ایک زوردار آواز نے ہمارے ہوش اڑا دیے۔

"بیٹا! دیکھو کس چیز کی آواز ہے۔" ابو بولے۔

میں نے اندر جا کر دیکھا، پھر چلا اٹھی:

"ابو ابو... وہ بڑھیا گری پڑی ہے۔"

"کیا؟؟؟" سب نے حیران ہو کر کہا۔

کھانا وہیں چھوڑ کر ہم اندر کی جانب بھاگے... بڑھیا بے ہوش ہو چکی تھی، لاکھ کوشش کی، اس کے منہ پر پانی چھڑکا، ہاتھ پاؤں ہلائے مگر بے سود... ایسے میں امی کی نگاہ اس کے دوپٹے پر لگی ایک چھوٹی سی پرچی پر پڑی... اس پر یہ الفاظ لکھے تھے...

"یہ میری والدہ محترمہ ہیں، ان کا ذہنی توازن کمزور ہے اور یہ مرگی کی مریضہ ہیں... بول نہیں سکتیں، یہ اچانک گھر سے نکل کر کہیں چلی جاتی ہیں، برائے مہربانی جن صاحب کو یہ ملیں اس پتے پر پہنچا دیں یا اس نمبر پر فون کر دیں، آپ کا احسان مند

محمد اشرف

پتہ: گلی نمبر 5 مکان نمبر 6 گزری ٹاؤن کراچی

فون نمبر 03332424546"

یہ پڑھتے ہی ہمارے کلیجے منہ کو آ گئے، اب اسے گھر کون پہنچائے گا؟ ابو نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا، اس نمبر پر فون کر کے ان کے بیٹے کو بلاتے ہیں، بھلا اتنی دور کیسے لے جائیں اور اگر راستے میں کچھ اور ہو گیا تو ہم پر الزام آئے گا، چچا نے رائے دی۔

"ہوں، ٹھیک کہتے ہو۔"

ابو نے بڑھیا کے بیٹے کو فون کیا اور اس کی اماں کی حالت بتائی، اس کے بیٹے نے گھر کا ایڈریس پوچھا اور اطمینان دلایا کہ وہ اپنی والدہ کو لینے آ رہا ہے... جلد ہی گھر کے دروازے پر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔

"جاؤ بیٹا دروازہ کھولو، ابو نے کہا، میں نے دروازہ کھولا، فوراً ہی پانچ افراد اندر آ گئے اور پستول نکال کر ہم سب کو ایک جگہ یکجا کر دیا، اور کسی قسم کی حرکت کرنے سے سختی سے منع کر دیا، اس وقت چھوٹی سی بے وقوفی بھی ہمارے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی تھی، چنانچہ ہم نے ساکن رہنے میں ہی عافیت سمجھی، ہماری حالت ایسی ہو رہی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، ایک اور حیرت کا جھٹکا ہمیں اس وقت لگا جب ان پانچ افراد کے کہنے پر بڑھیا نے گھر کا صفایا کرنا شروع کر دیا، بڑھیا نے سارا سامان لا کر ان پانچ افراد کے سامنے رکھ دیا، جس میں گھر کا سارا زیور، پچاس ہزار نقد اور گھر کی دیگر قیمتی اشیاء شامل تھیں، پھر سارا سامان لے کر بڑے سکون و اطمینان سے ہمارے گھر سے نکل کر بھاگ گئے اور ہم سب ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کپڑے کے بازار میں گئے۔ وہاں کھدر فروخت ہوتا تھا۔ آپ نے ایک دکان دار سے کہا:

''بڑے میاں! مجھے ایک قمیص تین درہم کی دے دو۔''

اس دکان دار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا، لہٰذا آپ نے اس سے کپڑا نہ خریدا۔ دوسرے دکان دار کے پاس گئے، وہ بھی آپ کو پہچانتا تھا، آپ نے اس سے بھی نہ خریدا۔ پھر ایک نوجوان لڑکے سے تین درہم کی قمیص خریدی۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکا۔ آپ نے اسے پہن کر دیکھا تو اس کی آستین گٹے تک لمبی تھی اور خود قمیص ٹخنوں تک تھی۔ ایسے میں دکان کا مالک خود آگیا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ اس کے بیٹے نے امیر المومنین کو یہ قمیص تین درہم میں فروخت کی ہے۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا:

''تم نے یہ دو درہم میں کیوں نہ دی۔''

اب وہ ایک درہم لے کر آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا:

''یہ درہم واپس لے لیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''کیا بات ہے۔''

اس نے کہا:

''اس قمیص کی قیمت دو درہم تھی، میرے بیٹے نے آپ سے تین درہم لے لیے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اس نے اپنی مرضی سے تین درہم میں بیچی اور میں نے اپنی خوشی سے خریدی۔''

یعنی آپ نے وہ درہم واپس نہ لیا۔

○

حضرت سلامہ عجلی رحمہ اللہ کا ایک بھانجا گاؤں سے آیا۔ اس نے کہا:

''ماموں جان! میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملنا چاہتا ہوں اور انھیں سلام کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اسے ساتھ لے کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ انھیں مدائن شہر میں مل گئے۔ ان دنوں حضرت سلمان فارسی بیس ہزار فوج کے امیر تھے۔ آپ اس وقت تختے پر بیٹھے تھے اور کھجور کے پتوں سے ٹوپی بنا رہے تھے۔ انھوں نے نزدیک پہنچ کر آپ کو سلام کیا۔ پھر حضرت سلامہ عجلی نے انھیں بتایا:

''اے امیر! یہ میرا بھانجا اپنے دیہات سے آیا ہے۔ آپ کو سلام کرنے کے لیے آیا ہے۔''

قدم بہ قدم

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ!''

اب انھوں نے کہا:

''یہ کہتا ہے، اسے آپ سے محبت ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ اسے اپنا محبوب بنائے۔'' (ابونعیم)

○

حضرت حارث بن عمیر رحمہ اللہ مدائن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا، وہ اپنی کھال رنگنے کی جگہ بیٹھے دونوں ہاتھوں سے ایک کھال کو رگڑ رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا، اس پر آپ نے ان سے کہا:

''یہیں ٹھہرو، میں ابھی باہر آتا ہوں۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''میرا خیال ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔''

انھوں نے کہا:

''نہیں! میں نے تمھیں پہچان لیا ہے، بلکہ میری روح نے تمھاری روح کو پہلے پہچانا ہے، میں نے بعد میں تمھیں پہچانا ہے، کیونکہ روحیں جمع شدہ لشکر ہیں تو جن روحوں کا آپس میں وہاں تعارف اللہ کی خاطر ہوگیا، وہ ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتی ہیں اور جن کا جوڑ اللہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہوا، وہ ایک دوسرے سے مانوس نہیں ہوتیں۔''

○

ایک آدمی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت آٹا گوندھ رہے تھے۔ اس نے کہا:

''یہ کیا! آپ خود آٹا گوندھ رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''آٹا گوندھنے والے خادم کو میں نے کسی کام سے بھیجا ہے، اس لیے میں نے یہ اچھا نہ جانا کہ اس

تقاضہ

مسلسل ہے جب نبی ﷺ کا تقاضا
کہ روضے پہ ہے حاضری کا تقاضا

اندھیرے جہالت کے چھٹ جائیں یکسر
یہ ہے علم کی روشنی کا تقاضا

رہے موت پیش نظر ہر بشر کے
ہے یہ ہر نفس زندگی کا تقاضا

کریں عام دنیا میں سنت ﷺ کی
یہی تو ہے عشق نبی کا تقاضا

ولایت کی دولت میسر ہو سب کو
نہیں اور کچھ بھی ولی کا تقاضا

رکھیں اس کے دشمن سے بھی دشمنی ہم
یہ ہے دوست کی دوستی کا تقاضا

نہ مرہون منت ہو تم دوسروں کے
یہی ہے یہی ہے خودی کا تقاضا

خوشی میں بھی مولیٰ کو ہم یاد رکھیں
ہے یہ درحقیقت خوشی کا تقاضا

خدا مہرباں ایسے بندوں پہ ہوگا
جو پورا کریں بندگی کا تقاضا

اثر خوب اقبال حاصل کریں ہم
ہے شاہین کی شاعری کا تقاضا

اثر جونپوری

کے ذمے دو کام لگاؤں۔"

اب اس شخص نے کہا:

"فلاں صاحب آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔"

حضرت سلمان نے ان سے پوچھا:

"تم کب آئے؟"

اس نے بتایا:

"میں اتنے دنوں سے آیا ہوا ہوں۔"

حضرت سلمان نے فرمایا:

"اگر تم اس کا سلام نہ پہنچاتے تو پھر یہ وہ امانت شمار ہوتی جو تم نے ادا نہیں کی۔" (یہ تمہارے ذمے باقی رہتی) (ابو نعیم)

O

شام کا رہنے والا ایک شخص مدائن آیا۔ اس کے پاس بھوسے کا ایک گٹھر تھا۔ راستے میں ایک صاحب اسے ملے۔ اس شامی نے ان سے کہا:

"آؤ! میرا یہ سامان اٹھالو۔"

ان صاحب نے سامان اٹھا لیا۔ جب لوگوں نے انھیں دیکھا تو انھوں نے شامی سے کہا:

"یہ تو ہمارے امیر ہیں۔"

یعنی یہ تو ہمارے امیر مدائن کے گورنر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس شامی نے آپ سے کہا:

"میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"کوئی بات نہیں! اب میں ہی تمہارا سامان پہنچاؤں گا۔" (ابن سعد)

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مدائن کا گورنر مقرر فرمایا اور مدائن کے لوگوں کو یہ فرمان لکھا:

"یہ تمہارے گورنر ہیں۔ ان کی بات سنو! یہ جو تم سے مانگیں، وہ انھیں دو۔"

حضرت حذیفہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے روانہ ہوئے تو گدھے پر سوار تھے۔ گدھے پر پالان تھا۔ اس پر ان کا سفر کا سامان بھی تھا جب یہ مدائن پہنچے تو وہاں کے ذمی لوگوں نے (یعنی وہ غیر مسلم جو جزیہ دیتے تھے) اور دیہات کے چودھریوں نے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں روٹی اور گوشت والی ہڈی تھی اور گدھے کے پالان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنا معاہدہ نامہ ان لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ انھوں نے کہا:

"آپ جو چاہیں، ہم سے فرمائش کریں۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب تک میں تم میں رہوں، مجھے کھانا اور میرے گدھے کو چارہ دیتے رہو۔"

حضرت حذیفہ کافی مدت وہاں گورنر رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا:

"آپ اب مدینہ آجائیں۔"

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ آنے والے ہیں تو ان کے راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے، تاکہ حضرت حذیفہ انھیں دیکھ نہ لیں۔ آخر وہ آتے نظر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اسی حالت پر واپس آرہے ہیں جس حالت پر گئے تھے۔ آپ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آگئے اور ان سے چمٹ گئے۔ آپ فرما رہے تھے:

"تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔"

(ابن سعد) (جاری ہے)

108 عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کے سر پر لکڑیوں کا ایک گٹھا تھا۔ کسی نے ان سے کہا:

"آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا دے رکھا ہے کہ آپ کو یہ وزن خود اٹھانے کی ضرورت نہیں، آپ تو دوسروں سے اٹھوا سکتے ہیں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"میں اپنے دل سے تکبر کو نکالنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آدمی جنت میں نہیں جاسکے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا۔" (طبرانی)

○

حضرت عوف بن اشجعی رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے موقعے پر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت ایک چھوٹے سے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

"اندر آجاؤ۔"

حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"کیا سارا ہی آجاؤں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! سارے ہی آجاؤ۔"

چنانچہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ خیمے میں داخل ہوئے اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا تھا کہ کیا سارا ہی اندر آجاؤں تو خیمے کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے کہا تھا۔

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے بصریٰ تشریف لے گئے۔ بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت نعیمان اور حضرت سویبط رضی اللہ عنہما بدری صحابی بھی تھے۔ حضرت سویبط کے ذمے کھانے کا سامان کرنا تھا۔ حضرت نعیمان نے ان سے کہا:

"مجھے کچھ کھانا دے دو۔"

حضرت سویبط رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہیں گئے ہوئے ہیں، وہ آجائیں تو آپ کو کھانا دے دوں گا۔"

حضرت نعیمان کی طبیعت میں مزاح تھا۔ وہاں نزدیک ہی میں کچھ لوگ اپنے جانور لے کر آئے ہوئے تھے، یہ ان کے پاس چلے گئے اور ان سے کہنے لگے:

"میرا ایک خوب صورت اور طاقت ور عربی غلام ہے۔ تم لوگ اسے خرید لو۔"

انھوں نے کہا:

قدم بہ قدم

"اچھا خرید لیتے ہیں۔"

حضرت نعیمان نے کہا:

"بس اتنی سی بات ہے کہ وہ ذرا باتونی ہے اور شاید وہ یہ بھی کہے کہ میں غلام نہیں، آزاد ہوں۔ اگر تم اس کے ایسا کہنے پر چھوڑ دو گے تو پھر یہ سودا مت کرو۔ اس طرح میرا غلام بگڑ جائے گا۔"

انھوں نے کہا:

"ہم اسے نہیں چھوڑیں گے، اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں۔"

چنانچہ ان لوگوں نے دس جوان اونٹنیوں کے بدلے انھیں خرید لیا۔ حضرت نعیمان دس اونٹنیوں کو ہانکتے ہوئے آئے اور ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے آئے اور نزدیک آنے پر بولے:

"یہ رہا تمھارا وہ غلام، اسے لے لو۔"

وہ لوگ حضرت سویبط کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے تو انھوں نے کہا:

"یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ میں تو آزاد آدمی ہوں۔"

وہ کہنے لگے:

"یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی گئی ہے۔"

چنانچہ ان لوگوں نے ان کے گلے میں رسی ڈالی اور لے گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ کو ساری بات کا پتا چلا۔ آپ ان خریدنے والوں کے پاس گئے۔ انھیں ساری بات بتائی، ان کی اونٹنیاں انھیں واپس دیں اور حضرت سویبط کو واپس لائے۔ یہ حضرات واپس مدینہ منورہ آئے اور لوگوں کو یہ واقعہ سنایا تو وہ ہنسنے لگے۔ پھر جب بھی یہ واقعہ سنایا جاتا تو لوگ ہنسنے لگتے تھے۔

یعنی یہ ان کے آپس کے مزاح کی ایک مثال تھی۔

○

ایک دیہاتی حضور نبی کریم ﷺ سے ملنے کے

لیے آیا۔ اس نے اپنی اونٹنی مسجد کے پاس بٹھا دی اور خود اندر چلا گیا۔ حضور ﷺ کے بعض صحابہ نے حضرت نعیمان بن عمرو سے کہا:

"گوشت کھانے کو بہت دل چاہ رہا ہے، اگر تم اس اونٹنی کو ذبح کر لو تو ہمیں کھانے کے لیے گوشت مل جائے گا۔ اس طرح بہت مزہ آئے گا۔ حضور ﷺ بعد میں اونٹنی کی قیمت دے دیں گے۔"

حضرت نعیمان نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔ ایسے میں وہ دیہاتی مسجد سے باہر آیا تو اپنی اونٹنی کو ذبح شدہ دیکھ کر چیخ پڑا۔ چلا اٹھا:

"اے محمد! (ﷺ) ہائے ان لوگوں نے میری اونٹنی کو ذبح کر دیا ہے۔"

اس پر حضور نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا:

"یہ کس نے کیا ہے۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا:

"نعیمان نے۔"

آپ ﷺ حضرت نعیمان کی تلاش میں نکل پڑے۔ ان کا پتا کرتے کرتے آپ حضرت بنتِ زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچ گئے۔ حضرت نعیمان اس گھر کے ایک گڑھے میں چھپے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے اوپر کھجور کے پتے وغیرہ ڈال رکھے تھے۔ اب باہر موجود لوگوں میں سے ایک نے اونچی آواز سے تو یہ کہا:

"اے اللہ کے رسول! میں نے انھیں نہیں دیکھا۔"

اور انگلی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ چھپے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے وہاں جا کر انھیں نکالا تو گرد و غبار اور تنکوں وغیرہ کی وجہ سے ان کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

انھوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! جن لوگوں نے آپ کو میرا پتا بتایا ہے، انھوں نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ اس اونٹنی کو ذبح کر دو۔"

یہ سن کر آپ مسکرانے لگے اور ان کا چہرہ صاف کرنے لگے۔ پھر آپ نے اس دیہاتی کو اونٹنی کی قیمت ادا کی۔

O

حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نابینا تھے۔ آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک دن وہ مسجد میں پیشاب کرنے لگے تو لوگوں نے شور مچا دیا۔ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور انھیں مسجد میں ایک طرف لے گئے۔ ان سے فرمایا:

"یہاں پیشاب کریں۔"

انھوں نے وہاں پیشاب کر لیا تو لوگوں نے پھر شور مچا دیا کہ مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اب انھوں نے کہا:

"تمھارا بھلا ہو، مجھے یہاں کون لایا تھا۔"

لوگوں نے انھیں بتایا، نعیمان بن عمرو۔ وہ لگے انھیں برا بھلا کہنے جب کہ صحابہ مسکرا رہے تھے۔

(جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ بخار میں مبتلا تھے۔ آپ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ حضرت سعید نے چادر پر ہاتھ رکھ کر بخار دیکھا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو بہت تیز بخار چڑھا ہوا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم (یعنی انبیا) پر اسی طرح سخت تکلیف اور آزمائش آیا کرتی ہے اور ہمارا اجر و ثواب بھی دگنا ہوتا ہے۔''

انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کن پر آتی ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''نبیوں پر۔''

انھوں نے پوچھا:

''پھر کن پر؟''

آپ نے فرمایا:

''علما پر۔''

انھوں نے پوچھا:

''پھر کن پر؟''

آپ نے فرمایا:

''نیک بندوں پر، بعض نیک بندوں کے جسموں میں اتنی جوئیں پڑ جاتی تھیں کہ اسی میں ان کا انتقال ہو جاتا تھا اور بعضوں پر اتنی تنگ دستی آ جاتی تھی کہ انھیں چوغے کے علاوہ اور کچھ لینے کے لیے نہیں ملتا تھا، لیکن تمھیں دنیا ملنے سے جتنی خوشی ہوتی ہے، انھیں آزمائش اور تکلیف سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی تھی۔'' (ابن ماجہ)

○

ایک نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، وہ چند دن تک نہ آیا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا بات ہے، فلاں شخص نظر نہیں آ رہا۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''اسے بخار ہو گیا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''چلو اٹھو! اس کی عیادت کے لیے چلیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''مت رؤو، کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ بخار میری امت کے لیے جہنم کے بدلے میں ہے۔'' (طبرانی)

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو کچھ لوگ آپ کی عیادت کرنے کے لیے آئے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے خلیفۂ رسول! ہم آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلا لائیں، جو آپ کو دیکھ لے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''طبیب مجھے دیکھ چکا ہے۔'' (یعنی اللہ تعالیٰ)

ان حضرات نے پوچھا:

''پھر اس طبیب نے کیا کہا ہے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس نے کہا، میں جو چاہتا ہوں، کر گزرتا ہوں۔'' (ابن سعد)

○

جب طاعون کی بیماری پھیلنے لگی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! یہ بیماری تو تمھارے رب کی رحمت ہے اور تمھارے نبی کی دعا ہے اور تم سے پہلے کے نیک بندوں کی موت کا ذریعہ تھی اور ابوعبیدہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوعبیدہ کو اس بیماری میں سے اس کا حصہ عطا فرما دے۔''

چنانچہ آپ کو بھی طاعون کی بیماری ہوئی اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لوگوں کے امیر بنے تو انھوں نے بھی کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا:

''اے لوگو! یہ بیماری تمھارے رب کی طرف سے رحمت ہے اور تمھارے نبی کی دعا ہے اور تم سے پہلے کے نیک بندوں کی موت کا ذریعہ تھی۔ معاذ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ معاذ کی اولاد کو اس بیماری میں سے ان کا حصہ عطا فرمائے۔''

آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کی موت اسی بیماری سے ہوئی۔ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنے لیے بیمار ہونے کی دعا مانگی تو ان کی ہتھیلی میں طاعون کا دانہ نکل آیا۔ حضرت معاذ اس دانے کو دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

''اے ہتھیلی! مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تجھ میں جو

یہ طاعون کی بیماری ہے، اس کے بدلے میں مجھے دنیا کی کوئی چیز مل جائے۔''

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امیر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر بیان فرمایا:

''اے لوگو! یہ بیماری جب کسی کو ہوتی ہے تو آگ کی طرح بھڑکتی ہے، لہٰذا تم پہاڑوں میں جا کر اس سے اپنی جان بچاؤ۔''

یہ سن کر حضرت واثلہ ہذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں جب آپ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔''

ان کی بات سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ جو فرما رہے ہیں، میں اس کا جواب تو نہیں دوں گا، لیکن اللہ کی قسم! اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔''

چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے گئے اور لوگ بھی چلے گئے اور ادھر اُدھر بکھر گئے۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے ان کے اس اقدام کو ناپسند نہیں فرمایا۔

یعنی اگر انھوں نے ایسا کر لیا تو کچھ برا نہیں کیا۔ وہ ایسا کر سکتے تھے اور ان سے پہلے جو اقدام کیا گیا تو وہ بھی درست تھا، کیونکہ ان حضرات نے شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے طاعون کی جگہ سے نہ جانا پسند فرمایا۔

O

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

''اے زید! اگر تمہاری آنکھیں ایسے ہی دکھتی رہیں اور ٹھیک نہ ہوئیں تو تم کیا کرو گے۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں صبر کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھوں گا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اگر تمہاری آنکھیں یونہی دکھتی رہیں اور تم نے صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملو گے کہ تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔'' (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہ کی روشنی واپس فرما دی تھی۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔ آمین!

O

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی بینائی چلی گئی۔ لوگ ان کی بیمار پرسی کے لیے آئے تو انھوں نے فرمایا:

''مجھے آنکھوں کی ضرورت اس لیے تھی کہ میں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں جب حضور ہی دنیا سے چلے گئے تو اب اللہ کی قسم مجھے اس سے بالکل خوشی نہیں ہوگی کہ میری یہ تکلیف کسی ہرن کو ہو جائے۔''

یعنی اس بیماری کے ختم ہونے کی مجھے کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں آپ کی ایک صاحب زادی نے آپ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا:

''آپ کے بیٹے کا انتقال ہونے والا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد سے فرمایا:

''واپس جا کر میری بیٹی کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز ہم سے لے لی، وہ بھی اسی کی ہے اور جو ہمیں دی ہے، وہ بھی اسی کی ہے اور اللہ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ میری بیٹی سے کہہ دو، وہ صبر کرے، اللہ سے ثواب کی امید رکھے۔''

پیغام لانے والا یہ پیغام لے کر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی نے اسے دوبارہ بھیج دیا۔ اس نے آ کر کہا:

''وہ آپ کو قسم دے کر کہہ رہی ہیں کہ آپ ان کے پاس ضرور تشریف لے آئیں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو اس بچے کو اٹھا کر آپ کے پاس لایا گیا۔ بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا اور ایسی آواز آ رہی تھی جیسے وہ پرانے اور سوکھے مشکیزے میں ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ کیا۔'' یعنی آپ آنسو بہا رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ رحم اور شفقت کا مادہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انھی بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہوں۔'' (ترمذی)

○

جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا دردناک منظر دیکھا کہ اس سے زیادہ دردناک منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے۔ اس موقعے پر آپ نے فرمایا:

''اللہ کی رحمت تم پر ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے، تم صلہ رحمی کرنے والے اور بہت زیادہ نیکیاں کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے بعد والے رشتے داروں کے رنج اور غم کے زیادہ ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میری خوشی اسی میں تھی کہ میں تمہیں یہاں ایسے ہی چھوڑ دیتا (اور دفن نہ کرتا اور تمہیں درندے کھا جاتے۔ یوں تمہاری قربانی اور بڑھ جاتی) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں درندوں کے پیٹ میں سے جمع کر کے اٹھاتے۔ غور سے سنو! اللہ کی قسم! ان کافروں نے جیسے تمہارے ناک کان اور دوسرے اعضا کاٹے ہیں، میں ان میں سے ستر کافروں کے اسی طرح ناک اور دوسرے اعضا کاٹوں گا۔''

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے:

''اور اگر بدلہ لینے لگو تو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، اتنا ہی بدلہ لو اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہو جائیے۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کو پورا نہ کیا بلکہ اس قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (حاکم 197/3)

○

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ نے انھیں دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسرے دن حضرت اسامہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''آج بھی تمہیں دیکھ کر مجھے وہی رنج ہو رہا ہے جو کل ہوا تھا۔''

اس موقعے پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر کہا:

6 20 B

''اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟'' (یعنی آپ رو رہے ہیں)

اس پر آپ نے فرمایا:

''یہ ایک دوست کا اپنے محبوب دوست کے شوق میں رونا ہے۔'' (ابن سعد 3/32)

O

حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن شہید ہوئے تھے اور یہ اس جماعت میں تھے جو لشکر کی حفاظت کرنے والی تھی۔ اچانک انھیں نامعلوم سمت سے آنے والا ایک تیر لگا۔ اس سے یہ شہید ہوگئے۔ ان کی والدہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے بتا دیں کہ حارث کہاں ہیں۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی، ورنہ اللہ تعالیٰ ابھی دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔'' (یعنی کتنا نوحہ کرتی ہوں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تیرا بھلا ہو، کیا تم بے وقوف ہوگئی ہو، وہاں تو کئی جنتیں ہیں اور تمہارے بیٹے کو فردوسِ اعلیٰ جنت ملی ہے۔'' (ابن سعد)

اس پر وہ ہنستی ہوئی واپس گئیں اور کہہ رہی تھیں:

''واہ واہ! اے حارث تیرے کیا کہنے۔'' (ابنِ نجار)

O

قبیلہ بنو قریظہ کی لڑائی میں انصار کے ایک شخص شہید ہوگئے۔ ان کا نام خلاد تھا۔ کسی نے آکر ان کی والدہ سے کہا:

''اے امِ خلاد! خلاد شہید ہوگئے۔''

وہ نقاب پہن کر باہر نکل آئیں تو کسی نے کہا:

''تمہارا بیٹا شہید ہوگیا ہے اور تم نے نقاب پہنا ہوا ہے۔'' (یعنی تمہیں، تو غم کا اظہار کرنے کے لیے نقاب اتار دینا چاہیے)

اس کے جواب میں انھوں نے کہا:

''اگر میرا بیٹا چلا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں شرم و حیا کو بھی ہاتھ سے جانے دوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

''غور سے سنو! خلاد کو دو شہیدوں کا اجر ملا ہے۔''

کسی نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہوا؟''

آپ نے فرمایا:

''اس لیے کہ اسے اہلِ کتاب نے قتل کیا ہے۔''

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو آپ رونے لگے۔ کسی نے آپ سے کہا:

''آپ رو رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''وہ نسب میں میرے بھائی تھے۔ ہم دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھے رہے۔ اس کے باوجود مجھے یہ پسند نہیں کہ میں ان سے پہلے مرتا بلکہ ان کا انتقال پہلے ہو اور میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں۔'' (ابو نعیم)

(جاری ہے)

111

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا:

''قریش لوگوں کے سردار ہیں۔ ان میں سے جو بھی کسی دروازے سے داخل ہوگا، اس کے ساتھ لوگوں کی ایک بڑی جماعت بھی ضرور داخل ہوگی۔''

انھیں اس بات کا مطلب سمجھ میں نہ آیا... یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نیزے سے زخمی کیا گیا... جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو تین دن نماز پڑھائیں اور انھوں نے اس بات کا بھی حکم دیا کہ نئے خلیفہ کے مقرر ہونے تک لوگوں کو کھانا پکا کر کھلایا جائے... جب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے سے واپس آئے تو دسترخوان بچھائے گئے... اور کھانا لا کر رکھا گیا... لیکن رنج اور غم کی وجہ سے لوگ کھانا نہیں کھا رہے تھے... اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) نے فرمایا:

''اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، ہم نے اس کے بعد کھایا اور پیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ہم نے ان کے بعد کھایا اور پیا، اس لیے کھانا کھانا تو ضروری ہے، لہٰذا آپ سب کھانا کھائیں۔''

یہ فرمانے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کر دیا.. اب سب لوگوں نے ہاتھ بڑھائے اور کھانے لگے... اس وقت مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سمجھ میں آئی کہ قریش لوگوں کے سردار ہیں... (ابن سعد)

O

قدم بہ قدم

ایک انصاری عورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! یہ خبیث (شیطان) مجھ پر غالب آگیا ہے۔''

مطلب یہ کہ اس نے اپنی کسی بیماری کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''تمھیں جو تکلیف ہے، اگر تم اس پر صبر کرو تو قیامت کے دن تم اس حال میں آؤ گی کہ تم پر کوئی گناہ ہوگا، نہ تم سے حساب لیا جائے گا۔''

یہ سن کر اس عورت نے کہا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں مرتے دم تک ان

شاء اللہ صبر کروں گی۔۔۔ البتہ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ اس حالت میں شیطان مجھے ننگا کر دے گا۔"

ان خاتون کو غالباً مرگی کی قسم کا کوئی مرض تھا۔ ان کی بات سن کر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ اس کے بعد جب انھیں محسوس ہوتا کہ شیطانی اثرات شروع ہونے والے ہیں تو وہ آ کر کعبے کے پردوں سے چمٹ جاتیں اور شیطان سے کہتیں:

"دور ہو جاؤ۔"

اس پر وہ شیطان چلا جاتا۔ ان خاتون کا نام امِ زُفَر رضی اللہ عنہ بتایا جاتا ہے۔ ان کا رنگ کالا اور قد لمبا تھا۔ (احمد، البدایہ)

○

ایک بدکار عورت تھی، وہ مسلمان ہوگئی۔ ایک مرد اس کے پاس سے گزرا۔ اس نے اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ خاتون کہنے لگی:

"رک جاؤ، اللہ تعالیٰ نے شرک کو ختم کر دیا ہے اور اسلام کو لے آئے ہیں۔"

یعنی میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ وہ شخص فوراً واپس پلٹ گئے، لیکن پلٹنے کے بعد بھی مڑ کر اسے دیکھنے لگے، یہاں تک کہ ان کا چہرہ ایک دیوار سے ٹکرا گیا۔ ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

"تم اللہ کے ایسے بندے ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اس گناہ کی سزا جلدی دے دیتے ہیں، یعنی دنیا میں دے دیتے ہیں اور جب کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا روک لیتے ہیں (یعنی دنیا میں نہیں دیتے بلکہ اس کی پوری سزا قیامت کے دن دیں گے)۔"

○

ہوسکتا کہ اب تنگی آسانیوں پر غالب آجائے (یعنی یہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ تھا کہ بے شک ہر تنگی کے بعد آسانی ہے، ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔" (الم نشرح)

اس کے بعد آپ نے یہ بھی لکھا:

"اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ بھی فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں صبر کرو اور مقابلے کے لیے مستعد رہو (تیار رہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔" (امام مالک)

○

ایک دن حضور نبی کریم ﷺ باہر نکلے اور اپنے بالا خانے کی طرف تشریف لے گئے۔ اندر جا کر آپ قبلے کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گئے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی وہاں آ گئے۔ آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ انھوں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدے میں ہی آپ کی روح قبض کر لی ہے۔ وہ آپ کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھایا اور ان کی موجودگی محسوس کر کے پوچھا: "کون ہے؟"

انھوں نے عرض کیا: "جی عبدالرحمٰن؟"

آپ نے فرمایا: "تمھیں کیا ہوا؟"

انھوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدے کی حالت میں ہی آپ کی روح قبض کر لی ہے۔"

آپ نے فرمایا: "حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، انھوں نے مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر رحمت بھیجوں گا، جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں اس پر سلام بھیجوں گا، اس لیے میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر گیا۔" (احمد) (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

111

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ وہ کسی بیماری میں مبتلا تھا۔ حضور ﷺ نے سواری سے نیچے اتر کر سجدہ شکر ادا کیا (کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے بچا رکھا ہے) پھر وہ شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ آپ نے بھی سواری سے اتر کر سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، انھوں نے بھی نیچے اتر کر سجدہ شکر ادا کیا۔ (طبرانی)

○

ایک سائل حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے فرمانے پر اسے ایک کھجور دے دی گئی۔ اس نے وہ کھجور پھینک دی۔ اس کے بعد ایک سائل آیا۔ آپ نے فرمایا، اسے بھی ایک کھجور دے دو۔

اس نے کھجور لے کر کہا: ''سبحان اللہ!''

یعنی ایک کھجور ملنے پر اس نے بہت خوشی کا اظہار کیا (اس کی کیفیت سے خوش ہو کر) آپ ﷺ نے ان باندی سے فرمایا: ''ام سلمہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ان کے پاس جو چالیس درہم ہیں، وہ اس سائل کو دے دیں۔'' (بیہقی)

○

ایک سائل حضور ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے ایک کھجور دے دی۔ اس پر اس نے کہا: ''سبحان اللہ! نبیوں میں اتنے بڑے نبی اور وہ ایک کھجور صدقے میں دے رہے ہیں۔''

حضور ﷺ نے اس سے فرمایا:

''تمہیں معلوم نہیں کہ اس ایک کھجور میں بہت سارے ذرے ہیں۔''

اس کے بعد ایک اور سائل آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اسے بھی ایک کھجور دی۔ اس نے (خوش ہو کر) کہا: ''یہ کھجور مجھے نبیوں میں سے ایک نبی سے ملی ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں گا، یہ کھجور میرے پاس رہے گی اور مجھے امید ہے، اس کھجور کی برکت مجھے ہمیشہ ملتی رہے گی۔''

آپ ﷺ نے اس سے بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ کچھ ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ وہ مال دار ہو گیا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ضجنان کے پاس سے گزرے۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں (بچپن میں اپنے والد) خطاب کے جانور اس جگہ چرایا کرتا تھا، لیکن اللہ کی قسم! میری معلومات کے مطابق وہ سخت مزاج تھے۔ پھر میں حضور نبی کریم ﷺ کی امت کا والی بن گیا۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا:

''جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ اس میں (ظاہری) بشاشت کے سوا کچھ نہیں ہے (یعنی یہ شان و شوکت عارضی ہے) اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے، باقی تمام مال اور اولاد فنا ہو جائے گی۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ سے فرمایا: ''چل!''

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے مصیبت زدہ آدمی کے پاس سے گزرے جو کوڑھی، نابینا اور گونگا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''کیا تمہیں اس میں اللہ کی کوئی نعمت نظر آ رہی ہے؟''

ساتھیوں نے کہا: ''جی نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ کیا آپ لوگ دیکھ نہیں رہے کہ یہ آسانی سے پیشاب کر لیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔''

○

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا:

''یہ دنیا جتنی ملے، بس اس پر قناعت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو روزی زیادہ دیتے ہیں اور بعض کو کم، وہ اس طرح ہر ایک کو آزمانا چاہتے ہیں، لہٰذا جسے روزی زیادہ دی ہے، اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کا شکر کیسے ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کا جو حق بندے پر بنتا ہے، اس کی ادائیگی یہ ہے کہ بندہ اس کا شکر ادا کرے۔'' (ابن ابی حاتم)

○

کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ فلاں جگہ کچھ لوگ برائی میں مشغول

ہیں۔ آپ ان کے پاس جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں گئے تو آپ نے دیکھا، وہ لوگ تو سب وہاں سے جا چکے ہیں، البتہ ان کی برائی کے اثرات وہاں موجود ہیں۔ آپ نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے ان لوگوں کو برائی پر نہ پایا، آپ نے ایک غلام آزاد کیا۔

○

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ طواف کر کے باہر آئے۔ ان دونوں حضرات نے دیکھا کہ ایک دیہاتی آدمی نے اپنی والدہ کو اپنی پشت پر اٹھایا ہوا ہے اور وہ یہ شعر پڑھ رہا ہے:

''میں اپنی ماں کی ایسی سواری ہوں جو بدکتی نہیں اور جب سواریاں ڈرنے لگتی ہیں تو میں نہیں ڈرتا اور میری ماں نے جو مجھے پالا پوسا ہے اور جو مجھے دودھ پلایا ہے، وہ میری اس خدمت سے کہیں زیادہ ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا شعر سن کر فرمایا:

''اے ابوحفص (حضرت عمر) آؤ ہم بھی طواف کریں، کیونکہ (اس دیہاتی کی اس اعلیٰ کیفیت کی وجہ سے) رحمت نازل ہو رہی ہے تو وہ ہمیں بھی مل جائے گی۔''

پھر وہ دیہاتی طواف کرنے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''اگر تم اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کر رہے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی بہت زیادہ قدر دان ہیں۔ وہ تمہیں اس تھوڑی سی خدمت کے بدلے میں بہت زیادہ دیں گے۔'' (بیہقی)

○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت اپنے پہلو میں پڑی ہوئی ایک کھجور ملی۔ آپ نے اس کھجور کو نوش فرما لیا، لیکن آپ کو نیند نہ آئی۔ امہات المومنین میں سے کسی نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آج رات آپ کو نیند نہیں آئی۔''

آپ نے فرمایا: ''مجھے اپنے پہلو کے نیچے پڑی ہوئی کھجور ملی... میں نے اسے کھا لیا... لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ ہمارے ہاں تو صدقے کی کھجوریں بھی تھیں... کہیں یہ کھجور ان میں سے نہ ہو۔'' (یعنی اس خیال سے مجھے نیند نہیں آئی) (البدایہ) (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا۔ وہ طے شدہ مقدار میں کما کر انھیں دیا کرتا تھا۔ ایک رات وہ کچھ کھانا لایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرما لیا۔ غلام نے عرض کیا:

''آپ ہر رات یہ پوچھتے تھے کہ کہاں سے کما کر لائے ہو، لیکن آج رات آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''بھوک کی شدت کی وجہ سے نہیں پوچھ سکا۔ اب بتاؤ، یہ کھانا کہاں سے لائے ہو۔''

اس نے کہا:

''زمانہ جاہلیت میں میں ایک قوم کے پاس سے گزرا تھا۔ میں نے ان کے ایک بیمار پر دم کیا تھا۔ اس وقت انھوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج میرا گزر ادھر سے ہوا تو ان کے ہاں شادی ہو رہی تھی۔ انھوں نے شادی کے کھانے میں سے مجھے یہ کھانا دیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''تم تو مجھے ہلاک کرنے لگے تھے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے انگلی حلق میں ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی حالت میں کھایا ہوا، کیسے نکلتا، جب انگلیاں ڈالنے سے وہ نہ نکلا تو کسی نے کہا:

''پانی سے ہی قے ہو سکتی ہے۔''

آپ نے پانی کا ایک بڑا پیالہ منگوایا اور پانی پی پی کر قے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انتہائی مشکل سے وہ لقمہ نکالا۔ کسی نے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے ایک لقمے کو نکالنے کے لیے اتنی مشقت اٹھائی۔''

آپ نے فرمایا:

''اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلنا ہوتا تو بھی اسے نکالتا، کیونکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن حرام مال سے پرورش پائے، آگ اس کے لیے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمے سے پرورش نہ پا جائے۔'' (ابونعیم)

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ پیا۔ دودھ انھیں بہت پسند آیا۔ جن صاحب نے پلایا تھا، آپ نے ان سے پوچھا:

''یہ دودھ تم کہاں سے لاتے ہو؟''

انھوں نے بتایا:

''میں فلاں پانی پر گیا تھا۔ وہاں صدقے کے جانور پانی پینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جانوروں کا دودھ نکال کر مجھے دیا۔ میں نے وہ دودھ اپنے مشکیزہ... میں ڈال لیا۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں انگلی ڈال کر وہ سارا دودھ قے کر دیا۔ (مالک)

○

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن کوفے میں گھر سے نکلے۔ ایک گھر کے دروازے پر رک کر انھوں نے پانی مانگا۔ اندر سے ایک لڑکی لوٹا اور رومال لے کر نکلی۔

آپ نے پوچھا:

''اے لڑکی! یہ گھر کس کا ہے؟''

اس نے بتایا:

''فلاں درہم پرکھنے والے کا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ درہم پرکھنے والے کے کنویں سے پانی نہ پینا اور ٹیکس وصول کرنے والے کے سایے میں ہرگز نہ بیٹھنا۔'' (ابن عساکر)

○

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں پہنچے جس میں کانٹے دار درخت بہت تھے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آرام فرمایا۔ صحابہ کرام درختوں کے سائے میں ادھر اُدھر پھیل گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے سایے میں آرام فرمانے لگے۔ آپ نے اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی تھی۔

سب لوگ سو چکے تھے کہ آپ نے سب کو بلایا۔ تمام صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے ایک دیہاتی کو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا:

''میں سویا ہوا تھا، اس نے آ کر میری تلوار درخت سے اتاری اور اسے نیام سے نکال لیا۔ میری

آنکھ کھلی تو اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار سُتی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا:

"آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔"

آپ نے فرمایا:

میں نے کہا، اللہ!

"اللہ!"

پھر اس نے تلوار کو نیام میں رکھ لیا اور بیٹھ گیا۔

اس شخص نے اگرچہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ (شیخان)

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم قبیلہ محارب اور قبیلہ غطفان سے نخلہ کے مقام پر جنگ کر رہے تھے۔ دوپہر کے وقت مسلمان آرام کر رہے تھے، ایسے میں ایک شخص غورث بن حارث اس طرف آنکلا۔ وہ ننگی تلوار لیے آپ کے نزدیک پہنچ گیا اور اس نے آپ سے کہا:

"آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔"

"اللہ!"

اس نے کہا:

"آپ مجھے معاف کر دیں۔"

آپ نے اس سے فرمایا:

"کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اس نے جواب میں کہا:

"نہیں! (یعنی میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں) البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ کبھی بھی آپ سے نہیں لڑوں گا اور جو لوگ آپ سے لڑیں گے، ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

اس پر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا:

"میں تمہارے پاس ایسے آدمی کے پاس سے آرہا ہوں جو لوگوں میں سے بہترین ہیں۔" (البدایہ 84/4)

O

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کی آخری رات آئی تو انھیں قرار نہیں تھا۔ گھر والوں کو خطرہ محسوس ہوا (کہ کہیں ان کے ساتھ کچھ ہونے والا تو نہیں) تو انھوں نے آپس میں چپکے سے مشورہ کر کے طے کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باہر نہیں جانا چاہیے۔ انھوں نے خدا کا واسطہ دے کر ان سے یہ بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا:

"ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں کہ جب تک تقدیر کے لکھے کا وقت نہ آجائے، اس وقت تک وہ ہر بلا اس بندے سے دور کرتے رہتے ہیں اور جب تقدیر کا وقت آجاتا ہے تو پھر دونوں فرشتے درمیان سے ہٹ آتے ہیں۔"

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لے گئے اور انھیں شہید کر دیا گیا۔ (جاری ہے)

یمامہ سے قبیلہ بنی حنیفہ کے لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں میں مسیلمہ نام کا شخص بھی تھا۔ لوگوں نے اسے کپڑوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ اس ٹہنی کے سرے پر کچھ پتے بھی تھے۔

مسیلمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی، یعنی اسلام قبول کیا، لیکن ساتھ ہی اس نے کہا:

"آپ اپنی نبوت میں مجھے بھی شریک کرلیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بے ہودہ بات کے جواب میں فرمایا:

"اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہیں دے سکتا۔"

مسیلمہ دراصل بنی حنیفہ کا سردار تھا۔ یہ جب واپس یمامہ پہنچا تو اللہ تعالیٰ کا یہ بدترین دشمن مرتد ہوگیا، اس نے اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کردیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مجھے بھی شریک کرلیا گیا ہے۔"

اس کے بعد وہ قرآن کی آیات کی نقل بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے اپنے لوگوں میں یہ اعلان کیا:

"آج سے نماز معاف، شراب اور زنا کی اجازت ہے، رمضان کے روزے رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اس قسم کے اعلانات کے بعد لوگ بڑی تعداد میں اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

ایک روز کچھ لوگ آئے، انھوں نے کہا:

"آپ فلاں کنویں میں تھوک دیجیے، کیونکہ اس کا پانی کڑوا ہے۔"

اس نے کنویں میں تھوک دیا۔ اس سے اس کنویں کا سارا پانی خراب ہوگیا۔ لوگوں نے اس سے ایسا کرنے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ پانی لائے تھے۔ انھوں نے کہا تھا، ہمارے کنویں کا پانی کڑوا ہے، آپ اس میں اپنا لعاب دہن شامل کر دیں۔ آپ نے اس پانی میں اپنا لعاب دہن مبارک شامل کردیا تھا اور انھوں نے وہ پانی کنویں میں ڈال دیا تھا، کنویں کا پانی اسی وقت میٹھا ہوگیا تھا۔ آپ کے اسی عمل کی بنیاد پر مسیلمہ کو ماننے والوں نے اس سے ایسا کرایا، لیکن پانی اور کڑوا ہوگیا۔

اس کے پاس اسے نبی ماننے والا ایک شخص آیا، اس کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی۔ اس نے مسیلمہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر پھروالیا۔ اس کی دونوں آنکھیں اسی وقت بے نور ہوگئیں۔ وہ اندھا ہوگیا۔

مداری لوگ جس قسم کے کرتب دکھاتے ہیں، وہ لوگوں کو ایسے کرتب دکھاتا تھا، یعنی اس نے ایک انڈے کو بوتل میں ڈال کر دکھایا، مداری لوگ بھی ایسے کام دکھا دیتے ہیں۔ انڈے کو اگر سرکے اور نوشادر کے محلول میں رات بھر رکھا جائے تو وہ بالکل نرم ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اسے بوتل میں ڈال دینا ممکن ہو جاتا ہے۔ بس اس قسم کے مداریوں والے کام دکھا کر وہ لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ اس بدبخت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

قدم بہ قدم

اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام! بات یہ ہے کہ مجھے آپ کی نبوت میں شریک کرلیا گیا ہے۔ آپ اور میں آدھے آدھے حصے دار ہیں مگر قریش کے لوگ (یعنی آپ اور آپ کے قبیلے کے لوگ) انصاف پسند نہیں ہیں۔

یہ خط مسیلمہ کذاب نے دو آدمیوں کے ذریعے بھیجا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کے جواب میں یہ خط لکھوایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ خط محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلامتی ہو، اس پر جس نے ہدایت اور سیدھے راستے کی پیروی کی۔ یہ روئے زمین اللہ کی ملک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ دراصل

ترانۂ ختم نبوت

جسم میں جب تک جان رہے، یہ تیرا ایمان رہے
سدا رہے یہ تجھ کو یاد، ختم نبوت زندہ باد

ختم نبوت ہے ایمان، ختم نبوت دین کی جان
یہ اسلام کی ہے بنیاد، ختم نبوت زندہ باد

اس سے کرے گا جو انکار، وہ اسلام کا ہے غدار
دین ہوا اس کا برباد، ختم نبوت زندہ باد

بات ہے یہ بالکل ظاہر، کہیں گے ہم اس کو کافر
جو بھی کرے منسوخ جہاد، ختم نبوت زندہ باد

یہی ہے مومن کی پہچان، کرتا ہے حق کا اعلان
سہ لیتا ہے ہر افتاد، ختم نبوت زندہ باد

حق منوا کر چھوڑیں گے، باطل کا منہ توڑیں گے
عزم ہمارا ہے فولاد، ختم نبوت زندہ باد

مدینہ منورہ سے واپسی پر کہے گئے اشعار

درِ آقا ﷺ سے جانا پڑ رہا ہے
غمِ فرقت اٹھانا پڑ رہا ہے

بباطن قلب ہے مجروح لیکن
بظاہر مسکرانا پڑ رہا ہے

ابھی تو آئے تھے خوشیاں مناتے
ابھی آنسو بہانا پڑ رہا ہے

ابھی تو گائے تھے نغمے طرب کے
ابھی نوحہ سنانا پڑ رہا ہے

ابھی تو ہو رہی تھی آنکھ ٹھنڈی
ابھی جی کو جلانا پڑ رہا ہے

دلِ بے تاب سے مجبور ہو کر
یہ حالِ دل سنانا پڑ رہا ہے

اثر جونپوری

624-B

بہتر انجام تو اللہ سے ڈرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔"

یہ خط دونوں قاصدوں کو دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو وہ کہہ رہا ہے؟"

انھوں نے کہا:

"ہاں!"

اس پر آپ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اگر قاصدوں کو قتل کرنا دستور کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں مار دیتا۔"

O

اس کی باتیں نفسانی خواہشات کے عین مطابق تھیں، اس لیے روز بروز اسے نبی ماننے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے فوراً بعد گیارہ اسلامی لشکر ترتیب دیے۔ ان میں ایک لشکر کا امیر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو مقرر فرمایا۔ اس لشکر کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا، ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ یہ لشکر مسیلمہ کے مقابلے کے لیے ناکافی ہے، چنانچہ آپ نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کر دیا، اس کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ چالیس ہزار عرب اس کے ساتھ ہو چکے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو کامیابی نہ ہو سکی۔ ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ طلیحہ اسدی کے مقابلے میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہاں سے یمامہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس طرح جنگِ یمامہ لڑی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جنگِ یمامہ سب سے بڑا معرکہ تھا جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کے خلاف لڑا گیا۔ اس جنگ میں مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی جب کہ مسلمانوں کے لشکر میں تیرہ ہزار مجاہدین تھے۔ اس میں بڑے بڑے صحابہ نے حصہ لیا۔ مسیلمہ کے لشکر کے تقریباً 21 ہزار آدمی مارے گئے جب کہ مسلمانوں کے صرف چھ سو ساٹھ مجاہدین شہید ہوئے۔ شہادت کا جام پینے والوں میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسود عنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص یمن کا باشندہ تھا۔ یہ شخص حضرت فیروز دیلمی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کی گئی، خبر پا کر آپ نے ایک اعلان فرمایا:

"آج رات اسود عنسی اللہ کے ایک بندے فیروز دیلمی کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں طلیحہ بن خویلد نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ خیبر کے آس پاس کا رہنے والا تھا۔ اس نے بھی کافی طاقت پکڑی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلے پر حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ طلیحہ بھاگ نکلا۔ حضرت ضرار فتح کی خوش خبری لے کر ابھی مدینہ منورہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو گیارہ لشکر ترتیب دیے تھے، ان میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو طلیحہ کے مقابلے میں روانہ فرمایا تھا۔ اس جنگ میں طلیحہ کے لشکر کو شکست ہوئی، وہ خود شام کی طرف فرار ہو گیا۔ اس کے لشکر نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد میں طلیحہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔

O

مسیلمہ کو نبوت کا دعویٰ کرتے دیکھ کر سجاح نامی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے عرب کے تمام قبیلوں کو اپنی نبوت کی دعوت دی۔ اپنے گرد جمع ہونے والوں سے اس نے کہا:

"میں یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں، تاکہ مسیلمہ کو ختم کر دوں۔"

مسیلمہ کو یہ خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہوا، کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی لشکر اس کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے چالاکی سے سجاح سے ملاقات کی۔ اسے حالات بتائے اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس طرح دونوں نے نکاح کر لیا، تاکہ مل کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کر سکیں۔ اس نے اپنے لوگوں میں اعلان کیا:

"مسیلمہ بھی نبی اور میں بھی۔ میں نے اس کی نبوت کو تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا۔"

یہ حالات دیکھ کر سجاح کے بہت سے ماننے والے اس کا ساتھ چھوڑ گئے، چنانچہ یہ قبیلہ بنی تغلب میں چلی گئی۔ یہ لوگ اس کے ناناکے رشتے دار تھے، بعد میں یہ عورت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوبارہ مسلمان ہوئی۔ اس نے باقی زندگی پرہیزگاری سے بسر کی۔ اسی ایمانی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔ بصرہ کے حاکم صحابیِ رسول حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے

شہداء کے نام

خاکِ لاہور کی توقیر بڑھانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

جبر کا نام زمانے سے مٹانے والے
صبرِ ایوب کی تصویر دکھانے والے

گردنیں عشقِ پیمبر میں کٹانے والے
دھجیاں لشکرِ باطل کی اڑانے والے

سربکف عرصۂ پیکار میں آنے والے
جان تک ختم نبوت پہ لٹانے والے

قتل گاہوں میں شہیدوں کا لہو بول اٹھا
سر کٹاتے ہیں محمد کے گھرانے والے

بخدا ان کے مقامات سے واقف ہی نہیں
خانقاہوں میں مریدوں کو نچانے والے

بچ نہیں سکتے کبھی قہرِ خدا سے شورش
خونِ احرار سفینوں میں لٹانے والے

آغا شورش کاشمیری

625-5

قبیلہ مراد کے ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے عرض کیا:

"قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے اپنی حفاظت کا انتظام کرلیں۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں، جو ہر اس بلا سے اس کی حفاظت کرتے ہیں جو اس کے مقدر میں لکھی ہوئی نہ ہو اور جب تقدیر کا وقت آجاتا ہے تو یہ فرشتے اس کے اور تقدیر کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ بے شک مقرر وقت ایک مضبوط ڈھال ہے۔"

O

دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کروانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ ان دونوں کو لے کر ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے تو ایک آدمی نے کہا:

"اے امیر المومنین! یہ دیوار گرنے والی ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"اپنا کام کرو، اللہ ہماری حفاظت کے لیے کافی ہے ... پھر ان دونوں کی بات سن کر فیصلہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر آپ وہاں سے ہٹے، ادھر دیوار گر گئی۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مرض الموفات میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا:

"آپ کو کیا شکایت ہے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

"اپنے گناہوں کی شکایت ہے۔"

حضرت عثمان نے پوچھا:

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

آپ نے جواب دیا:

"اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"کیا آپ کے لیے طبیب کو نہ بلا لاؤں۔"

آپ نے فرمایا:

"طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔"

حضرت عثمان نے پوچھا:

"میں آپ کے لیے بیت المال میں سے عطیہ مقرر کردوں؟"

حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

حضرت عثمان نے فرمایا:

"وہ عطیہ آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کو مل جائے گا۔"

حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"آپ کو میری بیٹیوں پر تنگ دستی کا ڈر ہے، جب کہ میں نے اپنی بیٹیوں سے کہہ رکھا ہے، کہ وہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ہر رات سورہ واقعہ پڑھے گا، اس پر کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔"

O

قدم بہ قدم

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ باہر نکلے۔ جب آپ قبرستان پہنچے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے قبر والوں! اے وحشت والوں! تمہارے ہاں کے کیا معاملات ہیں، ہمارے ہاں کے حالات تو یہ ہیں کہ (تمہارے بعد) مال تقسیم کردیے گئے۔ بچے یتیم ہوگئے اور تمہاری بیویوں نے اور خاوند کرلیے، تو یہ ہیں ہمارے ہاں کے حالات، تمہارے ہاں کے حالات کیا ہیں۔"

پھر حضرت کمیل کی طرف مڑے اور فرمایا:

"اے کمیل (رحمۃ اللہ علیہ) اگر انہیں جواب دینے کی اجازت ہوتی تو یہ جواب میں کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔"

یہ فرما کر آپ رونے لگے ... اس کے بعد فرمایا:

"کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت تمہیں اس کا پتا چلے گا۔"

O

ایک انصاری نوجوان کے دل میں اللہ کا ڈر اس قدر زیادہ پیدا ہوگیا کہ جب بھی اس کے سامنے جہنم کا ذکر ہوتا، وہ رونے لگ جاتا۔ اس حالت کا اس پر اس قدر غلبہ ہوگیا کہ ہر وقت گھر میں ہی رہنے لگا۔ باہر نکلنا بالکل چھوڑ دیا۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ نظر جب آپ پر پڑی تو وہ کھڑے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے سے لگ گئے۔ اسی حالت میں ان کی جان نکل گئی ... اور وہ نیچے گر پڑے۔ آپ نے فرمایا:

"تم اپنے ساتھی کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ جہنم کے ڈر نے اس کے جگر کے ٹکڑے کردیے ہیں ... اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم سے پناہ عطا کردی ہے جو آدمی جس چیز کی امید کرتا ہے، وہ اسے ڈھونڈا کرتا ہے اور جو کسی چیز سے ڈرتا ہے، وہ اسی سے بھاگتا ہے۔" (جاری)

بالکل سچی بات ہے اُس کی
قائم دائم ذات ہے اُس کی
سب سے ارفع نام ہے اُس کا
دن اس کا ہے رات ہے اُس کی
قادر ہے وہ ہر اک شے پر
کوئی نہیں ہے اُس سے باہر
مالکِ عرش و خاک رہا ہے
برے بھلے کو تاک رہا ہے
غافل، تابع، عاجز ہونا
ان چیزوں سے پاک رہا ہے
پل میں جو کچھ چاہے کر دے
خالی کر دے جیبیں بھر دے
ہم ہیں بے بس بندے اُس کے
عاجز ناکس بندے اُس کے
اُس کی تہہ کو ہم کیا پہنچیں
کچے، نارس بندے اُس کے
سب سے افضل، اعلیٰ ہے وہ
عقل سے اسلم بالا ہے وہ
نارس بندے! جن کی کوئی پہنچ نہ ہو

محمد اسلم بیگ

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

تو آپ ﷺ نے ایک دن یہ آیت اپنے صحابہ ؓ کو سنائی۔ سنتے ہی ایک نوجوان بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ آپ نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا، تو وہ حرکت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اے نوجوان لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔''

نوجوان نے کلمہ پڑھا۔ اس پر آپ نے اسے جنت کی بشارت دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ بشارت ہم میں سے صرف اسی کے لیے ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا، (اور) یہ ہر اس شخص کے لیے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔''

○

حضرت عمر ؓ بیمار ہوئے تو حضور ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا:

''اے عمر! اپنے آپ کو کس حال پر پا رہے ہو۔''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے فضل و کرم کی امید بھی لگائے ہوئے ہوں اور (اپنے اعمال کی وجہ سے) ڈر بھی رہا ہوں۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس مومن کے دل میں امید اور خوف جمع ہو جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی امید کو پورا کر دیتے ہیں اور جس چیز سے ڈرتا ہے، اس سے اسے بچا لیتے ہیں۔''

○

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے سامنے ایک آدمی نے کہا: ''مجھے صرف اتنی بات پسند نہیں کہ میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جن کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ملیں گے، بلکہ مجھے تو مقرب بندوں میں سے ہونا زیادہ پسند ہے، یعنی (اللہ کے قریب لوگوں میں ہونا زیادہ پسند ہے)۔''

اس کی بات سن کر حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا:

''یہاں تو ایک آدمی ایسا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ نہ کیا جائے (بلکہ اسے بالکل ہی ختم کر دیا جائے)۔''

یعنی یہ بات انھوں نے اپنے بارے میں فرمائی کہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے مرنے کے بعد زندہ ہی نہ کیا جائے۔ مطلب یہ کہ اتنا خوف تھا، اللہ کا۔

○

حضرت معاذ بن جبل ؓ ایک علاقے میں گئے۔ وہاں کے بڑے لوگوں نے آپ سے عرض کیا:

''اگر آپ پسند کریں تو ہم ان پتھروں اور لکڑیوں کو جمع کر کے آپ کے لیے ایک مسجد بنا دیں۔''

حضرت معاذ بن جبل ؓ نے فرمایا:

''مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن اس مسجد کو اپنی پشت پر نہ اٹھانا پڑے۔''

○

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے سنا، آپ سجدے

قدم بہ قدم

میں پڑے کہہ رہے تھے:

''اے اللہ تو جانتا ہے کہ صرف تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے قریش سے اس دنیا کے بارے میں مزاحمت نہیں کی۔''

یعنی دنیاوی معاملات میں لوگوں سے نہیں جھگڑا۔

○

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ایک عراقی کے پاس سے گزرے۔ وہ زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔ انھوں نے پوچھا:

''اسے کیا ہوا؟''

لوگوں نے بتایا: ''جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا:

''ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں، (قرآن پڑھتے ہیں، قرآن سنتے ہیں) لیکن ہم تو بے ہوش ہو کر زمین پر نہیں گرتے۔''

○

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے انتقال سے پہلے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہے:

''اے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ! آپ کو خوش خبری ہو، حضور ﷺ نے آپ کے علاوہ کسی اور کنواری عورت سے شادی نہیں کی اور آپ کی برأت آسمان سے اتری (یعنی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ آپ پاک صاف ہیں)۔''

اتنے میں سامنے سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''یہ عبداللہ ابن عباس! میری تعریف کر رہے ہیں اور مجھے بالکل پسند نہیں کہ آج میں کسی سے اپنی تعریف سنوں۔ میری تمنا تو یہ ہے کہ میں بھولی بسری ہو جاتی۔'' (جاری ہے)

پاکستان ہمارا ہے

پاکستان ہمارا ہے
جان سے ہم کو پیارا ہے
خوشیوں کا گہوارا ہے
سب کی آنکھ کا تارا ہے

میرا وطن ہے پاکستان
میرا چمن ہے پاکستان
ہر سُو اس کی آن بان
کتنی اونچی اس کی شان

جتنی ہماری محنت ہوگی
اُتنی اس کی عظمت ہوگی
جتنی اس کی عظمت ہوگی
اُتنی ہماری عزت ہوگی

پاکستان آزاد رہے گا
اور یوں ہی آباد رہے گا
دشمن ہی ناشاد رہے گا
اور آخر برباد رہے گا

117

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ رو رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''آپ کیوں رو رہے ہیں؟''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں ایک حدیث کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ وہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، یہ کہ ریا (دکھاوا) کا ادنیٰ درجہ بھی شرک ہے اور اللہ کو بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں اور ان کے حالات چھپے ہوئے ہوں۔ یہ لوگ اگر نہ آئیں تو کوئی انھیں تلاش نہ کرے اور اگر آجائیں تو انھیں کوئی نہ پہچانے۔ یہی لوگ ہدایت کے امام اور علم کے چراغ ہیں۔''

O

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی بیماری میں رو رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا:

''اے ابوہریرہ! آپ کیوں رو رہے ہیں۔''

انھوں نے فرمایا:

''غور سے سنو! میں تمہاری اس دنیا پر نہیں رو رہا، بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ سفر بہت دور کا ہے اور میرا توشہ کم ہے اور میں اس گھاٹی پر چڑھ گیا ہوں جس کے بعد جنت اور دوزخ دونوں کو راستہ جاتا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس کے راستے پر مجھے چلایا جائے گا۔'' (ابنِ سعد)

O

ابو ریحانہ ایک غزوے سے واپس آئے۔ انھوں نے رات کا کھانا کھایا، پھر وضو کیا اور مصلّے پر کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور ایک سورت پڑھنے لگے اور نماز میں ایسے مگن ہوئے کہ اسی میں فجر کی اذان ہو گئی۔ ان کی بیوی نے کہا:

''اے ابو ریحانہ! آپ غزوے میں گئے تھے۔ اس میں آپ خوب تھک گئے تھے، پھر آپ واپس آئے تو کیا آپ پر ہمارا کوئی حق نہیں اور آپ کے اوقات میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

انھوں نے جواب میں فرمایا:

''اللہ کی قسم! تم مجھے یاد آتیں تو تمہارا مجھ پر حق ہوتا۔''

اس پر ان کی بیوی نے پوچھا:

''آپ کس چیز میں اتنے مشغول ہو گئے تھے (کہ میرا خیال بھی نہ آیا)۔''

انھوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی لذتوں کو جو بیان فرمایا ہے، میں ان کے بارے میں سوچنے لگ گیا تھا۔ بس اسی میں فجر کی اذان کان میں پڑی، یعنی ساری رات اس میں گزر گئی۔ (ابنِ مبارک)

O

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ایک شخص نے بصرہ سے سفر کر کے حضرت ام ذر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''میں آپ کی خدمت میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے حضرت ابوذر کی عبادت کے بارے میں بتائیں۔''

انھوں نے بتایا:

''وہ تمام دن تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔'' (ابو نعیم)

O

حضرت امِ درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا سب سے افضل عمل کون سا تھا۔''

انھوں نے کہا:

''غور و فکر کرنا اور عبرت حاصل کرنا۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''ایک گھڑی کا غور و فکر ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے، بہت سے لوگ خیر کے دروازوں کے کھلنے اور شر کے دروازوں کے بند ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں اور اس پر انھیں بہت ثواب ملے گا جب کہ بہت سے لوگ شر کے دروازوں کے کھلنے کا اور خیر کے دروازوں کے بند ہونے کا سبب بنتے ہیں، انھیں اس کا بہت بڑا گناہ ہوگا اور ایک گھڑی کا غور و فکر ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔''

O

ایک شخص حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ وہ غزوے میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے عرض کیا:

''اے ابو درداء مجھے کچھ وصیت فرما دیں۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم خوشی اور راحت میں اللہ کو یاد رکھو، وہ مصیبت میں تمہیں یاد رکھے گا اور جب تم اپنے دل میں دنیا کی کسی چیز کی خواہش اور رغبت پاؤ تو غور و فکر کرو کہ اس چیز کا کیا انجام ہوگا۔''

یعنی وہ مٹی سے بنی ہے اور ایک دن مٹی ہو جائے گی۔

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکلے۔ چلتے چلتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک باغ میں داخل ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ باہر رہ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باغ کے اندر تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ باہر، دونوں کے درمیان ایک دیوار تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

''اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! تجھے اللہ سے ضرور ڈرنا ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ تجھے ضرور عذاب دیں گے۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی قتل ہو گیا۔ ایک عورت نے اس پر روتے ہوئے کہا:

''ہائے شہید ہونے والے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خاموش رہو، تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ شہید ہے، ہو سکتا ہے، وہ لایعنی باتیں کرتا رہا ہو، یا ایسی چیزوں کے خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتا رہا ہو جن کے خرچ کرنے سے اسے کسی قسم کی کمی نہ آتی ہو۔''

(لایعنی کا مطلب ہے فضول باتیں)

(جاری ہے)

628-5

118

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت ابوادریس خولانی رحمہ اللہ دمشق کی مسجد میں داخل ہوئے۔ انھوں نے وہاں ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا۔ ان کے سامنے کے دانت بہت چمک رہے تھے۔ وہ بہت زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے ساتھ جو لوگ تھے، ان میں کوئی اختلاف ہو جاتا تو وہ اسے ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ پھر وہ جو فیصلہ کرتے تو سب اس فیصلے سے مطمئن ہو جاتے۔

حضرت ابوادریس خولانی رحمہ اللہ نے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

لوگوں نے بتایا:

''یہ حضرت معاذ بن جبل ؓ ہیں۔''

○

ایک روز حضرت عمر ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرف جھانک کر دیکھا تو وہ اپنی زبان کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

''اسی نے تو مجھے ہلاکت کی جگہ پر لا کھڑا کیا، حضور ﷺ نے فرمایا ہے، زبان کا ہر عضو زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔''

○

حضرت شداد بن اوس ؓ نے ایک دن اپنے ایک ساتھی سے کہا:

''دسترخوان لاؤ تاکہ ہم اس میں مشغول ہو جائیں۔''

ان کے ایک ساتھی نے کہا:

''میں نے جب سے آپ کی صحبت اختیار کی ہے، آپ کے منہ سے کبھی ایسی بات نہیں سنی۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! بس یہی ایک بات میری زبان سے نکل گئی ہے، ورنہ جب سے میں حضور نبی کریم ﷺ سے جدا ہوا ہوں، ہمیشہ میری زبان سے نپی تلی بات نکلی ہے۔'' (یعنی ہمیشہ سوچ سمجھ کر بات کرتا رہا ہوں، بس آج ہی چوک ہو گئی ہے، آیندہ ایسا نہیں ہوگا)

اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا:

''تم اس بات کو چھوڑ دو، مجھ سے اس سے بہتر بات کو لے لو اور وہ یہ دعا ہے۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے ہر کام میں جلدی نہ کرنے اور ثابت قدمی کو مانگتے ہیں اور ہدایت پر پختگی مانگتے ہیں اور تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور تیری اچھی عبادت کرنے کی توفیق مانگتے ہیں اور تجھ سے سچا دل اور سچی زبان مانگتے ہیں اور تیرے علم میں جتنی خیر ہے، وہ مانگتے ہیں اور ان شرور سے پناہ مانگتے ہیں جنھیں تو جانتا ہے، یہ دعا مجھ سے لے لو اور وہ بات جو زبان سے نکل گئی ہے، اسے چھوڑ دو۔'' (ابی نعیم)

○

ایک صاحب حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آتے ہی انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہو گیا، میں رمضان میں اپنا روزہ توڑ بیٹھا۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کفارہ ادا کرو، ایک غلام آزاد کر دو۔''

انھوں نے عرض کیا:

''میرے پاس غلام نہیں ہے۔''

اب آپ نے فرمایا:

''دو مہینے کے روزے مسلسل رکھو۔''

انھوں نے عرض کیا:

''یہ میرے بس میں نہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔''

انھوں نے عرض کیا:

''میرے پاس کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

اس گفتگو کے بعد ابھی تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے ٹوکرے میں کھجوریں آئیں۔ آپ نے فرمایا:

''وہ مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے؟''

ان صاحب نے بتایا:

''جی میں موجود ہوں۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''یہ کھجوریں لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔''

انھوں نے عرض کیا:

''اپنے سے بھی زیادہ فقیر پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! مدینہ منورہ کے دونوں طرف کنکریلے میدان ہیں، ان کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ فقیر نہیں۔''

یعنی پورے مدینہ میں ہم سے زیادہ کوئی غریب نہیں۔ یہ سن کر آپ اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

قدم بہ قدم

''اچھا! جب تم اتنے ہی ضرورت مند ہو تو پھر تم ہی اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر لو۔'' (یعنی بعد میں کفارہ دے دینا)

○

ایک روز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم میں سے نکالا جائے گا، قیامت کے دن ایک آدمی دربارِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا، اس کے لیے حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں۔ جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے ہیں تو وہ اقرار کرے گا، اس لیے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور دل میں وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا، اس کے بعد حکم ہوگا، اسے اس کے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دے دو۔ یہ حکم سنتے ہی وہ شخص خود بول اٹھے گا۔

''میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں جو یہاں نظر نہیں آ رہے۔''

حضور ﷺ اس کی یہ بات نقل فرما کر اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

○

ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سخت لہجے میں بات کی۔ وہاں حضرت ابوبرزہ ؓ بھی موجود تھے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

''میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں جھڑک دیا اور فرمایا:

''حضور ﷺ کے بعد اس بات پر گردن اڑانے کا اختیار کسی کو نہیں۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ایک روز حضور نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے اور تین مرتبہ فرمایا:

"اے ابن مسعود!"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی تین بار ہی جواب میں عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ!" (حاضر ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ)

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "تم جانتے ہو، لوگوں میں سب سے افضل کون ہے۔"

انھوں نے کہا:

"اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا: "لوگوں میں سب سے افضل وہ ہے، جس کے عمل سب سے اچھے ہوں۔ شرط یہ کہ اسے دین کی سمجھ ہو۔"

اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

"اے ابن مسعود؟"

انھوں نے فوراً عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ!"

آپ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو، لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو وہ (حالات سے متاثر نہ ہو بلکہ) اس موقعے پر اس کی نگاہ سب سے زیادہ حق پر ہو، چاہے وہ عمل میں کچھ کم ہو، اگرچہ وہ سرین کے بل گھسٹ کر چلتا ہو۔ مجھ سے پہلے جو لوگ تھے، ان کے بہتر (72) فرقے بن گئے تھے (یعنی پہلی امتوں کے) ان میں سے صرف تین فرقوں کو نجات ملی اور باقی سب ہلاک ہو گئے۔ ایک تو وہ فرقہ جنھوں نے بادشاہوں کا مقابلہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی وجہ سے اور اپنے دین کی وجہ سے ان بادشاہوں سے جنگ کی، بادشاہوں نے انھیں پکڑ کر قتل کیا، آرے سے چیر کر ان کے ٹکڑے کر دیے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا، جن میں بادشاہوں سے مقابلے کی سکت نہیں تھی اور ان میں رہ کر اللہ کی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کی دعوت دینے کی ہمت نہیں تھی۔ یہ لوگ مختلف علاقوں کی طرف نکل گئے اور رہبانیت اختیار کر لی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے رہبانیت کو ان پر واجب نہیں کیا تھا، لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کو اختیار کیا تھا، سو انھوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی۔" (سورہ حدید: 27)

پھر حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کرے اور میری پیروی کرے، وہ اس رہبانیت کی پوری رعایت کرنے والا شمار ہوگا جو میری پیروی نہ کریں، تو وہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔"

O

حضرت عبدالعزیز بن ابی بکرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو غُدانہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ پھر اس عورت کا انتقال ہو گیا، وہ اس کے جنازے کو اٹھا کر قبرستان لے گئے۔ اس کے بھائیوں نے کہا:

"اس کی نماز جنازہ ہم پڑھائیں گے۔"

اس پر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"ایسے نہ کرو، کیونکہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہوں۔"

ان کے بھائیوں نے کہا:

"حضور ﷺ کے صحابی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

چنانچہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر وہ قبر میں داخل ہونے لگے تو لوگوں نے انھیں اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ زمین پر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ انھیں اٹھا کر گھر لایا گیا۔ وہاں ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کی تعداد بیس تھی۔ ان میں حضرت عبدالعزیز سب سے چھوٹے تھے۔ انھیں ہوش آیا تو فرمانے لگے:

"تم مجھ پر زور زور سے مت روؤ۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنی جان سے زیادہ کسی کی جان نکلنا پسند نہیں۔"

یہ سن کر سب گھبرا گئے۔ کہنے لگے:

"ابا جان! آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ آپ دنیا سے کیوں جانا چاہتے ہیں۔"

انھوں نے فرمایا:

"مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ایسا زمانہ میری زندگی میں نہ آ جائے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کر سکوں۔ اس زمانے میں کوئی خیر نہیں ہوگی۔"

یعنی جس زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا جائے گا، اس زمانے میں کوئی خیر نہیں ہوگی اور میں ایسے زمانے میں زندہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ (طبرانی)

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ اس نے ایسی بات کہہ دی جو انھیں بالکل غلط نظر آئی۔ انھوں نے حجاج کو ٹوکنا چاہا، اس پر انھیں حضور ﷺ کا فرمان یاد آ گیا۔ فرمان یہ تھا: "کسی مومن کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرنا مناسب نہیں۔"

آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! مومن کیسے اپنے نفس کو ذلیل کرے گا؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ اپنے آپ کو ایسے امتحان کے لیے پیش کر دے کہ جس کی اس میں طاقت نہ ہو۔" (ابن ابی شیبہ)

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک ایسے شخص کے پیچھے چل رہے تھے جسے اللہ کے کسی معاملے میں سزا ہوئی تھی (یعنی وہ اسے شرمندہ کر رہے تھے۔ اسے ذلیل کر رہے تھے) جب کہ وہ اپنے جرم کی سزا بھگت چکا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"ان چہروں کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں جو صرف شر کے موقعے پر نظر آتے ہیں۔"

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کو ایک قمیص پہنے دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اے احنف! تم نے یہ قمیص کتنے میں خریدی؟"

حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے کہا: "بارہ درہم میں!"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تمہارا بھلا ہو، تم چھ درہم کی قمیص خریدتے اور باقی چھ درہم کسی خیر کے کام میں خرچ کر دیتے جنھیں تم جانتے ہو۔" (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ
کھانا اور ایک کھجوریں کھائیں اور پھر پانی پیا۔ اس
کے بعد پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے:
"جس کا پیٹ اسے جہنم میں داخل کرے، اللہ
اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔"

○

حضور نبی کریم ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے۔
اس کے بعد آپ اونٹ چرانے لگے۔ اس کام میں
آپ کے ایک شریک بھی تھے۔ انھوں نے حضرت
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کو بھی اونٹ کرائے پر دیے۔ جب وہ
لوگ سفر پورا کر چکے تو ان اونٹوں کا کچھ کرایہ سیدہ
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے ذمے رہ گیا۔ حضور ﷺ کا
شریک جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن سے وہ رقم
لینے کے لیے جانے لگتا تو حضور ﷺ سے کہتا:
"آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"
آپ جواب میں فرماتے:
"تم چلے جاؤ، مجھے شرم آتی ہے۔"
ایک روز آپ ﷺ کا شریک رقم کا تقاضا کرنے
کے لیے گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے پوچھا:
"تم اکیلے رقم لینے کے لیے آئے، محمد کہاں ہیں؟"
آپ کے شریک نے کہا:
"میں نے تو ان سے کہا تھا کہ آؤ چلیں لیکن
انھوں نے کہا، مجھے شرم آتی ہے۔"
یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے کہا:
"میں نے ان سے زیادہ حیا والا اور زیادہ پاک
دامن اور ایسا آدمی نہیں دیکھا۔"
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن کے منہ سے جب
حضور ﷺ کے بارے میں یہ باتیں سنیں تو آپ کے
دل میں حضور ﷺ کی محبت سرایت کر گئی۔ پھر سیدہ
خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو پیغام بھیج کر بلوایا اور
آپ سے کہا: "آپ میرے والد کے پاس جائیں اور
انھیں میرے نکاح کا پیغام دیں۔"
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر آپ ﷺ نے
فرمایا: "آپ کے والد مال دار آدمی ہیں، وہ ایسا نہیں
کریں گے۔"
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:
"آپ ان سے جا کر ملیں اور
ان سے بات کریں، آگے
بات میں سنبھال
لوں گی۔ جب وہ نشے
میں ہوں، تب آپ ان کے پاس جائیں۔"
آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے حضور
ﷺ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔ دوسری صبح
جب وہ اپنی مجلس میں بیٹھے تو کسی نے ان سے کہا:
"آپ نے اچھا کیا، اپنی بیٹی خدیجہ سے محمد کی
شادی کر دی۔"
یہ سن کر انھوں نے حیران ہو کر کہا:
"کیا واقعی میں نے شادی کر دی ہے؟"
لوگوں نے کہا: "جی ہاں!"
وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے
پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے:
"لوگ کہہ رہے ہیں، میں نے تمھاری شادی محمد
سے کر دی ہے۔"
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:
"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔ اب آپ اپنی رائے
کو غلط نہ سمجھیں، اس لیے کہ محمد ﷺ ایسے ویسے اور
بہت عمدہ صفات والے ہیں۔"
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کو مناتی رہیں، آخر آپ کے
والد مان گئے۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دو اوقیہ
سونا (یا چاندی) حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور کہلوایا:
"ایک جوڑا خرید کر مجھے ہدیہ کریں اور ایک
مینڈھا اور فلاں فلاں چیزیں خرید لیں۔"
آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

○

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو مکہ ہی
میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت
خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:
"اے اللہ کے رسول! آپ شادی کیوں نہیں کر
لیتے؟"
آپ ﷺ نے پوچھا: "کس سے؟"
انھوں نے کہا:
"اگر آپ چاہیں تو کنواری سے اور اگر
آپ فرمائیں تو بیوہ سے۔"
حضور ﷺ نے فرمایا:
"کنواری کون ہے؟"
انھوں نے فرمایا:
"اللہ کی مخلوق میں سے آپ کو جو
سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کی بیٹی حضرت عائشہ
صدیقہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما۔"
اب آپ نے پوچھا:
"اور بیوہ کون ہے؟"
انھوں نے بتایا:
"حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جو آپ پر
ایمان لا چکی ہیں اور آپ کے دین کی پیروکار بن
چکی ہیں۔"
حضور ﷺ نے فرمایا:
"اچھا جا کر دونوں سے میرا ذکر کرو۔"
اس پر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے گھر گئیں۔ وہاں حضرت سیدہ عائشہ کی والدہ ام
رومان رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ حضرت خولہ نے ان سے کہا:
"اے ام رومان! اللہ تعالیٰ کتنی بڑی خیر اور برکت
آپ لوگوں کو دینا چاہتے ہیں۔ مجھے حضور ﷺ نے
عائشہ سے شادی کا پیغام دینے کے لیے بھیجا ہے۔"
یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"کیا عائشہ سے حضور ﷺ کی شادی ہو سکتی ہے،
یہ تو آپ کی بھتیجی ہے۔"
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت
خولہ رضی اللہ عنہا واپس نبی کریم ﷺ کے پاس گئیں اور آپ کو
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات بتائی۔ اس پر حضور
ﷺ نے ان سے فرمایا:
"واپس جا کر ابوبکر سے کہو تم اسلام میں میرے
بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں (اور یہ خون کا رشتہ
نہیں ہے، اس لیے) تمہاری بیٹی کی محمد ﷺ سے
شادی ہو سکتی ہے۔"
حضرت خولہ نے جا کر یہ بات حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے حضرت خولہ سے فرمایا:
"تم حضور ﷺ کو لے آؤ۔"
حضور ﷺ تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی
شادی کر دی۔ (جاری ہے)

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئیں اور ان سے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی خیر و برکت تمھیں دینے کا ارادہ فرمالیا ہے۔''

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے شادی کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔''

اس پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میرا مشورہ ہے! آپ میرے والد کے پاس جائیں اور ان سے یہ بات کریں۔''

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ بہت بوڑھے تھے۔ حضرت خولہ نے جا کر انھیں جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا۔

زمعہ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

حضرت خولہ نے فرمایا:

''خولہ بنتِ حکیم۔''

زمعہ نے پوچھا:

''کس سلسلے میں آئی ہو؟''

حضرت خولہ بولیں:

''مجھے محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے بھیجا ہے، آپ سودہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر زمعہ نے کہا:

''وہ تو بہت عمدہ اور جوڑ کے خاوند ہیں، لیکن اس بارے میں تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے۔''

حضرت خولہ بولیں:

''وہ بھی چاہتی ہیں۔''

اس پر زمعہ نے کہا:

''اچھا (محمد ﷺ) کو میرے پاس لے آؤ۔''

اس طرح حضور نبی کریم ﷺ م زمعہ کے پاس آئے۔ اور زمعہ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ سے شادی کر دی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد بن زمعہ اس وقت حج کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس آئے تو اس شادی کی خبر سن کر سر پر مٹی ڈالنے لگے (یعنی وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے انھیں شادی پر رنج ہوا تھا) لیکن مسلمان ہونے کے بعد کہا کرتے تھے:

''میں کتنا بے وقوف تھا، میں نے اس وجہ سے اپنے سر پر مٹی ڈالی تھی کہ حضور نے (میری بہن) سودہ بنتِ زمعہ سے شادی کر لی تھی۔''

پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ آگئے اور محلہ سخ میں قبیلہ بنو حارث میں ٹھہرے۔ ایک دن حضور ﷺ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ وہاں کھجور کے دو تنوں کے درمیان جھولا ڈالا ہوا تھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر جھولے لے رہی تھیں۔ ان کی والدہ نے آپ کو جھولے سے اتارا۔ آپ کے سر کے بالوں کو دھویا، پھر انھیں دروازے پر کھڑا کر دیا۔ اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سانس چڑھا ہوا تھا۔ اس وقت آپ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اندر تشریف فرما ہیں۔ پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

''یہ آپ کی اہلیہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اس میں اور اس کے لیے آپ میں برکت نصیب فرمائے۔''

اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

O

سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ پھر مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کی حفصہ کی شادی کر دوں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں اس بارے میں ذرا سوچ لوں۔''

چند دن بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میری رائے یہی ہے کہ میں یہ شادی نہ کروں۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا:

''اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے حفصہ کی شادی کر دوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بات کے جواب میں خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انکار سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خاموشی پر غصہ آیا۔ اس کے چند دن بعد حضور ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ انھوں نے کہا:

''اے عمر! تم نے جس وقت حفصہ سے شادی کی پیش کش کی تھی اور میں نے تمھیں کوئی جواب نہیں دیا تھا تو شاید تمھیں مجھ پر غصہ آیا تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! غصہ آیا تھا۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے تمھیں جواب اس لیے نہیں دیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا تھا حضور ﷺ نے حفصہ (سے شادی) کا ذکر کیا تھا اور میں حضور ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور ﷺ ان سے شادی نہ کرتے تو اس صورت میں میں کر لیتا۔''

O

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔ تو ان کی عدت پوری ہونے پر حضور نبی کریم ﷺ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پیغام لانے والے سے کہا:

''مجھ میں غیرت بہت زیادہ ہے اور میرے بچے بھی ہیں اور میرا کوئی سرپرست یہاں موجود نہیں ہے۔''

پیغام لانے والے نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ باتیں حضور ﷺ کو بتا دیں۔ آپ نے سن کر فرمایا:

''جا کر ام سلمہ سے کہہ دو، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تم میں غیرت کی زیادتی کم ہو جائے گی اور تم نے جو کہا ہے کہ میرے بچے بھی ہیں تو تمہارے بچوں کا بھی انتظام ہو جائے گا۔''

اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''اٹھو اور میری شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دو۔'' چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کی شادی حضور ﷺ سے کر دی۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

122

واقعاتِ صحابہ کے

حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا حبشہ میں تھیں۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے ایک باندی ان کی خدمت میں روانہ کی۔ باندی نے آپ سے کہا:

''نجاشی یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کی شادی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اللہ تمہیں بھی خیر کی بشارت دے۔''

اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ تم نے مجھے خیر کی بشارت سنائی... اب باندی نے کہا:

''بادشاہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کسی کو وکیل مقرر کر لیں جو آپ کی شادی کر دے... حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنا وکیل مقرر کر لیا... یہ حضرت ام حبیبہ کے چچا تھے... یہ بشارت لانے کی خوشی میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تمام انگوٹھیاں، چاندی کے دو کنگن، اور دو پازیب، سب کچھ اتار کر بشارت لانے والی باندی کو دے دیا، ان باندی کا نام حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہا تھا۔

شام کے وقت حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ جتنے بھی مسلمان وہاں ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے، سب کو بلا لیا... اور نکاح کا خطبہ پڑھا... انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ام حبیبہ کو چار سو دینار مہر بھی دیا۔

اس کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی اور فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا ہے، میں اسے قبول کرتا ہوں اور میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی ہے... اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس شادی میں برکت عطا فرمائے۔'' پھر حضرت نجاشی نے وہ دینار انہیں دے دیے... مسلمان وہاں سے اٹھنے لگے تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ لوگ بیٹھے رہیں، کیونکہ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو ان کی شادی پر کھانا کھلایا جاتا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور سب کو کھلایا... پھر ایک دن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''اس دن جو کچھ میں نے تمہیں دیا تھا (یعنی انگوٹھیاں وغیرہ) وہ تو بہت تھوڑا تھا، اس لیے کہ اس وقت میرے پاس مال نہیں تھا... اب میرے پاس مال آیا ہے... یہ پچاس مثقال (انیس تولے کے قریب) سونا لے لو اور اسے اپنے کام میں لے آؤ۔''

اس پر حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہا نے ایک ڈبا نکالا... اس میں حضرت ام حبیبہ کی دی ہوئی تمام چیزیں تھیں... انہوں نے وہ چیزیں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے کہا:

''بادشاہ نجاشی نے مجھے قسم دے کر کہا تھا کہ میں آپ سے کچھ نہ لوں... اور میں ہی بادشاہ کے کپڑوں اور خوشبوؤں کو سنبھالتی ہوں... اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئی ہوں... بادشاہ نے اپنی تمام بیویوں کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جتنا عطر ہے، وہ آپ کے پاس بھیج دیں، چنانچہ وہ سب اپنی تمام خوشبوئیں لے کر میرے پاس آئیں، اور میں اب یہ تمام خوشبوئیں آپ کے پاس لائی ہوں اور مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ہاں کہو! کیا کام ہے۔''

انہوں نے کہا۔

''آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں تو آپ کو میرا اسلام کہہ دیں اور آپ کو بتا دیں کہ میں نے آپ کا دین اختیار کر لیا ہے۔''

حضرت ام حبیبہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، میں تمہارا کام کر دوں گی۔''

حضرت ابرہہ حضرت ام حبیبہ کے پاس اور بھی زیادہ آنے جانے لگیں اور وہ اپنا کام بھی یاد کراتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئیں... وہ تمام عطریات بھی ساتھ لائی تھیں... آپ ان کو لگاتی تھیں... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کے بعد آپ نے حضرت ابرہہ کے بارے میں بتایا... اور ان کا پیغام دیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکرائے... پھر آپ نے فرمایا:

''وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:''

قدم بہ قدم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی... حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے... جب حضرت زینب کی عدت پوری ہو گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جاؤ اور زینب رضی اللہ عنہ سے میرے نکاح کا تذکرہ کرو۔''

حضرت زید وہاں پہنچے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان کے دل میں حضرت زینب کی عظمت بیٹھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں (اس لیے یہ بہت بڑے مرتبے والی خاتون ہیں) یہ خیال آتے ہی حضرت زید نے اپنا رخ پھیر لیا اور اپنی کمر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف کر لی... پھر آپ نے فرمایا:

''اے زینب! تمہیں خوش خبری ہو... مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے... حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کر لوں، اس وقت تک کوئی کام نہیں کیا کرتی۔''

یہ فرما کر آپ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر چلی گئیں ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا... اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لیعنی: ''ہم نے آپ کی شادی زینب سے کر دی۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گیا تھا اور اس حکم کی رو سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بن گئیں تھیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت لیے بغیر چلے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے میں گوشت اور روٹی کھلائی۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ولیمے کے بعد اکثر لوگ کھانا کھا کر باہر چلے گئے، لیکن کچھ لوگ کھانے کے بعد وہیں گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے چل پڑے۔ آپ اپنی بیویوں کے مکانات میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اندر جا کر ہر ایک کو سلام کیا۔ ہر ایک نے آپ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے گھر والوں کو کیسا پایا''، یعنی باقی گھر والوں کا کیا حال ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر واپس تشریف لائے تو وہ لوگ ابھی تک وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ چونکہ بہت شرم و حیا والے تھے، اس لیے ان سے کچھ نہ فرمایا اور آپ پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ پھر کسی نے آپ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ تب آپ واپس تشریف لائے۔ آپ نے ایک قدم چوکھٹ کے اندر رکھا اور ایک قدم ابھی باہر ہی تھا کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا، یعنی حضرت انس پردے کے اس طرف رہ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ پردے کی آیت نازل ہوئی۔

دراصل چند افراد جو آپ کے گھر میں بیٹھے رہ گئے تھے، ان کی وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی تھی۔ انھیں اسی وقت چلے جانا چاہیے تھا، جب کھانے کے بعد زیادہ تر لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ ان کے بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی اور اسی روز پردے کی آیت نازل ہوئی۔

○

غزوہ خیبر کے بعد جب وہاں جنگی قیدی جمع کیے گئے تو آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ نے آکر آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ان باندیوں میں سے ایک باندی مجھے عطا فرما دیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''تم جو باندی چاہو، لے لو۔''

حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ نے ان باندیوں میں سے حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ اس پر ایک صحابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا، حضرت وحیہ کو دے دیں، وہ تو آپ ہی کے لیے مناسب ہیں۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

''اسے یہاں لاؤ۔''

جب حضور ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ''اے وحیہ! تم ان کی جگہ قیدیوں میں سے کوئی اور باندی لے لو۔''

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور آپ سے شادی کی۔

ایسا خیبر کی فتح کے بعد ہوا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خاوند اس لڑائی میں قتل ہو گیا تھا۔ ان کی شادی ابھی نئی ہوئی تھی، حضرت صفیہ ابھی دلہن ہی تھیں، یعنی اس حالت میں آپ کی ان سے شادی ہوئی۔ آپ نے اس موقعے پر ولیمے کا بھی انتظام فرمایا۔ آپ نے کھجور، گھی اور آٹے کا حلوہ تیار کرایا، دسترخوان پر اسے رکھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آس پاس کے لوگوں کو خبر کر دو، ولیمہ تیار ہے۔''

حضرت صفیہ سے شادی کے موقعے پر حضور ﷺ کی طرف سے یہی ولیمہ تھا۔ پھر یہ حضرات وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے اونٹ کی کوہان پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے پردے کا انتظام بھی فرمایا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرانے کے لیے آپ نے اپنا گھٹنا کھڑا کر دیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہوئیں۔

○

شادی کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں نیلا نشان دیکھا تو آپ نے سیدہ صفیہ سے پوچھا:

''یہ تمہاری آنکھوں میں نشان کیسا ہے؟''

اس کے جواب میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا:

''میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ خواب یہ تھا کہ چاند میری گود میں آ گیا ہے۔ میں نے اس خواب کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو اس نے مجھے تھپڑ مارا اور کہا، تم یثرب کے بادشاہ کو چاہتی ہو۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''(حالت کفر میں) مجھے حضور ﷺ سے زیادہ کسی سے بغض نہیں تھا، کیونکہ غزوہ خیبر میں میرے والد اور خاوند مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے،

موج ہے دریا میں

محمد شاہد فاروق۔ پھلور

اس وقت تقریب زوروں پر تھی۔ مہمانِ خصوصی سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور مہمانِ خصوصی بھی کرسیوں پر براجمان تھے۔ یہ ایک ادبی تقریب تھی... ایک پرائیویٹ کالج کے ہال میں منعقد کی گئی تھی۔ جس کا مقصد نئے لکھنے والوں کو رہنمائی فراہم کرنا تھا تا کہ ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہو جائے۔ اگرچہ یہ تقریب کسی دوسرے ادارے کی طرف سے منعقد کی گئی تھی مگر اس میں شریک بہت سے ادیبوں کا تعلق ہفت روزہ آواز سے تھا۔ اور وہ سب ایک دوسرے سے ایسے مل رہے تھے جیسے ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔ ایسی کسی ادبی تقریب میں بطور رائٹر یہ اس کی پہلی شرکت تھی۔ اس لیے اسے یہاں آ کر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے زیادہ ادیبوں سے ملاقات کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ دوپہر تک پروگرام جاری رہا۔ پروگرام کے دوران بھی مختلف ادیبوں سے ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی... پروگرام کے اختتام پر مہمانوں میں لنچ بکس تقسیم کیے گئے اور ساتھ ہی کولڈ ڈرنکس بھی دی گئیں۔ پھر کھانے کا دور شروع ہو گیا۔ کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ لوگ اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچ گئے۔ وہ بھی اپنے چند نئے دوستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھا کہ ایک آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"آج کل آپ آواز کے لیے نہیں لکھتے۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک نوجوان اپنے سے بڑی عمر کے نوجوان سے مخاطب تھا۔ "ہفت روز آواز کے لیے لکھنے کا فائدہ؟" ان صاحب نے سوالیہ انداز میں نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا سر؟" نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔

بھئی! "آواز" نام کے سوا دیتا ہی کیا ہے؟ اور میرے پاس بہت نام ہے اور تمہیں یاد ہوگا کہ ایک دور ایسا تھا جب ہر تیسرے شمارے میں میری تحریر ہوتی تھی۔"

ان صاحب نے تقریر کرنے کے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے کہ آواز میں لکھنے سے سوائے نام کے اور کچھ نہیں ملتا، اس لیے میں بھی نہیں لکھتا..." ایک اور صاحب نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ کوئی اور بات ہوتی، ہال کے ایک دوسرے کونے سے ایک شخص نے ہاتھ ہلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ دونوں نوجوان اس طرف کو بڑھ گئے... وہ جو ابھی تک کھانا چھوڑ کر ان کی باتیں سننے میں مگن تھا، چونک کر سیدھا ہو گیا

"بھائی! ذرا بات سننا۔" اس نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کے لیے کہا۔

"جی! آپ نے مجھے بلایا!" نوجوان نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"جن سے ابھی آپ باتیں کر رہے تھے، وہ کون تھے۔" اس نے نوجوان سے سوال کیا، اور نوجوان نے جواب میں ان کے نام بتا دیے۔

"ہوں! آپ نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ انہیں جو شہرت ملی ہے اور ان کا جو نام ہے، وہ کس کی وجہ سے ہے۔" اس نے نوجوان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ بات میرے ذہن میں تھی مگر میں جھجک گیا۔" نوجوان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اس میں جھجک کی کیا بات ہے بلکہ آپ کو تو یہ بھی پوچھنا چاہیے تھا کہ اگر وہ آواز کے لیے نہیں لکھتے تو کیا خدانخواستہ آواز بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا معیار کم ہو گیا ہے۔" اس نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی بات سمجھتا ہوں جناب! اگر کوئی لکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ رسالہ اس کی وجہ سے چلتا ہے یا رسالے کی شہرت اس کی وجہ سے تو یہ اس کی خام خیالی ہے بلکہ لکھنے کی وجہ سے اگر کوئی انہیں جانتا ہے یا انہیں کوئی عزت دیتا ہے تو وہ اس رسالے کی وجہ ہے۔" نوجوان نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

"سچ پوچھیں تو مجھے ان کی بات سن کر بہت افسوس ہوا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں انہیں بتاؤں کہ تمہارا یہ نام آواز کی وجہ سے ہے۔ اگر کسی دوسرے رسالے والے تمہیں عزت دیتے ہیں تو یہ بھی آواز کا احسان ہے اور یہ بھی بتاؤں کہ اگر اس وقت آواز کی اشاعت پچاس ہزار تھی تو اب ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اگر اس وقت اس میں لکھنے والے دس بیس لوگ تھے تو اب اس میں لکھنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان سے کہوں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تمہاری تحریر اس میں چھپ جاتی ہے۔ ورنہ آمنے سامنے پڑھو جس میں کتنے لوگ یہ گلہ کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمارے خطوط اور تحریریں شائع نہیں ہوتیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ انہیں بتا دوں کہ یہ دریا ہے ان شاء اللہ یہ بہتا ہی رہے گا۔ آؤ اس کی موج بن جائیں کیونکہ

موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں !

لیکن شادی کے بعد حضور ﷺ نے جب یہ بتایا کہ اے صفیہ تمہارے والد، یعنی حی بن اخطب نے میرے خلاف عرب کے لوگوں کو جمع کیا اور میرے خلاف یہ اور یہ کیا تو میرے دل سے حضور ﷺ کا بغض بالکل نکل گیا۔

○

جب حضور ﷺ حضرت صفیہ ؓ کے خیمے میں تشریف لے گئے تو حضرت ابو ایوب ؓ نے تمام رات خیمے کے دروازے پر پہرہ دیتے گزاری۔ ان کے ہاتھ میں تلوار بھی تھی۔ صبح جب حضور ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب ؓ کو اس حالت میں دیکھا تو فرمایا:

"اللہ اکبر!"

یعنی آپ نے حیرت ظاہر فرمائی، تب حضرت ابو ایوب ؓ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کی ان سے نئی نئی شادی ہوئی تھی اور آپ نے اس کے خاوند اور باپ کو قتل کیا تھا (یعنی میدانِ جنگ میں وہ دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے) اس لیے مجھے ان کی طرف سے اطمینان نہیں تھا، اس وجہ سے میں نے رات یہاں گزاری کہ کہیں یہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ یہ ایسی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کریں تو میں قریب ہی ہوں۔"

یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

○

سیدہ صفیہ ؓ جب خیبر سے مدینہ منورہ پہنچیں تو انھیں حضرت حارثہ بن نعمان ؓ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔ انصاری عورتوں کو جب ان کے بارے میں معلوم ہوا تو ان سے ملنے کے لیے آنے لگیں۔ سیدہ عائشہ ؓ بھی نقاب میں وہاں آئیں۔ جب سیدہ عائشہ ؓ وہاں سے باہر نکلیں تو حضور ﷺ بھی ان کے پیچھے پیچھے نکل آئے۔ آپ نے سیدہ عائشہ ؓ سے پوچھا:

"اے عائشہ! تم نے کیا دیکھا!"

حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا:

"میں نے ایک یہودی عورت دیکھی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"ایسے نہ کہو، کیونکہ یہ مسلمان ہو گئی ہیں اور بہت اچھی مسلمان ہوئی ہیں۔" (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

124

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق کی قیدی عورتوں کو تقسیم کیا۔ ان قیدی عورتوں میں حضرت جویریہ بنتِ حارث ؓ بھی تھیں۔ یہ حضرت ثابت بن قیس ؓ کے حصے میں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ آپ نے ان سے طے کیا کہ میں تمھیں اتنی رقم دے دوں گی، تم مجھے آزاد کر دینا۔ حضرت ثابت بن قیس نے یہ بات منظور کر لی۔ حضرت جویریہ بہت حسین و جمیل تھیں۔ یہ مدد کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے اور اب مجھ پر جو مصیبت آئی ہے، وہ آپ کو معلوم ہی ہے، یعنی میں اب ایک قیدی ہوں۔ میں نے اپنے آقا سے ایک رقم طے کی ہے۔ اس رقم کے بدلے میں آزاد کرنے کا وعدہ ان سے لیا ہے۔ اب میں اس رقم کے سلسلے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔''

یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم اس سے بہتر کے لیے تیار ہو۔''

آپ کا مطلب تھا کہ اگر اس سے بہتر بات تم پر پیش کی جائے تو کیا خیال ہے۔ حضرت جویریہ ؓ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! وہ کیا بات ہے؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہاری طرف سے تمام رقم میں تمھیں دے دیتا ہوں اور تم سے شادی کر لیتا ہوں۔''

اس پر سیدہ جویریہ ؓ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں بالکل تیار ہوں۔''

جونہی آپ ﷺ کی سیدہ جویریہ ؓ سے شادی کی خبر پھیلی تو لوگ کہنے لگے:

''حضور ﷺ کے حضرت جویریہ ؓ سے شادی کر لینے کے بعد ان کے قبیلے کے لوگ حضور ﷺ کے سسرال والے بن گئے ہیں۔''

اس بنیاد پر ان کے قبیلے کے جتنے قیدی تھے، مسلمانوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ اس طرح حضور ﷺ کی اس شادی سے قبیلہ بنو مصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے۔''

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

''میرے علم میں ایسی کوئی عورت نہیں جو حضرت جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے بابرکت ثابت ہوئی ہے۔''

حضرت جویریہ ؓ کے علاقے میں حضور ﷺ کے جانے سے تین دن پہلے آپ نے خواب دیکھا تھا کہ یثرب کا چاند چل کر ان کی گود میں آ گیا ہے۔ انھوں نے اس وقت اپنے اس خواب کا کسی سے بھی ذکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ جب آپ قیدی بنالی گئیں تو آپ کو اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید ہوگئی اور آپ کا خواب پورا ہوا۔

سیدہ جویریہ ؓ کو یہ خبر بھی اپنی ایک چچازاد بہن سے معلوم ہوئی کہ ان کے خاندان کے قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا ہے۔ ان کی چچازاد بہن بھی قیدیوں میں شامل تھی۔ یہ خبر سن کر سیدہ جویریہ ؓ بہت خوش ہوئیں اور آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت جویریہ ؓ کے پہلے خاوند کا نام صفوان بن مالک تھا۔

O

سیدہ میمونہ ؓ کا پہلا نکاح جاہلیت کے دور میں مسعود بن عمرو سے ہوا تھا۔ کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ اس کے بعد آپ کا نکاح ابورھم سے ہوا۔ ابورھم کا انتقال ہوگیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح 7 ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپ عمرے کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ واپسی کے سفر میں سرف کے مقام پر یہ نکاح ہوا۔

آپ کا پہلا نام بَرّہ تھا۔ آپ ﷺ نے تبدیل کر کے میمونہ تجویز فرمایا۔ سیدہ میمونہ ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت خالد بن ولید ؓ کی حقیقی خالہ تھیں، کیونکہ آپ کی بڑی بہن لبابہ کبریٰ حضرت عباس ؓ کی زوجہ تھیں اور چھوٹی بہن لبابہ صغریٰ ولید بن مغیرہ کی بیوی تھیں اور حضرت خالد بن ولید ؓ کی والدہ تھیں تو اس لحاظ سے حضرت میمونہ ؓ ان دونوں صحابیوں کی خالہ تھیں۔

O

قدم بہ قدم

حضور ﷺ کے پاس سیدہ فاطمہ ؓ کے رشتے کا پیغام آیا۔ اس پر حضرت علی کی باندی نے حضرت علی ؓ سے عرض کیا:

''حضور ﷺ کے پاس حضرت فاطمہ ؓ کا رشتہ آیا ہے۔ آپ حضور ﷺ کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے، تاکہ حضور ﷺ آپ سے ان کی شادی کر دیں۔''

حضرت علی ؓ نے باندی سے کہا:

''میرے پاس ایسا کوئی سامان نہیں کہ میں شادی کرسکوں۔'' یہ سن کر باندی نے کہا:

''اگر آپ حضور ﷺ کے پاس جائیں گے تو حضور ﷺ آپ سے ضرور شادی کر دیں گے۔''

باندی حضرت علی ؓ کو برابر امید دلاتی رہیں۔ آخر حضرت علی ؓ حضور ﷺ کے پاس چلے گئے۔ جب آپ حضور ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے تو آپ سے بات نہ کی گئی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''علی کیسے آئے؟ کوئی ضرورت ہے کیا؟''

حضرت علی ؓ اس پر بھی خاموش رہے۔ آخر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''شاید تم فاطمہ سے شادی کا پیغام دینے آئے ہو۔''

اب آپ نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

آپ نے پوچھا: ''مہر میں دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ ہے؟''

حضرت علی ؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

آپ نے پوچھا: ''میں نے تمھیں ایک زرہ اسلحے کے طور پر دی تھی، اس کا کیا بنا؟''

حضرت علی ؓ نے عرض کیا:

''جی وہ میرے پاس ہے۔''

اب حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں نے فاطمہ سے تمہاری شادی کر دی ہے، تم وہ زرہ فاطمہ کو بھیج دو۔ اسی کو فاطمہ کا مہر سمجھو۔''

پھر آپ نے ان سے فرمایا:

''اے علی! دلہن کے گھر آنے پر ولیمے کا ہونا ضروری ہے۔''

اس وقت حضرت سعد ؓ نے عرض کیا:

''میرے پاس ایک مینڈھا ہے، میں وہ دیتا ہوں۔''

اس پر انصار نے ان کے لیے مکئی جمع کی، یعنی اس طرح ولیمے کا انتظام ہوا۔ (جاری ہے)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے رخصت ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں تو خواتین ان سے ملنے کے لیے آئیں، انھیں گھر میں ایک تکیہ نظر آیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک گھڑا اور ایک مٹی کا لوٹا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:

''میں ملنے کے لیے آ رہا ہوں، میرا انتظار کرنا۔''

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا۔ پھر کچھ پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینے اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پاس بلایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر آپ کے پاس آئیں۔ وہ آپ سے شرم وحیا کی وجہ سے لڑکھڑا رہی تھیں۔ آپ نے اس پانی میں سے کچھ سیدہ فاطمہ پر چھڑکا۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا:

''اپنے خاندان میں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، میں نے اس سے تمہاری شادی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔''

اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پردے کے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ آپ نے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

انھوں نے بتایا:

''میں اسما ہوں۔''

آپ نے پوچھا:

''کیا اسما بنت عمیس؟''

انھوں نے بتایا:

''جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔''

آپ نے پوچھا:

''کیا تم اللہ کے رسول کے اکرام کی وجہ سے آئی ہو۔''

قدم بہ قدم

حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''جی ہاں! جب کسی جوان لڑکی کی رخصتی ہو تو اس رات اس لڑکی کے پاس کسی رشتے دار عورت کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس لڑکی کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو یہ عورت اس کی ضرورت پوری کردے۔''

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ایسی زبردست دعا دی کہ حضرت اسما اس دعا کے بارے میں فرماتی ہیں:

''میرے نزدیک وہ دعا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لو اپنی دلہن کو سنبھالو۔''

پھر آپ باہر تشریف لے آئے۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہونے تک ان دونوں کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔

o

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آٹا دودھ یا گھی میں ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حریرہ پکایا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''آپ بھی حریرہ کھائیں۔''

انھوں نے کہا:

''نہیں! میں حریرہ نہیں کھاؤں گی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''یا تو آپ بھی یہ حریرہ کھائیں، ورنہ میں آپ کے منہ پر مل دوں گی۔ انھوں نے پھر انکار کیا، اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حریرے میں ہاتھ ڈال کر ان کے چہرے پر لیپ دیا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، پھر آپ نے حضرت سودہ کا ہاتھ حریرے میں ڈال دیا اور ان سے فرمایا:

''تم بھی عائشہ کے چہرے پر مل دو۔''

چنانچہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر حریرہ مل دیا۔ ایک بار پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ وہ کسی کو پکارتے ہوئے اے عبداللہ! اے عبداللہ کہہ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ عمر اندر آئیں گے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''تم دونوں اٹھو اور اپنے منہ دھولو۔''

o

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے پاس تشریف فرما تھے۔ ایسے میں شور سنائی دیا۔ آپ نے دیکھا، باہر حبشی لوگ نیزوں کا کھیل کھیل رہے ہیں اور لوگ ان کے گرد جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''اے عائشہ! ادھر آؤ۔ باہر دیکھو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے اپنا رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ دیا اور باہر دیکھنے لگیں، یعنی وہ کھیل آپ کے کندھے کی اوٹ سے دیکھنے لگیں۔ کچھ دیر بعد آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے پوچھا:

''اے عائشہ! تمہارا دل بھر گیا ہے؟''

آپ نے عرض کیا:

''ابھی نہیں۔''

اس طرح آپ نے دو تین بار پوچھا اور جواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے یہی کہا۔ ابھی نہیں، آپ فرماتی ہیں، دراصل میں دیکھنا چاہتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں میرا کتنا درجہ ہے۔ میں کافی دیر کھڑی یونہی دیکھتی رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے۔ آپ کبھی ایک پاؤں پر آرام کرتے، کبھی دوسرے پر۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے۔ تماشہ دیکھنے والے سب بچے اور بڑے ادھر اُدھر کھسک گئے۔

اس وقت دراصل سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا ایک نوعمر لڑکی تھیں۔ اس عمر میں لڑکیاں کھیل کود کی شوقین ہوتی ہیں۔

O

ایک بوڑھی عورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

انھوں نے فرمایا:

''میں جثامہ مزنیہ ہوں۔''

آپ نے فرمایا:

''نہیں! آج سے تم حسانہ مزنیہ ہو، تمہارا کیا حال ہے، ہمارے بعد تم لوگ کیسے رہے۔''

انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! خیریت ہے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔''

جب وہ خاتون اٹھ کر چلی گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے اس بڑھیا پر بہت توجہ فرمائی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عائشہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنھا کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور پرانے تعلقات کی رعایت کرنا، ایمان کی علامت میں سے ہے۔'' (جاری ہے)

ایک بہت ہی خوب صورت کہانی

پانچ لاکھ

حافظ عاکف نعیم نواز۔ لاہور

پیارے دوست!

نعیم احمد! السلام علیکم! میں خیریت سے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آپ اور آپ کے اہل خانہ ہمیشہ ہمیشہ خوش و خرم اور خیریت سے رہیں۔

اچھے دوست! میں آج کل انتہائی سخت قسم کے مالی بحران سے گزر رہا ہوں۔ کچھ گھریلو وجوہات کی بنا پر میرا کاروبار تقریباً ڈوب چکا ہے۔ میرے سر پہ قرض کا بہت بوجھ ہو چکا ہے اور قرض خواہوں کے مطالبات آئے روز بڑھتے جا رہے ہیں اور ایسی کوئی صورت نظر نہیں آرہی کہ میں اس مالی الجھن سے نجات حاصل کر سکوں۔

دوست!

اس مشکل وقت میں مجھے تمہارا نام اندھیرے میں روشنی کی مانند نظر آرہا ہے۔ تھوڑے لکھے کو زیادہ جاننا اور فی الحال مجھے اجازت دو۔ والسلام! دعا گو

شکیل احمد گوجرانوالہ۔

O

پیارے دوست نعیم احمد! السلام علیکم! میں خیریت سے ہوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تمہاری طرف سے پانچ لاکھ کی بڑی رقم موصول ہوئی جس سے نہ صرف میں نے اپنے تمام قرضے ادا کر دیے، بلکہ اب میرا کاروبار بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ میں ان شاء اللہ ایک سال کے اندر تمہاری رقم ادا کر دوں گا۔

میری طرف سے چچا چچی کو سلام اور بچوں کو پیار کرنا۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔ والسلام!

شکیل احمد گوجرانوالہ۔

O

پیارے دوست نعیم احمد! السلام علیکم! سدا نیلے آسمان تلے مسکراتے رہو۔ میں آج کل انتہائی مالی آسودگی کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں، کامیابی میرے قدم چومتی ہے۔ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میں نے اپنی دو بچیوں کے فرض ادا کر دیے ہیں اور اگلے ماہ میرے بیٹے کی شادی ہے۔ بچیوں کی شادی پر بھی میں نے تمھیں کارڈ ارسال کیے تھے مگر تم نہیں آئے۔ اب میرے بیٹے کی شادی پر ضرور آنا، تمہارے پانچ لاکھ روپے بھی بھیج رہا ہوں، مل جائیں تو آگاہ ضرور کرنا۔ تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ کبھی ملنے چلے آؤ۔ گوجرانوالہ مال روڈ پر کھڑے ہوئے بابا سکندر کی ریڑھی کے سری پائے بھی مل کر کھایا کرتے تھے۔ اب اگر وقت نکال کر آجاؤ تو پرانی یادیں تازہ کریں گے۔

یہ خط لکھتے ہوئے میری آنکھ سے آنسو نکل آئے ہیں اور وہ تمام دن میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے ہیں جو سکول اور کالج کے زمانے میں ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ آہ! کتنے خوب صورت دن تھے۔

کاش وہ دن پھر لوٹ آئیں!

گوجرانوالہ کی فضاؤں میں موسم بہار انگڑائیاں لے رہا ہے۔ پت جھڑ کے مارے ہوئے درخت اب سبزہ اوڑھ رہے ہیں اور پرندے خوش نظر آرہے ہیں۔ ایسے میں صرف تمہاری کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اب اجازت چاہوں گا۔ اللہ حافظ! تمہارا دوست! شکیل احمد گوجرانوالہ۔

O

بزرگوار شکیل احمد صاحب! السلام علیکم! خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔ آج یہ خط لکھتے ہوئے میں انتہائی غم میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور مجھے ابو جی کی بہت یاد آرہی ہے جنھیں اب ہم سے بچھڑے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں۔ جی ہاں! انکل جی! جب آپ کی جانب سے وہ خط وصول ہوا تھا، جس میں آپ نے اپنے مالی بحران کا تذکرہ کیا تھا، تب ابو جی کو وفات پائے دو سال ہو چکے تھے۔ آپ کا خط پڑھ کر ابو جی بہت یاد آئے تھے۔ آپ ابو جی کے دوست ہیں اور ہمارے لیے بزرگوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے میں اگر میں آپ کے کام نہ آتا تو مجھے ساری زندگی افسوس رہتا۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ کا مشکل وقت گزر گیا۔ ہم بھی آپ کی اولاد کی طرح ہیں اور بزرگ اولاد کی رقم کو واپس نہیں کیا کرتے۔ اس لیے وہ روپے میں آپ کو واپس ارسال کر رہا ہوں۔ میں آپ سے ملنے، اپنے بھائی کی شادی میں ضرور آؤں گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ والسلام!

واقعات صحابہؓ کے

128

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم ﷺ جعرانہ (جگہ کا نام) میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ اس وقت نو عمر لڑکے تھے۔ یہ بھی وہاں موجود تھے۔ ایسے میں ایک خاتون وہاں آئیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے چادر بچھا دی۔ حضرت ابو طفیل نے آپ ﷺ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! یہ کون ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"یہ میری وہ ماں ہیں، جنھوں نے مجھے بچپن میں دودھ پلایا تھا۔"

O

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رمضان کے مہینے میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ غسل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے پردہ کیا، یعنی چادر تان کر کھڑے رہے۔ جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"اے حذیفہ! تم غسل کرنا چاہو تو بچے ہوئے پانی سے غسل کر لو۔ اس میں اور پانی ملانا چاہو تو اور ملا لو۔"

یعنی برتن میں کچھ پانی بچ گیا تھا۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کا بچا ہوا پانی تو مجھے اور پانی ملانے سے زیادہ محبوب ہے۔"

اب حضرت حذیفہ نہانے لگے اور حضور ﷺ ان کے لیے چادر تان کر کھڑے رہے، یعنی آپ نے ان کے لیے پردہ کیا۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ میرے لیے پردہ نہ کریں۔"

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"جس طرح تم نے میرے لیے پردہ کیا، اسی طرح میں بھی تمہارے لیے ضرور پردہ کروں گا۔"

O

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ایسے میں آپ ﷺ سواری پر ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے انھیں سواری پر سوار کرایا۔ ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایک دوسرے بیٹے کو بھی سواری پر بٹھایا۔ اس طرح سواری پر تین ہو گئے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ اس طرح بچوں کو اپنی سواری پر سوار کر لیتے تھے۔

O

حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبید اللہ بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم ابھی بچے تھے۔ مل کر کھیل رہے تھے۔ اتنے میں حضور ﷺ سواری پر پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو! اس بچے کو مجھے پکڑا دو۔"

آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا تھا۔ آپ نے انھیں اپنے آگے اٹھا لیا، پھر فرمایا:

"قثم کو اٹھا کر مجھے دے دو۔"

لوگوں نے حضرت قثم کو بھی اٹھا کر آپ کو دے دیا۔ آپ نے انھیں اپنے پیچھے بٹھایا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے سر پر تین بار ہاتھ پھیرا اور تینوں بار فرمایا:

"اے اللہ! تو جعفر کی اولاد میں جعفر کا خلیفہ بن جا۔"

(یعنی وہ تو شہید ہو چکے ہیں۔ اب تو ہی ان کے بچوں کو سنبھال) حضرت جعفر جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔

O

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا وہاں آئیں۔ انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! حسن اور حسین رضی اللہ عنہم گم ہو گئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

"اٹھو! میرے دونوں بیٹوں کو تلاش کرو۔"

چنانچہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت دن چڑھ چکا تھا۔ سب ان دونوں کی تلاش میں ادھر ادھر نکل گئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں ایک دوسرے سے چمٹے کھڑے ہیں اور پاس ہی ایک کالا ناگ اپنی دم پر کھڑا ہے۔ اس کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ناگ بھیجا تھا تاکہ بچوں کو آگے جانے سے روک لے۔ حضور ﷺ جلدی سے ناگ کی طرف بڑھے۔ ناگ نے آپ کو دیکھا تو وہاں سے چل پڑا اور ایک سوراخ میں داخل ہو گیا۔ اب حضور ﷺ دونوں کے پاس آئے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ دونوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں۔ تم دونوں اللہ کے ہاں کتنے اکرام کے قابل ہو۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ نے انھیں دونوں کندھوں پر اٹھایا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم دونوں کو خوش خبری ہو، تمہاری سواری بہت ہی عمدہ ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"یہ دونوں بھی بہت عمدہ سوار ہیں اور ان کے والدان سے بہتر ہیں۔" (طبرانی 182/9)

O

حضرت جابر ﷺ اور چند دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات کو کسی نے کھانے پر بلایا تھا۔ جب یہ حضرات اس شخص کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مل گئے۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ جلدی سے ان کی طرف بڑھے۔ آپ نے انھیں پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حضرت حسین ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حضور ﷺ ہنسنے لگے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہنسنے لگے۔ آخر حضور ﷺ نے انھیں پکڑ لیا۔ آپ نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور دوسرا ان کے سر اور کانوں کے درمیان رکھا اور اپنے آپ سے چمٹا لیا۔ پھر ان کا بوسہ لیا۔ اس کے بعد فرمایا:

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو ان سے محبت کرے، اللہ اس سے محبت کرے۔"

(طبرانی 107/7) (جاری ہے)

127

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ

حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی میلے کچیلے پرانے کپڑوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں آئیں۔

انھوں نے پوچھا:

"تمھیں کیا ہوا جو تم نے ایسی شکل و صورت بنا رکھی ہے۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جواب میں کہا:

"عثمان رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔"

کسی نے یہ بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی۔ جب آپ کی ملاقات حضرت عثمان بن مظعون سے ہوئی تو آپ ان پر ناراض ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم میرے نمونے پر نہیں چلتے۔"

وہ بولے:

"جی! کیوں نہیں۔"

حضرت عثمان سمجھ گئے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمان کی بیوی ملنے کے لیے آئیں تو وہ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھیں اور خوشبو بھی لگائے ہوئے تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا:

"اے عثمان! رہبانیت (یعنی دنیا کو چھوڑ دینا) کو ہمارے لیے اجر کے قابل عبادت قرار نہیں دیا گیا (یعنی اسلام نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے) اور کیا میں تمہارے لیے اچھا نمونہ نہیں ہوں۔ اللہ کی قسم! تم میں سے اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی حدود کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا میں ہوں۔"

روایات میں حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی کا نام خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آیا ہے۔

○

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے والد نے ان کی شادی قریش کی ایک عورت سے کردی۔ جب بیوی ان کے پاس آگئیں تو حضرت عبداللہ نے ان کی کوئی پروا نہ کی، کیونکہ انھیں نماز روزے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنی بہو سے ملنے کے لیے گئے تو ان سے پوچھا:

"تم نے اپنے خاوند کو کیسا پایا؟"

انھوں نے جواب دیا:

"یہ تو کبھی ہم سے بات ہی نہیں کرتے۔"

یہ سن کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو خوب برا بھلا کہا اور فرمایا:

"میں نے قریش کی ایک خاندانی عورت سے تمہاری شادی کی اور تم نے اسے درمیان میں لٹکا رکھا ہے۔"

قدم بہ قدم

اس کے بعد حضرت عمرو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بیٹے کی اس بات کے بارے میں بتایا۔ آپ نے آدمی بھیج کر انھیں بلایا اور ان سے پوچھا:

"کیا تم رات بھر عبادت کرتے ہو؟"

انھوں نے کہا:

"جی ہاں!"

آپ نے پوچھا:

"اور کیا تم دن بھر روزہ رکھتے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا:

"جی ہاں!"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیکن میں تو دن میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، کبھی رات میں عبادت کرتا ہوں اور کبھی سوتا ہوں اور بیویوں سے بھی ملاقات کرتا ہوں (یہ میری سنت ہے) اور جو میری سنت چھوڑے گا، وہ مجھ سے نہیں۔"

اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

"مہینے میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔"

انھوں نے جواب دیا:

"مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"دس دن میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔"

انھوں نے عرض کیا:

"مجھ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"اچھا تین دن میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"ہر ماہ تین دن روزہ رکھا کرو۔"

انھوں نے کہا:

"مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔"

آپ دن بڑھاتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا:

''اچھا! ایک دن روزہ رکھا کرو، ایک دن روزہ چھوڑ دیا کرو، کیونکہ یہ بہترین روزے ہیں اور یہ میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کرایا، یعنی دونوں کو آپس میں بھائی بنا دیا۔ ایک روز حضرت سلمان حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت ام درداء نے پرانے اور سادہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر انھوں نے پوچھا:

''آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا کی رغبت نہیں؟''

اتنے میں حضرت ابو درداء بھی تشریف لے آئے۔ انھوں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا:

''کھائیں۔''

وہ بولے:

''میرا تو روزہ ہے۔''

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جب تک آپ نہیں کھائیں گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔''

چنانچہ انھوں نے ان کے ساتھ کھانا کھا لیا۔ رات ہوئی تو حضرت ابو درداء عبادت کے لیے کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمان نے کہا:

''ابھی سو جائیں۔''

چنانچہ وہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد اٹھ کر پھر عبادت شروع کرنے لگے تو حضرت سلمان نے کہا:

''ابھی اور سو جائیں۔''

چنانچہ حضرت ابو درداء پھر سو گئے۔ رات کے آخری حصے میں حضرت سلمان نے کہا:

''اب اٹھ جائیں۔''

پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ اب حضرت سلمان نے ان سے فرمایا:

''آپ کے رب کا بھی آپ پر حق ہے، لیکن آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کے گھر والوں کا بھی آپ پر حق ہے۔ ہر حق والے کو اس کا حق دو۔''

اس کے بعد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری بات بتائی۔ آپ نے سن کر فرمایا:

''حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کیا۔''

(جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس زمین تھی اور ایک گھوڑا تھا... اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی مال نہیں تھا... نہ کوئی غلام تھا نہ کوئی اور چیز... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا گھوڑے کی خدمت کے بھی سارے ہی کام کرتی تھیں... اس کی دیکھ بھال کرتیں، گھاس چارہ وغیرہ لاتیں... کنویں سے پانی کھینچنے والے اونٹ کے لیے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی تھیں... کنویں سے پانی بھی خود ہی نکالتی تھیں... گھر کا آٹا گوندھتی تھیں... لیکن انھیں روٹی اچھی پکانی نہیں آتی تھی... ان کی پڑوسنیں انصاری عورتیں تھیں، وہ ان کی روٹی پکا دیا کرتی تھیں... وہ بہت اچھی اور مخلص عورتیں تھیں... حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین دی تھی، وہ مدینہ منورہ سے دو میل دور تھی... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہاں سے اپنے سر پر گٹھلیاں لاد کر لاتی تھیں... ایک روز یہ گٹھلیاں سر پر رکھے آرہی تھیں کہ راستے میں حضور نبی کریم ﷺ اونٹ پر سوار مل گئے... آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی... آپ ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلایا تا کہ انھیں اونٹ پر سوار کرلیں اور اونٹ کو اخ اخ فرمایا... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو لوگوں کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوئی اور انھیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی غیرت کا خیال آگیا، کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غیرت والے تھے... حضور سمجھ گئے کہ انھیں شرم محسوس ہو رہی ہے، چنانچہ آپ آگے تشریف لے گئے...

گھر پہنچ کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! تم حضور نبی کریم کے ساتھ سوار ہو جاتیں تو مجھے کوئی گرانی نہ ہوتی، بلکہ تم جو سر پر گٹھلیاں رکھ کر لائی ہو، اس سے میں گرانی محسوس کرتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے لیے ایک باندی بھیجی۔ اس نے گھوڑے کی دیکھ بھال اور خدمت کے دوسرے کام سنبھال لیے۔ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یوں محسوس ہوا جیسے زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں قید سے آزاد کر دیا ہو۔

○

ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ بھی بیٹھے تھے۔ اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"اے امیر المومنین! میرے خاوند کا شر بڑھ گیا ہے اور اس کی خیر کم ہو گئی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"تمہارا خاوند کون ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"انھیں تو حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل ہے اور وہ سچے آدمی ہیں۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پاس بیٹھے شخص سے کہا:

"کیا وہ ایسے آدمی نہیں ہیں؟"

اس شخص نے جواب دیا:

"امیر المومنین! آپ نے ان کے بارے میں جو کہا ہے، ہمیں بھی یہی معلوم ہے۔"

اب آپ نے ایک شخص سے فرمایا:

"جاؤ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے آؤ۔"

اب وہ عورت اٹھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کمر کی طرف آکر بیٹھ گئی۔ جلد ہی وہ شخص اس عورت کے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو لے آیا، وہ آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"یہ میرے پیچھے بیٹھی ہوئی عورت کیا کہہ رہی ہے۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! یہ عورت کون ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ آپ کی بیوی ہے۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"یہ کیا کہہ رہی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ کہہ رہی ہے، آپ کی خیر کم ہو گئی ہے اور آپ کا شر بڑھ گیا ہے۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"امیر المومنین! اس نے بہت بری بات کہی ہے۔ یہ اپنے قبیلے کی نیک عورتوں میں سے ہے، لیکن اس کے پاس کپڑے ان سب عورتوں سے زیادہ ہیں اور گھر میں سہولت اور راحت کا سامان بھی سب سے زیادہ ہے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ اس کا خاوند بوڑھا ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا:

"اب تم کیا کہتی ہو؟"

اس نے کہا:

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر اس عورت کی طرف بڑھے۔ آپ نے کوڑے سے اس کی خبر لی۔ پھر فرمایا:

"اے اپنی جان کی دشمن! تو اس کا سارا مال کھا گئی۔ تو نے اس کی جوانی فنا کر دی اور اب اس کی ایسی شکایت کر رہی ہے، جو اس میں نہیں ہے۔"

اس نے جواب میں کہا:

"امیر المومنین! جلدی نہ کریں! اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی شکایت نہیں کروں گی۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو تین کپڑے دیے اور اس سے فرمایا:

"میں نے جو تجھے مارا، یہ اس کے بدلے میں لے لو۔"

وہ عورت کپڑے لے کر چلی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم نے جو مجھے اس عورت کو سزا دیتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کی وجہ سے تم اس سے برا سلوک نہ شروع کر دینا۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی ٹھیک ہے! میں ایسا نہیں کروں گا۔"

ان کے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں ہوں، پھر دوسرا زمانہ، پھر تیسرا زمانہ، پھر اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو گواہی دینے سے پہلے ہی قسمیں کھانے لگ جائیں گے۔ پھر ابھی ان سے گواہی مانگی نہیں جائے گی کہ وہ پہلے ہی گواہی دینے لگ جائیں گے اور بازاروں میں شور مچاتے پھریں گے۔"

(جاری ہے)

129

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنی باندی کو آواز دی۔ باندی نے آنے میں دیر کر دی۔ ان کی بیوی نے اس سے کہا:

''او زانیہ!''

اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا تم نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے؟''

ان کی بیوی نے کہا:

''نہیں!'' (یعنی ایسی کوئی بات نہیں)

تب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! تمھیں اس باندی کی وجہ سے قیامت کے دن اسّی کوڑے مارے جائیں گے۔''

ان کی بیوی نے باندی سے معافی مانگی تو اس نے انھیں معاف کر دیا۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بھلا یہ بے چاری تمھیں کیوں معاف نہیں کرے گی۔ یہ تمہاری ماتحت جو ہے۔ اسے آزاد کر دو۔''

ان کی بیوی نے کہا:

''کیا یہ آزاد کرنا کافی ہو جائے گا۔'' (یعنی اسے آزاد کر دینے کی صورت میں تو مجھے سزا نہیں ملے گی)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں امید ہے، اللہ تمھیں معاف کر دیں گے۔''

O

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حبشی باندی تھی۔ اس کی کسی حرکت کی وجہ سے گھر کے سب لوگ بہت پریشان تھے۔ ایک دن اسے مارنے کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوڑا اٹھایا، لیکن پھر فرمایا:

''اگر مجھے قیامت کے دن بدلہ دینے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے اس کوڑے سے مار مار کر بے ہوش کر دیتا، لیکن اب تجھے ایسے کے ہاتھ بیچوں گا جو میری قیمت پوری پوری دے گا۔'' جاؤ آزاد ہو۔ (یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بدلہ دیں گے)

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لائے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والے حضرات میں حضرت عبداللہ بن قیس بھی شامل تھے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اذرعات شہر کے کرتب دکھانے والے عجمی لوگ آگئے۔ ان لوگوں نے تلواریں اور تیر کے اظہار کیے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انھیں روکو۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا:

''امیر المومنین! ان عجمیوں کا رواج ہے۔ امیر کے آنے پر خوشی کے اظہار کے لیے کرتب دکھاتے ہیں، اگر آپ انھیں روکیں گے تو یہ لوگ سمجھیں گے، آپ ان سے معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں، جب کہ ان سے جو معاہدہ ہوا ہے، اس میں انھیں اپنے رواج پر چلنے کی اجازت ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، پھر تو انھیں آنے دو۔''

یعنی انھیں کرتب دکھانے دو۔

O

حضرت سلیم بن حنظلہ رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے مسلمان حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے احادیث سننے کے لیے آئے۔ آپ نے انھیں احادیث سنائیں۔ اس کے بعد آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے تو سب لوگ بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ چلنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ آپ نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا:

''کیا آپ کو اس بات کا خیال نہیں کہ لوگوں کا اس طرح آپ کے ساتھ چلنا خود آپ کے لیے فتنے اور بگڑنے کا سبب ہے اور ان کے لیے ذلت کا ذریعہ ہے۔''

O

ایک شخص حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''آج لوگوں کا معاملہ کس قدر عمدہ ہے۔ میں سفر سے آرہا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں جس کے ہاں ٹھہرا، مجھے ایسا لگا جیسا کہ میں اپنے باپ کے پاس ٹھہرا ہوں۔ ہر ایک نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اور بڑی مہربانی سے پیش آیا۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! یہ ایمان کے تازہ اور عمدہ ہونے کی نشانی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب جانور پر سامان لادا جائے اور سفر قریب کا ہو، جانور بھی تازہ دم ہو تو پھر جانور سامان لے کر خوب تیز چلتا ہے اور جب سفر لمبا ہو، جانور تھک چکا ہو تو پھر جانور بھی رک رک کر چلتا ہے اور پیچھے رہ جاتا ہے۔ (اس لیے ایمان کو تازہ کرتے رہو اور اسے عمدہ بناتے رہو)۔''

O

قدم بہ قدم

ایک شخص حضرت جیہ بنت ابی جیہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا: ''اے اللہ کے بندے! تمھیں کیا ضرورت پیش آگئی۔''

اس شخص نے بتایا: ''میں اور میرا ایک ساتھی ہم دونوں اپنے اونٹ تلاش کرنے کے لیے آئے۔ میرا ساتھی اونٹ تلاش کرنے چلا گیا اور میں یہاں سائے میں آگیا ہوں، تاکہ کچھ دیر سائے میں بیٹھ جاؤں اور کچھ پی بھی لوں۔''

حضرت جیہ نے اس شخص کو تھوڑی سی لسی پلائی اور اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ پھر انھوں نے اس سے پوچھا: ''اے اللہ کے بندے! آپ کون ہیں۔''

اب انھوں نے کہا: ''ابوبکر۔''

انھوں نے حیران ہو کر کہا:

''وہی ابوبکر جو حضور ﷺ کے خاص صحابی ہیں۔ جن کا ذکر میں سن چکی ہوں۔''

انھوں نے فرمایا: ''جی ہاں!''

اب حضرت جیہ رحمۃ اللہ علیہا نے آپ سے کہا:

''جاہلیت کے زمانے میں ہماری قبیلہ خثعم کے ساتھ لڑائی رہتی تھی اور ہم آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپس میں الفت اور محبت نصیب فرما دی ہے (اور یہ سب اسلام کی برکت ہے) آپ بتائیں یہ الفت اور محبت کب تک رہے گی۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا: ''جب تک امام سیدھے رہیں۔''

انھوں نے پوچھا: ''امام کون؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے دیکھا نہیں کہ ہر قبیلے میں ایک سردار ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ چلتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں، جب تک یہ ٹھیک چلتے رہیں گے، لوگوں میں تمام کام ٹھیک رہیں گے۔''

(کنز العمال 162/3)

640 #5

130

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ

حضرت حارث بن معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

”تم نے شام والوں کو کس حال میں چھوڑا؟“

حضرت حارث نے انھیں شام والوں کا حال بتایا تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ پھر آپ نے فرمایا: ”شاید تم مشرکوں کے ساتھ بیٹھتے ہو۔“

حضرت حارث نے عرض کیا:

”جی نہیں اے امیر المومنین۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر تم مشرکوں کے ساتھ بیٹھنے لگو گے تو تم ان کے ساتھ کھانے پینے لگ جاؤ گے۔ تم اس وقت تک خیر پر رہو گے جب تک ان کے ساتھ کھانے پینے کا کام نہیں کرو گے۔“

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ”آپ اپنا سارا لین دین کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر پیش کریں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا منشی ایک نصرانی تھا۔ اس نے سارا حساب کتاب لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ کو اس کا لکھا ہوا حساب کتاب بہت پسند آیا۔ آپ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اس کا حافظہ بہت تیز ہے۔“

پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”ہمارے پاس ایک خط ملک شام سے آیا ہے۔ کیا تم چل کر مسجد میں وہ خط پڑھ دو گے۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”یہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

”کیوں؟ کیا یہ ناپاک ہے۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا:

”یہ نصرانی ہے۔“

یہ سن کر آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

”اسے یہاں سے نکال دو۔“

یہ فرما کر آپ نے یہ آیت پڑھی:

”اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔“ (سورۂ مائدہ: 51)

○

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک سفر میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ اس مقام پر ایک عورت نے اپنے بیٹے کے ہاتھ ایک بکری بھیجی۔ آپ ﷺ نے اس بکری کا دودھ نکال کر اس لڑکے کو دیا اور اس سے فرمایا:

”یہ دودھ اپنی ماں کو دے آؤ۔“

لڑکا دودھ اپنی ماں کے پاس لایا تو اس نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اب وہ لڑکا دوسری بکری لے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کا دودھ نکالا اور لڑکے کو پلایا۔ اس کے بعد وہ لڑکا تیسری بکری لے آیا۔ آپ نے اس کا دودھ نکال کر خود نوش فرمایا۔ مطلب یہ کہ پہلے آپ نے جن کی بکریاں تھیں، انھیں دودھ پلایا، پھر خود پیا۔

○

حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایسے میں کھانے کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ نے کھانے سے ہاتھ روکے رکھا۔ صحابہ کرام نے بھی ہاتھ روکے رکھا، کیونکہ جب تک آپ کھانا شروع نہیں کرتے تھے، صحابہ کرام بھی کھانا شروع نہیں کرتے تھے۔ ایسے میں ایک دیہاتی وہاں آ گیا۔ آتے ہی اس نے کھانے کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک لڑکی آئی۔ اس نے بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حضور ﷺ نے اسے بھی روک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

”جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، وہ کھانا شیطان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ جب شیطان نے دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ روک رکھے ہیں تو وہ ان دونوں کو لے آیا تاکہ یہ بسم اللہ کے بغیر کھانا شروع کر دیں اور کھانا اس کے لیے حلال ہو جائے۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔“

○

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی وہاں آ گیا اور ان سب کے سامنے سے سارا کھانا دو لقموں میں کھا گیا۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اگر یہ کھانے پر بسم اللہ پڑھتا تو یہ کھانا سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ اگر بسم اللہ پڑھنی شروع میں یاد نہ رہے تو جب یاد آ جائے تو ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ کہہ لے۔“

○

قدم بہ قدم

حضرت عبداللہ کے والد حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے پاس حضور نبی کریم ﷺ ٹھہرے۔ میرے والد حضور ﷺ کی خدمت میں ستو، گھی اور کھجور کا بنا ہوا حلوہ لے کر آئے۔ حضور ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔ پھر حضرت بسر رضی اللہ عنہ پینے کی کوئی چیز لے کر آئے۔ آپ نے اس میں سے نوش فرمایا، پھر پیالہ اپنے دائیں طرف کے ایک صاحب کو دے دیا۔ آپ جب کھجور کھاتے تھے تو اس کی گٹھلی کو اس طرح الگ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن بسر نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا:

پھر جب حضور ﷺ وہاں سے روانہ ہونے لگے اور سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت بسر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضور ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا:

”آپ ہمارے لیے دعا فرما دیں۔“

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

”اے اللہ! انھیں جو روزی تو نے دی ہے، اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما، ان پر رحم فرما۔“

○

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن اعبد سے فرمایا:

”اے ابن اعبد! کیا تم جانتے ہو کہ کھانے کا کیا حق ہے؟“

حضرت ابن اعبد نے پوچھا:

”کھانے کا کیا حق ہے؟“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تم یوں کہو: بسم اللہ، اے اللہ! جو رزق تو نے ہمیں دیا ہے، اس میں برکت نصیب فرما۔“

پھر آپ نے ان سے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو جب تم کھانا کھا چکو تو اس کا شکر کیا ہے؟“

حضرت ابن اعبد نے پوچھا:

”کھانے کا شکر کیا ہے؟“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کھانے کا شکر یہ ہے کہ تم یہ دعا پڑھو، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا۔“ (جاری ہے)

عبداللہ ہارانی

واقعات صحابہ کے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انار کا ایک دانہ لیتے اور اسے کھا لیتے۔ کسی نے ان سے پوچھا:

''اے ابن عباس! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ زمین میں جو انار بھی اگتا ہے، اس میں ایک دانہ جنت کا دانہ ضرور ہوتا ہے۔ میں ایک ایک دانہ اس خیال سے کھا رہا ہوں کہ شاید جنت والا دانہ یہی ہو۔''

○

حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ اپنے غلام حضرت سالم رحمہ اللہ کے ساتھ بازار میں چلے جا رہے تھے۔ ایسے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے تقریباً پانچ من غلہ خرید ا ہوا تھا۔ اتفاقاً دیکھ کر حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

''آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر اتنا غلہ جمع کر رہے ہیں۔''

ان کی بات سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انسان جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو اس کا نفس مطمئن ہو کر عبادت کے لیے فارغ ہو جاتا ہے اور وسوسہ ڈالنے والا شیطان اس سے ناامید ہو جاتا ہے۔''

○

ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پندرہ کھجوریں تھیں۔ آپ نے پانچ کھجوروں سے روزہ کھول لیا، پانچ سے سحری کھا لی اور باقی پانچ افطاری کے لیے رکھ لیں۔

○

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام حضرت

قدم بہ قدم

مسلم رحمہ اللہ سے پینے کے لیے کچھ مانگا۔ حضرت مسلم آپ کے لیے پانی کا ایک پیالہ لے آئے۔ ساتھ ہی انھوں نے پیالے میں پھونک ماری۔ آپ نے اس پانی کو پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''تم ہی اسے پی لو۔''

آپ کا مطلب یہ تھا کہ پینے کی چیز میں پھونک نہیں مارنی چاہیے۔

○

ایک انصاری عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔ ان کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر پڑی۔ انھوں نے دیکھا۔ ایک چوغے کو دوہرا کر کے بچھایا گیا تھا۔

وہ اپنے گھر گئی تو اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نرم بستر تیار کیا۔ اس میں اون بھری۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھجوا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس بستر پر لیٹے تو آپ نے پوچھا:

''اے عائشہ! یہ کیا ہے؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: ''فلاں انصاری عورت آئی تھیں۔ انھوں نے آپ کا بستر دیکھا تو یہ بستر میرے پاس بھیج دیا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اسے واپس کر دو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ بستر اچھا لگا تھا، اس لیے آپ نے واپس نہ بھیجا، آپ نے اسے گھر میں دیکھا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''یہ بستر واپس کر دو۔ اللہ کی قسم اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلا دیتے۔''

○

ایک روز بارش ہوئی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنت البقیع کے قریب تشریف فرما تھے۔ ایسے میں ایک عورت گدھے پر سوار گزری۔ جب وہ ڈھلوان سے گزرنے لگی تو گدھے سے گر گئی۔ آپ نے فوراً چہرہ دوسری طرف فرما لیا۔ لوگوں نے آپ کو بتایا:

''اے اللہ کے رسول! وہ تو شلوار پہنے ہوئے ہے۔'' یعنی بے پردہ نہیں ہوئی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! میری امت کی شلوار پہننے والی عورتوں کی مغفرت فرما۔ اے لوگو! شلوار پہنا کرو، کیونکہ شلوار سب سے زیادہ ستر چھپا رہتا ہے اور جب تمہاری عورتیں باہر نکلا کریں تو شلوار پہنا کر ان کی حفاظت کیا کرو۔''

○

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز نئے کپڑے پہنے اور گھر میں چل

پھر کر اپنے کپڑوں کو دیکھنے اور خوش ہونے لگیں۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا:

"اے عائشہ! اس وقت اللہ تعالیٰ تمہیں رحمت کی نظر سے نہیں دیکھ رہے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: "جی! وہ کیوں؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب دنیا کی زینت کی وجہ سے بندے کے دل میں غرور کی کیفیت پیدا ہو جائے تو جب تک وہ اس زینت کو اتار نہیں پھینکے گا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہیں گے۔"

یہ سننے کے فوراً بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ لباس اتارا اور صدقہ کر دیا۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بصرہ والوں کا ایک وفد آیا۔ ان میں ایک خارجی بھی تھا (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جب صلح کی کوشش ہوئی تھی تو ایک گروہ اس کوشش کے خلاف تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کو خارجی کہا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں سے جنگ کی تھی اور ان کی زیادہ تعداد قتل ہو گئی تھی) اس خارجی کا نام جعد بن نعجہ تھا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قمیص کو دیکھ کر ناپسندیدگی ظاہر کی۔ (یعنی یہ کہا تھا کہ یہ آپ نے کیسی قمیص پہن رکھی ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"تجھے میری قمیص سے کیا۔ میری قمیص غرور سے دور اور اس لائق ہے کہ مسلمان میری پیروی کر سکیں۔" یعنی وہ بھی ایسی قمیص پہنیں۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قمیص میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا: "اے امیر المومنین! آپ کی قمیص میں اتنے پیوند کیوں ہیں؟"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"اس سے دل میں تواضع پیدا ہوتی ہے اور مومن اس کی پیروی کر لیتا ہے۔"

(جاری ہے)

132

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ کے

ایک یہودی بازار میں ایک زرہ بیچ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے تو آپ کی نظر زرہ پر پڑی۔ آپ نے زرہ کو پہچان لیا۔ آپ نے اس یہودی سے کہا:

"یہ زرہ تو میری ہے۔"

اس نے جواب میں کہا:

"نہیں! زرہ میری ہے۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے اور تمہارے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے گا۔"

ان دنوں مسلمانوں کے قاضی حضرت شریح رحمہ اللہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت شریح رحمہ اللہ کو قاضی مقرر کیا ہوا تھا۔

جب قاضی شریح نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بٹھایا اور خود آپ کے سامنے اس یہودی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے شریح! اگر میرا مخالف مسلمان ہوتا تو میں اس کے ساتھ بیٹھتا، لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان سے (یعنی یہودیوں سے) مصافحہ نہ کرو، انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور ان کے بیماروں کی بیمار پرسی نہ کرو اور ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو، انہیں راستے کے تنگ حصے میں چلنے پر مجبور کرو، انہیں چھوٹا کر کے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوٹا بنایا ہے۔ اے شریح! اب آپ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرو۔"

اب حضرت شریح نے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ کیا کہتے ہیں؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"معاملہ اس زرہ کا ہے، یہ یہودی بازار میں اسے فروخت کر رہا تھا، ایسے میں میرا اس طرف سے گزر ہوا، میں نے زرہ کو پہچان لیا۔ لہٰذا آپ میرے اور اس یہودی کے درمیان فیصلہ کر دیں۔"

حضرت شریح نے کہا:

"آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرا غلام اور میرا بیٹا گواہی دے گا۔"

حضرت شریح نے کہا:

"حضرت حسن کی بجائے کوئی اور گواہ پیش کریں۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ کو حضرت حسن کی گواہی قبول نہیں۔"

حضرت شریح بولے:

"جی نہیں، میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی درست نہیں۔

قدم بہ قدم

آپ کے غلام کی گواہی تو ہم مانتے ہیں، آپ کے حق میں آپ کے بیٹے کی گواہی قبول نہیں۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔"

حضرت شریح نے فرمایا:

"میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ زرہ اس سے نہیں لی جا سکتی، کیونکہ آپ کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔"

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، آپ کا فیصلہ ٹھیک ہے۔"

یہ سن کر نصرانی نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء والے فیصلے ہیں کہ امیر المومنین اپنے ماتحت قاضی کے پاس آئے اور قاضی نے امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیا۔ اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! یہ زرہ آپ کی ہے، میں آپ کے پیچھے چلا جا رہا تھا، اس وقت یہ زرہ آپ کے خاکی رنگ کے اونٹ سے گر گئی تھی اور میں نے اسے اٹھا لیا تھا۔"

یہ کہہ کر اس نصرانی نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے کلمہ پڑھنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اب جب کہ تم مسلمان ہو گئے ہو تو یہ زرہ تمہاری ہے۔"

آپ نے اسے ایک گھوڑا بھی دیا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد میں جانے کا حکم فرمایا۔ ان میں سے ایک صحابی نے اپنے گھر والوں سے کہا:

"میں ذرا ٹھہر جاتا ہوں، تا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔ پھر آپ کو سلام کر کے الوداع کہہ کر چلا جاؤں گا، ہو سکتا ہے، آپ

میرے لیے کوئی ایسی دعا فرمادیں جو قیامت کے دن پہلے سے پہنچ کر کام آنے والی چیز ہو۔"

یعنی ان کی نیت یہ تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو یہ صحابی آپ کو سلام کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"تمھیں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہاد میں جانے کا حکم نہیں ہوا تھا؟"

انھوں نے عرض کیا:

"جی ہاں اے اللہ کے رسول! لیکن میں اس خیال سے ٹھہر گیا کہ آپ کے پیچھے ایک نماز اور پڑھ لوں، پھر روانہ ہو جاؤں گا۔"

ان کی بات سن کر آپ نے پوچھا:

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھی تم سے کتنا آگے نکل گئے ہیں۔"

انھوں نے جواب دیا:

"جی ہاں! وہ لوگ آج صبح روانہ ہوئے ہیں، یعنی آدھا دن کے برابر مجھ سے آگے جا چکے ہیں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ اجر اور ثواب کے اعتبار سے فضیلت میں تم سے اس سے بھی زیادہ آگے نکل گئے ہیں جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔"

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ راستے کے درمیان میں درمیانی رفتار سے سفر کر رہے تھے۔ ایسے میں آپ نے ایک قریشی نوجوان کو دیکھا۔ وہ راستے سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پوچھا:

"کیا یہ فلاں آدمی نہیں ہے۔"

انھوں نے بتایا:

"جی ہاں! یہ وہی ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اسے بلاؤ۔"

بلانے پر جب وہ نزدیک آئے تو آپ نے ان سے پوچھا:

"تمھیں کیا ہوا تم راستے سے ہٹ کر چل رہے ہو۔"

انھوں نے جواب میں عرض کیا:

"مجھے یہ گرد و غبار اچھا نہیں لگتا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"ارے! اس غبار سے اپنے آپ کو نہ بچاؤ، کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ غبار تو جنت کی خوشبو ہے۔" (جاری ہے)

☆

باپ: (استاد سے) میں تو بچپن میں حساب میں بہت کمزور تھا، میرا بیٹا کیسا ہے۔

استاد: تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

☆

ایک شخص نے مکان کرایے پر لینا تھا۔ مالک مکان نے اس سے کہا:

"آپ کے پاس کوئی شور کرنے والی چیز تو نہیں، مثلاً ٹیپ، ٹی وی وغیرہ۔"

اس نے جواب دیا:

"میں تو شاعر ہوں، رات کی خاموشی میں میرے قلم کے کاغذ پر چلنے کی ہلکی ہلکی سی آواز آتی ہے۔"

مالک مکان نے کہا:

"بس تو پھر، وہ قلم چھوڑ کر آنا ہے تو آجاؤ۔" (مطیع الرحمٰن متین۔ لاہور)

☆

ایک پھل فروش ریڑھی پر آم بیچ رہا تھا۔ جبکہ آواز لگا رہا تھا۔

"آلو لے لو، آلو۔"

ایک آدمی نے حیرت سے ریڑھی کی طرف دیکھا، پھر آدمی کو مخاطب کر کے بولا: یہ تو آم ہیں۔ تم آلو کی صدا کیوں لگا رہے ہو۔

ریڑھی والا: خاموش ہو جاؤ، مکھیاں آ جائیں گی۔

☆

مشہور مزاح نگار کرنل محمد خان جہاں رہتے تھے، قریب ہی ان کے کوئی ہم نام بھی رہتے تھے۔ ایک دن کسی صاحب نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ جس پر ملازم نے دروازہ کھول کر پوچھا "فرمایئے۔" جواب میں ان صاحب نے دریافت کیا:

"کرنل صاحب گھر پر ہیں؟" ملازم بولا: "جی ہاں! میں انھیں اطلاع کرتا ہوں، آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔ جب کرنل صاحب آئے تو اس اجنبی سے بڑے تپاک سے ملے اور پوچھا: "فرمایئے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس پر اجنبی بولا:

"آپ کے بنگلے کے سامنے سے گزر رہا تھا، کرنل محمد خان لکھا دیکھا تو سوچا چائے پر دو گھڑی گپ شپ ہی ہو جائے۔" کرنل صاحب نے اس کی خاطر تواضع کی۔ جب وہ صاحب جانے لگے تو کرنل محمد خان کہنے لگے "صاحب! آپ اس گرمی کے موسم میں کرنل محمد خان کے پوتے مہمان ہیں جو میری چائے پی کر جا رہے ہیں۔ اپنے کرنل دوست کو جا کر مشورہ دیجیے گا یا تو وہ اپنا نام بدل لیں یا چائے کا بل دے دیا کریں۔"

(بنت مولانا سیف الرحمٰن۔ گوجرانوالہ)

واقعات صحابہ کے

133

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

روم کے علاقے میں ایک جماعت چلی جا رہی تھی۔ اس جماعت کے امیر حضرت مالک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایسے میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے خچر کو آگے سے پکڑے چلے جا رہے تھے، یعنی پیدل چل رہے تھے۔ ان سے حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے ابوعبداللہ! آپ سوار کیوں نہیں ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سواری عطا فرمائی ہے۔"

ان کی بات کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں نے اپنی سواری کو ٹھیک حالت میں رکھا ہوا ہے اور مجھے اپنی قوم سے سواری لینے کی ضرورت نہیں (یعنی میری سواری ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ ٹھیک نہ ہوتی تو میں اپنی قوم سے دوسری سواری لے سکتا تھا) لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس آدمی کے دونوں قدم اللہ تعالیٰ کے راستے میں غبار آلود ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ انھیں دوزخ کی آگ پر حرام کر دیں گے۔"

حضرت مالک رضی اللہ عنہ وہاں سے آگے چل دیے۔ جب اتنے فاصلے پر پہنچ گئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان کی آواز کو سن سکیں تو انھوں نے پکار کر کہا:

"اے ابوعبداللہ! آپ اپنی سواری پر سوار کیوں نہیں ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سواری عطا فرمائی ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ کا مقصد سمجھ گئے۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس بات کا جواب بلند آواز سے دیں، تاکہ جماعت کے سب لوگ سن سکیں۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا:

"میں نے اپنی سواری کو درست حالت میں رکھا ہوا ہے... یعنی میری سواری بیکار نہیں ہے... نہ اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ مجھے لے جا نہ سکے... ایسی کوئی بات ہوتی تو میں اپنی قوم سے اور سواری لے سکتا تھا، لیکن بات تو دراصل یہ ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیں گے۔"

یہ سنتے ہی تمام لوگ اپنی سواریوں سے اتر گئے۔

اس روایت کے راوی حضرت ابوالمصبح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی لوگوں کو اس دن سے زیادہ تعداد میں پیدل چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

○

ایک سفر میں کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ باقی لوگ روزے سے نہیں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ اس دن گرمی بہت تھی۔ جن کے پاس چادریں تھیں، انھوں نے اپنی چادروں سے سایہ کیا ہوا تھا، جن کے پاس چادریں نہیں تھیں، وہ اپنے ہاتھوں سے سایہ کر رہے تھے۔ پڑاؤ ڈالتے ہی روزے دار تو بے دم ہو کر گر گئے اور جن کا روزہ نہیں تھا، انھوں نے خیمے لگائے، جانوروں کو پانی پلایا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آج جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، وہ سارا ثواب لے گئے۔"

مطلب یہ تھا کہ جو روزے سے تھے، وہ کوئی کام نہ کر سکے، جب کہ دوسروں نے مشقت والے سب کام کیے، اس لیے ثواب وہ لے گئے۔ یہی دیکھ کر آپ نے یہ بات فرمائی تھی۔

○

کچھ صحابہ رضی اللہ عنھم ایک سفر سے واپس آئے تو ان حضرات نے اپنے ایک ساتھی کی بہت تعریف کی، کہنے لگے:

"ہم نے ان جیسا کوئی آدمی کبھی نہیں دیکھا، جب تک یہ چلتے رہتے تھے، قرآن پڑھتے رہتے تھے اور جب ہم کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تھے تو یہ اترتے ہی نماز شروع کر دیتے تھے۔" یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"ان کے کام کاج کون کرتا تھا؟"

آپ نے اور بھی بہت سی باتیں پوچھیں، یہ تک پوچھا کہ ان کی سواری کو چارہ کون ڈالتا تھا۔

ان صحابہ رضی اللہ عنھم نے بتایا: "ہم ان کے یہ سارے کام کرتے تھے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "تم سب اس سے بہتر ہو۔"

○

ایک صحابی کا نام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ان سے ان کے نام کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کس نے رکھا تھا۔ انھوں نے بتایا:

"میرا یہ نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔"

ان سے پوچھا گیا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا یہ نام کیوں رکھا تھا؟"

انھوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار سفر پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے۔ صحابہ کو اپنا سامان بھاری لگ رہا تھا۔ یہ بات محسوس کر کے آپ نے مجھ سے فرمایا: "اپنی چادر بچھاؤ۔"

میں نے چادر بچھا دی۔ آپ نے میری چادر پر صحابہ کا سامان رکھا اور اسے باندھ کر میرے اوپر رکھ دیا، پھر فرمایا: "تم اسے اٹھا لو، تم تو بس سفینہ یعنی کشتی ہی ہو۔"

یہ بتانے کے بعد حضرت سفینہ نے کہا: "اگر اس روز میرے اوپر پانچ یا چھ اونٹوں کا بھی بوجھ رکھ دیا جاتا تو وہ بھی مجھے بھاری نہ لگتا۔"

○

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ (جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی) کے دن حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ وہ زخموں سے نڈھال زمین پر پڑے تھے۔ ان کے نزدیک آنے پر حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اے عبداللہ! کیا روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہے؟"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جی ہاں، ہو گیا ہے۔"

انھوں نے فرمایا:

"لکڑی کی اس ڈھال میں پانی لے آؤ تاکہ میں اس سے روزہ کھول لوں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حوض پر چلے گئے۔ حوض پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے پاس چمڑے کی ایک ڈھال تھی۔ آپ نے اس ڈھال میں پانی لے کر لکڑی کی ڈھال میں ڈالا، پھر وہ پانی لے کر حضرت مخرمہ کے پاس آئے۔ آکر دیکھا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ (جاری ہے)

134

واقعات صحابہ سے

عبداللہ فارانی

حضرت مدرک بن عوف رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا قاصد ان کے پاس آیا (یعنی میدان جہاد سے آئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے بارے میں پوچھا۔ قاصد نے شہید ہو جانے والے مسلمانوں کے بارے میں آپ کو بتایا یعنی یوں کہا:

''فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں شہید ہو گئے۔''

پھر انھوں نے یہ بھی کہا:

''اور بہت سے ایسے لوگ بھی شہید ہو گئے جن کے میں نام نہیں جانتا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لیکن اللہ تعالیٰ تو انھیں جانتا ہے۔''

میدان جہاد سے آنے والے ایک شخص نے بتایا:

''حضرت عوف بن ابی حیہ احمسی نے تو اپنے آپ کو خرید ہی لیا۔ اے امیر المومنین! میرے اس ماموں (یعنی حضرت عوف) کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔''

ان کی بات کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ انھوں نے تو دنیا دے کر آخرت کے اعلیٰ درجات کو خرید لیا ہے۔''

حضرت عوف بن ابی حیہ رضی اللہ عنہ اس روز روزے سے تھے۔ اسی حالت میں زخمی ہوئے تھے۔ ابھی کچھ جان باقی تھی کہ انھیں میدان جنگ سے اٹھا کر لایا گیا۔ انھوں نے پانی پینے سے بھی انکار کر دیا تھا، روزے کی حالت میں جان دے دی۔

○

عسفان کے مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ مشرکین کا لشکر ہمارے سامنے آیا۔ اس وقت ان کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، یعنی یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی۔ مشرکوں نے آپس میں بات کی۔ کہنے لگے:

''مسلمان اس وقت ایسی حالت میں تھے کہ ہم ان پر حملہ کر سکتے تھے۔ ہم اس موقعے سے فائدہ اٹھا لیتے تو اچھا تھا۔''

کسی نے کہا:

''اب ان کی ایسی نماز کا وقت آنے والا ہے جو انھیں اپنی اولاد اور اپنی جان سے زیادہ محبوب ہے، یعنی عصر کی نماز کے وقت ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔''

ادھر ان کافروں نے یہ منصوبہ بنایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمادیں جن میں نماز خوف کا ذکر ہے۔

○

حضور نبی کریم ﷺ غزوہ ذات الرقاع کے لیے نکلے۔ مسلمان ابھی نخل کے مقام پر تھے کہ ایک مسلمان نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا۔ اس وقت اس عورت کا خاوند وہاں نہیں تھا۔ مسلمان آگے چلے گئے۔ اب وہ مشرک آیا۔ اسے اپنی بیوی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو اس نے قسم کھائی:

''جب تک میں محمد کے صحابہ کا خون نہیں بہاؤں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، یعنی تعاقب کرنے لگا اور موقعے کی تلاش میں تھا۔

حضور ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ آپ نے پوچھا:

''آج رات ہمارا پہرہ کون دے گا؟''

ایک مہاجر اور ایک انصاری نے اپنے آپ کو پہرے کے لیے پیش کیا۔ انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم پہرہ دیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''تم دونوں اس وادی کی گھاٹی کے سرے پر چلے جاؤ۔''

یہ دونوں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں گھاٹی کے سرے پر آگئے تو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ (انصاری) نے کہا:

''ہم دونوں باری باری پہرہ دیں گے۔ ایک پہرہ دے اور دوسرا سو جائے۔ اب آپ بتائیں۔ میں کب پہرہ دوں، شروع رات میں یا آخر رات میں؟''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''آپ شروع رات میں پہرہ دیں۔''

اب حضرت عمار بن یاسر تو سو گئے اور حضرت عباد بن بشر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ وہ شخص بھی آس پاس ہی چھپا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک مسلمان نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے موقع اچھا جان کر ان میں تیر چڑھایا اور ان

قدم بہ قدم

پر کھینچ مارا۔ تیر حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو لگا۔ انھوں نے تیر کھینچ کر پھینک دیا اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ جب اس کافر نے دیکھا کہ تیر کھا کر بھی وہ نہیں گرے تو دوسرا تیر مارا۔ وہ تیر بھی انھیں لگا۔ انھوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز بھی جاری رکھی۔ اس شخص نے تیسرا تیر مارا۔ وہ بھی انھیں لگا۔ انھوں نے اس تیر کو بھی نکال کر پھینک دیا۔ پھر رکوع اور سجدے کر کے نماز پوری کی۔ اب انھوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جگایا اور ان سے کہا:

''آپ اٹھ جائیں، میں تو زخمی ہو گیا ہوں۔''

اس پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر دشمن نے جب دیکھا کہ وہاں اب ایک کی بجائے دو ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباد کے جسم سے جگہ جگہ خون نکلتے دیکھا تو فرمایا:

''سبحان اللہ! جب اس نے آپ کو پہلا تیر مارا تو آپ نے مجھے اسی وقت کیوں نہ اٹھایا؟''

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، میرا جی نہ چاہا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے چھوڑ دوں، لیکن جب اس نے لگاتار تیر مارنے شروع کیے تو اس وقت میں نے نماز ختم کر کے آپ کو جگایا اور اللہ کی قسم جس جگہ کے پہرے کا حضور ﷺ نے مجھے حکم فرمایا تھا، اگر اس جگہ کے پہرے کے رہ جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں جان دے دیتا اور سورۃ کو درمیان میں نہ چھوڑتا۔''

یعنی سورۃ انھوں نے اس لیے درمیان سے چھوڑ دی کہ ان کے شہید ہونے کی صورت میں پہرے پر کوئی نہ رہ جاتا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تو سوئے ہوئے تھے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ کہف شروع کی ہوئی تھی۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ

قدم بہ قدم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب خیبر کے قریب پہنچ گئے اور خیبر ان حضرات کو نظر آنے لگا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ٹھہر جاؤ۔"

سب لوگ ٹھہر گئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! جو رب ہے ساتوں آسمانوں کا اور تمام چیزوں کا جن پر ساتوں آسمان سایہ کیے ہوئے ہیں، جو رب ہے ساتوں زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا جن کو ساتوں زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے، جو رب ہے تمام شیاطین کا اور لوگوں کا جنھیں شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو رب ہے ہواؤں کا اور ان تمام چیزوں کا جن کو ہواؤں نے اڑایا ہے، ہم تجھ سے اس بستی کی اور اس بستی والوں کی اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کی خیر مانگتے ہیں اور تجھ سے اس بستی کے اور بستی والوں کے اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ (اور پھر فرمایا) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر آگے بڑھو۔"

آپ ﷺ ہر بستی میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

○

غزوہ بدر کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا تو وہ تین سو سے کچھ زیادہ تھے اور جب مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ہزار سے زیادہ تھے۔ تب آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور ایک لنگی باندھی ہوئی تھی۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی:

"آپ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر ان کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

حضور ﷺ مسلسل اپنے رب سے مدد مانگتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی چادر (زمین پر) گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر آپ کے اوپر ڈال دی۔ پھر آپ پیچھے سے حضور ﷺ سے چمٹ گئے اور آپ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ نے جو اپنے رب سے زور و شور سے مانگا ہے، اتنا مانگنا کافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ فرمایا ہے، وہ اسے ضرور پورا فرمائیں گے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"جب تم فریاد کرنے لگے اپنے رب سے، تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں تمہاری مدد کے لیے ہزار فرشتے لگاتار آنے والے بھیجوں گا۔"

○

غزوہ بدر کے موقعے پر حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کو لے کر نکلے۔ جب آپ بدر کے مقام پر پہنچے تو آپ نے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! یہ لوگ بغیر جوتیوں کے ننگے پاؤں اور پیدل چل رہے ہیں، انھیں سواری عطا فرما۔ اے اللہ! یہ ننگے بدن ہیں، تو انھیں کپڑے عطا فرما۔ اے اللہ! یہ لوگ بھوکے ہیں، تو انھیں پیٹ بھر کھانا عطا فرما۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فتح نصیب فرمائی اور جب یہ لوگ جنگ سے واپس لوٹے تو ہر ایک کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے۔ انھوں نے کپڑے بھی پہن رکھے تھے اور پیٹ بھر کر کھانا بھی کھایا تھا۔

○

غزوہ بدر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ میں مصروف تھے۔ آپ کچھ دیر تک جنگ کرنے کے بعد حضور ﷺ کو دیکھنے کے لیے کہ آپ کس حال میں ہیں۔ جب آپ حضور نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا آپ سجدے میں سر رکھے فرما رہے تھے:

"یا حی یا قیوم۔"

ان کلمات کے علاوہ آپ اور کچھ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت علی پھر واپس میدان جنگ کی طرف لوٹ گئے اور جنگ کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد آپ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے آئے۔ آپ اسی طرح سجدے میں سر رکھے یہی الفاظ فرما رہے تھے۔ آپ پھر لڑنے چلے گئے۔ تیسری مرتبہ آپ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت بھی اسی طرح سجدے میں سر رکھے ہوئے وہی الفاظ دہرا رہے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح فرما دی۔

○

ایک شخص ایک اونٹنی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اونٹنی کو نکیل ڈلی ہوئی تھی۔ اس نے آکر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں یہ اونٹنی اللہ کے راستے میں دیتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

"تمھیں قیامت کے دن اس کے بدلے میں ایسی سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔"

○

حضرت عبداللہ بن صامت رحمہ اللہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انھیں سالانہ وظیفہ ملا۔ ان کے ساتھ ایک باندی بھی تھی۔ وہ ان کی ضرورتیں پوری کرنے لگی اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس وظیفے میں سے خرچ کرنے لگی، یہاں تک کہ اس کے پاس سات سو درہم بچ گئے۔ آپ نے باندی سے فرمایا:

"ان کو بھی خرچ کر دو۔"

باندی نے عرض کیا:

"ان سات سو درہموں کو آپ آئندہ ضروریات کے لیے رکھ لیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے خلیل یعنی حضور ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ جو سونا یا چاندی کی تھیلی وغیرہ میں باندھ کر رکھ لیا جائے تو وہ اپنے مالک کے لیے انگارہ ہوگا۔ جب تک کہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کر دے۔"

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

"جو سونے یا چاندی کو باندھ کر رکھے اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرے تو قیامت کے دن یہ سونا چاندی آگ کا انگارہ بن جائے گا، جس سے اسے داغا جائے گا۔" (طبرانی) (جاری ہے)

عبداللہ فاروقی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

قیس بن سلع انصاری کے بھائیوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی شکایت کی اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ اپنا مال فضول خرچ کرتے ہیں اور ان کا ہاتھ بہت کھلا ہے۔"

حضرت قیس بن سلع نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں کھجوروں میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اسے اللہ کے راستے میں اور اپنے بھائیوں پر خرچ کرتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور تین بار فرمایا:

"تم خرچ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر خرچ کریں گے۔"

حضرت قیس فرماتے ہیں:

"اس کے بعد جب میں اللہ کے راستے میں نکلا تو میرے پاس سواری کا اونٹ بھی تھا اور آج میں اپنے خاندان میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔"

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بھائیوں سے بھی زیادہ مال عطا فرما دیا تھا۔

○

ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! ایک آدمی جہاد میں اس نیت سے جاتا ہے کہ اسے دنیا کا سامان مل جائے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اسے کچھ اجر نہیں ملے گا۔"

لوگوں نے اس بات کو بڑا سمجھا۔ اس شخص نے کہا:

"تم حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ جا کر پوچھو، شاید تم اپنی بات حضور کو سمجھا نہیں سکے۔"

وہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ایک آدمی اس نیت سے جہاد میں جاتا ہے کہ وہ دنیا کا کچھ سامان حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا: "اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔"

لوگوں نے اس بات کو بڑا سمجھا اور اس سے کہا:

"جاؤ... پھر حضور سے پوچھو۔"

وہ تیسری بار خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ میں اس نیت سے جانا چاہتا ہے کہ اسے دنیا کا کچھ سامان مل جائے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔"

ایک اور حدیث میں یوں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتے ہیں جو خالص ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا گیا ہو۔"

○

صحابہ کرام کے ساتھ ایک شخص قزمان نامی رہتا تھا، لیکن اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا... جب بھی اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے کیا جاتا، آپ فرماتے:

"وہ تو اہل دوزخ میں سے ہے۔"

جنگ احد کے دن اس نے خوب زور و شور سے لڑائی کی۔ اس اکیلے ہی نے سات آٹھ مشرکوں کو قتل کر ڈالا۔ وہ بڑا جنگ جو اور بہادر تھا۔ آخر زخموں سے نڈھال ہو گیا۔ اسے میدان جنگ سے اٹھا کر بنو ظفر کے محلے میں لایا گیا۔ اب بہت سے مسلمان اس سے کہنے لگے: "قزمان! آج تو تم بہت بہادری سے لڑے ہو، تمہیں خوش خبری ہے۔"

اس نے ان حضرات سے کہا:

"تم مجھے کس چیز کی خوش خبری دے رہے ہو، میں نے تو صرف اپنی قوم کی ناموری کے لیے یہ لڑائی لڑی ہے، اگر میرا یہ مقصد نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا۔"

اس کے بعد جب اس کے زخموں کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو اس نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اس سے خودکشی کر لی۔

○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے پوچھا کرتے تھے:

"مجھے ایسا آدمی بتاؤ جو جنت میں تو جائے گا، لیکن اس نے کوئی نماز نہیں پڑھی ہوگی۔"

لوگ جب جواب دیتے کہ نہیں معلوم تو آپ فرماتے

64/13

"وہ قبیلہ عبدالاشہل کے اصیرم ہیں، ان کا نام عمرو بن ثابت ہے ... حضرت اصیرم کے بارے میں یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

ان کی قوم انہیں اسلام کی دعوت دیا کرتی تھی، لیکن وہ ہمیشہ انکار کر دیا کرتے تھے۔ غزوہ احد کے دن ان کے دل میں اسلام لانے کا خیال پیدا ہوا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اپنی تلوار لی اور میدان جہاد کی طرف چل پڑے۔ میدان جہاد کے ایک کنارے پر پہنچ کر انہوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ جنگ کے بعد قبیلہ بنو عبدالاشہل کے لوگ میدان جہاد میں شہید ہونے والے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگے تو ان کی نظر حضرت اصیرم پر پڑی تو وہ کہنے لگے:

"اللہ کی قسم! یہ تو اصیرم ہیں۔ یہ یہاں کیسے آ گئے... ہم تو انہیں مدینہ منورہ میں چھوڑ آئے تھے۔ یہ تو ہمیشہ اسلام لانے سے انکار کیا کرتے تھے۔"

اب انہوں نے حضرت اصیرم سے پوچھا:

"اے عمرو! آپ یہاں کیسے آ گئے... اپنی قوم کی ہمدردی میں یا اسلام کے شوق میں۔"

انہوں نے کہا:

"اسلام کے شوق میں... میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر میں نے اپنی تلوار ہاتھ میں لے لی اور میدان جنگ میں آ کر لڑائی شروع کر دی، یہاں تک کہ اتنا زخمی ہو گیا۔"

اتنا کہنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ان حضرات کے ہاتھوں میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان لوگوں نے جا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری بات بتائی۔ آپ نے سن کر فرمایا:

"وہ جنت والوں میں سے ہیں۔"

اس طرح انہوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت کے حق دار ہو گئے... کیونکہ مسلمان ہوتے ہی میدان جنگ میں چلے گئے اور ظہر کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا کہ شہید ہو گئے۔

○

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں کالے رنگ کا آدمی ہوں، میرا چہرہ بد صورت ہے اور میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔ اگر میں ان کفار سے لڑوں اور لڑتے ہوئے مارا جاؤں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں!"

یہ سن کر آگے بڑھے۔ انہوں نے کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ ان کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"اب تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا چہرہ خوب صورت بنا دیا ہے اور تمہیں خوشبودار بنا دیا ہے اور تمہارا مال زیادہ کر دیا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"میں نے حور العین میں سے ان کی دو بیویاں دیکھی ہیں جو ان کے جسم اور جبے کے درمیان داخل ہونے کے لیے جھگڑ رہی ہیں۔"

(جاری)

واقعات صحابہ کے

138

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ایک دیہاتی آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ پر ایمان لے آیا۔ اس نے آپ کی پوری طرح پیروی کی، یہاں تک کہ اس نے کہا:

''میں بھی ہجرت کرکے آپ کے ساتھ رہوں گا۔''

جب غزوہ خیبر میں حضور ﷺ کو مال غنیمت ملا تو آپ نے وہ صحابہ رضی اللہ عنھم میں تقسیم فرما دیا۔ آپ نے اس مال غنیمت میں سے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا۔ وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانور چرانے گیا ہوا تھا۔ وہ واپس آیا تو ساتھیوں نے اسے اس کا حصہ دیا۔ اس نے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

ساتھیوں نے بتایا:

''یہ آپ کا حصہ ہے، حضور ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا، اس میں سے یہ حصہ آپ کو ملا ہے۔''

اس نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

''میں نے اس مال کے لیے آپ کی پیروی نہیں کی ہے۔ میں نے تو آپ کی پیروی اس لیے کی ہے کہ مجھے یہاں (گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تیر لگے اور میں شہید ہو جاؤں اور جنت میں چلا جاؤں۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تمہاری نیت سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیں گے۔''

اس کے بعد صحابہ کرام دشمن سے لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ صاحب بھی لڑائی میں شریک ہوئے اور زخمی ہو گئے۔ انھیں اٹھا کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ جہاں اس نے اشارہ کر کے بتایا تھا، تیر اسے وہیں لگا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''یہ وہی ہے؟''

صحابہ نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی نیت سچی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے انھیں اپنے جبے میں کفن دیا، پھر ان کا جنازہ پڑھایا۔ نماز جنازہ میں اس کے لیے دعا فرماتے رہے۔ آپ نے یہ الفاظ بلند آواز میں فرمائے:

''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے۔ تیرے راستے میں ہجرت کر کے نکلا تھا اور اب یہ شہید ہوا ہے اور میں اس بات کا گواہ ہوں۔''

○

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا:

''کپڑے پہن کر اور ہتھیار لگا کر میرے پاس آ جاؤ۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تیار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''میں تمھیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں سلامت بھی رکھیں گے اور تمھیں مال غنیمت بھی دیں گے اور میں بھی اس میں سے تمھیں عمدہ مال دوں گا۔''

اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں مال کی وجہ سے تو اسلام نہیں لایا، بلکہ مسلمان بننے کے شوق میں میں نے اسلام قبول کیا۔''

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''اے عمرو! بھلے آدمی کے لیے عمدہ مال بہترین چیز ہے۔''

یعنی اس مال کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

○

13 ہجری میں کوفہ میں جسر ابی عبید کے مقام پر کچھ لوگ بچ گئے تھے، انھیں شہید کر دیا گیا، البتہ ان میں سے دو یا تین آدمی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ میں آ گئے تھے۔ ایک روز یہ تینوں حضرات ان شہید ہونے والوں کا ذکر کر رہے تھے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے۔ آپ نے ان کی بات چیت تھوڑی سی سن لی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''مجھے تم بتاؤ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔''

انھوں نے کہا: ''ہم ان لوگوں کے بارے میں استغفار کر رہے تھے۔ ان کے لیے دعا کر رہے تھے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یا تو تم وہ بتاؤ جو تم نے ان تینوں کے بارے میں کہا تھا ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا۔''

انھوں نے کہا: ''ہم نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ لوگ شہید ہیں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا اور جس کے حکم کے بغیر قیامت قائم نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نبی کے علاوہ اور کسی بھی مرنے والے کو اللہ کے ہاں کیا ملا ہے، اسے کوئی زندہ انسان نہیں جانتا، البتہ اللہ کے نبی کے بارے میں یقیناً معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا اور جس کے حکم کے بغیر قیامت قائم

نہیں ہوگی۔ کوئی آدمی ریا اور شہرت کی وجہ سے لڑتا ہے، کوئی غیرت کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی دنیا حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے، کوئی آدمی مال لینے کے لیے، ان تمام لڑنے والوں کو اللہ کے ہاں وہی ملے گا جو ان کے دلوں میں ہے۔"

○

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا:

"تمام لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور میرے مخالف لوگ مجھے صلح کی دعوت دے رہے ہیں۔"

یہ پیغام سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب بھیجا:

"اگر تم اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے نکلے تھے تو پھر تمہیں اسی حق بات پر جان دے دینی چاہیے اور اگر تم دنیا لینے کے لیے نکلے تھے تو پھر نہ تمہارے زندہ رہنے میں خیر ہے اور نہ مرنے میں۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی حجاج بن یوسف کی فوج سے جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھی ایک ایک کرکے ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور ان کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے اپنی والدہ سے یہ بات پوچھی تھی اور والدہ کا پیغام ملنے کے بعد جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ اس لشکر نے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا۔ ایک آدمی نے اپنی سواری کی زین کسی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا: "میں چارہ لانا چاہتا ہوں۔"

اس کا جواب سن کر حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب تک ہم اپنے امیر سے پوچھ نہ لیں، تم کہیں نہ جاؤ۔"

اب یہ حضرات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ غالباً وہ اس لشکر کے کسی حصے کے امیر تھے۔ ان حضرات نے ان سے ذکر کیا کہ یہ صاحب جنگل سے گھاس لانے کے لیے جانا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"شاید تم اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتے ہو۔"

ان صاحب نے کہا: "جی نہیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"دیکھو! تم کیا کہہ رہے ہو؟"

اس نے پھر کہا: "نہیں! میں گھر نہیں جانا چاہتا۔"

تب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اچھا تم جاؤ اور ہدایت والے راستے پر چلو۔"

وہ صاحب چلے گئے اور کافی رات گزرنے پر واپس آئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"شاید تم اپنے گھر والوں کے پاس گئے تھے۔"

انھوں نے جواب دیا: "جی نہیں۔"

آپ نے فرمایا: "دیکھو! تم کیا کہہ رہے ہو؟"

انھوں نے اقرار کیا: "ہاں! میں گیا تھا۔"

اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم آگ پر چل کر اپنے گھر گئے اور وہاں (جتنی دیر بیٹھے رہے) آگ میں بیٹھے رہے اور آگ میں چل کر واپس آئے، لہٰذا اب تم نئے سرے سے عمل کرو، تاکہ تمہارے اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔"

○

غزوہ حنین کے دن سب لوگ حضور ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے انھیں دوپہر ہوگئی۔ چنانچہ ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ ایسے میں ایک سوار نے حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں آپ لوگوں کے آگے چل رہا تھا، یہاں تک کہ میں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا۔ میں نے ادھر دیکھا (یعنی پہاڑ کے دوسری طرف دیکھا) کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ اپنی عورتوں، اونٹوں، اپنے جانوروں اور بکریوں سمیت سب کے سب حنین میں جمع ہو چکے ہیں۔" (یعنی جن سے جنگ ہونی تھی، وہ سب اس طرف جمع ہو چکے ہیں)

حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: "ان شاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کا مال غنیمت بن جائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"آج رات پہرہ کون دے گا؟"

حضرت انس بن مرثد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے اللہ کے رسول! میں پہرہ دوں گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "اچھا سوار ہو جاؤ۔"

وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا:

"سامنے اس گھاٹی کی طرف چلے جاؤ اور اس گھاٹی کی طرف سے اونچی جگہ پر پہنچ جاؤ۔"

(یعنی وہاں پہنچ کر پہرہ دینا اور خوب ہوشیار رہنا، کہیں دشمن آج رات تمہیں دھوکا دے کر تمہاری طرف سے نہ آ جائے)۔ جب صبح ہوئی تو حضور اپنی جگہ پر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"کیا تمہیں اپنے سوار کا کچھ پتا چلا؟" (یعنی حضرت انس بن مرثد کا جو پہرہ دینے کے لیے گئے ہیں، ان کا کچھ پتا ہے) صحابہ کرام نے عرض کیا:

"ہمیں تو ان کا کچھ پتا نہیں۔"

اس کے بعد نماز کے لیے تکبیر ہوئی۔ حضور ﷺ نے نماز پوری فرما کر سلام پھیرا تو فرمایا:

"تمہیں خوش خبری ہو، تمہارا سوار آ گیا ہے۔"

سب لوگوں نے گھاٹی کی طرف درختوں کے درمیان دیکھنا شروع کیا تو وہ سوار آرہا تھا۔ انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں کل یہاں سے چلا اور چلتے چلتے اس گھاٹی کی سب سے اونچی جگہ پر پہنچ گیا جہاں جانے کا مجھے آپ نے حکم دیا تھا (میں رات بھر وہاں پہرہ دیتا رہا) صبح کے وقت میں نے دونوں گھاٹیوں کی طرف جھانک کر غور سے دیکھا، مجھے کوئی نظر نہ آیا۔"

قدم بہ قدم

حضور ﷺ نے اس سے پوچھا:

"کیا تم رات میں کسی وقت اپنی سواری سے اترے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"جی نہیں! صرف نماز پڑھنے اور قضائے حاجت کے لیے اترا تھا۔"

یہ سن کر آپ نے ان سے فرمایا:

"تم نے (آج رات پہرہ دے کر) اللہ کے فضل سے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے، پھر اس عمل کے بعد اگر تم کوئی بھی نفلی عبادت نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔" (یعنی اس پہرے سے تمہیں اس قدر ثواب ملا ہے)

○

حضور نبی کریم ﷺ کو ایک شخص کے انتقال کی خبر دی گئی۔ آپ نے پوچھا:

"کیا تم میں سے کسی نے اسے خیر کا کوئی عمل کرتے دیکھا ہے؟"

ایک صحابی نے عرض کیا:

"جی ہاں! ایک رات میں نے اللہ کے راستے میں اس کے ساتھ پہرہ دیا تھا۔"

اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب اسے قبر میں رکھ دیا گیا تو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس پر مٹی ڈالی۔ پھر فرمایا:

"تمہارے ساتھی تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم دوزخ والوں میں سے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جنت والوں میں سے ہو۔" پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم لوگوں کے برے اعمال کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ تم فطرت (والے اسلامی اعمال) کے بارے میں پوچھا کرو۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ کے

قدم بہ قدم

حضرت انس بن نضر ؓ بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ نے مشرکین سے جو سب سے پہلی لڑائی لڑی، میں اس میں شریک نہیں ہو سکا۔ اب آئندہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف لڑائی میں شریک ہونے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

چنانچہ یہ غزوہ احد کے دن لڑائی میں شریک ہوئے اور اس روز جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو انھوں نے کہا:

"اے اللہ! مسلمانوں نے جو کچھ کیا، میں تجھ سے اس کی معذرت چاہتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ ؓ آ گئے۔ ان سے کہنے لگے:

"اے سعد بن معاذ! اللہ کی قسم! احد پہاڑ کے پیچھے سے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔"

بعد میں حضرت سعد بن معاذ نے حضور ﷺ کو بتایا:

"اے اللہ کے رسول! حضرت انس ؓ نے جو کچھ کر دکھایا (یعنی وہ جس بہادری سے لڑے) وہ میں نہ کر سکا۔"

حضرت انس بن نضر ؓ کو لڑائی کے بعد جب دیکھا گیا تو ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے۔ وہ شہید ہو چکے تھے، مشرکوں نے ان کے ناک کان وغیرہ بھی کاٹ دیے تھے۔ اس وجہ سے کوئی انھیں پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے انھیں ان کے ہاتھ سے پہچانا۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں، ہمارا خیال ہے، یہ آیت ان جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

"ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے۔"

○

حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ ؓ کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ ساتھ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر امیر ہوں گے اور اگر حضرت جعفر شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ امیر ہوں گے۔"

اس لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی گئے تھے۔ لڑائی کے بعد انھوں نے دوسرے صحابہ کے ساتھ حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب کو تلاش کرنا شروع کیا۔ وہ شہید پائے گئے۔ ان کے جسم پر تلوار اور تیر کے نوے زخم تھے۔ ان میں سے ایک زخم بھی ان کی کمر پر نہیں تھا، گویا سب کے سب زخم سامنے کی طرف آئے تھے۔

○

غزوہ طائف کے دن حضرت سعید بن عبید ثقفی نے حضرت ابو سفیان بن حرب ؓ کو ابو یعلیٰ کے باغ میں دیکھا کہ بیٹھے کچھ کھا رہے ہیں۔ انھوں نے انھیں تیر مارا جو ان کی آنکھ پر لگا۔ وہ اٹھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

"اے اللہ کے رسول! یہ میری آنکھ ہے جو اللہ کے راستے میں ضائع ہوگئی ہے۔"

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو میں اللہ سے دعا کردوں کہ تمہاری آنکھ تمھیں واپس مل جائے اور اگر تم چاہو تو صبر کرلو تاکہ تمھیں جنت مل جائے۔"

اس پر حضرت ابو سفیان ؓ نے عرض کیا:

"مجھے تو جنت چاہیے (آنکھ نہیں چاہیے)۔"

○

حضرت براء ؓ نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کے دن اپنے آپ کو باغ والوں پر گرا دیا۔

ہوا یہ تھا کہ اسلامی لشکر کی مسیلمہ کذاب کے لشکر سے بہت شدید جنگ ہوئی۔ آخر مسیلمہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا قلعہ نما باغ تھا۔ مسیلمہ اور اس کی فوج اس باغ میں داخل ہوگئی اور باغ کا دروازہ بند کر لیا۔ جب مسلمانوں کا لشکر باغ کے سامنے پہنچا تو دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے۔ اس وقت حضرت براء بن عازب ؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ انھیں اٹھا کر اچھالیں اور باغ میں گرا دیں۔ میں ان شاء اللہ اندر سے دروازہ کھول دوں گا۔ اب اس میں ان کی شہادت صاف نظر آ رہی تھی۔ اس لیے مسلمان ہچکچائے، لیکن جب انھوں نے اصرار کیا تو انھیں جھولا دے کر اچھال دیا۔ حضرت براء باغ کی فصیل سے ہوتے ہوئے عین دروازے کے پاس کافروں پر گرے اور اٹھتے ہی انھوں نے جنگ شروع کر دی اور اس زور سے جنگ لڑی کہ کافر بوکھلا اٹھے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے دروازے تک پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ اس طرح مسلمان اندر داخل ہو سکے اور مسیلمہ کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ مسیلمہ بھی اس جنگ میں حضرت وحشی ؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ لڑائی کے بعد جب حضرت براء کو دیکھا گیا تو بری طرح زخمی تھے۔ ان کے جسم پر تیر اور تلوار کے اسی سے زیادہ زخم آئے تھے۔ انھیں اٹھا کر علاج کے لیے ان کی قیام گاہ پر لایا گیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ جو اس لشکر کے سپہ سالار تھے، ان کی تیمارداری کے لیے آئے اور ان کے علاج کے سلسلے میں وہاں ٹھہرے رہے۔

○

حضرت انس بن مالک ؓ اور ان کے بھائی براء بن مالک ؓ عراق میں حریق کے مقام پر دشمن کے ایک قلعے کے پاس تھے۔ دشمن گرم زنجیروں کے آنکڑے باندھ کر اوپر سے مسلمانوں پر پھینک رہے تھے۔ جو مسلمان کسی آنکڑے میں پھنس جاتا، وہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتے، چنانچہ انھوں نے حضرت انس کے ساتھ بھی ایسے ہی کیا۔ انھیں آنکڑے میں پھنسا لیا۔ اس پر حضرت براء ؓ آگے بڑھے اور پیچھے ہی انھیں موقع ملا، انھوں نے ہاتھ سے اس زنجیر کو پکڑ لیا اور جب تک اس آنکڑے کو تلوار سے کاٹ نہ دیا، اس وقت تک گرم زنجیر کو پکڑے رکھا، اس طرح اپنے بھائی کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد جب انھوں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو ہاتھوں کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ گوشت جل کر ختم ہو چکا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت انس بن مالک ؓ کو بچا لیا۔

(جاری ہے)

651-A

141

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہؓ

قدم بہ قدم

ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنے بیان میں لوگوں سے فرمایا:

''جنت عدن میں ایک محل ہے۔ اس کے پانچ سو دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر پانچ ہزار ہرن جیسی آنکھوں والی حوریں ہیں۔ اس میں (صرف تین قسم کے آدمی داخل ہوں گے ایک تو) نبی داخل ہوگا۔''

پھر آپ نے حضورﷺ کی قبر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے قبر والے! آپ کو مبارک ہو۔''

پھر فرمایا: ''صدیق داخل ہوگا۔''

یہ فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''اے ابوبکر! آپ کو مبارک ہو۔''

پھر فرمایا: ''شہید داخل ہوگا۔''

پھر اپنی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے عمر تمھیں شہادت کا درجہ مل سکتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''جس اللہ نے مجھے مکے سے نکال کر مدینہ منورہ کی ہجرت کی سعادت نصیب فرمائی، وہ اس بات پر قادر ہے کہ شہادت کو کھینچ کر میرے پاس لے آئے۔''

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بعد میں فرمایا:

''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بدترین انسان کے ہاتھوں آپ کو شہادت نصیب فرمائی، جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا۔''

○

جنگ احد کے دن حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا:

''آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں مانگتے۔''

اس پر دونوں حضرات ایک کونے میں چلے گئے۔ پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دعا مانگی۔

''اے میرے رب! کل جب میں دشمن سے ملنے کے لیے جاؤں تو میرے مقابلے میں ایسے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ کرنے والا اور بہت غصے والا ہو۔ میں اس پر زوردار حملہ کروں اور وہ مجھ پر سخت حملہ کرے۔ پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما، یہاں تک کہ میں اسے قتل کر کے اس کا مال غنیمت لے لوں۔''

حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ان کی دعا پر آمین کہی۔ پھر خود انھوں نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ کل میدان جنگ میں ایک بہادر سے میرا مقابلہ ہو جو بہت غصے والا اور سخت حملے والا ہو۔ میں اس پر تیری وجہ سے حملہ کروں اور وہ مجھ پر زوردار حملہ کرے اور مجھے قتل کر دے۔ پھر وہ میرے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ پھر کل جب تیرے حضور میں میری پیشی ہو تو تو کہے کہ تیرے ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں کہوں، تیرے اور تیرے رسول کی وجہ سے۔ پھر تو کہے کہ ہاں تم نے ٹھیک کہا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی دعا پر آمین کہی، چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقابلہ جس کافر سے ہوا، انھوں نے اسے قتل کر دیا اور حضرت عبداللہ بن جحش کا جس کافر سے مقابلہ ہوا، وہ اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور اس کافر نے ان کے ناک کان کاٹ دیے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو بتایا: ''اے میرے بیٹے! حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، چنانچہ میں نے دن کے آخری حصے میں یعنی شام کے وقت دیکھا کہ ان کے ناک کان کٹے ہوئے تھے۔

○

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا مشرکین کی ایک جماعت کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ اس روز مشرکوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ جسمانی نقصان پہنچایا۔ اس وقت مسلمانوں نے ان سے کہا:

''اے براء! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ آپ کی قسم کو ضرور پورا کر دیں گے۔ آج مسلمانوں کو شکست سے بچانے اور فتح دلوانے کے لیے آپ اپنے رب کی قسم کھالیں۔''

اس پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو دشمن کے کندھے ہمارے ہاتھوں میں دے دے۔''

چنانچہ اس دن مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد پھر سوس کے پل پر مسلمانوں کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا، مشرکوں نے اس روز بھی مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس پر مسلمانوں نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ سے دعا کے لیے کہا۔ انہوں نے دعا کی:

''اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ دشمن کے کندھے ہمارے ہاتھوں میں دے اور مجھے اپنے نبی کریم ﷺ سے ملادے۔''

چنانچہ مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلے میں فتح ہوئی اور حضرت براء رضی اللہ عنہ خود شہید ہو گئے۔

○

حضور نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی کا نام حُمَمہ تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اصفہان کے جہاد میں شریک ہوئے۔ انھوں نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! حُمَمہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تیری ملاقات کو یعنی مرنے کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔ اے اللہ! اگر وہ (اپنے اس دعوے میں) سچا ہے تو تو اس کی سچائی کی وجہ سے اسے قوت و ہمت عطا فرما (کہ وہ خوشی خوشی تیرے راستے میں شہادت کو گلے لگا لے) اور اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو چاہے، وہ اسے پسند نہ کرے، لیکن تو اسے اپنے راستے میں موت دے دے۔''

حضرت حُمَمہ اس روز شہید ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''بے شک یہ شہید ہیں۔''

○

حضور نبی کریم ﷺ کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ دونوں نے حضور ﷺ کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا، چنانچہ حضور ﷺ کے سامنے اس کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''دونوں میں سے ایک جائے۔''

اب دونوں میں سے کوئی بھی رکنے پر راضی نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا:

''قرعہ ڈال لو۔''

اس پر حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اب ہم دونوں میں سے ایک کا یہاں رہنا تو ضروری ہو گیا ہے، لہٰذا تم اپنی عورتوں کے پاس ٹھہر جاؤ۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر جنت کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی تو میں آپ کو اپنے سے آگے رکھتا۔ میں اس سفر میں شہادت کی امید لگائے بیٹھا ہوں۔''

آخر قرعہ اندازی کی گئی۔ اس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام نکل آیا۔ یہ حضور ﷺ کے ساتھ بدر گئے اور عمرو بن عبدود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ سے

142

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت عمر ؓ نے ہرمزان سے مشورہ کیا کہ جہاد کہاں سے شروع کروں فارس سے، آذربائی جان سے یا اصفہان سے۔

ہرمزان ایرانی لشکر کا سپہ سالار تھا، مسلمانوں سے شکست کھا کر حضرت عمر کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔

ہرمزان نے کہا: ''آذربائی جان اور فارس تو دو پر ہیں اور اصفہان سر ہے۔ اگر آپ ایک پر کاٹ دیں تو دوسرا پر کام دیتا رہے گا... لیکن اگر آپ سر کاٹ دیں گے تو دونوں پر بیکار ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ اصفہان سے شروع کریں۔''

اس کے بعد حضرت عمر ؓ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت نعمان بن مقرن نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ جا کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ جب انہوں نے نماز پوری کر لی تو آپ نے ان سے فرمایا:

''میں تمہیں اپنا عامل بنانا چاہتا ہوں۔''

حضرت نعمان بن مقرن ؓ نے فرمایا:

''مال جمع کرنے والا عامل تو میں بننا نہیں چاہتا، البتہ جان دینے والا عامل بننے کے لیے تیار ہوں۔''

یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''میں تمہیں جان دینے والا عامل بنانا چاہتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے انہیں اصفہان کا امیر لشکر بنا کر بھیج دیا۔ یہ اصفہان پہنچ گئے۔ میدان جنگ میں آپ نے یہ دعا کی:

''اے اللہ! آج نعمان کو شہادت کی موت عطا فرما اور مسلمانوں کی مدد فرما اور انہیں فتح نصیب فرما۔''

اس کے بعد آپ نے اپنا جھنڈا ہلایا، تھوڑی دیر بعد دوسری مرتبہ ہلایا... پھر تیسری مرتبہ ہلایا۔ اس کے بعد زرہ پہنی... پھر دشمن پر حملہ کیا... بہت زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ زخمی ہو کر زمین پر گرے۔ حضرت معقل ؓ فرماتے ہیں، جنگ کے بعد میں ان کے پاس گیا۔ ان میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ میرے پاس ایک برتن میں پانی تھا... اس سے میں نے ان کے چہرے کو دھویا، کیونکہ چہرے پر مٹی لگی ہوئی تھی۔

انہوں نے اپنا نام بتایا، اس پر انہوں نے پوچھا: ''مسلمانوں کا کیا ہوا؟''

انہوں نے بتایا: ''اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔''

انہوں نے کہا: ''الحمدللہ... یہ بات حضرت عمر ؓ کو لکھ کر بھیج دو۔''

ان الفاظ کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

○

جنگ بدر کے دن کفار نے مسلمانوں کو مقابلے

کے لیے للکارا۔ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک طرف سے کوئی بہادر نکلتا تھا اور للکارتا تھا، کوئی میرے مقابلے پر آئے۔

کافروں کی طرف سے ولید بن عتبہ مقابلے کے لیے نکلا تو اس کے مقابلے پر حضرت علی ؓ نکلے... یہ دونوں برابر کا جوڑ تھے... حضرت علی ؓ نے ولید پر وار کر کے زمین پر گرا دیا۔ ولید کے قتل کے بعد کافروں کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ باہر نکلا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت حمزہ ؓ کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں بھی برابر کا جوڑ تھے۔ حضرت حمزہ ؓ نے بھی شیبہ کو قتل کر کے زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد کافروں کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ کھڑا ہوا۔ اس سے مقابلے کے لیے حضرت عبیدہ بن حارث ؓ آئے۔ دونوں دو مستوں کی طرح تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کیے۔ حضرت عبیدہ ؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بایاں کندھا کٹ گیا۔ پھر عتبہ نے قریب آ کر حضرت عبیدہ ؓ کی ٹانگ پر تلوار کا وار کیا۔ اس سے ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہ اور حضرت علی ؓ دونوں عتبہ کی طرف لپکے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دونوں حضرت عبیدہ ؓ کو اٹھا کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں خیمے میں لے آئے۔ آپ نے انہیں لٹایا اور ان کا سر اپنی ران مبارک پر رکھ لیا۔ پھر ان کے چہرے سے غبار صاف کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عبیدہ ؓ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول اللہ کی قسم! اگر ابو طالب مجھے اس حال میں دیکھ لیتے تو وہ یقین کر لیتے کہ میں ان کے اس شعر کا ان سے زیادہ حق دار ہوں جو انہوں نے آپ کی حمایت میں کہا تھا۔"

ابو طالب نے یہ شعر کہا تھا:

"ہم اپنے بیوی بچوں سے غافل ہو کر ان کی حفاظت میں آخر دم تک لگے رہیں گے، یہاں تک کہ ہم زخمی ہو کر ان کے ارد گرد زمین پر پڑے ہوئے ہوں گے۔"

ساتھ ہی حضرت عبیدہ ؓ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! کیا میں شہید نہیں ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک تم شہید ہو اور میں اس بات پر تمہارا گواہ ہوں۔"

اس کے بعد حضرت عبیدہ کی روح پرواز کر گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں وادی صفرا میں دفن فرمایا۔ آپ ان کی قبر میں اترے... ان سے پہلے آپ کبھی کسی کی قبر میں نہیں اترے تھے... یعنی یہ اعزاز حضرت عبیدہ ؓ کو حاصل ہے۔

○

غزوۂ احد کے دن حضرت عمر ؓ نے اپنے بھائی سے کہا: "بھائی تم میری زرہ لے لو۔"

ان کے بھائی کہنے لگے:

"میں زرہ نہیں لوں گا، جس طرح آپ شہید ہونا چاہتے ہیں، ایسے ہی میں بھی شہید ہونا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ دونوں نے ہی زرہ نہ پہنی۔

○

غزوۂ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت علی ؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کو مقتولین میں تلاش کیا، لیکن آپ انہیں نظر نہ آئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے فعل سے ناراض ہو کر اپنے نبی کو اٹھا لیا ہے، اس لیے اب ان کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ دشمن سے لڑنے لگ جاؤں، یہاں تک کہ جان دے دوں... چنانچہ حضرت علی ؓ نے اپنی تلوار کی میان توڑ دی۔ پھر کافروں پر زور دار حملہ کیا۔ اس حملے سے کافر ان کے سامنے سے ہٹ گئے... اس وقت حضرت علی ؓ نے دیکھا کہ حضور ﷺ کافروں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ (جاری ہے)

دوست

بزرگوں کا مشہور قول ہے کہ وہ انسان سب سے زیادہ غریب ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔ دوستوں کی کئی اقسام ہیں مثلاً دوست اچھے بھی ہوتے ہیں، برے بھی، مخلص بھی ہوتے ہیں، مطلبی بھی۔ وفادار بھی ہوتے ہیں بے وفا بھی۔ کم ظرف دوست بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ ظرف دوست بھی۔ کنجوس دوست بھی ہوتے ہیں اور سخی بھی۔ سچا دوست وہی ہوتا ہے جو ہمیں ہمارے عیب سے آگاہ کرتا ہے۔ اردو زبان میں "دوست" انگریزی میں "فرینڈ (friend)" پنجابی میں "سنگی اور بیلی" کہتے ہیں۔ ایک انگریز مفکر "سیسرو فیلڈ" نے کہا تھا "حقیقی دوستی سے، قدرتی سے آگے بڑھتی ہے اور انسان اس سے کبھی نہیں اکتاتا۔" آپ کے دوست تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک آپ کا دوست، دوسرا آپ کے دوست کا دوست اور تیسرا آپ کے دشمن کا دوست۔ "بچوں کا اسلام" بھی ہمارا دوست ہی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بچوں کا اسلام کے دوستوں میں لڑکے لڑکیاں دونوں شامل ہیں۔ یعنی بچوں کا اسلام سے کوئی پردہ نہیں ہے، اگر آپ لڑکی ہیں تب بھی آپ بچوں کا اسلام کی دوست بن سکتی ہیں۔ جو لوگ ہماری اور بچوں کا اسلام کی دوستی سے حسد کرتے ہیں انہیں ہماری دعوت ہے کہ وہ بھی بچوں کا اسلام سے دوستی کر لیں۔ اب بچوں کا اسلام ہماری تحریر کو شامل کر کے سچی دوستی کا ثبوت دے۔

653-A

واقعات صحابہؓ کے

143

عبداللہ فارانی

غزوۂ احد کے دن حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے... یہ دونوں حضرات لڑائی سے ہاتھ روک کر دوسرے مہاجرین اور انصار کے ساتھ پریشان بیٹھے تھے... حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں۔"

ان حضرات نے جواب دیا:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔"

اس پر انہوں نے کہا:

"تب پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بھی زندہ رہ کر کیا کریں گے، اٹھیں اور جس چیز پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی... ہم سب بھی اس پر جان دے دیں۔"

یہ کہہ کر حضرت انس بن نضر کافروں کی طرف بڑھے... ان پر زوردار حملہ کیا... اور لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

O

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے دن سامنے آئے... اس وقت شکست ہوجانے کی وجہ سے مسلمان الگ الگ ٹولیوں میں حیران اور پریشان بیٹھے تھے... انہوں نے آگے ہی بلند آواز میں کہا:

"اے جماعت انصار میرے پاس آؤ... میں ثابت بن دحداح ہوں... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ تو زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ کو موت نہیں آتی... لہٰذا تم اپنے دین کو بچانے کے لیے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہیں غالب فرمائیں گے اور تمہاری مدد فرمائیں گے... کچھ انصار اللہ کھڑے ہوئے اور ان کے نزدیک آگئے... انہیں ساتھ لے کر انہوں نے کافروں پر زوردار حملہ کردیا... دوسری طرف سے کافروں کا ایک مضبوط دستہ ان کے مقابلے میں آکھڑا ہوا... اس دستے میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور حضرت ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہم شامل تھے... یعنی یہ حضرات اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے، چنانچہ بہت زبردست جنگ ہوئی... حضرت خالد بن ولید نے نیزہ لے کر حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور اس زور سے نیزہ مارا کہ ان کے جسم کے پار ہوگیا... وہ گرے اور شہید ہوگئے... ان کے ساتھ جتنے انصار تھے، وہ سب ہی شہید ہوگئے۔

قدم بہ قدم

O

احد کے دن ایک مہاجر صحابی ایک انصاری کے پاس سے گزرے... انصاری صحابی خون میں لت پت تھے... مہاجر صحابی نے ان سے کہا:

"کیا آپ کو معلوم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیے گئے ہیں۔"

یہ سن کر خون میں لت پت انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیے گئے ہیں تو وہ اللہ کا پیغام پہنچا چکے... (یعنی جس کام کے لیے اللہ نے آپ کو بھیجا تھا، وہ آپ نے پورا کردیا۔ لہٰذا تم اپنا دین بچانے کے لیے کافروں سے جنگ کرو۔")

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"وما محمد الا رسول۔"

"ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں۔"

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو احد کے دن حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا... آپ نے ان سے فرمایا:

"تم انہیں دیکھو تو انہیں میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھ رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ انہیں تلاش کرنے کے لیے مقتولین میں چکر لگانے لگے... آخر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے... اس وقت ان کے آخری سانس تھے... ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے ستر زخم تھے... حضرت زید نے ان سے کہا:

"اے سعد! اللہ کے رسول تمہیں سلام کہتے ہیں اور تم سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔"

انہوں نے کہا: "اللہ کے رسول! میرا حال یہ ہے کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں... اور میری قوم انصار سے کہہ دینا کہ تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہو اور کافر اللہ کے

رسول تک پہنچ جائیں تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔"
اتنا کہنے کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی... اللہ ان پر رحم فرمائے۔ آمین۔

○

غزوۂ احد کے دن جب مشرکین نے حضور نبی کریم ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سات انصاری اور ایک قریشی صحابی تھے...
اس وقت آپ نے فرمایا:
"جو انہیں ہم سے پیچھے ہٹائے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔"
اس پر ان مسلمانوں نے کافروں سے جنگ شروع کر دی... اور ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے... اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:
"ہمارے ساتھیوں نے ہم سے انصاف نہیں کیا کہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔"

○

احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو آپ کے ساتھ صرف گیارہ انصاری صحابی اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے... آپ ﷺ پہاڑ پر چڑھنے لگے... مشرکین بھی آپ کے پیچھے تھے... اس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"کیا انہیں روکنے والا کوئی نہیں۔"
حضرت طلحہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔"
آپ نے فرمایا: "تم جہاں ہو، وہیں ٹھہرو۔"
پھر ایک انصاری صحابی نے کہا: "اے اللہ کے رسول میں ہوں۔"
چنانچہ ان انصاری صحابی نے جنگ شروع کی اور ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے... اب پھر مشرک آپ ﷺ کی طرف بڑھنے لگے... آپ نے پھر فرمایا:
"کیا انہیں روکنے کے لیے کوئی نہیں۔"
حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
"اے اللہ کے رسول میں ہوں۔"
آپ نے پھر یہی فرمایا: "تم جہاں ہو، وہیں ٹھہرو۔"
اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا: "کون ہے جو انہیں روکے۔"
ایک انصاری صحابی ابھی باقی تھے... انہوں نے کہا۔
"اللہ کے رسول! میں ہوں۔"
اس کے بعد انصاری صحابی نے جنگ شروع کی اور شہید ہو گئے... اب وہاں صرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ رہ گئے... حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا:
"کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔"
حضرت طلحہ نے پھر عرض کیا:
"اللہ کے رسول! میں ہوں۔"
اب چونکہ وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں رہ گیا تھا، اس لیے آپ نے انہیں جنگ کی اجازت دے دی... اس وقت تک جن تمام حضرات نے مل کر جنگ کی تھی... ان سب کے برابر اکیلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کی... لڑتے لڑتے آپ کے ہاتھوں کے پورے انتہائی زخمی ہو گئے... ان زخموں کی وجہ سے ان کے منہ سے نکل گیا:
"ہائے!"
آپ ﷺ نے اس موقعے پر فرمایا:
"اگر تم بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمہیں اوپر اٹھا لیتے اور تمہیں لے کر آسمان میں داخل ہو جاتے اور لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے۔"
پھر حضور ﷺ پہاڑی پر چڑھ کر اپنے صحابہ کے پاس پہنچ گئے جو وہاں موجود تھے۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہ

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک جماعت کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر بنایا۔ یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ یہ حضرات ہداۃ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ مقام مکے سے کچھ فاصلے پر ہے۔

ان حضرات کے بارے میں قبیلہ بنولحیان کو پتا چلا۔ ان کے تقریباً سو تیر اندازوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ بنولحیان کے لوگ ان حضرات کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہداۃ کے مقام پر پہنچ گئے۔ اس جگہ ان حضرات نے پڑاؤ کیا تھا۔ بنولحیان کے لوگوں کو مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ملی تھیں۔ اس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ حضرات کس سمت میں گئے ہیں، چنانچہ تعاقب کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اس پر بنولحیان کے لوگوں نے پہاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا، پھر ان سے کہا:

"تم نیچے اتر آؤ، ہم تم میں سے ایک آدمی کو بھی قتل نہیں کریں گے۔"

ان کی بات سن کر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں تو ان کافروں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

پھر آپ نے یہ دعا کی: "اے اللہ! ہماری طرف سے اپنے نبی ﷺ کو خبر پہنچا دے۔"

جب بنولحیان نے دیکھا کہ یہ لوگ خود کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہیں تو انھوں نے ان سے جنگ شروع کر دی۔ ان پر تیر برسانے لگے۔ اس طرح حضرت عاصم اور ان کے چھ ساتھی ان کے تیروں سے شہید ہو گئے۔ اب صرف تین ساتھی حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم رہ گئے۔ اب کفار نے ان سے کہا:

"تم نیچے اتر آؤ، ہم تمھیں امان دیتے ہیں۔"

اب یہ تینوں حضرات نیچے اتر آئے۔ ان کے اترتے ہی بنولحیان نے انھیں باندھنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے، میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔" اس وقت تک وہ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو باندھ چکے تھے۔ جب انھوں نے ان کے ساتھ جانے اور خود کو بندھوانے سے انکار کر دیا تو انھوں نے انھیں بھی شہید کر دیا۔ ان کی قبر ظہران میں ہے۔

اب یہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچے۔ وہاں جا کر ان لوگوں نے اعلان کر دیا کہ کوئی ان لوگوں کو خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے۔

حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا، کیونکہ غزوہ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں حارث بن عامر قتل ہوا تھا۔ گویا وہ اپنے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو ایک کوٹھری میں قید کر دیا۔

حارث کی ایک بیٹی کا لڑکا کہیں کھیلتا ہوا اس کوٹھری میں چلا گیا جہاں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو رکھا گیا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو اپنی ران پر بٹھا لیا۔ حارث کی بیٹی ڈر گئی کہ کہیں یہ اس کے بیٹے کو مار نہ ڈالے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کی گھبراہٹ کو بھانپ لیا اور فرمایا: "تم ڈر رہی ہو کہ کہیں میں اس بچے کو قتل نہ کر دوں۔ فکر نہ کرو، ان شاء اللہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔"

یہ کہہ کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو کوٹھری سے باہر نکال دیا۔ حارث کی بیٹی اس واقعے کو یاد کر کے کہا کرتی تھی:

"اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔"

وہ یہ بھی بتایا کرتی تھی:

"جن دنوں خبیب قید میں تھے تو میں نے دیکھا کہ وہ انگور کے ایک خوشے سے انگور توڑ توڑ کر کھا رہے ہیں، حالانکہ ان دنوں پورے مکے میں کہیں انگور نہیں تھے اور نہ وہ انگوروں کا موسم تھا اور خود وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ کہیں سے جا کر لا بھی نہیں سکتے تھے (مطلب یہ کہ وہ خوشہ تو اللہ تعالیٰ ہی نے خبیب کے لیے بھیجا تھا)

آخر مکے کے کافر انھیں قتل کرنے کے لیے مکے سے باہر لے آئے۔ جب انھیں سولی پر لٹکانے لگے تو انھوں نے کہا:

"تم مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

انھوں نے اجازت دے دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت جلدی جلدی پڑھی۔ پھر فارغ ہو کر فرمایا:

"میں نے یہ دو رکعت جلدی جلدی اس لیے پڑھی ہیں کہ کہیں تم یہ خیال نہ کرو کہ میں موت کے ڈر سے دیر کر رہا ہوں۔"

قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت سب سے پہلے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی۔ ان سے پہلے ایسا کسی نے نہیں کیا تھا۔ ان کے بعد یہ سنت عام ہوئی اور جب کسی کو ظلماً قتل کیا جانے لگتا تو دو رکعت نماز پڑھنے کی درخواست کرتا۔ یہ سنت اب تک جاری ہے۔ اللہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین!

قتل سے پہلے آپ نے یہ دعا کی:

"اے اللہ! ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔" پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

"اب مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہے تو اب مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میں اللہ کے لیے قتل ہو کر کس کروٹ گروں گا۔

اور میرا یہ قتل ہونا اللہ کی ذات کی وجہ سے ہے اور اگر اللہ چاہے تو میرے جسم کے کٹے ہوئے حصوں میں برکت ڈال سکتا ہے۔"

اس کے بعد عقبہ بن حارث نے انھیں قتل کر دیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن قریش کے ایک بڑے سردار کو قتل کیا تھا، اس لیے قریش نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ ان کی لاش کو اٹھا کر لے آئیں۔ یہ لوگ ان کی لاش اٹھانے کے لیے وہاں پہنچے جہاں ان کی لاشیں پڑی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی لاش کی حفاظت کے لیے شہد کی مکھیوں کو بھیج دیا۔ شہد کی مکھیوں کو دیکھ کر انھوں نے کہا:

"رات ہو لینے دو... اس وقت یہ مکھیاں نہیں رہیں گی... تب ہم لاش لے جائیں گے۔"

رات ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے تیز بارش برسا دی۔ پانی کا ایک زبردست ریلا ان کی لاش بہا لے گیا۔

دراصل حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے سے پہلے یہ دعا کی تھی:

"اے اللہ! یہ مشرک، یہ ناپاک لوگ میرے جسم کو ہاتھ نہ لگا سکیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پوری فرمائی۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا تھا، تاکہ اپنے باپ کے بدلے میں انھیں قتل کرے۔ اس کا باپ حضرت زید بن دثنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ صفوان نے انھیں اپنے غلام نسطاس کے حوالے کیا کہ وہ انھیں مکہ سے باہر لے جا کر قتل کر دے۔ یہ تماشا دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ان لوگوں میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے (یعنی یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) قتل سے پہلے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن دثنہ سے پوچھا:

"اے زید! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ محمد (ﷺ) ہمارے پاس ہوں اور ہم تمہاری جگہ انھیں قتل کر دیں اور تم اپنے بال بچوں میں رہو۔"

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ اس وقت جہاں آپ ﷺ ہیں وہاں پر ہی آپ کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھے اور اس تکلیف کے بدلے میں میں اپنے اہل و عیال میں بیٹھا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت ابوسفیان نے کہا:

"میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد ﷺ کے صحابہ کو محمد ﷺ سے ہے۔"

اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نسطاس نے قتل کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل ہونے سے پہلے یہ دعا کی تھی:

"اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا ہے اور ہمارے ساتھ جو کیا جا رہا ہے، اس کی خبر اپنے رسول کو کر دے۔"

جس روز انھیں قتل کیا گیا، اس روز مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا:

"وعلیک السلام خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔"

یہ واقعہ رجیع کے نام سے مشہور ہے۔

(جاری ہے)

جامع مسجد قرطبہ

جامع مسجد قرطبہ سیکڑوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی اپنی پوری شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ کھڑی ہے، جو مسلمان انجینئرز کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مسجد کا نقشہ دمشق کے ایک ماہر فن نے تیار کیا تھا اور یہ عظیم الشان مسجد چھ سال میں 80 ہزار دینار کے خرچ سے تعمیر ہوئی تھی۔ ہم جب مسجد کے مرکزی دروازے سے مسجد کے صحن میں جانے لگے تو ہم سے کہا گیا کہ مسجد کے اندر جانے کے لیے آٹھ یورو کا ٹکٹ درکار ہوگا۔ ہم پانچ احباب 40 یورو کا ٹکٹ خرید کر بوجھل قدموں اور شکستہ و افسردہ دل کے ساتھ مسجد کے صحن سے جب مسجد کے مین ہال میں داخل ہونے لگے تو دروازے پر موجود سیکیورٹی گارڈز نے ہمیں سروں سے ٹوپیاں اتارنے اور مسجد کے اندر عبادت اور نماز نہ پڑھنے کا حکم سنایا۔ یہ وہی مسجد تھی جس کے میناروں اور در و دیوار سے کئی سو سال تک اللہ کی توحید اور اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی رہیں اور لوگوں کو "آؤ نماز کے لیے، آؤ نماز کے لیے، آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف" کے نغمے سننے کو ملتے رہے اور ہزاروں نہیں لاکھوں فرزندان توحید اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے جوق در جوق مسجد کی طرف دیوانہ وار کھنچے چلے آتے تھے مگر آج کسی کو انفرادی طور پر بھی ایک سجدہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم نے جونہی مسجد کے اندر قدم رکھا تو ہمیں پہلی ہی نظر میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہم مسجد نبوی میں داخل ہو گئے ہوں۔ مسجد نبوی سے ملتا جلتا ڈیزائن ستونوں کی لمبی قطاریں اسی رنگ اور طرز کی محرابیں، گنبد نما چھت، مسجد کے کل ستونوں کی تعداد چودہ سو سترہ اور مسجد کا کل رقبہ 33 ہزار ایک سو پچاس مربع ہاتھ شمار کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کا ڈیزائن جامع مسجد قرطبہ ہی سے لیا گیا ہے۔ عیسائیوں نے قرطبہ کو مسلمانوں سے چھیننے کے بعد اس مسجد کو اسی طرح کی ہزاروں مسجدوں کو چرچوں میں تبدیل کر دیا تھا اور وہاں کے مسلمانوں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ آج یہ مسجد نہیں، بلکہ چرچ ہے۔ ہم جونہی آگے بڑھے تو دیواروں کی دونوں جانب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی تصویریں اور مجسمے دیواروں پر کندہ نظر آئے مگر مسجد کی دیواروں اور چھتوں پر آج بھی قرآنی آیات اسی طرح محفوظ ہیں جن کو آج تک مٹایا نہیں جا سکا۔ مسجد کا محراب اور منبر بھی محفوظ ہے مگر اس منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے والے موجود نہیں یا موجود تو ہیں مگر ان کو خدا کی توحید کا اعلان کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ آج کفر و شرک کے سائے مسجد کے چاروں طرف چھائے ہوئے ہیں۔ مسجد کا تقدس بری طرح پامال کیا جا رہا ہے۔ مسجد کی حالت زار، اس کی ویرانی اور افسردگی کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مسجد کے در و دیوار کہہ رہے ہوں کہ مسلمانو تم کہاں سو گئے، ہم اذان کی آواز اور قرآن کی تلاوت کو ترس گئے ہیں۔ صدیاں بیت گئی ہیں مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں آ رہا۔ محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کہاں سے لائیں جو انھیں جامع مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دلوا سکے۔ ایسے بہت سے مائیں روز روز تو جنا نہیں کرتیں۔ قرطبہ شہر جہاں کبھی کوئی غیر مسلم نہیں ملتا تھا، آج وہاں کوئی مسلمان نہیں ملتا۔ "زمانہ بدلتا ہے رنگ کیسے کیسے" جس شہر میں مسجدوں کی تعداد چار سو کے قریب تھی آج اس شہر میں صرف چار مساجد رہ گئی ہیں۔ قرطبہ شہر میں ایک مسجد ہے اور باقی تین مساجد شہر کے مضافات میں واقع ہیں۔

حافظ محمد معاویہ ظفر۔ لاہور

145

عبداللہ فارانی

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ابو براء عامر بن مالک مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ یہ شخص نیزہ بازی کا ماہر تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، یعنی آپ نے اس سے فرمایا:

"اسلام قبول کرلو۔"

اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، نہ صاف انکار کیا، البتہ اس نے کہا:

"اے محمد ﷺ! اگر آپ اپنے کچھ صحابہ نجد والوں کے پاس بھیج دیں اور وہ انھیں آپ کے دین کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں گے۔"

یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اپنے صحابہ کے بارے میں نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے۔"

یعنی مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ انھیں نقصان نہ پہنچائیں۔ اس پر ابو براء عامر بن مالک نے کہا: "میں ان لوگوں کو پناہ دیتا ہوں۔ آپ انھیں بھیج دیں، تاکہ وہ لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں۔"

اس پر آپ نے اپنے صحابہ میں سے ستر بہترین مسلمانوں کو روانہ فرمایا۔ جو ساعدہ کے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ ان کا لقب المعنق لیموت تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے، موت کی طرف تیزی سے لپکنے والا۔

ان ستر اصحاب میں حضرت حارث بن صمہ، حضرت حرام بن ملحان، حضرت عروہ بن اسماء بن صلت سلمی، حضرت نافع بن بدیل ورقاء خزاعی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بہترین مسلمان شامل تھے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ سے چل کر بیر معونہ پہنچے (ایک جگہ کا نام) یہاں ایک کنواں تھا۔ یہ کنواں بنو عامر کی زمین اور بنو سلیم کے پتھریلے میدان کے درمیان ہے۔ ان حضرات نے جب یہاں پڑاؤ ڈال لیا تو حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا گیا۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ عامر کے پاس پہنچے۔ انھوں نے آپ کا خط اسے دیا۔ اس نے خط کی طرف دیکھا تک نہیں اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ پھر اس نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف قبیلہ بنو عامر سے مدد مانگی۔ قبیلہ بنو عامر نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا: "ابو براء ان مسلمانوں کو پناہ دے چکا ہے۔ ہم اس کے معاہدے کو توڑنا نہیں چاہتے۔" اس پر عامر بن طفیل نے بنو سلیم کے قبیلے عصیہ، رعل اور ذکوان سے ان حضرات کے خلاف مدد مانگی۔ ان قبیلوں نے اس کی بات مان لی، چنانچہ یہ سب جمع ہو گئے اور جس جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا، وہاں پہنچ گئے۔ ان سب نے آکر مسلمانوں کو گھیر لیا۔ جب صحابہ کرام نے ان کافروں کو دیکھا تو انھوں نے اپنی تلواریں نکال لیں اور ان سے جنگ شروع کر دی اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ ان حضرات میں سے صرف حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ زندہ بچے۔ ان میں ابھی جان باقی تھی۔ کافروں کو اس بات کا پتا نہ چلا۔ بعد میں انھیں ان شہداء کے درمیان سے اٹھا کر مدینہ منورہ لایا گیا تھا اور یہ اس واقعے کے بعد زندہ رہے تھے۔ پھر غزوہ خندق کے موقعے پر شہید ہوئے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور قبیلہ بنو عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے ایک انصاری صحابی یہ دو حضرات اس لیے قتل ہونے سے بچ گئے تھے کہ یہ دونوں اس وقت جانور چرانے گئے ہوئے تھے۔ انھیں اپنے ساتھیوں کے شہید ہونے کا پتا اس طرح چلا کہ اس مقام پر انھوں نے مردار خور پرندوں کو اڑتے دیکھا۔ انھوں نے جان لیا کہ یہ مردار خور پرندے جو اس جگہ چکر لگا رہے ہیں تو ضرور کوئی بات ہے، چنانچہ یہ حضرات پتا کرنے کے لیے وہاں آئے۔ انھوں نے دیکھا، ان کے سب ساتھی خون میں لت پت پڑے ہیں۔ جن گھوڑے سواروں نے ان سب کو شہید کیا تھا، وہ ابھی وہیں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر انصاری صحابی نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے کہا:

"آپ کیا کہتے ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرا خیال یہ ہے کہ جا کر حضور ﷺ کو اس واقعے کی خبر کریں۔"

انصاری صحابی نے فرمایا:

"میں تو جان بچانے کے لیے اس جگہ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا، جہاں حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو شہید کر دیا گیا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ زندہ رہوں اور لوگوں کو ان کی شہادت کی خبر سناتا رہوں۔"

چنانچہ انھوں نے جنگ شروع کر دی اور آخر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کافروں نے حضرت عمرو بن امیہ کو قیدی بنا لیا، لیکن جب انھوں نے ان کافروں کو بتایا کہ وہ قبیلہ مضر کے ہیں تو عامر بن طفیل نے انھیں چھوڑ دیا۔ دراصل عامر کی ماں کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا تھا، اس نے اپنی ماں کی طرف سے انھیں آزاد کیا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اس دردناک واقعے سے بہت رنج پہنچا۔ آپ ﷺ نے تیس دن تک قبیلہ رعل، ذکوان اور بنو لحیان اور عصیہ کے خلاف بددعا فرمائی۔ یہ قبیلے وہ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جس وقت نیزہ مار کر شہید کیا گیا تھا تو انھوں نے نیزہ لگتے ہی فرمایا تھا: "رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

جس شخص نے انھیں نیزہ مارا تھا، وہ جبار بن سلمی کلابی تھا، اس نے بعد میں لوگوں سے پوچھا تھا۔

"حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جب میں نے نیزہ مارا تھا، وہ تو اس وقت جان سے جا رہے تھے، پھر انھوں نے یہ کیوں کہا تھا، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ ان کے اس جملے کا کیا مطلب ہے۔"

لوگوں نے اسے بتایا: "یہ جنت ملنے کی کامیابی ہے۔"

بعد میں یہ جبار مسلمان ہو گئے تھے۔ کہا کرتے تھے۔

"اللہ کی قسم! حضرت حرام بن ملحان نے سچ فرمایا تھا۔"

یہ دردناک واقعہ سانحہ بیر معونہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیت نازل فرمائی:

"بے شک ہم اپنے رب سے جا ملے، وہ ہم سے راضی ہوا، اور اس نے ہمیں راضی کیا۔" (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الاولیٰ میں ایک لشکر موتہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور فرمایا:

"اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر لوگوں کے امیر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے، اور اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس پر بھی مسلمان راضی ہوں اسے امیر بنالیں۔

آپ کا حکم ملنے کے بعد صحابہ کرام نے سفر کی تیاری شروع کردی، اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگے، وہاں رہ جانے والے لوگوں نے آپ ﷺ کے مقرر کردہ امیروں کو رخصت کیا اور انھیں الوداعی سلام کیا اور انھیں دعائیں دیں۔ اس کے بعد لشکر روانہ ہوا۔ حضور ﷺ بھی انھیں رخصت فرمانے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ جب آپ لشکر کو رخصت فرما کر واپس لوٹنے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

"سلام رہے اس ذات اقدس پر جنھیں میں نے کھجوروں کے باغ میں رخصت کیا ہے، وہ بہترین رخصت کرنے والے اور بہترین دوست ہیں۔"

لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ملک شام کے شہر معان پہنچا۔ وہاں پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈال لیا۔ اس وقت مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ ہرقل رومی فوج لے کر ملک شام کے علاقے بلقاء کے شہر میں ٹھہرا ہوا ہے اور مختلف قبیلوں کے ایک لاکھ آدمی اس کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں کو جب یہ خبر ملی تو وہ معان میں دو رات ٹھہر کر اپنے اس معاملے میں غور کرتے رہے۔ ایک مشورہ یہ سامنے آیا:

"ہم رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر اپنے دشمن کی تعداد بتاتے ہیں۔" (کیونکہ صرف تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں ایک لاکھ کفار کا لشکر تھا اور یہ بہت بڑی تعداد تھی، یعنی 33 گنا، اس لیے مسلمان فکرمند ہو گئے تھے) پھر یا تو آپ ﷺ ہماری مدد کے لیے اور مسلمان بھیج دیں گے یا کسی اور مناسب بات کا حکم فرمائیں گے۔"

اس مشورے کے جواب میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ہمت بڑھائی، انھیں حوصلہ دیا اور فرمایا "اے میری قوم اللہ کی قسم جس شہادت کو تم ناپسند سمجھ رہے ہو، (حقیقت میں) تم اسی کی تلاش میں نکلے ہو، ہم کفار سے جنگ تعداد اور طاقت کی بنیاد پر نہیں کرتے، بلکہ ہم تو کفار سے جنگ اس دین کی بنیاد پر کرتے ہیں، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا فرمائی، لہٰذا دو کامیابیوں میں سے ایک کامیابی تو تمہیں ضرور ملے گی یا دشمن پر فتح یا اللہ کے راستے میں شہادت۔"

ان کی بات سن کر لوگوں نے کہا: "اللہ کی قسم! عبداللہ بن رواحہ نے ٹھیک کہا۔"

اب یہ حضرات وہاں سے آگے بڑھے اور بلقاء کی سرحد پر پہنچے۔ ہرقل کی فوج ان مسلمانوں کو بلقاء کی بستی مشارف میں ملی۔ ادھر مسلمان موتہ کی بستی میں پہنچ گئے۔ اسلامی لشکر کے سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کی صفیں ترتیب دیں۔ لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) پر بنو عذرہ کے قطبہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ (بائیں بازو) پر عبایہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ درمیان میں حضرت زید بن حارثہ

ﷺ خود رہے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور بہت زبردست جنگ ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

غزوہ موتہ 8 ہجری میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو خط مبارک لکھا تھا۔ وہ خط حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روکا۔ یہ شرحبیل قیصر روم کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"شاید تم محمد (ﷺ) کے قاصدوں میں سے ہو۔"

حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہاں! میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔"

شرحبیل بن عمرو نے یہ سنتے ہی ان پر حملہ کر دیا اور حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ کے قاصدوں میں سے یہ پہلے شخص ہیں جنھیں قتل کیا گیا۔ ان کے علاوہ آپ کے اور کسی قاصد کو قتل نہیں کیا گیا۔ حضور ﷺ کو ان کی شہادت کا علم ہوا تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ نے فوراً ہی صحابہ کا لشکر تیار کیا اور شاہ روم سے جنگ کے لیے روانہ فرمایا۔

اب یہ جنگ اسی میدان یعنی موتہ میں لڑی جا رہی تھی، کیونکہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا "جب تم وہاں پہنچو جہاں حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تھا تو جو لوگ وہاں رہتے ہیں، پہلے انھیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ دعوت قبول کرلیں اور مسلمان ہو جائیں تو ٹھیک، ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔"

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں پرچم لیے جنگ کر رہے تھے، یہاں تک کہ جنگ کرتے کرتے آپ نے شہادت کا جام نوش فرمایا۔ ادھر وہ شہید ہوئے ادھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا اور اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر کفار سے جنگ کرنے لگے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی زبردست جنگ کی۔ نہایت بہادری سے لڑے۔ یہاں تک کہ ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔ اب انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کسی کافر نے بائیں بازو پر حملہ کیا تو وہ بھی کٹ گیا۔ اس حالت میں بھی انھوں نے پرچم اپنی گود میں رکھ لیا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ اسی وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم تھام لیا اور زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد گھمسان کی جنگ ہوئی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

"مسلمانو! اگر انسان سینے پر زخم کھا کر شہید ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ پیٹھ پر زخم کھا کر جان دے۔"

اس کے بعد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا اور پکارے:

"مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر کرلو۔"

اس پر سب نے اتفاق کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر بنا لیا۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی جنگی مہارت کے جوہر دکھائے اور اس طرح دشمن

کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب رہے اور آخر جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے لشکر پر مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

یہ جنگ سات دن تک جاری رہی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس موقعے پر میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔"

اس غزوہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ جب آپ ﷺ اس لشکر کو روانہ فرمانے لگے تو آپ نے فرمایا تھا:

"اگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں، وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔"

آپ ﷺ کے یہ الفاظ وہاں موجود ایک یہودی نے بھی سنے تھے۔ جب اس نے کہا تھا:

"ابوالقاسم اگر واقعی نبی ہیں تو جن جن کے آپ نے نام لیے ہیں وہ سب اس جنگ میں قتل ہو جائیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے جب بھی کسی نبی نے کسی شخص کو لشکر یا جماعت کا امیر بنا کر یہ کہ دیا کہ اگر یہ ختم ہو جائے تو اسی طرح وہ شخص اسی سفر میں ختم ہو جاتے تھے، چاہے اس نبی نے سو آدمی کیوں نہ گنوائے ہوں۔"

اس یہودی نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ کہا تھا:

"اگر یہ واقعی نبی ہیں تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں، تم اب واپس نہیں آؤ گے۔"

اس پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"میں گواہی دیتا ہوں، آپ سچے نبی ہیں۔" (جاری ہے)

اسلامی سال کی ابتداء

محمد مغیث الرحمٰن۔ ملتان

ظہورِ اسلام سے قبل عیسوی سال اور مہینوں سے تاریخ لکھی جاتی تھی۔ مسلمانوں میں تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ 17 ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خط لکھا: "آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکومت کے مختلف علاقوں میں خطوط جاری ہوتے ہیں مگر آپ کے ان خطوط میں تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہوتی اور تاریخ لکھنے سے بہت فائدہ ہے کہ کس دن آپ کی طرف سے حکم جاری ہوا اور کب پہنچا اور کب عمل ہوا ان سب باتوں کا معیار تاریخ لکھنے پر ہے۔"

ان باتوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت اہم سمجھا اور فوراً اکابر صحابہ کی میٹنگ بلائی۔ مشورہ دینے والے صحابہ کی چار طرح کی رائے سامنے آئی۔ ایک جماعت نے رائے دی کہ آپ ﷺ کی ولادت کے سال سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔ دوسری جماعت نے رائے دی کہ نبوت کے سال سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔ تیسری جماعت کی رائے تھی کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔ چوتھی جماعت نے رائے دی کہ وفات نبوی ﷺ والے سال سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا کہ ولادت یا نبوت سے ابتدائے اسلامی سال میں اختلاف ممکن ہے کہ سال متعین نہیں۔ وفات والا سال صدمہ اور غم کا سال ہے، اس لیے ہجرت والے سال سے ابتداء کی جائے۔ اس میں چار خوبیاں ہیں۔ اول ہجرت نے حق و باطل کا فیصلہ کیا۔ دوم اسی سال میں اسلام کو عزت ملی۔ سوم اسی سال مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔ چہارم اسی سال مسلمان امن کے ساتھ عبادات الٰہی کرنے لگے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق اور اجماع سے ہجرت کے سال سے اسلامی سن کی ابتداء ہوئی۔ (بخاری شریف۔ حدیث نمبر 4228)

سال کے مہینے کی ابتداء میں بھی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء مختلف تھیں۔ ایک جماعت نے مشورہ دیا کہ رجب سے سال کی ابتداء کی جائے کہ رجب سے ذی الحجہ اور محرم سے ابتدائے رجب تک چھ چھ ماہ ہوتے ہیں۔ دوسری جماعت نے فرمایا کہ رمضان سے ابتداء کی جائے کہ افضل ترین ماہ ہے۔ تیسری جماعت نے مشورہ دیا کہ حجاج کرام کے اعزاز میں محرم سے سال کی ابتداء کی جائے کہ اسی ماہ حجاج واپس گھر لوٹتے ہیں۔ چوتھی جماعت نے مشورہ دیا کہ ربیع الاول سے سال کی ابتداء کی جائے کہ آپ ﷺ نے یکم ربیع الاول میں مکۃ المکرمہ سے سفر شروع کیا اور 8 ربیع الاول کو مدینۃ المنورہ پہنچ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محرم سے اسلامی سال کی ابتداء کا فیصلہ سنایا۔ اس میں دو خوبیاں بیان فرمائیں۔ اول حضرات انصار نے بیعت عقبہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لانے کی دعوت پیش کی اور آپ ﷺ نے دعوت انصار کو قبول فرمایا۔ یہ ذوالحجہ کے مہینے میں حج کے بعد پیش آیا۔ آپ ﷺ نے محرم کے شروع سے صحابہ کرام کو ہجرت کے لیے روانہ کرنا شروع فرمایا، لہٰذا ہجرت کی ابتداء محرم سے ہوئی اور اس کی تکمیل حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے ربیع الاول میں ہوئی۔ دوم اسی ماہ میں حجاج واپس گھر لوٹتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی سال کی ابتداء ہجرت سے اور اسلامی مہینے کی ابتداء محرم الحرام سے مان لی گئی ہے اور اسی پر امت کا عمل چلتا آرہا ہے۔ (بکھرے موتی جلد 2)

ہمارے لیے باعث روحانیت و نورانیت ہے کہ ہجری سال کے مطابق معمولات زندگی بسر کریں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اسلامی سال و مہینے پر اللہ نے رکھا ہے۔

واقعات صحابہ کے

147

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے سنا، کوئی کہہ رہا تھا:

"رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، تلوار سونت کر باہر نکلے۔ دوسری طرف سے حضور نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو آپ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "زبیر! تمھیں کیا ہوا؟"

انھوں نے عرض کیا: "میں نے سنا تھا کہ آپ شہید کر دیے گئے ہیں۔"

آپ نے ان سے پوچھا: "پھر تمہارا کیا کرنے کا ارادہ تھا؟"

انھوں نے عرض کیا: "میرا ارادہ یہ تھا کہ مکے والوں پر ٹوٹ پڑوں۔"

آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی عمر 12 سال تھی اور حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خاطر سب سے پہلے تلوار سونتنے والے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں۔

O

جنگ احد کے دن طلحہ بن طلحہ عبدری مشرکوں کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے مقابلے پر میدان میں آنے کی دعوت دی، کچھ لوگوں نے اس کے مقابلے میں جانے سے خوف محسوس کیا۔ ایسے میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ آپ نے چھلانگ لگائی اور طلحہ بن طلحہ کے اونٹ پر چڑھ گئے، یعنی وہ بھی اسی اونٹ پر سوار تھا۔ اب اونٹ پر ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے طلحہ کو اونٹ پر سے نیچے گرا دیا اور پھر اپنی تلوار سے اسے قتل کر دیا۔

آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا: "ہر نبی کا ایک حواری (جان نثار) ہوتا ہے، میرے حواری زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں۔"

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا: "میں نے دیکھا تھا کہ لوگ اس کے مقابلے پر جانے سے کترا رہے ہیں، اس لیے اگر زبیر نہ جاتے تو میں خود اس کے مقابلے پر جاتا۔"

O

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ نے غزوہ خندق کے دن اپنی صف سے باہر نکل کر مسلمانوں کو اپنے مقابلے کے لیے للکارا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نکلے۔ آپ نے اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیے، اس وجہ سے آپ کی تلوار میں دندانے پڑ گئے۔

O

ایک مشرک ہتھیار لگائے ہوئے آیا۔ ایک اونچی جگہ پر چڑھ کر اس نے کہا:

"میرے مقابلے کے لیے کون آئے گا۔"

آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: "کیا تم اس کے مقابلے پر جاؤ گے۔"

انھوں نے عرض کیا: "آپ کی منشاء ہو تو میں جانے کے لیے تیار ہوں۔"

ایسے میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے کو ہو کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"اے میری پھوپھی صفیہ کے بیٹے تم مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔"

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کر اس کی طرف چل پڑے، یہاں تک کہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد دونوں تلوار سے ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ تلوار کی لڑائی کے بعد دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ پھر دونوں نیچے کی طرف لڑھکنے لگے، (یعنی ڈھلوان پر) اس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ان دونوں میں سے جو پہلے گڑھے میں گرے گا، وہی مارا جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی، چنانچہ وہ کافر پہلے گڑھے میں گرا۔ حضرت زبیر اس کے سینے پر جا گرے اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

O

غزوہ خندق کے دن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ قلعے میں رکھا گیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ دونوں ابھی بچے تھے۔ میدانِ جنگ کا منظر دیکھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی کمر پر پاؤں رکھ کر قلعے کی دیوار پر چڑھ گئے۔ انھوں نے اپنے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کبھی ایک طرف حملہ کرتے تو

آداب میں سے ہے

آداب میں سے ہے، اگر کسی تحریر میں نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیے۔ محدثین ؒ کے یہاں اس مسئلے میں انتہائی تشدد ہے کہ حدیث پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو استاد سے نہ سنا ہو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ استاد سے غلط سنا ہو تو اسے بھی یہ حضرات نقل میں بالکل اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح استاد سے سنا ہے۔ اسے صحیح کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر وضاحت کے طور پر کسی لفظ کے اضافے کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اسے استاد کے کلام سے الگ کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی استاد نے کہا تھا۔ اس سب کے باوجود جملہ حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا نامِ نامی آئے تو درود شریف لکھنا چاہیے، اگرچہ استاد کی کتاب میں نہ ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ضروری بات یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ذکر مبارک کے وقت زبان کو اور انگلیوں کو درود شریف کے ساتھ جمع کرے، یعنی زبان سے درود شریف پڑھے اور انگلیوں سے لکھے اور اس میں اصل کتاب کی پیروی نہ کرے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا نامِ نامی لیتے ہوئے زبان درود پڑھے، اسی طرح نامِ مبارک لکھتے ہوئے اپنی انگلیوں سے بھی درود شریف لکھا کرے، اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔

بنت مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ

اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ علم وحدیث لکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ علماء نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا لکھے۔ کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارے پر قناعت نہ کرے۔ اس کے بعد علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چند حدیثیں نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے، فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک شخص حدیث شریف لکھا کرتا تھا۔ نامِ مبارک کے ساتھ درود شریف نہیں لکھتا تھا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ کو مرض لاحق ہوا۔ اُس کا ہاتھ گل گیا۔

حسن بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا: کاش! تو یہ دیکھتا کہ ہمارا نبی کریم ﷺ پر کتابوں میں درود لکھنا کیسا ہمارے سامنے روشن اور منور ہو رہا ہے۔ (بدیع)

کبھی دوسری طرف، جو دشمن بھی ان کی طرف آتا، وہ لپک کر اس کی طرف جاتے۔ شام کو جب حضرت زبیر بن عوام ؓ قلعے میں آئے تو حضرت عبداللہ نے ان سے کہا:

''اے ابا جان! میں آپ کو جنگ کرتے ہوئے دیکھتا رہا ہوں۔''

حضرت زبیر بن عوام ؓ نے پوچھا: ''اچھا! تم مجھے دیکھتے رہے۔''

انھوں نے کہا: ''جی ہاں! میں آپ کو دیکھتا رہا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت زبیر ؓ نے فرمایا: ''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔''

O

جنگِ یرموک کے دن حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ ؓ نے حضرت زبیر ؓ سے کہا: ''کافروں پر حملہ کرو، تاکہ ہم بھی آپ کے ساتھ ان پر حملہ کریں۔''

ان کی بات سن کر حضرت زبیر ؓ نے کہا: ''اگر میں نے حملہ کیا تو تم اپنی بات پر پورے نہیں اتر سکو گے، میرا ساتھ نہیں دے سکو گے۔''

صحابہ نے کہا: ''ہم ایسا نہیں کریں گے، اپنی بات پر قائم رہیں گے، آپ کا ساتھ دیں گے۔''

اب حضرت زبیر بن عوام ؓ نے کافروں پر اس قدر زبردست حملہ کیا کہ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے اور صحابہ میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ پھر وہ اسی طرح دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے واپس پلٹے تو کافروں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور ان کے کندھوں پر دائیں بائیں دو وار کیے۔ اس کے باوجود آپ جنگ کرتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل آئے۔

حضرت عروہ ؓ فرماتے ہیں: ''میں اس وقت چھوٹا سا تھا۔ ان کے زخموں کے نشانات میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔ جنگِ یرموک کے دن حضرت عبداللہ بن زبیر بھی حضرت زبیر ؓ کے ساتھ تھے اور ان کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ حضرت زبیر ؓ نے انھیں ایک گھوڑے پر بٹھا کر ایک شخص کے حوالے کر دیا تھا۔'' (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

148

واقعاتِ صحابہؓ کے

حضور ﷺ نے حجاز کے علاقے رابغ کی طرف ایک جماعت بھیجی۔ اس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کفار سے مقابلہ ہوا تو مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تیروں سے مسلمانوں کی خوب حفاظت کی، حضرت سعد سب سے پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا اور یہ اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلاتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

''ذرا غور سے سنو! کیا حضور ﷺ کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ میں نے اپنے تیروں کی نوک سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کی ہے۔''

''ہر سخت اور ہر نرم زمین میں، میں نے مسلمانوں کے دشمن کو تیر کے ذریعے خوب اچھی طرح بھگایا ہے۔''

''یا رسول اللہ ﷺ کوئی بھی مسلمان مجھ سے پہلے دشمن پر تیر چلانے والا شمار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ میں نے سب سے پہلے تیر چلایا ہے۔''

O

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد کے دن ایک تیر سے تین کافروں کو شہید کیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کافروں نے ان پر تیر پھینکا، انھوں نے وہ تیر کافروں پر چلا دیا، اس سے ایک کافر مارا گیا۔ کافروں نے پھر وہ تیر ان پر چلایا۔ انھوں نے وہ تیر اٹھا کر کافروں پر چلا دیا اور ایک کافر کو قتل کر دیا۔ کافروں نے وہ تیر تیسری مرتبہ ان پر چلایا۔ انھوں نے پھر سے اٹھا کر کافروں پر چلا دیا اور ایک اور کافر کو ہلاک کر دیا۔ اس طرح کافروں کے اپنے ایک تیر سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تین کافروں کو قتل کیا۔

قدم بہ قدم

مسلمان ان کے اس کارنامے سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ تیر حضور ﷺ نے انھیں دیا تھا، یعنی جب کافروں نے پہلی بار ان پر تیر چلایا اور وہ زمین پر گرا تو حضور ﷺ نے اٹھا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہادری کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:

''میرے ماں باپ تم پر قربان۔''

O

غزوہ بدر کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے شتر مرغ کے پر کی نشانی لگا رکھی تھی۔ ایک مشرک نے پوچھا: ''یہ شتر مرغ کے پر والا شخص کون ہے۔''

''لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔''

یہ سن کر اس مشرک نے کہا:

''یہی تو وہ آدمی ہے جس نے ہمارے خلاف بڑے بڑے کارنامے کیے ہیں۔''

O

غزوہ احد کے دن لڑائی کے بعد جب لوگ واپس آ گئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ ایک صحابی نے ان کے بارے میں بتایا۔

''میں نے انھیں اُس درخت کے پاس دیکھا تھا۔'' وہ یوں کہہ رہے تھے:

''میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں، اے اللہ! یہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جو کچھ فتنے لے کر آئے ہیں، میں تیرے سامنے ان سب سے بری ہونے کا اظہار کرتا ہوں اور مسلمانوں نے جو شکست کھائی ہے، میں اس سے بھی بری ہونے کا اظہار کرتا ہوں۔''

یہ سن کر حضور ﷺ اس طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے ہیں تو آپ سسکیاں لے کر رونے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''کوئی کفن ہے۔''

ایک انصاری نے کھڑے ہو کر ایک کپڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''

O

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری رحمہ اللہ اور حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار رحمہ اللہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انھوں نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں بتائیں، آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کیا تھا۔''

حضرت وحشی ؓ نے ان سے کہا: ''میں آپ کو یہ واقعہ اس طرح سنا دیتا ہوں جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے فرمانے پر آپ کو سنایا تھا۔ میں حضرت جبیر بن مطعم ؓ کا غلام تھا۔ (یعنی حضرت جبیر بن مطعم ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان کا چچا طعیمہ بن عدی غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا:

''اگر تم میرے چچا کے بدلے میں محمد ﷺ کے چچا حمزہ ؓ کو شہید کر دو تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔ میں ایک حبشی ہوں اور اس طرح نیزہ پھینکتا تھا کہ میرا نشانہ کم خطا جاتا تھا۔ میں بھی کافروں کے ساتھ اس سفر میں گیا، جب دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہوئی تو میں حضرت حمزہ ؓ کی تلاش میں نکلا۔ میں بہت غور سے انھیں تلاش کرتا رہا۔ آخر کار میں نے انھیں لشکر کے کنارے پر دیکھ لیا۔ ان کے جسم پر خوب گرد و غبار پڑا ہوا تھا، اس کی وجہ سے وہ خاکستری اونٹ کی طرح لگ رہے تھے اور وہ کفار کو اپنی تلوار سے اس قدر زور سے ہلاک کر رہے تھے کہ ان کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر رہا تھا۔ ادھر میں ان کی تاک میں تھا۔ میں تو صرف انھیں قتل کرنا چاہتا تھا اور میں کسی درخت یا پیڑ کے پیچھے چھپتا پھر رہا تھا، تاکہ وہ میرے قریب آ جائیں۔ ایسے میں مشرک سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے آگے ہو کر ان کی طرف بڑھا۔ جب حضرت حمزہ ؓ نے اسے دیکھا تو تلوار کا ایسا وار کیا کہ ایک دم اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس وقت میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینک دیا۔ نیزہ ان کے جسم کے پار ہو گیا۔ انھوں نے مجھ پر حملہ کرنے کے لیے میری طرف آنا چاہا، لیکن ان پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے نیزے کو اور انھیں اسی حال میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد میں ان کے قریب گیا، اپنا نیزہ ان کے جسم سے نکال لیا اور اپنے لشکر میں واپس آ گیا۔ حضرت حمزہ ؓ کو قتل کرنے کے علاوہ تو مجھے اس روز اور کوئی کام تھا نہیں، انھیں بھی میں نے اس لیے قتل کیا تھا کہ میں آزاد ہو جاؤں، غلامی سے نجات حاصل ہو جائے، اس کے بعد میں مکّہ آیا تو جبیر بن مطعم نے مجھے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد بھی میں وہیں ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے مکّہ فتح کر لیا تو میں بھاگ کر طائف چلا گیا، پھر جب طائف کا وفد مسلمان ہونے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں گیا تو سارے راستے مجھ پر بند ہو گئے۔ اس وقت میں نے سوچا، میں شام چلا جاؤں یا یمن یا پھر کسی اور جگہ۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ کسی نے مجھ سے کہا:

''تیرا بھلا ہو، اللہ کی قسم! جو بھی کلمۂ شہادت پڑھ کر حضور ﷺ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے، حضرت محمد ﷺ اسے قتل نہیں کرتے۔''

اس شخص نے جب یہ بات بتائی تو میں طائف سے چل پڑا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ کو میرے آنے کا پتا نہ چلا۔ میں آپ کے سرہانے کی طرف سے آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا تو آپ ایک دم چونکے۔ آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''کیا تم وحشی ہو؟''

میں نے جواب دیا: ''جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔''

آپ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے سناؤ، تم نے حمزہ ؓ کو کیسے قتل کیا تھا۔''

چنانچہ میں نے آپ کو سارا قصہ اسی طرح سنایا جس طرح میں نے تم دونوں کو سنایا ہے، جب میں سارا قصہ سنا چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارا بھلا ہو، تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا لو۔ میں تمھیں آیندہ کبھی نہ دیکھوں۔'' (یعنی تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمھیں دیکھ کر مجھے چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے)

چنانچہ میں حضور ﷺ کی وفات تک ایسا ہی کرتا رہا۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

149

واقعاتِ صحابہؓ کے

قدم بہ قدم

غزوہ طائف کے دن حضور ﷺ نے حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو طائف والوں کی طرف بھیجا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ان طائف والوں سے بات کی۔ طائف والے انھیں پکڑ کر قلعے میں لے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"کون ہے جو ان لوگوں سے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو چھڑا کر لے آئے۔ اسے ہمارے اس غزوے جتنا پورا اجر ملے گا۔"

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ طائف کے لوگ حضرت حنظلہ کو قلعے میں لے جانے ہی والے تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان تک پہنچ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت طاقت ور تھے۔ انھوں نے حضرت حنظلہ کو ان سے چھین کر گود میں اٹھا لیا۔ ان لوگوں نے قلعے کے اوپر سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر پتھر پھینکنے شروع کیے۔ حضور ﷺ ان کے خیریت سے پہنچنے کی دعا کرنے لگے۔ آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت حنظلہ کو لے کر آپ ﷺ تک پہنچ گئے۔

O

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف غزوہ بدر کے دن دوسرے مسلمانوں کے ساتھ صف میں کھڑے تھے۔ انھوں نے دیکھا، ان کے دائیں بائیں انصار کے دو کم عمر لڑکے کھڑے ہیں۔ انھیں خیال گزرا کہ ان کے دائیں بائیں طاقت ور اور مضبوط لوگ ہوتے تو اچھا تھا (کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے، میرے دائیں بائیں تو دو بچے ہیں، یہ میری کیا مدد کریں گے) ایسے میں ان میں سے ایک نے کہا:

"چچا جان! آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں۔"

انھوں نے جواب دیا: "ہاں! پہچانتا ہوں، تم کیوں پوچھ رہے ہو۔"

وہ کہنے لگا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں اسے دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوں گا، جب تک وہ مر نہ جائے، یا میں نہ مارا جاؤں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس لڑکے کی باتیں سن کر بہت حیرت ہوئی۔ اسی وقت دوسرے لڑکے نے بھی یہی سوال پوچھا اور یہی بات کہی۔

اتنے میں ابوجہل میدان میں نظر آ گیا۔ انھوں نے فوراً ان دونوں سے کہا:

"تم جس کی تلاش میں ہو، وہ وہ رہا۔"

جونہی انھیں ابوجہل کے بارے میں پتا چلا، وہ دونوں اپنی تلواریں لیے اس کی طرف دوڑ پڑے۔ دونوں اس پر تلواروں کے وار کرنے لگے، یہاں تک کہ دونوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد دونوں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہ تفصیل سنائی۔ آپ نے ان سے پوچھا: "تم دونوں میں سے اسے کس نے قتل کیا ہے؟"

ان میں سے ایک نے فوراً کہا: "اے اللہ کے رسول! ابوجہل کو میں نے قتل کیا۔"

فوراً ہی دوسرے نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اسے میں نے قتل کیا ہے۔"

اس پر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ لی ہیں۔"

دونوں نے جواب دیا: "جی نہیں۔"

آپ ﷺ نے ان دونوں کی تلواریں دیکھیں۔ ان پر خون لگا ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔"

یہ دونوں لڑکے حضرت معاذ بن عمرو بن جموع اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما تھے۔

O

غزوہ اُحد کے دن حضور ﷺ نے ایک تلوار ہاتھ میں لی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا۔"

کچھ حضرات تلوار آپ ﷺ سے لے کر اسے دیکھنے لگے، آپ نے فرمایا:

"دیکھنے کے لیے نہیں دینا چاہتا، بلکہ تلوار لے کر اس کا حق کون ادا کرے گا۔"

اس پر حضرت ابودجانہ بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں اسے لے کر اس کا حق ادا کروں گا۔"

آپ ﷺ نے انھیں وہ تلوار دے دی اور وہ اسے لے کر کافروں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے سر پھاڑنے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے تھے، دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ کفار کو قتل کرتے ہوئے ابودجانہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ وہاں کفار کی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے مردوں کو جنگ پر ابھار رہی تھیں، یعنی انھیں جوش دلا رہی تھیں۔ ان میں ہند رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے ان پر وار کرنا چاہا تو انھوں نے اپنی مدد کے لیے میدان کی طرف منہ کر کے زور سے آواز لگائی، لیکن کوئی ان کی مدد کے لیے نہ آیا۔ اس پر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ان پر وار کرنے سے رک گئے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"میں آپ کی ساری کارگزاری دیکھتا رہا ہوں، مجھے آپ کے سارے ہی کام پسند آئے، لیکن آپ نے اس عورت کو کیوں قتل نہ کیا۔"

ان کی بات کے جواب میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اس عورت نے اپنی مدد کے لیے آواز لگائی تھی، لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی نہ آیا، مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک ایسی عورت کو قتل کروں جس کا کوئی مدد کرنے والا نہ ہو۔"

اس تلوار کے بارے میں مزید تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لینے کی خواہش ظاہر کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نہ دی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تلوار لینے کی خواہش کی تو آپ نے انھیں بھی نہ دی اور پھر آپ نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو وہ تلوار دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو اس تلوار سے جنگ کرتے دیکھا تو فرمایا:

"اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے تھے کہ اس تلوار کا کون زیادہ حق دار ہے۔"

یعنی واقعی یہ حق ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔

○

یہی تلوار لیے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جنگ کر رہے تھے کہ ایسے میں ایک مشرک ہتھیار لگائے میدان میں آیا۔ اس نے پکار کر کہا:

"اے مسلمانو! جیسے بکریاں (ذبح ہونے کے لیے) اکٹھی ہو جاتی ہیں، تم بھی (قتل ہونے کے لیے) اکٹھے ہو جاؤ۔"

ایک مسلمان اس کی طرف بڑھا۔ دیکھنے والوں نے محسوس کر لیا کہ کافر ڈیل ڈول میں اور ہتھیاروں میں مسلمان سے کہیں زیادہ ہے، پھر دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ مسلمان نے اس کے کندھے پر تلوار کا وار اس قدر زور سے کیا کہ تلوار اس کے کندھے کو کاٹتی ہوئی اس کے کولہے تک چلی گئی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر اس مسلمان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا کر کہا: "میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ہوں۔" (جاری ہے)

150

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ کے

قدم بہ قدم

حضور ﷺ کو ہدیے میں ایک کمان ملی۔ آپ ﷺ نے وہ کمان احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان ؓ کو دے دی۔ وہ اس کمان سے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر خوب تیر چلاتے رہے، یہاں تک کہ اس کا سرا ٹوٹ گیا، حضرت قتادہ ؓ پھر بھی حضور ﷺ کے سامنے کھڑے رہے اور آنے والے تیروں کو اپنے جسم پر لیتے رہے، جب بھی کوئی تیر آپ کے چہرے کی طرف آتا نظر آتا، یہ اپنا سر گھما کر آنے والے تیر کی طرف لے آتے اور حضور ﷺ کے چہرے کو بچا لیتے۔ ان کی کمان ٹوٹ چکی تھی، اس لیے خود تیر نہیں چلا سکتے تھے۔ آخر ایک تیر ان کی آنکھ کے ڈیلے پر آ کر لگا۔ ان کی آنکھ کا ڈیلا باہر نکل آیا۔ انھوں نے آنکھ کا ڈیلا اپنی ہتھیلی پر رکھا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھ کا ڈیلا ہتھیلی پر دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

"اے اللہ! قتادہ نے اپنے چہرے کے ذریعے آپ کے نبی کا چہرہ بچایا ہے، لہٰذا تو اس کی آنکھ کو زیادہ خوب صورت اور زیادہ تیز بنا دے۔"

چنانچہ ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوب صورت اور تیز ہو گئی۔

(اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے دستِ مبارک سے آنکھ کا ڈیلا اس کی جگہ پر رکھ دیا تھا)

O

حضرت سلمہ بن اکوع ؓ صلح حدیبیہ کے زمانے میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ آئے تھے۔ یہ حضور ﷺ کے اونٹوں کو چراتے تھے۔ ان کے ساتھ حضور ﷺ کے غلام حضرت رباح ؓ بھی ہوتے تھے۔

ایک روز یہ دونوں حضور ﷺ کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لیے نکلے۔ وہ وقت صبح کا تھا اور ابھی کچھ اندھیرا باقی تھا۔ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ ایسے میں ایک کافر عبدالرحمٰن بن عیینہ اپنے کافر ساتھیوں کے ساتھ ادھر آ نکلا۔ اس نے چراگاہ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور حضور ﷺ کے اونٹوں کو ہانک لے گیا۔

وہ اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ نے یہ سب ماجرا دیکھا تو حضرت رباح ؓ سے کہا:

"آپ اس گھوڑے پر بیٹھ جائیں اور حضور ﷺ کو خبر کر دیں کہ آپ کے اونٹوں کو کچھ لوگ ہانکے لے جا رہے ہیں۔"

حضرت رباح ؓ تو گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ادھر حضرت سلمہ بن اکوع ؓ ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارے:

"یا صباحاہ۔"

یعنی اے لوگو! دشمن نے لوٹ لیا، مدد کے لیے آؤ۔

پھر حضرت سلمہ بن اکوع ؓ اپنی تلوار اور تیر کمان لیے ان کافروں کے پیچھے دوڑ پڑے۔ یہ ابھی بچے تھے۔ جب یہ ان دشمنوں کے قریب پہنچ گئے تو اپنی کمان میں تیر چڑھا چڑھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے۔ جب کوئی سوار پلٹ کر ان کی طرف دیکھنا چاہتا، یعنی یہ جاننا چاہتا کہ تیر کس سمت سے آ رہے ہیں تو یہ کسی درخت کی اوٹ لے لیتے۔ اب جو دشمن بھی ان کی طرف بڑھتا، یہ اسے یا اس کی سواری کو تیر مارتے، اس طرح انھیں زخمی کرتے چلے گئے۔ تیر چلانے کے ساتھ ساتھ وہ یہ شعر بھی پڑھ رہے تھے:

"اس تیر کو لے میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کا دن کمینوں اور کنجوسوں (کی ہلاکت) کا دن ہے۔"

اس طرح یہ درختوں کی اوٹ سے ان پر تیر چلاتے رہے، جب کہیں تنگ گھاٹی آ جاتی تو یہ پہاڑ پر چڑھ کر ان پر تیر برساتے اور ساتھ میں شعر بھی پڑھتے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے تمام اونٹ انھوں نے چھڑوا لیے۔ اب اونٹ ان کے پیچھے رہ گئے اور یہ برابر دشمن کا تعاقب کرتے رہے۔ ان پر تیر چلاتے رہے، انھیں اور ان گھوڑوں کو زخمی یا ہلاک کرتے رہے۔ اس طرح دشمن تیس سے زیادہ نیزے اور چادریں چھوڑ گئے، یعنی دوڑتے ہوئے انھوں نے اپنی یہ چیزیں اس لیے گرائیں کہ ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ راستے میں حضرت سلمہ دشمنوں کی جو چیز گری ہوئی پاتے، اس پر نشانی کے طور پر ایک پتھر رکھ دیتے، تا کہ بعد میں وہ جمع کرنے میں آسانی رہے، یہاں تک کہ دھوپ پھیل گئی، چاشت کا وقت ہو گیا۔ اس وقت کافر ایک گھاٹی میں تھے کہ عیینہ فزاری اپنے ان ساتھیوں کی مدد کے لیے اور کافر وہاں لے آیا۔ حضرت سلمہ اس وقت ایک پہاڑی پر چڑھے ہوئے تھے۔ عیینہ نے انھیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''

ایک کافر نے بتایا:

''یہ ساری تکلیف ہمیں اس نوعمر لڑکے کے ہاتھوں اٹھانی پڑی ہے، اس نے صبح سے اب تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ اس نے ہماری ہر چیز لے لی ہے اور تمام چیزیں اپنے پیچھے رکھ آیا۔''

یہ سن کر عیینہ نے کہا:

''اسے یقین ہے کہ اس کی مدد کے لیے لوگ آنے والے ہیں، اس لیے یہ تم لوگوں کے پیچھے لگا رہا۔ تم میں سے چند اس کی طرف جاؤ اور اسے پکڑ لو۔''

اس پر ان میں سے چار حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی طرف چل پڑے۔ جب یہ ان کے قریب پہنچ گئے تو انھوں نے چاروں کو باتوں میں لگانے کے لیے کہا:

''کیا تم جانتے ہو، میں کون ہوں۔''

انھوں نے کہا: ''بتاؤ! تم کون ہو؟''

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں اکوع کا بیٹا ہوں اور اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت عطا فرمائی، تم میں سے کوئی مجھے بھاگ کر نہیں پکڑ سکتا اور میں بھاگوں تو تم میں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔''

ان میں سے ایک نے کہا:

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

اور بات تھی بھی یہی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بہت زیادہ تیز دوڑتے تھے۔ تیز دوڑنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ابھی یہ ان چاروں کو باتوں میں لگائے ہوئے تھے کہ مدینہ منورہ کی طرف سے گھوڑے سوار آتے نظر آئے۔ ان میں سب سے آگے حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہ سوار حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پیچھے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں آتے دیکھ کر وہ چاروں مشرک وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ اب حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نیچے اتر آئے۔ انھوں نے حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور ان سے کہنے لگے:

''آپ ابھی آگے نہ جائیں۔ یہیں ٹھہریں۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ ہیں، باقی ساتھیوں کا انتظار کر لیں۔''

ان کی بات کے جواب میں حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے سلمہ! اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور تمھیں یقین ہے کہ جنت حق ہے اور دوزخ کی آگ حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان رکاوٹ نہ ہو۔''

یہ سن کر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور عبدالرحمٰن بن عیینہ پر حملہ آور ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے بھی مڑ کر ان پر حملہ کیا۔ اب دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ عبدالرحمٰن گھوڑے سے گرنے لگا، گرتے گرتے اس نے اپنا نیزہ حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کو دے مارا۔ نیزہ انھیں لگا اور وہ شہید ہوگئے۔ عبدالرحمٰن ان کے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ عین اسی وقت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کے نزدیک پہنچ گئے۔ دونوں نے نیزے کے وار ایک دوسرے پر کیے۔ پھر عبدالرحمٰن نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے۔ اسی وقت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن پر وار کیا۔ ان کا وار کارگر رہا اور عبدالرحمٰن مارا گیا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کا گھوڑا پکڑا اور اس پر سوار ہوگئے۔

ان حالات میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھاگنے والے مشرکوں کے پیچھے دوڑ پڑے۔ وہ دوڑتے دوڑتے اتنا دور نکل گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے چلنے سے اڑنے والا گرد وغبار انھیں نظر آنا بند ہوگیا۔ ایسے میں بھاگنے والے مشرک ایک گھاٹی کے پاس پہنچ گئے اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ گھاٹی میں پانی تھا۔ ان مشرکوں نے وہاں سے پانی پینا چاہا، لیکن اسی وقت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ مشرکوں نے جو انھیں دیکھا تو پانی کو چھوڑ کر بھاگے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک مشرک کے نزدیک پہنچ گئے۔ اسی وقت سورج ڈوب گیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس مشرک کو تیر مارا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس مشرک کو پہلے بھی ایک تیر مار چکے تھے اور دونوں تیر ہی اسے لگے تھے۔

مشرک اب بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ اپنے پیچھے دو گھوڑے اور بہت سا ساز و سامان بھی چھوڑ گئے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ان دونوں گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اس گھاٹی میں پہنچ چکے تھے جس سے مشرکوں نے پانی پینا چاہا تھا۔ آپ کے ساتھ پانچ سو صحابہ تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت مشرکوں کا ایک اونٹ ذبح کر کے اس کی کلیجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھون رہے تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے صحابہ میں سے سو آدمی چن کر لے جاؤں اور جا کر رات کے اندھیرے میں ان کافروں پر حملہ کر دوں (اس طرح وہ سب ختم ہو جائیں گے) اور ان کی خبر دینے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اے سلمہ! کیا تم ایسا کر گزرو گے؟"

انھوں نے کہا:

"جی ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت عطا فرمائی ہے۔"

اس پر آپ اتنے زور سے ہنسے کہ آگ کی روشنی میں آپ کے دانت مبارک انھیں نظر آ گئے۔

دوسری صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہمارے سواروں میں سب سے بہترین سوار حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ہمارے پیادوں میں سب سے بہترین پیادے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔"

آپ نے مالِ غنیمت میں سے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو سوار کا حصہ بھی دیا اور پیدل چلنے والے کا بھی اور مدینہ منورہ جاتے ہوئے آپ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ جب ان کے اور مدینہ منورہ کے درمیان اتنا فاصلہ رہ گیا جتنا سورج نکلنے سے لے کر چاشت کے وقت میں طے ہو سکے تو انصاری صحابہ میں سے ایک تیز دوڑنے والے ساتھی نے دوڑ کے مقابلے کی خواہش ظاہر کی، یعنی انھوں نے کہا:

"کوئی مجھ سے دوڑ لگاتا ہے۔" اور کہا:

"ہے کوئی آدمی جو مدینہ تک مجھ سے دوڑ لگائے۔"

یہ اعلان انھوں نے کئی بار کیا۔ اس پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیں، میں ان سے دوڑنے کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو اجازت ہے۔"

اب حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان صاحب سے کہا:

"میں آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

انصاری کود کر اپنی سواری سے نیچے آ گئے۔ حضرت

ابو سلمہ ؓ بھی سواری سے نیچے اتر آئے۔ اب دونوں میں دوڑ شروع ہوئی۔ شروع شروع میں حضرت سلمہ ؓ نے اپنے آپ کو روکے رکھا، یعنی زیادہ تیز نہیں دوڑے اور انصاری آگے نکلتے چلے گئے۔ پھر یہ تیز دوڑنے لگے اور ان تک جا پہنچے۔ ان کے کندھوں کے درمیان میں ہاتھ مار کر حضرت سلمہ ؓ نے ان سے کہا:

''میں آپ سے آگے نکل گیا ہوں۔''

اس پر انصاری ہنس پڑے اور کہنے لگے:

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

دونوں دوڑتے رہے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ تک پہنچ گئے اور اس وقت حضرت سلمہ ؓ ان انصاری سے آگے تھے۔

O

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ نے اپنی قوم کی کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر دو سو درہم مقرر کیا۔ اس کے بعد مدد کے سلسلے میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے نکاح کر لیا ہے اور مہر ادا کرنے کے سلسلے میں مدد چاہتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

''تم نے کتنا مہر مقرر کیا ہے۔''

انھوں نے کہا: ''دو سو درہم۔''

آپ نے اس مہر کو ان کی حیثیت سے زیادہ محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''سبحان اللہ! اگر تم وادی کی کسی عورت سے نکاح کرتے تو تمہیں اتنا مہر نہ دینا پڑتا۔ تم نے چونکہ اپنی قوم میں شادی کی ہے، اس لیے اتنا زیادہ مہر دینا پڑ رہا ہے، وہ تمہاری حیثیت سے زیادہ ہے۔ اللہ کی قسم! تمہاری مدد کرنے کے لیے اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

اس پر حضرت عبداللہ بن ابی حدرد چند دن ٹھہرے رہے۔ پھر قبیلہ جشم کا ایک شخص اپنے بڑے خاندان کو لے کر آیا اور مدینہ کے قریب مقام غابہ میں ٹھہرا۔ وہ حضور ﷺ سے لڑنے کے لیے آیا تھا۔ اپنے قبیلے میں اس کا بڑا مقام تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ اور دو اور مسلمانوں کو بلایا اور اُن سے فرمایا:

''تم لوگ جاؤ اور اس شخص کے بارے میں پوری معلومات لے کر آؤ۔''

آپ نے انھیں ایک دبلی اور بوڑھی سی اونٹنی عطا فرمائی۔ ان میں سے ایک اس اونٹنی پر سوار ہوا تو وہ اسے لے کر اٹھ بھی نہ سکی۔ کچھ لوگوں نے اسے پیچھے سے سہارا دیا، تب وہ کھڑی ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

''اسی پر بیٹھ کر وہاں پہنچ جاؤ۔''

حضور ﷺ کے ارشاد کی برکت سے ان تینوں حضرات نے اسی کمزور سواری پر یہ سفر کیا۔ اللہ نے اس کمزور اونٹنی کو اتنی طاقت عطا فرما دی۔ ان حضرات کے پاس اپنے اپنے ہتھیار موجود تھے۔ ان لوگوں کی قیام گاہ کے قریب پہنچ کر حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ ایک کونے میں چھپ گئے۔ ان کے دونوں ساتھی دوسری طرف چھپ گئے۔ (جاری ہے)

نئی کرسیاں

سلمیٰ مراد۔ ڈی جی خان

مدرسے سے متصل سکول میں چھوٹے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کرسیاں لائی گئیں۔ کرسیاں دیکھ کر ہم چھوٹے بچوں کی طرح خوش ہو گئے۔ گویا ہماری عید ہو گئی، لیکن بغیر عیدی والی عید۔ سکول چوں کہ نیا شروع ہوا تھا۔ اس لیے فرنیچر بھی نیا بن کر آ رہا تھا۔ پھر جب میڈم صاحبہ یعنی پرنسپل صاحبہ کے لیے کرسی لائی گئی تو اس نے سب سے پہلے ہمیں شرفِ نشست بخشا۔ ہم نے کرسی پر بیٹھ کر چاروں جہت کی سیر کی، یعنی اس آرام کرسی پر بیٹھ کر چاروں طرف پھر گئے، جہتیں تو چھ ہوتی ہیں، لیکن ہم چوں کہ کرسی پر براجمان تھے، اس لیے نیچے نہیں دیکھ سکتے تھے اور اوپر اس لیے نہیں دیکھا کہ اوپر ہی تو تھے۔ اوپر کیا دیکھتے۔

سمجھنے میں جلدی مت کیجیے۔ یادوں کا دریچہ نہیں کھل رہا اور نہ ہی ہم اپنے پرنسپل ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ تو آج کل کے حالات نے ایسا چکر دیا ہے کہ صبر کے سارے پیمانے بھر گئے ہیں اور اُبل کر کرسی کرسی پکار رہے ہیں۔ دھرنوں کی سیاست کرسی کے حصول کے لیے ہو رہی ہے۔ عمران خان صاحب کو چاہیے کہ سیدھا سیدھا کسی سکول میں پرنسپل لگ جائیں۔ آہا! کیا کرسی ہوتی ہے پرنسپل کی۔ ویسے بھی لازمی تو نہیں ہے کہ ہر صاحب کرسی P.M کہلائے، یعنی Prime Minister۔ بھئی ہم بھی تو کرسی پر بیٹھے تھے، لیکن ہمیں تو لوگ پھر بھی P.M کی بجائے S.M کہتے ہیں۔ بس خواہ مخواہ کے دھرنے پال رکھے ہیں لوگوں نے۔ خان صاحب کو کرسی پر بیٹھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ایک عدد کرسی خرید کر P.M کی کرسی کے ساتھ رکھ لیں اور SUB، P.M بن جائیں۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ یہ خیال کر کے پریشان نہ ہوں کہ سب ہی جانتے ہیں اصل P.M تو نواز شریف صاحب ہیں۔ میری کیا اوقات! ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ دولہے کے ساتھ جو چھوٹے سے بچے کو دولہا بناتے ہیں، سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ چھوٹا دولہا بس ایویں دولہا ہے، لیکن پھر بھی سلامیاں تو اسے بھی ملتی ہیں اور کچھ نہ ملے، سلام دعا تو ملتی رہے گی۔ اگر بالفرض خان صاحب P.M کی کرسی حاصل کرنے یعنی چھیننے میں کامیاب ہو گئے تو آیندہ حکمرانوں کا انتخاب ووٹ لے کر نہیں بلکہ دھرنے دے کر کیا جائے گا۔ جس کا دھرنا جتنا بڑا ہوگا، اس کی حکومت اتنی پکی ہوگی، گویا جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور ''جس کا دھرنا اس کی کرسی'' یہ محاورہ بالکل نیا ہے اور جدید محاوروں کے سٹاک سے برآمد کیا گیا ہے۔ ہماری طرف سے تحفتاً سنبھال کر رکھ لیں، تاکہ نئے پاکستان میں کام آ سکے، کیوں کہ نئے گھر میں نئی چیزیں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ جس طرح نئے سکول میں نئی نئی نکور کرسیاں۔

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے طے کیا تھا کہ جب وہ اللہ اکبر کہہ کر حملہ کریں تو وہ دونوں بھی اللہ اکبر کہہ کر دشمن پر حملہ کر دیں۔

یہ تینوں حضرات اس طرح چھپے ہوئے انتظار کر رہے تھے کہ کب ہم انھیں غافل پا کر ان پر حملہ کر دیں یا کوئی اور موقع مل جائے۔ رات ہو چکی تھی اور تاریکی بڑھ چکی تھی۔ اس قبیلے کا ایک چرواہا صبح سے جانور لے کر گیا ہوا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ انھیں اس کے بارے میں خطرہ ہوا۔ ان کا سردار رفاعہ بن قیس کھڑا ہوا۔ اس نے تلوار لے کر اپنے گلے میں ڈالی۔ اس کے بعد اس نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں اپنے چرواہے کے بارے میں پکی بات معلوم کر کے آتا ہوں، اسے ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔''

اس کے چند ساتھیوں نے کہا:

''آپ نہ جائیں۔ آپ کی جگہ ہم چلے جاتے ہیں۔''

اس پر اس نے کہا:

''نہیں! میرے علاوہ کوئی نہیں جائے گا۔''

اب ساتھیوں نے کہا:

''تو پھر ہم آپ کے ساتھ جاتے ہیں۔''

اس نے جواب دیا:

''نہیں! تم میں سے کوئی میرے ساتھ نہیں جائے گا۔''

اور پھر وہ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ کے پاس سے گزرا۔ حضرت ابو حدرد ؓ نے جب دیکھا کہ وہ عین ان کے نشانے پر آ گیا ہے تو انھوں نے اسے تیر مارا۔ تیر اس کے دل کو جا لگا۔ اس کی آواز تک نہ نکل سکی۔ حضرت ابو حدرد ؓ نے سواری سے اتر کر اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر لشکر کے ایک کونے پر حملہ کیا۔ ان کے دونوں ساتھیوں نے بھی زور سے اللہ اکبر کہہ کر ان پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے وہ لوگ گھبرا گئے۔ سب یہی کہنے لگے:

''اپنے آپ کو بچاؤ، اپنے آپ کو بچاؤ، عورتوں، بچوں اور ہلکا پھلکا جو سامان ساتھ لے جا سکتے ہو، بس وہ لے چلو۔''

اس طرح وہ لوگ بھاگ نکلے اور بہت سارے اونٹ اور بکریاں ان کے ہاتھ آئیں۔ یہ انھیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابنِ ابی حدرد ؓ نے رفاعہ بن قیس کا سر آپ کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے مہر ادا کرنے کے لیے اس مالِ غنیمت میں سے تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے۔ اس طرح وہ مہر ادا کر کے اپنی بیوی کو اپنے گھر لے گئے۔

○

ہرمز مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایرانیوں کا سردار تھا۔ مسلمان مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کو ختم کر کے فارغ ہوئے تو انھوں نے بصرے کا رخ کیا۔ کاظمہ کے مقام پر انھیں ہرمز ملا۔ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ ہرمز سے مقابلے کے لیے میدان میں آئے اور اسے للکارا۔ ہرمز بھی میدان میں آ گیا۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہوا اور آخر حضرت خالد بن ولید ؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ خوش خبری حضرت خالد بن ولید ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو لکھ بھیجی۔ جواب میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں لکھا:

''ہرمز کا تمام سامان ہتھیار، کپڑے اور گھوڑا وغیرہ آپ لے لیں۔''

ہرمز کے ایک تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی، ایران جسے اپنا سردار بناتے تھے، اسے ایک لاکھ کا تاج پہناتے تھے۔

○

حضرت خالد بن ولید ؓ کے انتقال کا وقت آیا تو رونے لگے، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا:

''میں نے اتنی بہت سی جنگوں میں حصہ لیا ہے اور میرے جسم پر بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جس پر تیر، تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو، لیکن دیکھو میں بستر پر مر رہا ہوں، جیسا کہ اونٹ مرا کرتا ہے، یعنی مجھے شہادت کی موت نصیب نہیں ہوئی۔''

○

قادسیہ کی جنگ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے سالار تھے۔ حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کی صفوں کے سامنے سے گزرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

''اے مہاجرین اور انصار کی جماعت زور آور شیر بن جاؤ اور دشمن پر ایسا حملہ کرو کہ دشمن نا امید ہو جائے۔''

ابھی وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ایرانی لشکر سے کسی نے انھیں تیر مارا۔ وہ تیر ان کی کمان کے سرے پر لگا۔ جواب میں حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اس پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ انھوں نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے:

''ایسے کرو۔''

اس روز حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اکیلے ہی دشمن پر حملہ کر دیا اور ان پر خوب تلوار چلائی۔ بعد میں مسلمان بھی ان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ دشمن نے انھیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ وہ اکیلے ہی دشمن پر تلوار چلا رہے تھے۔ ایسے میں مسلمان ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو کافروں کے گھیرے سے نکالا۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''میں تمہاری مدد کے لیے دو ہزار آدمی بھیج رہا ہوں۔''

آپ نے صرف دو مسلمانوں کو بھیجا۔ وہ حضرت عمرو بن معدی کرب اور حضرت طلحہ بن خویلد رضی اللہ عنہما تھے۔ گویا وہ دونوں ایک ایک ہزار کے برابر تھے۔

○

جنگِ نہاوند 21 ہجری میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ پھر حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ شکست فتح میں بدل گئی۔ حضرت عمرو بن بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اس لڑائی میں بہت زخمی ہوئے، بلکہ زخموں سے چور چور ہو گئے، انھیں میدانِ جنگ سے باہر لے جایا گیا اور آخر روزہ نامی بستی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے ایک جماعت بھیجی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ کچھ لوگ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ ایسے میں یہ حضرات آپس میں کہنے لگے:

''ہمیں کیا کرنا چاہیے، ہم تو دشمن کے مقابلے سے بھاگے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو لے کر لوٹ رہے ہیں۔''

انھوں نے مشورہ کیا کہ ہم مدینہ منورہ میں پہنچ کر رات گزار لیتے ہیں، صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا:

''نہیں! ہم سیدھے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں۔ اگر ہماری توبہ قبول ہو گئی تو ٹھیک، ورنہ ہم (مدینہ چھوڑ کر کہیں اور) چلے جائیں گے۔''

اس فیصلے کے بعد یہ حضرات فجر کی نماز سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی آمد کی خبر ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ نے دریافت فرمایا:

''یہ کون لوگ ہیں۔''

انھوں نے خود ہی جواب دیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم تو میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ تم تو پیچھے ہٹ کر دوبارہ حملہ کرنے والوں میں سے ہو، میں تمہارا اور مسلمانوں کا مرکز ہوں (یعنی تم میرے پاس آ گئے ہو، اس لیے تم بھگوڑے نہیں ہو)۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

قبیلہ اسلم کے ایک نوجوان نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن تیاری کے لیے میرے پاس مال نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"فلاں انصاری کے پاس جاؤ، انھوں نے جہاد کی تیاری کی ہوئی تھی، لیکن اب وہ بیمار ہوگئے ہیں۔ ان سے کہنا، اللہ کے رسول تمھیں سلام کہہ رہے ہیں اور یہ بھی کہنا کہ تم نے جہاد کے لیے جو سامان تیار کیا تھا، وہ تمھیں دے دیں۔"

وہ نوجوان اس انصاری کے پاس گئے اور ساری بات ان سے کہہ دی۔ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا:

"تم نے جو سامان میرے لیے تیار کیا تھا، وہ انھیں دے دو اور اس سامان میں سے کوئی چیز نہ رکھنا، کیونکہ اللہ کی قسم! تم اس میں سے جو چیز رکھو گی، اس میں اللہ تعالیٰ برکت نہیں عطا فرمائیں گے۔"

O

ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"میری سواری ہلاک ہوگئی ہے، آپ مجھے سواری دے دیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس وقت تو میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔"

اس پر ایک شخص نے کہا:

"میں انھیں ایسا آدمی بتاتا ہوں جو انھیں سواری دے دے گا۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"جو آدمی کسی کو خیر کا راستہ بتائے تو بتانے والے کو کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔"

O

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے مہاجرین اور انصار کی جماعت! تمہارے کچھ بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ ان کا کوئی خاندان ہے (جو انھیں مال دے) لہٰذا تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایسے دو یا تین آدمیوں کو ملالے۔"

اس پر ہر سواری والے نے اپنے ساتھ ایسے نادار دو تین ساتھی لے لیے اور جن کی وہ سواریاں تھیں، وہ بھی اپنی باری پر سواری پر سوار ہوتے رہے، یعنی سواری کے مالک کی اور دوسروں کے سوار ہونے کی باری برابر ہوتی تھی۔

قدم بہ قدم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھ دو یا تین ساتھیوں کو لے لیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے سوار ہونے کی جتنی باری ہوتی تھی، اتنی ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہوتی تھی، یعنی یہ بات نہیں تھی کہ جس کی سواری ہو، وہ تو زیادہ دیر سواری پر سوار رہے اور جن لوگوں کو انھوں نے ساتھ ملایا تھا، انھیں کم وقت سوار کے لیے دیا جائے۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاری کا اعلان فرمایا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے پاس گئے، وہاں سے واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی پہلی جماعت جا چکی تھی۔ یہ مدینہ منورہ میں یہ اعلان کرنے گئے کہ ہے کوئی جو ایک آدمی کو سواری دے اور سواری دینے والے کو اس آدمی کے مالِ غنیمت کا سارا حصہ مل جائے گا۔

یعنی انھوں نے یہ اعلان کیا کہ جو مجھے سواری دے گا، میں اسے اپنا سارا مالِ غنیمت دے دوں گا۔

اس پر ایک بوڑھے شخص نے کہا:

"ہم آپ کو مستقل سواری نہیں دیں گے، آپ اپنی باری پر سفر کر سکیں گے اور کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں گے۔"

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

اب انھوں نے کہا:

"پھر اللہ کا نام لے کر چلو۔"

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اس اچھے ساتھی کے ساتھ چل پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں مالِ غنیمت دیا تو ان کے حصے میں کچھ جوان اونٹ آئے۔ وہ ان اونٹوں کو ہانک کر اپنے ساتھی کے پاس لے گئے۔ وہ باہر آئے تو ان کے اونٹوں کو دیکھ کر کہنے لگے:

"ان اونٹوں کو چارہ کر رکھنا۔"

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اب انھوں نے کہا:

"مجھے تو یہ جوان اونٹ بہت عمدہ نظر آ رہے ہیں۔"

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یہی تو وہ مال غنیمت ہے جس کے دینے کا میں نے اعلان کیا تھا۔"

انھوں نے یہ سن کر کہا:

"اے میرے بھتیجے! تم اپنے یہ جوان اونٹ لے جاؤ۔ میرا ارادہ تو تمھارے مال غنیمت کے علاوہ کچھ اور لینے کا تھا۔"

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے تمھارے لیے جو کچھ کیا ہے، اس کے بدلے میں میں دنیا میں کچھ نہیں لینا چاہتا، بلکہ میرا ارادہ تو اجر و ثواب میں شریک ہونے کا تھا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جہاد کے لیے بھیجا۔ ان میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا:

"میں آپ کے ساتھ اس شرط پر جانے کے لیے تیار ہوں کہ آپ میرے لیے مال غنیمت میں سے ایک مقدار مقرر کر دیں۔" پھر وہ کہنے لگا:

"اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں کہ آپ کو مال غنیمت ملے گا یا نہیں، اس لیے آپ میرے حصے کی مقدار مقرر کر دیں۔"

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے تین دینار مقرر کر دیے۔ اس کے بعد یہ حضرات جہاد کے لیے گئے۔ جہاد کے بعد انھیں خوب مال غنیمت ملا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو مال غنیمت میں سے حصہ دینے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا:

"مجھے تو اسے دنیا اور آخرت میں اس یہی تین دینار ملتے نظر آ رہے ہیں جو اس نے لے لیے ہیں۔" (اور اسے ثواب نہیں ملے گا)

مطلب یہ کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو تین درہم طے کیے تھے، وہ تو انھوں نے دے دیے تھے، لیکن مال غنیمت چونکہ زیادہ ملا تھا، اس لیے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ کیا اسے اور مال دیا جائے، جس کے جواب میں آپ نے یہ بات فرمائی کہ مجھے تو اسے دنیا اور آخرت میں صرف یہی تین دینار ہی ملتے نظر آ رہے ہیں اور کوئی اجر اسے نہیں ملے گا، کیونکہ وہ جہاد میں اجرت طے کر کے گیا تھا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ غزوے میں جانے کے لیے اعلان فرمایا۔ حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ عنہ بہت بوڑھے تھے۔ ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں تھا، یہ کوئی ایسا آدمی تلاش کرنے لگے جو اجرت لے کر غزوے میں جانے پر تیار ہو۔ انھیں ایسا آدمی مل گیا۔ جب غزوے میں جانے کا وقت آیا تو وہ حضرت یعلیٰ بن منیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"پتا نہیں مال غنیمت کے کتنے حصے بنیں گے اور میرا کتنا حصہ ہوگا، اس لیے آپ کچھ مقدار مقرر کر دیں۔" حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے تین دینار مقرر کر دیے۔ جب مال غنیمت آیا، وہ بہت تھا۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے پورا حصہ دینا چاہا، لیکن پھر انھیں یہ بات یاد آ گئی کہ اس نے مقدار مقرر کر لی تھی، چنانچہ حضرت یعلیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آدمی کی ساری بات بتائی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے خیال میں تو اسے اس غزوے کے بدلے میں دنیا اور آخرت میں صرف وہ دینار ہی ملیں گے جو اس نے مقرر کیے تھے۔" (نہ ثواب ملے گا، نہ مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا) (جاری ہے)

واقعات صحابہ ؓ کے

154

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ایک طاقت ور نوجوان مسجد میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں لمبے لمبے تیر تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:

''اللہ کے راستے میں جانے کے لیے کون میری مدد کرے گا۔''

حضرت عمر ؓ نے اسے بلایا۔ لوگ اسے آپ کے پاس لے آئے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''اپنے کھیت میں کام کرانے کے لیے اسے کون مزدوری پر رکھتا ہے۔''

ایک انصاری نے کہا:

''اے امیر المومنین! میں رکھ لیتا ہوں۔''

آپ نے اس سے پوچھا:

''تم اسے ہر ماہ کتنی تنخواہ دو گے۔''

اس انصاری نے بتا دیا کہ اتنے پیسے دیا کروں گا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اسے لے جاؤ۔''

اس شخص نے انصاری کے باغ میں کئی ماہ کام کیا۔ پھر حضرت عمر ؓ نے اس انصاری سے پوچھا:

''ہمارے مزدور کا کیا ہوا؟''

اس نے بتایا:

''اے امیر المومنین! وہ بہت نیک آدمی ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔ اس کی اب تک جتنی مزدوری بنی ہے، وہ بھی لے آؤ۔''

وہ انصاری اس نوجوان کو ساتھ لے کر حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ درہموں کی ایک تھیلی تھی۔ حضرت عمر ؓ نے اس شخص سے فرمایا:

''درہموں کی یہ تھیلی لے لو اور چاہو تو ان کی مدد سے جہاد میں چلے جاؤ اور چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ۔''

مطلب یہ تھا کہ اس غرض کے لیے بھی مانگنا اچھا نہیں ہے۔

O

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''کیا اللہ کے رسول ﷺ نے گھوڑوں کے بارے میں کچھ فرمایا ہے؟''

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا:

''ہاں! میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے۔ اللہ کے بھروسے پر خریدو اور اللہ کے بھروسے پر قرض لو۔''

کسی نے پوچھا:

''ہم اللہ کے بھروسے پر کیسے خریدیں اور اللہ کے بھروسے پر کیسے قرض لیں۔''

آپ نے فرمایا:

''تم قرض دینے والے سے یہ کہو کہ ہمیں قرض ابھی دے دو۔ جب مالِ غنیمت سے ہمارا حصہ ہمیں ملے گا تو ہم اس وقت قرض ادا کریں گے اور جب تک تمہارا جہاد سرسبز اور شاداب رہے گا، تم خیر پر رہو گے اور آخر زمانے میں لوگ جہاد میں شک کرنے لگ جائیں گے تو ان کے زمانے میں تم جہاد بھی کرنا اور پھر جہاد میں اپنی جان بھی پیش کر دینا، کیونکہ جہاد میں جانا اس دن بھی سرسبز ہوگا۔''

یعنی جہاد پر آج کی طرح اللہ کی مدد بھی آئے گی اور مالِ غنیمت بھی ملے گا۔ (ابو یعلیٰ 5/280)

O

جب حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو کعب ابن اشرف کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو حضور ﷺ انھیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ چل کر بقیع غرقد تک گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کا نام لے کر جاؤ۔''

پھر آپ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! ان کی مدد فرما۔''

O

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے جب حضرت اسامہ بن زید ؓ کے لشکر کو روانہ فرمایا تو آپ بھی لشکر کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ آپ نے انھیں رخصت کیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق ؓ پیدل چل رہے تھے جب کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ سواری پر سوار تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی سواری کی لگام تھام کر چل رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں حضرت اسامہ ؓ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے عرض کیا:

''اے خلیفہ رسول! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں، ورنہ میں بھی سواری سے نیچے اتر آتا ہوں۔''

اس پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! نہ تم اترو گے اور اللہ کی قسم! نہ میں سوار ہوں گا۔ میرا کیا حرج ہے کہ میں تھوڑی دیر اپنے پاؤں

اللہ کے راستے میں غبار آلود کرلوں، کیونکہ غازی جو قدم بھی اٹھاتا ہے، اس کے لیے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس کے سات سو درجات بلند کیے جاتے ہیں اور اس کے سات سو گناہ مٹائے جاتے ہیں۔"

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انھیں رخصت کرکے واپس آنے لگے تو انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اگر تم مناسب سمجھو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میری مدد کے لیے یہاں چھوڑ جاؤ۔"

یہاں غور کا مقام ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے خلیفہ ہیں، تمام اختیارات آپ کے ہاتھ میں ہیں، لیکن چونکہ لشکر کے سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر میں شامل ہیں تو اس لیے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کر رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میری مدد کے لیے یہاں چھوڑ جائیں۔ براہِ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں فرمایا کہ آپ میری مدد کے لیے یہیں رہ جائیں۔ اسے کہتے ہیں نظم و ضبط۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں رہ جانے کی اجازت دے دی۔

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں چار لشکر بھیجے۔ ان میں سے ایک لشکر کے سالار حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ پیدل چلنے لگے۔ حضرت یزید بن ابی سفیان نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں سواری سے اتر جاتا ہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"تمھیں نیچے اترنے کی اجازت نہیں اور میں خود بھی سوار نہیں ہوں گا، کیونکہ میرے قدم اللہ کے راستے میں پڑ رہے ہیں، مجھے ان پر اللہ سے ثواب کی امید ہے۔"

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک لشکر کو روانہ فرمانے کے لیے اس کے ساتھ پیدل گئے اور فرمایا:

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے راستے میں ہمارے پاؤں غبار آلود ہوئے۔"

کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"ہمارے پاؤں اللہ کے راستے میں کیسے غبار آلود ہو گئے۔ ہم تو اللہ کے راستے میں نکلے ہی نہیں۔ ہم تو انھیں رخصت کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

ان کی بات کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم نے انھیں تیار کیا اور انھیں رخصت کرنے کے لیے یہاں تک آئے اور ان کے لیے دعا کی۔" (لہٰذا ہمارے یہ قدم بھی اللہ کے راستے میں اٹھے ہیں)

(جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ ایک غزوے میں گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ انھیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ رخصت کرنے کے بعد جانے لگے تو آپ نے فرمایا:

''آپ لوگوں کو دینے کے لیے اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی چیز کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں، اس لیے میں آپ لوگوں کے دین کو اور امانت کو اور آپ لوگوں کے اعمال کے خاتمے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''کوئی مرد کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ ملے اور نہ ہی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے۔''

اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! فلاں غزوے میں میرا نام لکھا گیا ہے، ادھر میری بیوی حج کرنے جا رہی ہے۔ اب میں کیا کروں، اس کے ساتھ حج کرنے جاؤں یا جہاد میں جاؤں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیوی کے ساتھ حج کرنے جاؤ۔''

O

قبیلہ بنو غفار کی تین عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ غزوہ خیبر میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ان تینوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم بھی آپ کے ساتھ اس سفر میں جانا چاہتی ہیں۔ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اللہ برکت دے، چلو۔''

یہ تینوں خواتین آپ کے ساتھ گئیں۔ ان میں سے ایک کم عمر بچی تھیں۔ آپ نے انھیں اپنے اونٹ پر کجاوے کے پیچھے بٹھا لیا۔ اس غزوے سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔ کم عمر لڑکی کو ایک ہار بھی ملا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے گلے میں پہنایا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں:

''اللہ کی قسم! یہ ہار کبھی بھی میرے جسم سے الگ نہیں ہوگا۔''

چنانچہ ان کے انتقال تک وہ ہار ان کے گلے میں رہا۔ مرتے وقت انھوں نے وصیت کی:

''یہ ہار میری میت کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔''

O

قبیلہ طغاوہ کے ایک شخص ایک قبیلے کے پاس سے گزرا کرتے تھے۔ وہ جب بھی گزرتے، اس قبیلے کے لوگوں کو احادیث سنایا کرتے۔ ایک روز انھوں نے کہا:

''میں ایک مرتبہ اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ مدینہ گیا۔ وہاں انھوں نے اپنا سامان فروخت کیا۔ اس وقت ان کے جی میں آئی، وہ اس شخص کے پاس جاتے ہیں (یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) ان کے حالات لے کر اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو جا کر بتائیں گے، چنانچہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے انھیں ایک گھر دکھا کر فرمایا، اس گھر میں ایک عورت تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک جہاد میں گئی۔ اس کے گھر میں بارہ بکریاں اور کپڑا بننے کا ایک برش تھا۔ واپس آئی تو اسے اپنے گھر میں بکریوں میں سے ایک بکری اور برش نہ ملا۔ تب اس عورت نے کہا:

''اے اللہ! جو آدمی تیرے راستے میں نکلے، اس کی ہر طرح حفاظت کا تو نے ذمہ لیا ہوا ہے، میں تجھے اپنی بکری اور برش کے بارے میں قسم دیتی ہوں کہ مجھے واپس فرما دے۔''

اس کی اس دعا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طغاوی کو بتانے لگے کہ دیکھو! اس عورت نے کس طرح جوش و خروش سے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اس جیسی دو بکریاں اور اس جیسے دو برش عطا فرما دیے، تم جا کر اس بات کی تصدیق کرنا چاہو تو اس عورت سے کر سکتے ہو۔

اس پر طغاوی نے کہا:

''نہیں! مجھے اس عورت سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ سے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہوں۔'' (یعنی مجھے آپ کی بات پر پورا یقین ہے)

یعنی یہ طحاوی اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے جب ان کے جی میں آئی کہ آپ سے ملاقات کرے، تب آپ نے اسے اس عورت کے بارے میں بتایا۔

O

غزوہ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں نے اپنی چادریں اوپر چڑھا لیں اور مشکیزے لٹکائے تیزی سے دوڑتی نظر آئیں۔ دونوں زخمی لوگوں کے منہ میں پانی ڈالے لگیں، پھر جاتیں اور مشکیزے بھر بھر کر لاتیں اور لوگوں کو پانی پلاتیں۔

مطلب یہ کہ ایسے حالات میں خواتین بھی میدان جنگ میں حرکت میں آجاتی تھیں۔

O

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی عورتوں میں اونی چادریں تقسیم فرمائیں۔ ایک چادر بچ گئی۔ ایک شخص آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے آپ سے کہا:

''اے امیر المومنین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی جو آپ کے نکاح میں ہے، یہ چادر اسے دے دیں۔'' (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو دے دیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا اس چادر کی زیادہ حق دار ہیں۔''

یہ ام سلیط رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ام سلیط رضی اللہ عنہا غزوہ احد میں ہمارے لیے پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لاتی تھیں اور ہمیں پلاتی تھیں۔''

O

غزوہ خیبر کے موقعے پر بھی عورتیں ساتھ گئی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ کیوں ساتھ جانا چاہتی ہیں تو انھوں نے عرض کیا:

''ہم اس لیے ساتھ جارہی ہیں کہ ہم بالوں کی رسیاں بنائیں گی جن سے اللہ کے راستے میں نکلنے میں مدد کریں گی، ہم زخمیوں کا علاج کریں گی۔ انھیں تیر پکڑائیں گی اور ستو گھول کر پلائیں گی۔''

O

حضرت ام سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہا ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ انھوں نے ان سے کہا:

''اے خالہ جان! مجھے اپنی بات بتائیں۔'' (یعنی غزوہ احد کے دن میدان جنگ میں آپ نے کیا کیا، اس بارے میں بتائیں)

اس پر انھوں نے کہا:

''میں دن کے شروع میں نکل کر دیکھنے لگی کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ میں چلتے چلتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان میں تھے۔ اس وقت مسلمان غالب آرہے تھے، (یعنی انھیں فتح ہو رہی تھی) ان کے قدم جمے ہوئے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو میں سمٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئی اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر لڑنے لگی، اپنی تلوار کے ذریعے کافروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹانے لگی اور کمان سے تیر بھی چلانے لگی، مجھے بھی بہت سے زخم آئے۔''

ان کے کندھے پر ایک زخم تھا جو بہت گہرا تھا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ یہ زخم ابن قمہ کے ہاتھوں لگا تھا۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ جب مسلمان شکست کھا کے ادھر اُدھر بھاگ گئے تو ابن قمہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا تھا کہ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں۔ اگر وہ بچ گئے تو پھر میں نہیں بچ سکوں گا۔ (یعنی یا وہ نہیں یا میں نہیں) پھر میں اور حضرت مصعب بن عمیر اور کچھ دوسرے صحابہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس کے سامنے ڈٹ گئے۔ اس وقت اس نے ان پر تلوار کا وار کیا تھا۔ انھوں نے بھی اس پر تلوار کے وار کیے تھے، لیکن اللہ کے اس دشمن نے اس روز دوزرہیں پہنی ہوئی تھیں۔

مطلب یہ کہ ضرورت پڑنے پر عورتیں بھی میدان میں نکل آتی تھیں۔ (جاری ہے)

جنگجوؤں کے مسکن میں

عبدالعزیز۔ اسلام آباد

ایک جگہ سیڑھیاں اوپر جاتی ہوئی نظر آئیں تو ہم تمام بھائی اوپر چلے گئے۔ باہر گہری کھائیاں تھیں۔ دیوار پر چلتے چلتے ایک جگہ ایسی آئی کہ دیوار ٹوٹ چکی تھی۔ تقریباً ایک ڈیڑھ فٹ اینٹوں سے بنا راستہ تھا۔ اس کے دونوں طرف کھائی تھی۔ اللہ اللہ خیر صلا بڑے دونوں بھائی تو پار چلے گئے۔ چھوٹے کو واپس بھیج دیا گیا کہ پچھلوں کو اطلاع کردے کہ آگے راستہ پرخطر ہے۔ ہمیں ہراول میں شمار کر لیا گیا۔ الغرض جاروناچار اپنی عافیت کو یاد کیا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ چڑھنے کے بعد احساس ہوا، جتنا آسان لگتا تھا، اتنا ہے نہیں۔ خیر گھسٹ گھسٹ کر پار ہو گئے۔

آخر کار ہم اور اوپر گئے تو سیڑھیاں آگئیں۔ مختلف تنگ راستوں اور غاروں سے گزر کر ہم نیچے پہنچ گئے۔ سامنے سے دوسری پارٹی بھی آگئی۔ یہ شاہی مسجد تھی۔ چھوٹا سا محراب ابھی تک نمایاں تھا۔ مسجد کے دونوں طرف راستے تھے۔ ہم نے پیش قدمی کی اور بائیں طرف کے راستے سے اندر ہو لیے۔

مسجد سے کچھ فاصلے پر بورڈز لگے تھے۔ لنگر خانی دروازہ، شیش دروازہ بائیں سمت، رانی محل اور مان سنگھ حویلی دائیں طرف۔ دائیں طرف تو ہم دیکھ چکے تھے۔ سو لنگر خانی دروازے کی سمت ہو لیے۔ پھر طے یہ پایا کہ ایک پارٹی اوپر سے جائے، ایک نیچے سے۔ کوئی قابل ذکر چیز ہوئی تو اکٹھے ہو جائیں گے۔ سو ہم پھر اوپر چلے گئے۔ یہاں سے باہر دریا کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ آگے ایک جگہ گئے جہاں سے نیچے، بہت نیچے ایک جگہ تھی جس کی طرف بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم سے بڑے بھائی نے خیال ظاہر کیا کہ یہ تندور ہے، کیونکہ لنگر خانی دروازے پر شاید شاہی لنگر لگتا ہو جس کی روٹیاں اس تندور میں پکتی ہوں گی۔

ذرا آگے گئے تو دیوار سے نیچے ابولوگ یعنی دوسری پارٹی نظر آئی۔ وہ ایک وسیع راستہ نما جگہ تھی جیسے کسی بلڈنگ میں کار پارکنگ کے لیے جگہیں ہوتی ہیں۔ ابو جی کا خیال تھا کہ یہ ہاتھیوں کا راستا ہے جب کہ ہم نے کہا کہ یہ لازماً دستوں کو باہر بھیجنے کی جگہ ہے۔ ہم بھی اسی راستے پہ ہو لیے۔ دونوں پارٹیاں اکٹھی چلیں۔ تھوڑا سا چلنے کے بعد ایک ایسی جگہ آگئی کہ ہم قلعے کے اندر بھی تھے اور باہر بھی، یعنی اس نشیبی راستے پر چلتے چلتے ہماری دائیں طرف بھی ایک بہت بڑی دیوار آگئی اور بائیں طرف بھی۔ وہاں ایک بڑا سا دائرہ تھا۔ اس میں بارشی پانی جمع ہو کر کنویں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کے تین اطراف میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تینوں راستے بند ہو چکے تھے۔ بھائی جان کا خیال تھا کہ یہ قید خانہ ہے۔ ہم نے بھی تائید کی کہ پچھلے وقتوں میں جو زیر زمین قیدی ہوں گے، وہ اسی طرح کے زیر زمین قید خانوں میں بستے ہوں گے جو رہا ہونے کے بعد ہی سورج کا نظارہ کر سکتے ہوں گے۔ اسی کنویں کے ساتھ ایک بڑا سا ٹب نما پتھر پڑا تھا۔ اس کے متعلق رائے پیش ہوئی کہ یہ آٹا گوندھنے کا برتن تھا۔ (بقیہ آئندہ ہفتے)

عبداللہ فارانی

واقعاتِ صحابہؓ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس
چند چادریں لائی گئیں۔ ان میں ایک بہت عمدہ اور بڑی چادر بھی تھی۔ کسی نے کہا:
''یہ چادر تو بہت زیادہ قیمتی ہے۔ آپ یہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت صفیہ بنتِ ابی عبید رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں۔''

ان دنوں حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا نکاح کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر نئی نئی آئی تھیں، یعنی انھی دنوں ان کی رخصتی ہوئی تھی اور وہ دلہن تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''میں یہ چادر ایسی عورت کو بھیجوں گا جو عبداللہ کی بیوی سے زیادہ اس کی حق دار ہیں اور وہ ہیں ام عمارہ نُسیبہ بنتِ کعب رضی اللہ عنھا، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (جنگِ احد کے دن) میں دائیں بائیں جس طرف بھی منہ کرتا تھا، مجھے ام عمارہ رضی اللہ عنھا بچانے کے لیے اس طرف لڑتی نظر آتی تھیں۔''

O

جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا آئیں۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا، وہ اس نیزے کو مسلمانوں کے چہروں پر مار کر انھیں واپس لوٹا رہی تھیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا کے صاحب زادے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے زبیر! اس عورت کی حفاظت کرو، (یہ تمھاری والدہ ہیں)۔''

O

غزوہ خندق کے موقعے پر حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب رضی اللہ عنھا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعے میں تھیں۔ اس قلعے کا نام فارغ تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی اس

قدم بہ قدم

قلعے میں عام عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے۔ ایسے میں ایک یہودی قلعے کے پاس سے گزرا اور قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ بنو قریظہ کے یہودیوں نے بھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلقات توڑ رکھے تھے، چنانچہ اس وقت ان حضرات کے اور یہودیوں کے درمیان کوئی مسلمان مرد نہیں تھا جو ان کی طرف سے جنگ کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس وقت دشمنوں کے مقابلے میں تھے۔ دشمنوں کے پاس سے ہٹ کر ان کی طرف نہیں آسکتے تھے۔ اب جو وہ یہودی قلعے کے آس پاس چکر کاٹنے لگا تو حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب نے حضرت حسان سے فرمایا:

''اے حسان! جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، یہ یہودی قلعے کا چکر لگا رہا ہے اور اللہ کی قسم مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں یہ ہمارے اندر کے حالات معلوم کر کے دوسرے یہودیوں کو نہ بتادے۔ جو ہمارے پیچھے ہیں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کفار سے جنگ میں مشغول ہیں، لہٰذا آپ پیچھے سے جائیں اور اس یہودی کو قتل کر دیں۔''

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:
''اللہ کی قسم! آپ جانتے ہیں کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا۔'' (یہ بوڑھے اور کمزور تھے)

جب انھوں نے یہ جواب دیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا نے اپنی کمر کس لی۔ خیمے کا ایک بانس اٹھالیا۔ پھر یہ اس یہودی کی طرف گئیں اور وہ بانس مار مار کر اس یہودی کو مار ڈالا۔ جب آپ اس کام سے فارغ ہوگئیں تو واپس قلعے کے اندر آئیں۔ انھوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے حسان! نیچے جائیں اور اس یہودی کے سامان کپڑے اور ہتھیار وغیرہ اتار کر لے آئیں، وہ نامحرم تھا، اس لیے میں نے اس کے کپڑے نہیں اتارے۔''

اس پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:
''اے بنتِ عبدالمطلب، مجھے اس کے کپڑے وغیرہ اتارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا وہ سب سے پہلی خاتون ہیں جنھوں نے کسی مشرک مرد کو قتل کیا۔

O

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بتانے کے لیے آئے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ام سلیمہ رضی اللہ عنھا کو نہیں دیکھا، ان کے پاس ایک خنجر ہے۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیمہ رضی اللہ عنھا سے پوچھا:

اُدھار

حافظ مزمل حسن ۔ چنیوٹ

ادھار... جی ہاں ادھار اک ایسا گورکھ دھندا ہے کہ کوئی بشر بھی اس کی تشریح کرنے کو تیار نہیں... اگر کسی سے پوچھا جائے تو جواب اُوٹ پٹانگ... ''جی ادھار ایک جنگ ہے'' ''ادھار ایک جادو ہے جو کرتا ہے غائب ہو جاتا ہے'' دیکھا آپ نے! بھلا جنگ اور جادو کا ''ادھار'' سے کوئی جوڑ ہے؟ چلیے! جوڑ ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے کیا... ہم خود ہی اپنی سمجھ نا سمجھ کے مطابق اس کا مفہوم بتا دیتے ہیں...

قدیم زمانے میں ادھار وہ چیز تھی جس کو لینے والا شخص فکر مند رہتا تھا اور جدید زمانے کے مطابق ادھار دینے والا شخص پریشان ہوجاتا ہے۔ اس جدید زمانے میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو اپنے مقروض کے لیے اذیت بن کر ان کے سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں، یعنی قرض دے کر احسان جتاتے ہیں، بلکہ کچھ لوگ تو انھیں خریدا ہوا غلام سمجھتے ہیں اور ان کے گھروں میں گھس کر کہتے پھرتے ہیں ''یہ وطن ہمارا ہے، تم خواہ مخواہ اس میں'' حالانکہ حضرت نعمان بن ثابت (امام اعظم ابوحنیفہ) کے نزدیک ایک آدمی کے لیے اپنے مقروض کے گھر کا سایہ بھی جائز نہیں۔ جی ہاں! آپ اپنے مقروض کے گھر کے سائے میں بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے، بلکہ دھوپ میں کھڑا ہونا گوارا کر لیتے تھے۔ رہی بات یہ کہ ادھار اگر مقروض نے دنیا میں ادا نہ کیا تو، دنیا میں شاید عذاب نہ ملے، لیکن آخرت میں ضرور پکڑ ہوگی، کیونکہ یہ بندے کا حق ہے۔

''اے ام سلیمہ! تم اس خنجر سے کیا کرنا چاہتی ہو؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اگر ان کافروں میں سے کوئی میرے پاس آیا تو میں یہ خنجر اسے دے ماروں گی۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔

○

قبیلہ بن قضاعہ کی ایک خاتون ام کبشہ رضی اللہ عنھا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں فلاں لشکر کے ساتھ چلی جاؤں۔''

آپ نے فرمایا: ''نہیں!''

انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرا لڑنے کا ارادہ نہیں، میں تو چاہتی ہوں، کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کروں، بیماروں کا علاج کروں یا انھیں پانی پلاؤں۔''

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ عورتوں کا جنگ میں جانا مستقل سنت بن جائے گا اور کہا جائے گا کہ فلاں عورت بھی تو گئی تھی، (اس لیے ہم بھی جنگ میں جائیں گی، حالانکہ ہر عورت کا جہاد میں جانا مناسب نہیں) تو میں تمھیں ضرور اجازت دے دیتا، اس لیے تم گھر بیٹھی رہو۔''

○

ایک عورت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں عورتوں کی طرف سے نمایندہ بن کر آپ کی خدمت میں آئی ہو۔ یہ جہاد تو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر فرض کیا ہے، اگر وہ جہاد کر کے آئیں تو انھیں اجر ملتا ہے، شہید ہو جائیں تو یہ زندہ رہتے ہیں اور انھیں ان کے رب کے پاس سے خوب روزی ملتی ہے اور ہم عورتیں ان مردوں کی ساری خدمتیں کرتی ہیں تو ہمیں اس میں کیا ملے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''جو عورت تمھیں ملے، اسے یہ بات پہنچا دینا کہ خاوند کی فرماں برداری اور اس کے حقوق کو پہچاننا، اسے جہاد کے برابر ثواب دلاتا ہے، لیکن تم میں سے بہت تھوڑی عورتیں ایسی ہیں جو اس طرح کرتی ہوں۔''

○

ایک عورت نے جنگِ احد کے دن اپنے بیٹے کو تلوار دی۔ وہ بچہ اس تلوار کو اٹھا نہ سکا۔ ماں نے چمڑے کے تسمے سے وہ تلوار اس کے بازو سے باندھ دی۔ پھر اسے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا آپ کی طرف سے لڑائی کرے گا۔''

اس کے بعد اس عورت نے اس بچے سے کہا:

''اے میرے بیٹے! اس طرح حملہ کرنا، اس طرح لڑنا۔''

وہ بچہ میدانِ جنگ میں لڑا۔ یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑا، پھر اسے اٹھا کر آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''اے میرے بیٹے! شاید تم گھبرا گئے۔''

اس نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نہیں گھبرایا۔''

○

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چھپتے پھر رہے تھے۔ ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے! تم کیوں چھپتے پھر رہے ہو؟''

انھوں نے کہا:

''مجھے ڈر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں گے اور چھوٹا سمجھ کر واپس کر دیں گے اور میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دیں۔''

جب انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے انھیں واپس کر دیا۔ اس پر وہ رونے لگے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ حضرت عمیر اس وقت چھوٹے تھے۔ ان کے بھائی حضرت سعد نے ان کی تلوار کے تسمے میں گرہیں لگا دی تھیں۔ وہ سولہ سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے 157

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے۔ آپ کے واپس آنے میں بہت دیر ہوئی تو صحابہ پریشان ہو گئے۔ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں کسی نے آپ کو نقصان نہ پہنچا دیا ہو، چنانچہ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ گھبراہٹ سب سے پہلے انھوں نے محسوس کی تھی۔ اب سب تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تلاش کرتے کرتے بنی نجار کے ایک باغ کے پاس جا پہنچے۔ انھوں نے باغ کا چکر لگایا، تاکہ اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نظر آ جائے، لیکن جلدی میں راستہ نظر نہ آیا، البتہ پانی کی ایک نالی اندر جاتی نظر آئی۔ یہ نالی باہر موجود ایک کنویں سے آ رہی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سمٹ کے اس سوراخ سے اندر داخل ہو گئے۔

انھوں نے دیکھا، وہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

”ابوہریرہ ہیں؟“

انھوں نے عرض کیا:

”جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔“

آپ نے پوچھا:

”کیا بات ہے؟“

انھوں نے عرض کیا:

”آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ پھر اچانک آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے آنے میں دیر کر دی تو ہمیں آپ کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ گئی ہو، لہٰذا ہم سب گھبرا گئے اور میں پہلا شخص ہوں، جس نے یہ گھبراہٹ محسوس کی۔ میں آپ کی تلاش میں اس طرف نکل آیا۔ باقی حضرات بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔“

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے انھیں دیتے ہوئے فرمایا:

”اے ابوہریرہ! میرے یہ جوتے لے جاؤ اور راستے میں تمھیں جو بھی ایسا شخص ملے جو یہ گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ پاک کے کوئی عبادت کے قابل نہیں اور اس کلمے کا یقین اس کے دل میں ہو، اسے جنت کی بشارت سنا دینا۔“

یہ فرمان سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے، انھیں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ انھوں نے پوچھا:

”اے ابوہریرہ! یہ دونوں جوتے کیسے ہیں؟“

انھوں نے جواب دیا:

”یہ جوتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، آپ نے یہ دونوں جوتے مجھے دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ مجھے راستے میں جو بھی ایسا شخص ملے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کا یقین دل میں رکھتا ہو، اسے جنت کی بشارت دے دوں۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر دونوں ہاتھ مارے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دھکا لگا تو وہ گر پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”آؤ میرے ساتھ۔“

اب یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گرنے کی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیا بات ہے۔ رو کیوں رہے ہو؟“

انھوں نے ساری بات بتائی۔ اب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

”اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دونوں جوتے دے کر بھیجا تھا، کہ جو آدمی ملے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کا اسے دل سے یقین ہو تو اسے جنت کی بشارت سنا دو۔“

آپ نے فرمایا: ”ہاں! میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہی ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! ایسا نہ کریں، ایسا نہ ہو کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں۔ انھیں چھوڑ دیجیے، تاکہ وہ عمل کرتے رہیں۔“

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا تو پھر لوگوں کو عمل پر چھوڑے رکھو۔"

○

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک رات اپنے گھر سے نکلے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند کی روشنی میں چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی چلے جا رہے ہیں۔ انھوں نے جی میں سوچا، شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ کوئی ان کے ساتھ چلے، اس لیے تنہا ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہ آپ کے پیچھے چلتے رہے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کر لیا کہ کوئی آپ کے پیچھے ہے، آپ نے دریافت فرمایا:

"کون ہے۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ میں ہوں ابوذر غفاری! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔"

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

"ابوذر غفاری آؤ! آؤ۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ابھی تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"بے شک دولت مندوں کی جماعت ہی قیامت کے دن کم ثواب والی ہوگی، مگر وہ شخص جسے اللہ پاک نے دولت دی، اور اس نے اس دولت میں سے اپنے دائیں اور بائیں اور سامنے اور پیچھے خوب لٹایا (یعنی خوب خیرات کی) اور بھلا کام کیا (یعنی اس دولت سے اچھے کام کیے)۔"

اس کے بعد آپ کچھ دیر دیر چلتے رہے، پھر آپ نے ان سے فرمایا:

"اے ابوذر! یہاں بیٹھ جاؤ۔"

وہ اس جگہ بیٹھ گئے۔ وہ ایک ہموار جگہ تھی۔ اس کے چاروں طرف پتھر تھے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

"اسی جگہ بیٹھے رہنا! یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس آؤں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کالے پتھروں والی زمین میں اتنی دور تشریف لے گئے کہ آپ نظر نہیں آ رہے تھے۔ آپ کی واپسی کافی دیر بعد ہوئی۔ اس وقت آپ نے بتایا:

"جبریل آئے تھے، انھوں کہ کہا کہ اپنی امت کو بشارت دے دیجیے، جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

(جاری ہے)

مسواک کے آداب و مستحبات

آصف مجید۔ لاہور

درج ذیل اوقات میں مسواک کرنا مستحب ہے۔

(1) سو کر اٹھنے پر (2) وضو کرتے وقت (3) قرآن مجید کی تلاوت کے لیے (4) حدیث شریف پڑھنے پڑھانے کے لیے (یہ بات یاد رہے کہ مسواک کرتے وقت اگر دانتوں سے خون نکل آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا) (5) منہ میں بدبو ہو جانے کے وقت یا دانتوں کے رنگ میں تبدیلی پیدا ہونے پر (6) نماز میں کھڑا ہونے کے وقت (اگر وضو اور نماز میں زیادہ وقت ہو گیا) (7) ذکر الٰہی سے پہلے (8) خانہ کعبہ یا حطیم میں داخل ہونے کے وقت (9) اپنے گھر میں داخل ہونے کے بعد (10) کسی بھی مجلسِ خیر میں جانے سے پہلے (11) بھوک اور پیاس لگنے کے وقت (12) موت کے آثار پیدا ہو جانے سے پہلے (13) سحری کے وقت (14) کھانا کھانے سے پہلے (15) سفر میں جانے سے پہلے (16) سفر سے آنے کے بعد (17) سونے سے قبل۔

(اسوۂ رسول اکرم)

آداب اور طریقہ استعمال:۔ (1) مسواک ایک بالشت سے لمبی نہ ہو (2) انگوٹھے سے موٹی نہ ہو (3) مسواک میں ایک سے زائد گرہیں نہ ہوں (4) پھپھوندی نہ لگی ہو (5) مسواک کو خشک جگہ پر کھڑا رکھنا چاہیے (لٹا کر رکھنا بیماری کا سبب ہے) (6) مسواک کو دائیں ہاتھ سے اس طرح پکڑنا چاہیے کہ چھنگلی مسواک کے نیچے اندر کی جانب ہو، انگوٹھا مسواک کے اوپر سرے سے نیچے اور باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر کی جانب ہونی چاہیں (یہ طریقہ کسی بزرگ سے عملی طور پر سیکھ لینا چاہیے) (7) مسواک جب بالکل چھوٹی رہ جائے اور استعمال کرنا مشکل ہو جائے تو اسے مٹی میں دبا دے۔ راستے یا کوڑے میں نہ پھینکیں۔

(1) مسواک کو دھو کر اچھی طرح چبائیں۔ رات بھر عرق گلاب میں بھگو کر رکھ دیں تو طبی نقطۂ نظر سے بہت مفید ہے (2) مسواک کے ریشوں کو اچھی طرح نرم کر کے دانتوں کی دائیں جانب سے شروع کریں (3) مسواک دانتوں میں عرضاً پھیرنی چاہیے (یہ جو ڈاکٹر برش کرنے کا طریقہ دانتوں میں طولاً (اوپر سے نیچے) بتاتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہے) (4) مسواک زبان پر بھی زبان کی لمبائی کے رخ پر پھیرنی چاہیے (5) ڈاڑھوں میں چونکہ خوراک کے ذرات زیادہ پھنس جاتے ہیں، اس لیے ان کی اندر اور باہر کی جانب سے اچھی طرح صفائی کرنی چاہیے (6) مسواک اتنی زور سے کرنا کہ مسوڑھے ہی چھل جائیں، مکروہ ہے (7) مسواک تین بار کریں اور ہر بار مسواک کو دھوئیں (8) آج کل بازار میں مسواک ہولڈر ملتے ہیں، لوگ اس خیال سے کہ اس میں مسواک خراب نہیں ہوتی، انھیں پسند کرتے ہیں، حالانکہ اس میں روشنی اور ہوا نہ لگنے کی وجہ سے مسواک کو پھپھوندی لگ سکتی ہے جو کہ بیماری کا سبب بن سکتی ہے، اس لیے اس جدید ایجاد سے متاثر نہ ہوں۔ مسواک کو بغیر ہولڈر کے ہی جیب میں رکھیں (9) مسجدوں میں کئی لوگ مسواک استعمال کر کے وضو خانے ہی میں رکھ دیتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص اس استعمال شدہ مسواک کو استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ انتہائی مکروہ فعل ہے۔ اول تو مسواک ایسی جگہوں پر چھوڑنی ہی نہیں چاہیے، جہاں پانی کے چھینٹے پڑتے رہتے ہوں اور اگر کسی نے چھوڑ ہی دی ہے تو دوسرے شخص کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ کچھ لوگ نمازیوں کے لیے ڈھیر ساری مسواکیں رکھ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان میں سے ایک مسواک لے کر اپنے قبضے میں کر لینی چاہیے (10) ٹوتھ برش کرنے کی بھی ممانعت نہیں، البتہ ٹوتھ برش کرنے میں یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ اس کے ریشے نرم ہوں، ٹوتھ پیسٹ زیادہ مقدار میں نہ لگائی جائے، ٹوتھ برش کو بہت مدت تک نہ چلایا جائے، جلد ہی تبدیل کر لیا جائے۔ اسے سنت نہ سمجھا جائے۔ سنت مسواک ہی ہے۔ کبھی کبھی ٹوتھ پیسٹ کی بجائے نمک لگا کر برش کر لیا جائے، یہ دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے بہت مفید ہے۔ دانتوں یا مسوڑھوں میں درد ہو تو نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر پیسٹ بنالی جائے، یہ پیسٹ دانتوں پر ملی جائے۔

واقعات صحابہ ؓ

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ایک بوڑھے دیہاتی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ان کا نام علقمہ بن علاثہ ؓ تھا۔ انھوں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! میں بہت بوڑھا ہوں، مجھ میں اس بات کی طاقت نہیں کہ میں قرآن سیکھوں، لیکن میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پورے یقین کے ساتھ۔ جب یہ بوڑھے شخص چلے گئے تو آپ نے فرمایا:

”آدمی بڑا سمجھ دار ہے۔“

یا آپ نے یوں فرمایا:

”تمہارا ساتھی بہت سمجھ دار ہے۔“

○

صحابہ کرام ؓ، حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں آپ نے فرمایا:

”کیا تم میں کوئی اجنبی ہے؟“ (یعنی تم میں یہودی یا عیسائی تو نہیں ہے)

صحابہ کرام نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! ہم میں کوئی یہودی یا عیسائی نہیں ہے۔“

اس پر آپ نے فرمایا: ”دروازہ بند کردو۔“

پھر آپ نے فرمایا:

”اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ۔“

سب نے ہاتھ اٹھائے اور کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ نیچے کرلیے اور فرمایا:

”الحمدللہ! اے میرے اللہ! تو نے مجھے اس کلمے کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور بلاشبہ تو وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

”خبردار! بشارت حاصل کرو کہ اللہ پاک نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔“

○

اسی طرح ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

”میں اللہ کے پاس گواہی دیتا ہوں کہ جب کوئی بندہ اس شہادت پر مرجائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اپنے دل کی سچائی کے ساتھ، پھر نیک عمل پر لگا رہے تو ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔“

پھر آپ نے فرمایا:

”میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ایسے ستر ہزار جنت میں داخل ہوں گے جن سے نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ کوئی عذاب اور بے شک میں امید کرتا ہوں کہ وہ ستر ہزار جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ تم اور تمہارے پہلے باپ دادا اور تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد جنت میں ٹھکانہ نہ پالیں۔“

○

قیامت کے بعد جب اہلِ دوزخ دوزخ میں چلے جائیں گے تو ان کے ساتھ کچھ مسلمان بھی ہوں گے، کفار انھیں دیکھ کر کہیں گے:

”کیا تم مسلمان نہیں تھے؟“

مسلمان جواب دیں گے:

”بے شک ہم مسلمان تھے۔“

کافر کہیں گے:

”تو پھر تمہیں اسلام نے نجات کیوں نہ دلائی۔ تم تو ہمارے ساتھ دوزخ میں آگئے۔“

ان کی بات کے جواب میں مسلمان کہیں گے:

”ہمارے کچھ گناہ تھے، ان کی وجہ سے ہم پکڑے گئے۔“

یہ بات اللہ تعالیٰ سنیں گے تو حکم دیں گے: ”تمام اہلِ قبلہ (مسلمان) جہنم سے نکال لیے جائیں۔“

مسلمانوں کو جب دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور کافر جب یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کو تو دوزخ سے نکال لیا گیا ہے تو حسرت سے کہیں گے:

”اے کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے، اسی طرح جہنم سے نکل جاتے جس طرح یہ لوگ نکل گئے ہیں۔“

○

لا الہ الا اللہ کہنے والے کچھ لوگ اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ تو ان سے بتوں کو پوجنے والے کہیں گے:

”تمہیں تو لا الہ الا اللہ کہنے نے کوئی فائدہ نہیں دیا اور تم بھی ہمارے ساتھ جہنم میں ہو۔“

ان کی بات پر اللہ رب العزت کو غصہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جہنم سے نکال کر نہرِ حیات میں ڈال

دیں گے۔ یہ اس میں پڑ کر اپنی جلن اور سوزش سے اس طرح نجات پالیں گے جس طرح چاند گرہن سے نکل کر صاف ہو جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جنت میں ان لوگوں کا نام جہنمیون ہوگا۔

ان کا نام جنت میں جہنمی اس سیاہی کی وجہ سے ہوگا جو ان کے چہرے پر ہوگی۔ پھر یہ عرض کریں گے: ''اے رب! ہم سے یہ نام بھی دور کر دے، چنانچہ انھیں حکم ہوگا، جنت کی نہر میں غسل کرو۔''

جب وہ جنت کی نہر میں غسل کریں گے تو ان سے یہ نام بھی چلا جائے گا۔

O

ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے بھائی کو بہت دست آ رہے ہیں۔''

آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

''اپنے بھائی کو شہد پلاؤ۔''

وہ چلے گئے۔ انھوں نے اپنے بھائی کو شہد پلایا۔ پھر آ کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے اسے شہد پلایا، شہد نے تو دستوں میں اور اضافہ ہی کیا۔''

آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور اسے شہد پلاؤ۔'' یعنی اور شہد پلاؤ۔

وہ گئے۔ انھوں نے اپنے بھائی کو اور شہد پلایا۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں نے اسے اور شہد پلایا، لیکن شہد نے تو اس کے دستوں میں اور اضافہ ہی کیا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا، اور اسے اور شہد پلا۔''

وہ گئے اور انھوں نے اپنے بھائی کو اور شہد پلایا اور ان کے بھائی نے دستوں سے نجات پالی۔

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دستک دی۔ اندر ان کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت ایک بڑھیا بیٹھی تھی۔ وہ انھیں کسی بیماری کو دور کرنے کے لیے کوئی منتر سکھا رہی تھی۔ دستک کی آواز سن کر انھوں نے اس بڑھیا کو چارپائی کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اندر آئے تو انھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی گردن میں ایک دھاگا دیکھا۔ انھوں نے پوچھا:

''یہ دھاگا کیسا ہے۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اس دھاگے پر میرے لیے منتر کیا گیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس دھاگے کو پکڑ کر توڑ دیا، پھر فرمایا:

''عبداللہ کا خاندان شرک سے بے پروا ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، بے شک منتر اور تعویذات اور ٹونا شرک ہے۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میری آنکھ دکھ رہی تھی، اس میں کچوکے لگ رہے تھے، میں اس سلسلے میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، وہ آنکھ پر منتر کر دیتا تھا تو سکون ہو جاتا تھا، البتہ کھٹک باقی رہتی تھی۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بات شیطان کے اثر سے تھی۔ شیطان آنکھ میں کچوکے مارتا تھا، جب اس پر منتر کیا جاتا تھا تو وہ رک جاتا تھا۔ تمھارے لیے اے زینب اتنا کافی ہے کہ تم کہہ لو جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگوں کے رب! مرض دور فرما، تو شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، آپ کی شفا کے سوا کوئی شافی نہیں، ایسی شفا دے جو بیماری کو نہ چھوڑے۔'' (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہ کے 159

عبداللہ فارانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حرہ کے مقام پر ایک آگ ظاہر ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اس آگ کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔''

مطلب یہ تھا کہ اس آگ کے مقابلے کے لیے اس کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں کون ہوں اور کیا ہوں جو اس آگ پر اثر انداز ہو سکوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بار بار یہ بات کہی کہ آگ کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ آخر حضرت تمیم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت معاویہ بن حرمل رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں سنیں تو یہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

دونوں حضرات چلتے چلتے آگ کے قریب پہنچ گئے۔ اب انھوں نے اپنے ہاتھوں سے آگ کو ہنکانا شروع کیا، یعنی اپنے ہاتھوں سے آگ کو آگے دھکیلنا شروع کیا۔ ایسا کرنے سے آگ سمٹنے لگی اور آخر سمٹتے سمٹتے ایک گھاٹی میں داخل ہو گئی۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے گھاٹی میں داخل ہو لیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا۔

''وہ آدمی جس نے انھیں دیکھا، اس شخص جیسا نہیں، جس نے انھیں نہیں دیکھا۔''

مطلب یہ تھا کہ جس شخص نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ شخص ان جیسا نہیں ہو سکتا، جنھوں نے انھیں نہیں دیکھا، یعنی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے والا بہت خوش قسمت ہے۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے پیر مبارک سے حرکت دی اور فرمایا:

''اپنا سر اٹھاؤ۔''

انھوں نے سر اٹھایا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔''

آپ نے فرمایا: ''اے حارث! کس حالت میں صبح کی۔''

انھوں نے عرض کیا: ''میں نے سچے مومن کی طرح صبح کی۔''

آپ نے فرمایا:

''ہر بات کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے یہ کہنے کی کیا حقیقت ہے؟''

حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں دنیا سے الگ ہو گیا۔ تمام دن روزہ رکھا اور رات بھر بیدار رہا، اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں، اور گویا کہ میں اہلِ جنت کو دیکھ رہا ہوں جو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں اور اہلِ نار (دوزخیوں) کی طرف دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے پر بھیڑ لگائے ہیں۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم ایسے شخص ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو روشن کر دیا ہے اور جب تم اس بات کو جان گئے تو اسے لازم پکڑ لو۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے اور قل ھو اللہ احد (یعنی سورہ اخلاص) پر ختم کرتے، جب یہ حضرات واپس ہوئے تو اس بات کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''کیا تم لوگوں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ ایسا کس لیے کرتے ہیں۔''

انھوں نے بتایا کہ انھوں نے نہیں پوچھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پوچھیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

''یہ سورت رحمان کی صفت ہے۔ بس مجھے یہ بات زیادہ پسند آئی کہ اسے پڑھوں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس امیر کو خبر دے دو کہ اللہ عز و جل اسے دوست رکھتے ہیں۔''

O

حضرت طفیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں جائے بھائی ہیں) نے خواب میں نصرانیوں کی ایک جماعت دیکھی۔ انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا:

''تم لوگ بہترین لوگ تھے، اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ کہتے۔''

اس پر عیسائیوں نے کہا: ''قوم تو تمہاری ہی سب سے بہتر ہوتی، اگر تم یہ نہ

کہتے، جو چاہا اللہ نے اور جو چاہا محمد ﷺ نے۔"

اس کے بعد انھوں نے خواب میں یہودیوں کی ایک جماعت دیکھی۔ انھوں نے ان سے بھی کہا: "تمہاری قوم بہت اچھی قوم تھی، اگر تم یہ نہ کہتے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔"

یہ سن کر یہودیوں میں سے کسی نے کہا: "تم ایسی قوم ہو، جو یہ کہتے ہو، جو اللہ نے چاہا اور جو محمد ﷺ نے چاہا، یعنی اگر تم اس طرح نہ کہتے تو تم بہترین قوم تھے۔"

حضرت طفیل بن عبداللہ صبح حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"کیا تم اپنا یہ خواب کسی اور سے بھی بیان کرو گے۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "جی ہاں!"

اس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

"تمہارے بھائی نے جو خواب میں دیکھا، وہ تم تک پہنچا، لہٰذا تم اس طرح نہ کہا کرو، بلکہ یوں کہا کرو، جو کچھ تنہا چاہا اللہ نے جس کا کوئی شریک نہیں۔"

O

مسلمانوں میں سے ایک صاحب نے خواب دیکھا، وہ خواب میں ایک اہلِ کتاب سے ملے۔ اس اہلِ کتاب نے ان سے کہا:

"تم بہترین لوگ تھے، کاش کہ تم شرک نہ کرتے، کیونکہ تم کہا کرتے ہو، جو کچھ اللہ نے چاہا اور محمد ﷺ نے چاہا۔"

انھوں نے اپنا یہ خواب حضور نبی کریم ﷺ کو سنایا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

"میں تم لوگوں کے لیے اس کلمے کو برا سمجھتا تھا۔ تم یوں کہا کرو، جو کچھ اللہ نے چاہا، پھر اس نے چاہا۔"

(یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو اللہ کی مرضی میں شریک کرنا شرک ہے)

O

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے اپنی بعض ضروریات کے بارے میں بات کی۔ گفتگو کے دوران اس نے کہا:

"جو اللہ نے چاہا اور جو آپ نے چاہا۔"

آپ نے ان سے فرمایا: "تم نے تو مجھے اللہ کے برابر کر دیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے، جو کچھ تنہا اللہ نے چاہا۔" (جاری ہے)

- O پانی جیسے بن جاؤ جو اپنا راستہ خود بناتا ہے۔
- O کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو غم بھی نہ دو۔
- O فضول بحث، بہترین دوست کو جدا کر دیتی ہے۔
- O عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔
- O کم ترین علم وہ ہے جو زبان پر رہے اور بلند ترین علم وہ ہے جو کردار سے ظاہر ہو۔
- O بے ادبی سے مفلسی آتی ہے۔
- O خواہشات کو دل میں جگہ نہ دو، یہ گہرے زخم دیتے ہیں۔
- O خاموش زبان سیکڑوں زبانوں سے اچھی ہے۔
- O کام وہی ادھورے رہتے ہیں جن میں یکسوئی نہیں ہوتی۔
- O مصیبتیں آئینہ ہیں، ان میں اپنے پرائے پہچانے جاتے ہیں۔

ارسال کرنے والے: محمد ابوبکر بن عبدالخالق ملتان۔ فجر جلیل راولپنڈی۔ ارم محمد ہاشم کراچی۔ ایمان فاطمہ سکھر۔ عبدالماجد عامی ساہیوال۔

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

160

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی آیا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے مشیت کے بارے میں پوچھا، یعنی مرضی کا کیا مطلب ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مشیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔"

اس پر یہودی نے کہا:

"میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو کھڑا ہو جاتا ہوں۔"

مطلب یہ تھا کہ مرضی تو میری بھی ہے۔ میں بھی اپنی مرضی پوری کر لیتا ہوں۔ اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ تو کھڑا ہو۔"

جواب میں یہودی نے کہا:

"اگر میں چاہوں تو بیٹھ جاؤں۔"

آپ نے فرمایا: "اللہ نے چاہا تھا کہ تو بیٹھ جائے۔"

یہودی نے کہا:

"اگر میں چاہوں تو اس درخت کو کاٹ دوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے چاہا کہ تو اسے کاٹ دے۔"

یہودی بولا: "اگر میں چاہوں تو اسے باقی رکھوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے چاہا کہ تو اسے باقی رکھے۔"

اتنے میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے۔ انھوں نے کہا:

"آپ کو اپنی دلیل کی اسی طرح تلقین کی گئی ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو تلقین کی گئی تھی۔"

پھر قرآن کی یہ آیت اتری:

"جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو دونوں باتیں اللہ ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔" (سورہ 59 ع نمبر 1)

O

حضور نبی کریم ﷺ صلح حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ آپ نے فرمایا: "ہماری چوکیداری کون کرے گا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میں کروں گا۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم کرو گے! تم تو سو رہو گے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "اچھا تم ہی چوکیداری کرو۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس رات چوکیداری کی، پس جب صبح ہونے کا وقت قریب آیا تو انھیں نیند آ گئی اور آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا، تم تو سو جاؤ گے اور یہ سب حضرات اس وقت بیدار ہوئے جب دھوپ ان پر آ گئی۔ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کام انجام دیے جو انجام دیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم اس نماز کے وقت سو نہ رہتے، لیکن اللہ پاک نے ارادہ فرمایا کہ تمھارے بعد آنے والوں کے لیے ایک طریقہ کار ہو جائے، لہٰذا اسی طرح وہ آدمی کر لیا کرے جو سو تا رہ گیا یا بھول گیا۔" (یعنی قضا نماز ادا کرے)

O

ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا:

"آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، اور جنت جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین۔ یہ تو جنت ہوئی، بس جہنم کہاں گئی۔" (یعنی اس نے پوچھا تھا کہ اگر جنت اتنی بڑی ہے جتنے آسمان اور زمین تو دوزخ پھر کہاں ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"اسے جواب دو۔"

صحابہ کرام کے پاس اس بارے میں کوئی معلومات نہیں تھیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"تم بتاؤ! جب رات آ جاتی ہے اور تمام روئے زمین کو تاریک کر دیتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے۔"

یہودی نے جواب دیا: "جہاں اللہ چاہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جہنم بھی پھر وہیں ہے جہاں اللہ چاہے۔"

یہ سن کر یہودی نے کہا: "اے امیر المومنین! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ کی اس کتاب میں جو اتاری گئی ہے، یہی جواب ہے جو آپ نے فرمایا ہے۔" (یعنی توریت میں)

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ اللہ کی مرضی کے بارے میں باتیں کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بلوا لیا۔ پھر اس سے فرمایا: "اے اللہ کے بندے، تمھیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا کیا ہے، جس طرح اس نے چاہا یا جس طرح تو نے چاہا؟"

اس نے جواب دیا: "جس طرح اس نے چاہا۔"

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب وہ چاہتا ہے تجھے بیمار کر دیتا ہے یا جب تو چاہتا ہے تو تجھے بیمار کرتا ہے۔"

اس نے کہا:

"جب وہ چاہتا ہے، مجھے بیمار کر دیتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تجھے شفا اس وقت ملتی ہے جب وہ چاہتا ہے یا جب تو چاہتا ہے اس وقت شفا ملتی ہے۔"

اس نے جواب دیا:

"جب وہ چاہتا ہے، تب شفا ملتی ہے۔"

اب آپ نے فرمایا:

"وہ جہاں تجھے داخل کرنا چاہے گا تو وہاں داخل ہو گا یا جہاں تو چاہے گا، وہاں تجھے داخل کرے گا۔"

اس نے جواب دیا:

"جہاں وہ چاہے گا، مجھے داخل کرے گا۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر تو اس کے علاوہ کچھ اور کہتا تو میں تلوار سے تیرے اس سر کو اڑا دیتا جس میں دونوں آنکھیں ہیں۔"

O

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہماری عجیب حالت ہوتی ہے اور جب ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں تو ہماری اور ہی حالت ہوتی ہے۔"

یہ سن کر آپ نے پوچھا:

"تمھارا اپنے رب کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔"

صحابہ نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن میں ہمارا رب ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "پھر تمھاری یہ حالت نفاق کی نہیں۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

160

واقعاتِ صحابہؓ

قدم بہ قدم

ایک دیہاتی نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن کون مخلوق کا حساب کرے گا؟''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ عزوجل!''

یہ سن کر اس دیہاتی نے کہا:

''قسم ہے ربِ کعبہ کی، پھر تو ہم نجات پا گئے۔''

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

''اے اعرابی! وہ کیسے؟''

اس نے جواب دیا:

''اس لیے کہ کریم جب قابو پالیتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔'' سبحان اللہ!

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب میں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ وہاں گئے، ان سے صدقات وصول کیے... اور مال تقسیم بھی کر دیا... صدقات میں سے بچایا کچھ بھی نہیں... وہاں سے اس حالت میں واپس آئے کہ جو ٹاٹ بیٹھنے کے لیے لے گئے تھے، وہی کندھے پر رکھ کر واپس آ گئے... ان کی بیوی نے ان سے پوچھا:

''وہ مال کہاں ہے، جو تم لائے ہو، جیسا کہ دوسرے عامل اپنے گھر والوں کے لیے ہدیہ اور سوغات لاتے ہیں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرے ساتھ ایک نگران تھا۔''

آپ کی بیوی نے کہا:

''آپ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک امین رہ چکے ہیں، پھر بھی آپ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نگران دباؤ ڈالنے والا بھیجا؟''

یہ بات ان کی بیوی نے اپنی تمام رشتے دار عورتوں میں کہہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ جب یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''کیا میں نے آپ کے ساتھ کوئی نگران دباؤ ڈالنے والا بھیجا تھا؟''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میری بیوی مجھ سے پوچھ رہی تھی، وہ مال کہاں ہے جو تم لائے ہو، میں نے یہ بات کہہ دی کہ میرے ساتھ ایک نگران تھا، یعنی اس نگران کی وجہ سے میں کچھ بھی نہیں لایا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت ہنسے اور پھر آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ مال دیا اور فرمایا:

''یہ مال دے کر اپنی بیوی کی ناراضی دور کریں۔''

علما نے اس بارے میں لکھا ہے کہ دراصل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نگران تھے۔

O

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وہ اپنے بالا خانے میں تھے۔ اس بالا خانے کے چار دروازے تھے۔ آپ کی بیوی کا نام بقیرہ تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اے بقیرہ! یہ سارے دروازے کھول دیں، اس لیے کہ میرے پاس آج بہت زیارت کرنے والے آئیں گے۔ میں نہیں جانتا، وہ کون سے دروازے سے میرے پاس داخل ہوں گے۔''

اس کے بعد آپ نے مشک منگوایا۔ پھر ان سے فرمایا:

''ایک برتن میں پانی میں اس مشک کو گھول لیں۔''

ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اب آپ نے ان سے فرمایا:

''یہ میرے بستر کے چاروں طرف چھڑک دو اور تھوڑی دیر کے لیے بالا خانے سے اتر جاؤ۔ کچھ دیر بعد واپس آ کر دیکھنا، تمھیں معلوم ہو جائے گا، (یعنی فرشتوں کی آمد کے بارے میں تمھیں معلوم ہو جائے گا)''

ان کی زوجہ محترمہ بقیرہ نیچے اتر گئیں۔ کچھ دیر بعد آئیں تو ان کی روح قبض کی جا چکی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بستر پر سو رہے ہوں، یعنی بالکل اسی طرح لیٹے ہوئے تھے جیسے پہلے سویا کرتے تھے۔

O

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا بچہ فوت ہو گیا۔ اس کے جنازے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کو بلایا گیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اس بچے کے لیے جنت کی خوش خبری ہو، وہ تو جنت کی چڑیوں میں سے چڑیا ہے، نہ اس نے کوئی برائی کی اور نہ برائی کرنے کا زمانہ پایا۔''

حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

''اے عائشہ! کیا پتا، بات اس کے خلاف ہو، بے شک اللہ پاک نے جنت پیدا کی اور اس میں بسنے والے پیدا کر چکا اور اس وقت جب کہ مخلوق اپنے باپ کی پشت میں تھی (یعنی ابھی انسان کی پیدائش

نہیں ہوئی تھی) تو اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کیا اور اس کے لیے جہنمیوں کو پیدا کیا اور ابھی جہنم میں جانے والے اپنے باپ کی پشت میں تھے، یعنی پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔"

O

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ ان کے بیٹے حضرت ولید رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے محسوس کیا۔ یہ ان کے والد کا آخری وقت ہے، چنانچہ انھوں نے عرض کیا:

"اے ابا جان! آپ کچھ وصیت کیجیے اور میرے لیے کوشش کیجیے۔"

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے بٹھا دو۔"

جب لوگوں نے انھیں بٹھایا تو فرمایا:

"اے میرے بیٹے! تو ایمان کا ذائقہ اس وقت تک نہیں چکھ سکتا اور اللہ کے علم کی فضیلت تک پہنچنے کا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ تو تقدیر کے بھلے اور بُرے پر ایمان نہ لائے۔"

حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے ابا جان! اس کا مجھے کیونکر علم ہو کہ تقدیر کی بھلائی اور برائی کیا ہے۔"

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تو یقین کر لے کہ جو چیز تجھ سے چوک گئی، تجھ تک پہنچنے والی نہیں تھی اور جو چیز تمہیں مل گئی، تم سے خطا کرنے والی نہیں تھی، اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے، سب سے پہلی چیز جسے اللہ نے پیدا کیا، قلم ہے، پھر اس سے اللہ نے فرمایا، لکھو، چنانچہ وہ اسی وقت جاری ہوگیا۔ اس نے ہر وہ چیز لکھ دی جو قیامت تک ہونے والی تھی۔ اے میرے بیٹے! اگر تو مر گیا اور تو اس عقیدے پر نہ رہا تو جہنم میں داخل ہوگا۔"

O

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی تھے۔ انھیں ابو عبداللہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ یہ حضرت ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، ان کے کوئی ساتھی ان کی عیادت کے لیے آئے تو یہ رو رہے تھے۔ ساتھی نے ان سے پوچھا:

"آپ کو کس بات نے رلایا۔ کیا آپ سے حضور نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اپنی مونچھیں کترواؤ اور اسی پر جمے رہنا (یعنی اسی طرح کرتے رہنا) یہاں تک کہ تم مجھ سے آملنا۔"

انھوں نے کہا:

"ہاں، بے شک آپ ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا (اور میں نے ایسا ہی کیا ہے) لیکن میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، اللہ عزوجل نے ایک مٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں لی اور دوسری دوسرے ہاتھ میں لی، پھر فرمایا، یہ اس کے لیے ہے، یعنی جنت کے لیے ہے اور یہ اس کے لیے ہے، یعنی دوزخ کے لیے، اور فرمایا، مجھے کسی کی پروا نہیں۔" (یعنی مجھے کوئی پروا نہیں کہ کون جنت میں جاتا ہے اور کون دوزخ میں)

یہ فرمانے کے بعد انھوں نے کہا:

"اور میں نہیں جانتا کہ میں ان میں سے کون سی مٹھی میں ہوں۔"

O

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو آپ رو پڑے۔ ان سے پوچھا گیا:

"آپ کس بات پر رو رہے ہیں۔"

انھوں نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! نہ تو میں موت کی گھبراہٹ سے روتا ہوں اور نہ دنیا کی وجہ سے جسے اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں گا، لیکن میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ دو مٹھیاں ہیں، ایک مٹھی جہنم کے لیے، ایک مٹھی جنت کے لیے اور مجھے کوئی علم نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں ہوں گا۔"

O

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کسی نے بتایا:

"ہمارے پاس ایک آدمی آیا ہے، وہ تقدیر کو جھٹلاتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے اس تک لے چلو، یا اسے میرے پاس لے آؤ۔"

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نابینا ہو چکے تھے۔ آپ کی بات سن کر لوگوں نے آپ سے پوچھا:

"آپ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر اس پر میرا قابو چل جائے تو میں دانت سے اس کی ناک اس طرح چباؤں کہ اس کو کاٹ ڈالوں اور اگر اس کا گلا میرے ہاتھ میں آجائے تو پھر تو میں اس کا کام ہی تمام کردوں۔"

مطلب یہ کہ تقدیر کو جھٹلانے والوں کی تو یہ سزا ہے۔ (جاری ہے)

سوئی عمل رہیا

محمد کاشف جاوید۔ شیر سلطان

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا، کوئی عمل ایسا ارشاد ہو جس سے آپ کا خاص قرب حاصل ہو۔

ارشاد ہوا! تلاوت قرآن۔

انھوں نے عرض کیا، سمجھ کر یا بلا سمجھے؟

ارشاد ہوا، دونوں طرح سے۔

قرآن وہ چیز ہے کہ اس کا عطا ہونا محض محبت خداوندی ہے۔ اللہ کی بخشش اور عطاء ہے۔ جس میں ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

(حوالہ تھانوی کے پسندیدہ واقعات)

واقعاتِ صحابہؓ

162

عبداللہ فارانی

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوست شام کا رہنے والا تھا۔ آپ سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ اسے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا:

”مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں کچھ کلام کرتا ہے۔ پس خبردار مجھ سے خط و کتابت نہ کرنا۔ پس بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، بہت جلد میری امت میں کچھ ایسی قومیں ہوں گی جو تقدیر کو جھٹلائیں گی۔“ (یعنی تقدیر کا انکار کریں گی)

○

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا:

”اے امیر المومنین! یہاں کچھ ایسی قوم ہے جو یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو نہیں جانتا جو ہونے والی ہیں، جب تک کہ وہ نہ ہو جائیں۔“

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ان کی مائیں ان لوگوں کو گم کر دیں، ان لوگوں نے کہاں سے یہ بات کہی ہے؟“

لوگوں نے بتایا:

”وہ لوگ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرتے ہیں اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے، تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں۔“

(سورہ 47 رکوع 4)

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جس نے نہ جانا، وہ ہلاک ہو گیا۔“

اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا:

”اے لوگو علم سیکھو اور اس پر عمل کرو اور لوگوں کو سکھاؤ اور جس پر اللہ کی کتاب میں کوئی مسئلہ مشکل ہو جائے، مجھ سے پوچھ لے۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جو چیز ہونے والی ہے، اسے اللہ نہیں جانتا، یہاں تک کہ وہ ہو جائے اور وہ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کے اس قول سے نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، ہم دیکھ لیں کہ جن پر جہاد اور صبر لکھا گیا ہے، اگر وہ جہاد کرے اور صبر کرے اور جو مصیبت کہ اسے پہنچی ہے اور اس پر صبر کرے جو میں نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔“

اس روایت سے صاف مطلب یہ ہے کہ اس دور کے بعض افراد بھی قرآنِ کریم کی آیت کا مطلب غلط نکال بیٹھتے تھے، حالانکہ وہ عربی جانتے تھے۔

○

قرآنِ کریم میں جب یہ آیت نازل ہوئی، پس جب کہ پھونکا جائے گا ثور میں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں کس طرح راحت کی زندگی بسر کروں، صور والے نے صور منہ میں رکھ لیا ہے اور اپنی پیشانی جھکا لی ہے اور اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ پھونک مارے۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! تو ہم کس طرح دعا کیا کریں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یوں کہا کرو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔“

یعنی: اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین محافظ ہے اور ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔“

○

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا:

”میرے ان دو کپڑوں کو دھو لینا اور انھیں میں مجھے کفن دینا، اس لیے کہ تمہارا باپ دو آدمیوں میں سے ایک ضرور ہوگا یا اب اسے اچھا لباس پہنایا جائے گا یا اس سے برے طریقے پر سب کچھ چھین لیا جائے گا۔“

○

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ ہوش آیا تو آپ نے پوچھا:

”اے بیٹی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس دن ہوئی تھی۔“

انھوں نے عرض کیا:

”پیر کے دن۔“

آپ نے پوچھا:

”آج کیا دن ہے۔“

انھوں نے بتایا:

”آج پیر کا دن ہے۔“

یہ سن کر فرمایا:

”مجھے اللہ سے (ملاقات کی) امید ہے، اس دن کے ختم ہونے اور رات کے شروع ہونے کے وقت۔“

چنانچہ پیر گزرتے ہی منگل کی رات میں وفات پا گئے۔

○

وفات سے پہلے آپ نے یہ بھی دریافت فرمایا تھا:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے کپڑوں میں کفن دیے گئے تھے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا:

”آپ کو سفید رنگ کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا اور آپ کے کفن میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔“

آپ نے یہ سن کر فرمایا تھا:

چار سو سال تک مسلسل تلاوتِ قرآن

10 ویں ہجری میں جب سلطان سلیم کو خلافت ملی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تبرکات کو مصر سے استنبول لے آئے اور یہ اہتمام کیا کہ توپ کاپے سرائے میں ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مستقل کمرہ تعمیر کیا اور اس کمرے میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔

اس کے علاوہ اس کمرے میں انھوں نے حفاظِ قرآن کو مقرر کیا کہ وہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں۔ حفاظ کی ڈیوٹیاں مقرر تھیں اور ایک جماعت کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت آ کر تلاوت شروع کر دیتی تھی۔ اس طرح یہ سلسلہ بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا۔ اس طرح دنیا میں شاید یہ واحد جگہ ہے جہاں چار سو سال تک مسلسل تلاوتِ قرآن ہوتی رہی ہے اور اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔

خلافت کے خاتمے کے بعد یہ مبارک سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔ (بحوالہ جہاں دیدہ)

ثوبیہ۔ راے ونڈ

"میرے اس کپڑے کو دھو لینا (یعنی جو پہنے ہوئے تھے، ان پر زعفران کا نشان تھا) اور اس کے ساتھ دو نئے کپڑے لگا دینا۔"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"یہ پرانا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"زندہ آدمی میت کی بہ نسبت نئے کپڑوں کا زیادہ مستحق ہے، یہ جسم تو بوسیدہ ہونے ہی کے لیے ہے۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! جب میری وفات ہونے لگے تو مجھے زمین پر اتار دینا اور اپنے دونوں گھٹنے میری پیٹھ میں دے لینا اور اپنا داہنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھنا اور بایاں میری ٹھوڑی پر۔ پس جب میری روح قبض کر لی جائے تو میری آنکھیں بند کر دینا اور مجھے درمیانے درجے کا کفن دینا، اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری بھلائی ہوگی تو میرے لیے اس میں جہاں تک نگاہ جاسکے، وہاں تک وسعت دے دی جائے گی اور اگر اس کے علاوہ پر میرا خاتمہ ہوا تو اسے یہاں تک تنگ کر دیا جائے گا کہ میری پسلیاں الٹ پلٹ ہو جائیں گی اور میرے جنازے کے ساتھ ہرگز کوئی عورت نہ جائے اور میری پاکی ان باتوں سے بیان نہ کرنا جو مجھ میں نہیں تھیں۔ بے شک اللہ مجھے زیادہ جانتا ہے اور جب تم مجھے لے کر نکلنا تو چلنے میں ذرا جلدی کرنا، اس لیے کہ اگر میرے لیے اللہ کے نزدیک کوئی بھلائی ہو تو تم مجھے اس چیز کی طرف جلد لے جاؤ گے جو میرے لیے بہتر ہے اور اگر میں اس کے خلاف ہوں تو تم نے اپنی گردن سے ایک شرارت کو اتار پھینکا ہوگا جسے تم لادے ہوئے تھے۔"

O

ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

"اے عبداللہ! میرا رخسار زمین سے ملا دینا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے رخسار کو اپنی ران سے اپنی پنڈلی پر رکھ لیا، یعنی زمین پر نہ رکھا تو پھر فرمایا:

"اسے زمین سے ملا دے۔"

چنانچہ انھوں نے ان کا چہرہ چھوڑ دیا۔ وہ زمین سے جا لگا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے عمر! تیری اور تیری ماں کی خرابی ہو، اگر اے عمر اللہ پاک تیری مغفرت نہ کرے۔"

اس کے بعد ان کی روح قبض کر لی گئی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

O

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صلہ بن زفر رحمہ اللہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنا کفن خریدنے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں حضرات نے ان کے کفن کے لیے عصبی چادر تین سو درہم کی خریدی۔ چادر خرید کر جب یہ دونوں حضرات واپس آئے تو انھوں نے پوچھا:

"مجھے دکھاؤ! تم میرے لیے کیا خرید کر لائے ہو۔"

انھوں نے وہ چادر دکھائی تو آپ نے فرمایا:

"یہ میرا کفن نہیں ہونا چاہیے۔ دو پرانے کپڑے سفید رنگ کے ہوتے جن میں قمیص نہ ہوتی، اس لیے کہ مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دی جائے گی۔ اس کے بعد یا تو اس سے بہتر ان دونوں کے بدلے میں دیا جائے گا یا ان دونوں سے برا۔"

اس پر یہ دونوں حضرات پھر بازار گئے۔ آپ کے لیے دو پتلی سفید رنگ کی چادریں خریدیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا تھا:

"اگر تمہارا ساتھی بھلا ہے تو اللہ پاک اسے اور بدلہ دے گا اور اگر اس کے خلاف ہے تو تمہارے ساتھی کو قبر کے ایک گوشے میں پھینک دے گا۔"

O

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے غلاموں کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"جاؤ اور چوڑی اور گہری قبر کھودو۔"

وہ چلے گئے۔ واپس آ کر انھوں نے بتایا:

"ہم نے وسیع اور چوڑی قبر کھود دی ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"قبر دو مکانوں میں سے ایک مکان ضرور ہے یا تو میرے لیے قبر میں اس قدر وسعت کر دی جائے گی کہ اس کا ایک ایک زاویہ چالیس ہاتھ کا ہوگا اور پھر میرے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس میں سے میں اپنی بیویوں اور اپنے مکانوں اور جو کچھ اللہ پاک نے میرے لیے کرامت کی چیزیں تیار کرائی ہیں، ان کو دیکھوں گا اور پھر اپنے اس مکان کی طرف اس سے زیادہ راستہ پانے والا ہوں گا جس طرح کہ اپنے اس مکان میں۔ اس کے بعد اس مکان میں مجھے خوشبوئیں آتی رہیں گی، لیکن اگر بات اس کے الٹ ہوئی اور میں اس اللہ سے پناہ چاہتا ہوں، کیونکہ اس صورت میں ضرور میری قبر مجھ پر تنگ کر دی جائے گی اور میں ایسے مقام میں ہوں گا جو اس لوہے سے زیادہ تنگ ہوں جو لکڑی میں لگا ہوتا ہے۔ پھر میرے لیے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا جہاں سے میں اپنی زنجیروں اور طوقوں کو اور اپنے ساتھیوں کو دیکھوں گا۔ اس کے بعد میں جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف اس سے زیادہ راستہ پانے والا ہوں گا جیسا کہ آج کے دن اپنے مکان کی طرف جانے والا ہوں۔ پھر میرے حشر کے دن اٹھائے جانے تک مجھے جہنم کی لوئیں اور گرم پانی ملے گا۔" (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

163

واقعات صحابہ کے

حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ

اپنی بیوی کے پاس بیٹھے تھے کہ رو پڑے۔انہیں روتے دیکھ کر ان کی بیوی بھی رو پڑی۔حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے ان سے پوچھا:

”تم کیوں رو رہی ہو؟“

”آپ کو روتے دیکھ کر میں بھی رو پڑی۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے فرمایا:

”مجھے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا تھا:

ترجمہ:”تم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے جہنم نہ عبور کرنا پڑے۔اب میں نہیں جانتا کہ میں اس سے نجات پا جاؤں گا یا نہیں۔“

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عبداللہ بن رواحہ بیمار تھے۔

O

حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ نے حکم دیا:

”میرے غلاموں، خدمت گاروں، پڑوسیوں اور جو لوگ میرے پاس آیا کرتے تھے، انہیں میرے پاس لاؤ۔“

ان سب کو ان کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا... حضرت عبادہ بن صامت ؓ نے ان سے فرمایا:

”جو دن میں نے اس دنیا میں گزارے ہیں، میرا خیال ہے، یہ دن ان میں سے آخری دن ہے اور یہ میری آخرت کی پہلی رات ہے اور مجھے معلوم نہیں، شاید میرے ہاتھوں تم میں سے کسی سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو... اور وہ اللہ جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت کے دن بدلہ

قدم بہ قدم

لینے والا ہے... تم میں سے ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ اور جس کے جو جی میں آئے، مجھ سے بدلہ لے لے، اس سے پہلے پہلے کہ میری جان نکل جائے۔“

اس پر لوگوں نے کہا:

”آپ تو ہمارے لیے والد کی جگہ ہیں اور ہمیں ادب سکھانے والے ہیں۔“

یہ سن کر آپ نے فرمایا:”کیا تم لوگوں نے جو کچھ ہوا ہے، سب معاف کر دیا؟“

”جی ہاں!“

اب آپ نے فرمایا: ”اے میرے اللہ! آپ گواہ رہنا۔“

اس کے بعد فرمایا:”اچھا اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا اور مجھے معاف کر دیا ہے تو میری وصیت کی حفاظت کرنا... میں تم میں سے ہر انسان پر اس بات کی پابندی لگاتا ہوں کہ مجھ پر روئے... (یعنی مجھ پر مت رونا) اور جب میری جان نکل جائے تو تم سب وضو کرنا اور اچھا وضو کرنا، پھر تم میں سے ہر ایک مسجد میں جائے اور نماز پڑھے... پھر عبادہ اور اس کی جان کے لیے مغفرت کی دعا کرے... اس لیے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے، مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ... پھر مجھے میری قبر کی طرف جلدی لے جانا... اور میری پیچھے آگ نہ لے جانا اور میرے نیچے ارغوانی رنگ کا کپڑا نہ رکھنا۔“

نوٹ: اس زمانے کے جاہل لوگ میت کے ساتھ آگ لے کر جاتے تھے۔

O

ایک سفر میں حضور نبی کریم ﷺ نے رات کے آخری حصے میں پڑاؤ کیا... صحابہ کرام میں سے ایک نے اپنے کجاوے کی ہتھی سے ٹیک لگالی... یعنی سو گئے... حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی جگہ پر نہ پایا... اس پر آپ کو پریشانی ہوئی... آپ گھبراہٹ کے عالم میں حضور نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے... انہوں نے حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو دیکھا، یہ دونوں بھی گھبراہٹ کے عالم میں آپ کی تلاش میں نکلے تھے... اب ان تینوں حضرات نے مل کر تلاش شروع کی... ابھی یہ تلاش میں نکلے تھے کہ انہوں نے وادی کے اوپر کی جانب سے ایک آواز سنی... آواز چکی کے چلنے کی تھی، یہاں تک کہ یہ تینوں حضرات حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچ گئے... انہوں نے بتایا کہ آپ کو نہ پا کر وہ پریشان ہو گئے... آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

”آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا... اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے... آپ امت کی سفارش کرا لیں، یا آدھی امت کو جنت میں داخل کرا لیں... سو میں نے سفارش کرنے کو پسند فرمایا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک تم سب ان لوگوں میں سے ہو جن کی میں سفارش کروں گا۔"

اس کے بعد یہ حضرات حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑاؤ کی طرف چل پڑے ... جب باقی لوگوں کے پاس پہنچے تو پتا چلا، وہ سب آپ کی گم شدگی سے پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے ... آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا آیا ... اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سفارش میں اور اس بات میں اختیار دیا ہے کہ میری امت کا نصف حصہ جنت میں داخل کرالوں ... تو میں نے سفارش کرنے کو اختیار کرلیا ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا:

"ہم آپ کو اللہ کی اور آپ کی محبت کی قسم دیتے ہیں، ہمیں بتائیے، آپ نے ہمیں کس لیے ان میں شامل کیا جن کی آپ سفارش کریں گے۔"

اس بارے میں جب ان حضرات نے بہت اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں حاضرین کو گواہ بناتا ہوں میری سفارش امت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اس حالت میں وفات پا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے شرک نہ کیا ہو۔"

O

ایک عرابی (دیہاتی) حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ... انہوں نے آپ سے حوض کوثر کے بارے میں پوچھا اور جنت کا ذکر کیا، پھر اس عرابی نے کہا: "جنت میں میوے ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! اور اس میں ایک درخت ہوگا جسے طوبیٰ کہا جاتا ہے۔"

اس موقعے پر آپ نے ایک اور چیز کا بھی ذکر فرمایا تھا... پھر اس اعرابی نے پوچھا۔

"ہماری زمین کا کون سا درخت اس درخت کے مشابہ ہے۔"

آپ نے فرمایا: "تمہاری اس زمین کے کسی درخت کو اس سے کچھ مشابہت نہیں ... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم ملک شام گئے ہو۔"

اعرابی نے جواب دیا: "نہیں؟"

آپ نے فرمایا: "ملک شام میں ایک درخت اس کے مشابہ ہے۔ اسے جوزہ کہا جاتا ہے۔ (اخروٹ یا ناریل کا درخت) وہ ایک ہی تنے پر چلتا ہے۔ اور اس کا اوپر کا حصہ پھیل جاتا ہے۔"

اعرابی نے پوچھا: "خوشوں کا مٹاپا کتنا ہوگا۔"

آپ نے فرمایا: "کالا کوا جو سستی نہ برتے، اس کی ایک مہینے کی اڑان کا فاصلہ۔"

اعرابی نے پوچھا: "اس کی جڑ کا موٹاپا کتنا ہوگا۔"

آپ نے فرمایا: "اگر تمہارے خاندان میں سے کوئی جوان اونٹ کوچ کرے تو اس کی جڑ کا احاطہ نہ کر سکے گا یہاں تک اونٹ کی بڑھاپے کی وجہ سے پسلیاں ٹوٹ جائیں ... (یعنی وہ چلتے چلتے بوڑھا ہو جائے گا، اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی، لیکن درخت کی جڑ کا موٹاپا ختم نہیں ہوگا)۔"

اب اعرابی نے پوچھا: "جنت میں انگور بھی ہوں گے۔"

آپ نے فرمایا: "ہاں! ہوں گے۔"

اس نے پوچھا: "ان کے دانے کا موٹاپا کتنا ہوگا؟"

آپ نے فرمایا:

"تمہارے والد نے اپنی بکریوں سے کبھی کوئی بڑا بکرا ذبح کیا ہے۔"

اعرابی نے کہا: "ہاں؟"

آپ نے فرمایا: "بس! وہ دانا اتنا بڑا ہوگا۔"

اس پر اعرابی نے کہا: "وہ دانا تو پھر مجھے اور میرے گھر والوں کو چھکا دے گا۔"

آپ نے فرمایا: "ہاں اور تیرے سارے خاندان کو بھی۔" (جاری ہے)

اُجالوں کا پیام

اپنے مالک کے آگے سجدہ کر کے میں نے واپسی کی اجازت طلب کی۔ مالک نے مسکرا کر مجھے حیران کر دیا۔

میں جن شہروں سے ہو کر روز آتا تھا، انہیں کی طرف میرا رخ تھا۔ ابھی میری آمد کے آثار ہی دکھائی دیے تھے کہ مسجدیں گویا جاگ گئیں۔ ہر طرف میری آمد کا اعلان سنائی دینے لگا۔ میں جیسے کوئی شہزادہ ہوں۔ آ کاش کے تخت پر مسند تو میری ہی رہتی تھی دن بھر... مگر میں پھر بھی اپنے آقا کا تو غلام ہی ہوں ناں! جیسے جیسے میں اس سوئے ہوئے ملک کے نزدیک ہو رہا تھا میری حیرت بلندیوں کو چھوتی جا رہی تھی۔ روز کے معمول کو جھٹلاتا یہ منظر کچھ خوابناک سا لگتا تھا... میں روز ہی اجالوں کا پیام بن کر یہاں آتا تھا... مگر اندھیروں کے مارے یہ بے چارے لوگ، اپنے بلوں سے منہ ہی کب نکالتے تھے... آج تو جیسے میرے استقبال کے لیے ہر کوئی بچھا جا رہا تھا... مجھے خوشی ہوئی... حیرت تو تھی ہی... ہر گھر سے لڑکے اور بڑے بوڑھے تیزی سے نکل نکل کر مسجدوں کا رخ کر رہے تھے۔ میں نے اپنے دیرینہ دوست چندا کو آنکھیں میچ کر دیکھا... وہ کافی فاصلے پر تھا۔ لیکن اس کا پورا وجود گویا کائنات کی مسکان بنا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا... اسکی یہ مخصوص مسکراہٹ سال بھر میں ایک ہی دفعہ نظر آتی تھی۔ صرف رمضان کی اول شب میں... ہاں... آج پہلا روزہ تھا... جنتیں بھی سج چکیں تھیں... فرشتے بادلوں کی طرح شہر پر اڑتے پھر رہے تھے۔ ہر چہرہ گلاب تھا اور ہر گلاب مسکان آفریں!

کاش سال کے 365 دن یہ منظر دیکھنے کو ملا کرتا اور میں روز ابلیس کو دھاڑیں مار مار کر روتا دیکھ سکتا۔ کاش اے کاش۔

نور سحر۔ لاہور کینٹ

واقعاتِ صحابہ

164

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

ایک صاحب حبشہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"سوال کرو، پوچھو۔"

انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر صورت، رنگ اور نبوت کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی۔ اگر میں اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان لائے اور اس چیز پر عمل کروں جس پر آپ عمل کرتے ہیں تو کیا میں آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گا؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے، بات یہ ہے کہ حبشی کی سفیدی جنت میں ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گی۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"جس نے کہا لا الہ الا اللہ، اس شخص کے لیے اس کلمے کے ذریعے اللہ کے پاس ایک عہد ہوجاتا ہے۔ اور جس نے کہا، سبحان اللہ وبحمدہٖ، اس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

یہ سن کر اس آدمی نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! اس کے بعد ہم کیسے تباہ ہوجائیں گے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انسان قیامت کے دن اتنا عمل لے کر آئے گا کہ اگر اسے پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو پہاڑ بھی اسے بھاری سمجھے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کی ایک نعمت یا کئی نعمتیں ہوں گی اور یہ سارا عمل ان کے مقابلے میں ختم ہوجائے گا مگر یہ کہ اللہ پاک اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے۔"

اس وقت یہ سورۃ اتری:

ترجمہ: بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا۔ ہم نے اسے مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ اس طور پر کہ ہم اسے مکلف بنائیں۔ تو ہم نے اسے سنتا، دیکھتا سمجھتا، بنایا۔ ہم نے اسے راستہ بتایا۔ پھر یا تو وہ شکر گزار ہوگیا یا ناشکر ہوگیا، ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور تیز آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور جو نیک ہیں، وہ ایسی شراب کے جام پییں گے جس میں کافور ملا ہوگا، یعنی ایسے چشمے سے پییں گے جس سے اللہ کے خاص بندے پییں گے جسے وہ بہا کر لے جائیں گے، وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ اللہ کی محبت کی وجہ سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تمھیں صرف اللہ کی رضامندی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ چاہیں۔ ہم اپنے رب کی طرف ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ انھیں اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور انھیں تازگی اور خوشی دے گا اور ان کی پختگی کے بدلے انھیں جنت اور ریشمی لباس دے گا، اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، نہ وہاں تپش اور گرمی پائیں گے اور نہ جاڑا اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آب خورے جو شیشے کے ہوں گے اور وہ شیشے چاندی کے ہوں گے، جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا اور وہاں انھیں ایسا جامِ شراب پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اے مخاطب تو انھیں دیکھے گا، تو یوں سمجھے گا کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے۔"

یہ سن کر اس حبشی نے پوچھا:

"میری آنکھیں جنت میں وہی دیکھیں گی جو آپ کی آنکھیں دیکھیں گی۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں!"

یہ سن کر وہ حبشی رویا۔ یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کرگئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ (حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حبشی کے بارے میں یہ الفاظ بھی فرمائے:

"تمہارے بھائی یا تمہارے ساتھی کی جان جنت کے شوق نے نکال لی۔"

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابولولو نے خنجر سے زخمی

کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت رو رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''اے امیر المومنین! آپ کو کس چیز نے رُلایا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے آسانی خبر نے رُلایا ہے، نہ جانے مجھے جنت کی طرف لے جایا جائے گا یا جہنم کی طرف۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ جنت کی بشارت حاصل کیجیے، اس لیے کہ میں نے اتنی بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ میں احاطہ نہیں کر سکتا (یعنی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کتنی بار کہتے ہوئے سنا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت کے ادھیڑ عمروں کے سردار ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما ہیں۔ اللہ انھیں خوش عیشی دے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تو کیا اے علی! تم میرے لیے جنت کے گواہ ہو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہاں! میں گواہ ہوں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اور اے حسن رضی اللہ عنہ تم اپنے باپ پر گواہ رہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عمر اہلِ جنت میں سے ہیں۔''

O

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملنے کچھ حضرات آئے۔ ان میں ابن شماسہ مہری بھی تھے۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر نزع کی حالت طاری تھی۔ ایسے میں انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا اور رونے لگے اور بہت دیر تک روئے۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا:

''آپ کس بات پر رو رہے ہیں، آپ کو کس چیز نے رُلایا؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بشارت نہیں دی اور کیا آپ کو ایسی بشارت نہیں دی۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پھر بھی روتے رہے اور منہ دیوار کی طرف بھی کیے رہے۔ آخر انھوں نے اپنا چہرہ ان حضرات کی طرف کیا اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں موت سے گھبرا کر نہیں رو رہا، میں تو ان معاملات سے گھبرا کر رو رہا ہوں جو موت کے بعد پیش آئیں گے۔''

O

ایک روز سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوزخ کو یاد کر کے رو پڑیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''اے عائشہ! تمھیں کیا ہوا؟''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں نے دوزخ کو یاد کیا اور رو دی۔ کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین مقام ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا، یہاں تک کہ آدمی جان لے کہ اس کی ترازو کے اعمال ہلکے ہے یا وزنی اور جب نامہ اعمال کے وقت کہا جائے گا، آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو، یہاں تک کہ جان لیا جائے کہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے دیا جاتا ہے اور پل صراط کے وقت جب کہ وہ جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا اور اس کے دونوں کناروں پر بہت آنکڑے ہوں گے اور بہت کانٹے ہوں گے۔ اس کے ذریعے اللہ اپنی مخلوق میں سے جس کسی کو چاہے گا، روک لے گا، یہاں تک کہ جان لیا جائے کہ آیا نجات پاتا ہے یا نہیں۔'' مطلب یہ کہ ان تین موقعوں پر کوئی کسی کو نہیں پہچانے گا۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی:

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تو اُس وقت آپ کے پاس کچھ اصحاب موجود تھے۔ ان میں سے ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! جہنم کا پتھر کیا دنیا کے پتھر کی طرح ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے۔ جہنم کے پتھروں میں سے ایک چھوٹا پتھر دنیا کے کل پہاڑوں سے بڑا ہوگا۔''

یہ سن کر وہ بوڑھے شخص گر پڑے اور ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو پتا چلا کہ وہ زندہ ہیں۔ آپ نے انھیں پکارا اور فرمایا:

''اے بڑے میاں کہو لا الہ الا اللہ۔''

انھوں نے کلمہ پڑھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی۔ اس پر آپ کے صحابہ کرام نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا ہم سب میں سے انھی کو جنت کی بشارت ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ پاک نے فرمایا ہے، یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری سزا سے ڈرے۔'' (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ 164

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں اس کی قیمت ادا کر دیتا ہوں۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تیز تیز چلنے لگے جب کہ دیہاتی آہستہ چلا، یعنی آپ سے کچھ پیچھے ہوگیا۔ ایسے میں اس سے کچھ لوگ ملے اور اس گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے گھوڑے کی قیمت اس قیمت سے زیادہ لگا دی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے لگائی تھی۔ اس پر اس نے بلند آواز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کیا اور کہا:

''آپ اس گھوڑے کو خریدتے ہیں تو خرید لیں، ورنہ میں ان صاحب کو فروخت کر دیتا ہوں۔''

اس کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ٹھہر گئے، یہاں تک کہ اعرابی آپ تک پہنچ گیا۔ اب آپ نے اس سے فرمایا:

''کیا میں نے تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا؟''

اعرابی نے کہا:

''نہیں! اللہ کی قسم! میں نے یہ آپ کے ہاتھوں نہیں بیچا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''نہیں! تم نے یہ میرے ہاتھ فروخت کیا ہے، میں نے یہ تجھ سے خریدا ہے۔''

اس دوران وہاں کچھ لوگ جمع ہوگئے۔ ایسے میں اس دیہاتی نے کہنا شروع کیا:

''آپ کوئی گواہ لائیے جو یہ گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔''

جب آس پاس جمع ہونے والے حضرات نے دیہاتی کو یہ کہتے سنا تو انھوں نے اس سے کہا:

''تیرا ناس ہو، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حق اور سچ کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ ایسے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس اعرابی سے کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ اعرابی بھی کچھ کہہ رہا ہے، پھر اعرابی نے یہ کہنا شروع کیا:

''آپ کوئی گواہ لائیے جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔''

یہ سنتے ہی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو نے یہ گھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔''

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اے خزیمہ! تم یہ گواہی کیونکر دے رہے ہو۔'' (یعنی جب میں نے گھوڑے کا سودا کیا، اس وقت تو تم یہاں تھے ہی نہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات کے جواب میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کی نبوت کی تصدیق کر چکا ہوں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو، تم تو اس وقت یہاں تھے ہی نہیں، اس کے جواب میں انھوں نے عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم! میں نے تو آپ کی تصدیق آسمانی خبروں میں کی ہے تو کیا جو آپ فرما رہے ہیں، اس کی تصدیق نہ کروں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

O

معراج کی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔ صبح ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں سے اس بات کو بیان فرمایا۔ یہ سن کر کچھ لوگ جو آپ پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کی تصدیق کر چکے تھے، مرتد ہوگئے، یعنی یہ بات سن کر انھوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس طرح مرتد ہوگئے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور آپ سے کہنے لگے:

''اے ابوبکر! تم نے اپنے صاحب کی بات سنی؟ وہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ انھیں آج رات بیت المقدس لے جایا گیا۔''

اس ہفتے کی بات

اخلاص یہ ہے کہ انسان اپنی نیکیاں بھی اس طرح چھپائے جیسے اپنے گناہ چھپاتا ہے۔

OO

قاری محمد مظہر حسین۔ منڈی جہانیاں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے پوچھا:

''کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔''

ان لوگوں نے کہا:

''ہاں!''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو بالکل سچ فرمائی ہے۔''

انھوں نے کہا:

''تو تم ان کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ آج رات ہی بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے ہی واپس آ گئے؟''

انھوں نے فرمایا:

''ہاں! میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، بے شک میں تو آپ کی ان باتوں میں تصدیق کرتا ہوں جو اس سے بھی زیادہ ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ میں تو آپ کی تصدیق صبح اور شام آسمانی خبروں میں کرتا رہتا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ صدیق اسی وقت سے لگایا جانے لگا۔

مکے کے کافروں کو یہ بات ناممکن اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ مکہ معظمہ کا بیت المقدس تک فاصلہ ایک رات میں طے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس زمانے میں سفر اونٹوں، گھوڑوں پر یا پھر پیدل ہوتا تھا اور یہ ایک ماہ کا سفر تھا۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک سال ٹڈیاں کم ہوگئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے ٹڈیوں کے بارے میں پوچھا۔ کوئی بھی آپ کو ان کے بارے میں نہ بتا سکا۔ اس پر آپ بہت غمگین ہو گئے۔ آپ نے چند سواروں کو مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا، یعنی کسی کو شام کی طرف تو کسی کو عراق کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ وہ معلوم کریں کہ کسی نے ٹڈیاں دیکھی ہیں یا نہیں۔

وہ سوار جنھیں یمن کی طرف بھیجا گیا، تاکہ آپ کی خدمت میں ایک مٹھی بھر ٹڈیاں لائے، انھوں نے ٹڈیاں آپ کی خدمت میں ڈال دیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین بار اللہ اکبر فرمایا، اس کے بعد فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اللہ عزوجل نے ایک ہزار مخلوق بنائی ہیں۔ ان میں سے چھ سو سمندر میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ ان سب میں جو سب سے پہلے خشکی کی مخلوق ہلاک ہوگی (یعنی ختم ہوگی) وہ ٹڈیاں ہیں، جب ٹڈیاں ہلاک ہو جائیں گی تو لگاتار بلائیں اور تباہیاں شروع ہو جائیں گی جیسے کہ موتی کی لڑی جس کا دھاگا ٹوٹ جائے تو دانے مسلسل گرتے چلے جاتے ہیں۔''

نوٹ:۔ مدیر بچوں کا اسلام نے اپنے بچپن میں ٹڈیوں کا ایک لشکر گزرتے دیکھا تھا۔ پھر ایسا منظر کبھی نظر نہیں آیا اور اب ٹڈیوں کا ذکر بھی سننے میں نہیں آتا۔ شاید ٹڈیاں ناپید ہو چکی ہیں۔

O

حضرت فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے فضالہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں بیمار تھے اور کچھ زیادہ ہی مریض تھے۔ حضرت فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کیا:

''آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ یہاں وفات پا گئے تو یہاں کے دیہاتی آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکیں گے۔ ذرا مشقت برداشت کیجیے اور مدینہ چلیے۔ اگر آپ کو قضا آ گئی تو آپ کے اصحاب آپ کے قریب ہوں گے۔ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔''

ان کی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اپنی اس تکلیف میں مرنے والا نہیں، کیونکہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ بات پختگی کے ساتھ فرمائی تھی کہ میں نہیں مروں جب تک کہ امیر نہ بنا لیا جاؤں اور پھر یہ رنگین کر دی جائے، یعنی میری ڈاڑھی میرے خون سے رنگین کر دی جائے۔''

یعنی میری موت تو اس طرح واقع ہوگی۔ یہاں مجھے موت نہیں آئے گی۔

O

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت اپنا پاؤں رکاب میں رکھ چکے تھے، یعنی سفر پر روانہ ہونے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا:

''اے امیر المومنین کہاں کا ارادہ ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''عراق کا۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''سن لیجیے! اگر آپ عراق جائیں گے تو آپ کو عراق میں تلوار کی دھار ضرور لگے گی۔'' (یعنی آپ پر حملہ کیا جائے گا)

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہلے ہی سن رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔''

(جاری ہے)

OO

واقعاتِ صحابہ

166

عبداللہ فارانی

قبیلہ قضاعہ کے دو آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اسلام قبول کرنے کے جلد ہی بعد ان میں سے ایک شہید ہو گیا۔ جب کہ دوسرے نے ایک سال بعد وفات پائی۔ حضرت طلحہؓ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ ان دونوں میں سے جس کا انتقال بعد میں ہوا تھا، وہ اس شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوا، کیونکہ پہلا بھائی تو شہید ہوا تھا جب کہ دوسرا عام موت سے فوت ہوا۔ صبح ہوئی تو حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ خواب سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایسا کیوں نہ ہوتا (یعنی ایسا ہونا تو ضروری تھا) اس لیے کہ اس نے اس شہید کی نسبت ایک رمضان کے روزے رکھے، چھ ہزار رکعت پڑھیں اور ایسی ایسی رکعتیں پڑھیں اور سال بھر نمازیں پڑھی ہیں۔''

مطلب یہ کہ اس نے پورا سال عبادات کی ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ ایک سال پہلے شہید ہونے والے بھائی سے اجر میں بڑھ گئے، بلکہ اس سلسلے میں ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

''دونوں کے درمیان مرتبے کے لحاظ سے فاصلہ زمین اور آسمان کے فاصلے کے برابر ہے۔''

O

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم مسجد میں موجود تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ نماز کا انتظار ہو رہا تھا، ایسے میں ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا:

''مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما چکے تو اس شخص نے کھڑے ہو کر دوبارہ یہی بات کی۔ اب آپ نے فرمایا:

''کیا تم نے میرے ساتھ نماز نہیں پڑھی، کیا تو نے اچھی طرح وضو نہیں کیا تھا۔''

اس نے جواب میں کہا:

''بے شک میں نے یہ سب کیا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''تحقیق! یہ نماز تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔''

O

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''افضل اعمال کون کون سے ہیں؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ نماز ہے۔''

اس نے کہا:

''اس کے بعد افضل عمل کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''نماز ہے۔''

اس کے بعد پھر اس نے پوچھا:

''اور کیا؟''

آپ نے فرمایا:

''نماز ہے۔''

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں مرتبہ یہی فرمایا۔ جب اس نے بار بار یہی پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔''

اب اس نے کہا:

''میرے ماں باپ ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''میں تمہیں ماں باپ سے بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔''

اس پر اس نے کہا:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا، میں جہاد بھی ضرور کروں گا، اور ان دونوں کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے کام سے زیادہ واقف ہو۔''

یعنی آپ نے فرمایا کہ تم سمجھ دار ہو۔

O

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ فرمائیے! اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود

قدم بہ قدم

نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور پانچوں نمازیں پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور اس میں عبادتیں بھی کروں تو میں کن لوگوں میں ہوں گا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صدیقین اور شہدا میں سے۔''

O

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور نماز کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا:

''میرے والد زود رنج ہیں (یعنی جلد رنج میں مبتلا ہو جاتے ہیں) جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان میں سکت نہیں ہوگی کہ لوگوں کو نماز پڑھا سکیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی حکم دیا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہیں، وہ نماز پڑھائیں۔''

گھر کے لوگوں نے پھر آپ سے یہی کہا۔ آپ نے بھی پھر وہی حکم دیا۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ بھی یہی بات کہی گئی۔ آپ نے تیسری مرتبہ بھی یہی حکم فرمایا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔''

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے نکلے۔ اتنے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں قدرے کمی محسوس کی تو آپ کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے حجرۂ مبارک سے نکلے۔ سیدہ عائشہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں، اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پاؤں مبارک درد کی وجہ سے گھسٹتے جارہے تھے۔ آپ کو آتے دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ جائیں، لیکن آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہیں۔ اس کے بعد آپ کو وہاں تک لایا گیا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

O

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کے دوران نمازیں پڑھاتے رہے جس بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ صف بنائے نماز میں کھڑے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کا پردہ کھلا، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے بھی آپ کی طرف دیکھا۔ اس وقت آپ کا چہرہ کمزوری کی وجہ سے، قرآن کے ورق جیسا ہو رہا تھا، آپ اس وقت مسکرا رہے تھے۔ آپ کو مسکراتا دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی بے تحاشہ خوش ہوئے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلیں۔

اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرماگئے۔

O

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا گیا اور آپ شدید زخمی ہوئے تو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر چادر تان دی گئی تھی۔ حضرت مسور نے پوچھا:

''امیر المومنین کا کیا حال ہے۔''

انھیں بتایا گیا:

''بس ایسا ہی حال ہے۔'' (یعنی اچھا نہیں ہے)

حضرت مسور نے کہا:

''انھیں نماز کے لیے ہوشیار کرو، اس لیے کہ نماز سے زیادہ گھبراہٹ کی ان کے لیے اور کوئی چیز نہیں ہے۔'' (یعنی نہ پڑھنے کی صورت میں)

اس پر لوگوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! نماز تیار ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں میرے اللہ! اس وقت میں اٹھتا ہی ہے اور اس شخص کا اسلام میں کوئی حق نہیں جس نے نماز ترک کر دی۔''

اس کے بعد آپ نے نماز پڑھی اور آپ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

(جاری ہے)

OO

ٹماٹر

آ۔ بنت حبیب الرحمٰن۔ ملھووالی

اللہ رب العزت نے کائنات میں انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور باقی ساری کائنات اور انعام واکرام انسان کے لیے پیدا کیے، تا کہ وہ شکر گزاری کرے، اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتیں ہمارے اردگرد بکھری پڑی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''پھر تم کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' اللہ رب العزت نے سردیوں میں ٹھنڈا پھل مالٹا کیوں پیدا کیا؟ حالانکہ سردیوں میں گرم چیز ہونی چاہیے تھی اور اس کے برعکس شدید گرمیوں میں آم؟ آم کی تاثیر بہت گرم ہے۔ تو اس میں حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ سردیوں میں ہم گرم چیزیں مثلاً مونگ پھلی، اخروٹ، بادام اور اس طرح کے خشک پھل استعمال کرتے ہیں اور پانی پینا بہت کم کر دیتے ہیں جس سے پانی کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو اللہ رب العزت نے اس کمی کو دور کرنے کے لیے مالٹا اور مولی گاجر جیسے پھل پیدا کر دیے اور گرمی میں ہم ٹھنڈی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو جسم کا درجہ حرارت معتدل رکھنے کے لیے ''آم'' کو پیدا کیا گیا۔ چلیں جی بات شروع کرتے کرتے آپ کو اتنی مفید حکمت بھی بتا دی، لیکن ٹماٹر ایسی سبزی ہے جو سال کے بارہ مہینے میں پائی جاتی ہے۔ پکنے کے بعد اتنا نفع بخش نہیں ہوتا جتنا کہ کچی صورت میں ہوتا ہے۔ ٹماٹر کھانے سے بھوک بہت لگتی ہے۔ یہ کھانے کو اچھی طرح ہضم کرتا ہے۔ (سلاد کے طور پر استعمال کریں)

قبض کو دور کرنا، خون کو صاف کرنا، خون کی کمی کو دور کرنا، جسم کی خشکی دور ہوتی ہے۔ گرمیوں میں اس کا استعمال جسم کی گرمی کو ختم کرتا ہے۔ یرقان، گردہ کے ورم، شوگر اور موٹاپے میں صبح سویرے ایک ٹماٹر استعمال کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بچوں کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جائیں تو ٹماٹر کا رس متواتر پلاتے رہنے سے آرام آجاتا ہے۔ دانتوں کو مضبوط بناتا ہے، ٹماٹر کا جوس بچوں کی نشوونما میں بہت مفید ہوتا ہے۔ شیر خوار کی والدہ صاحبہ ضرور استعمال کرے، اس سے ماں کا خون صاف ہوگا تو بچہ بھی صحت مند ہوگا۔ ٹماٹر کھانے کی صورت میں کچھ دیر تک پانی کا استعمال نہ کیا جائے، یہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ ہر چیز کو اگر حد سے زیادہ استعمال کیا جائے تو کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ شریعت نے ہر چیز میں اعتدال کا راستہ بیان کیا ہے۔ ٹماٹر کھانے سے پیٹ میں نفخ پیدا ہوتی ہے اور یہ بادی بھی ہوتے ہیں۔ بلغم بھی پیدا کرتے ہیں۔ تپ دق اور گلے کے امراض والے مریض استعمال نہ کریں، اس کے فوائد پڑھ کر بچوں کچن سے ٹماٹر چوری کر کے نہیں کھانے، ورنہ آپ کی امائیں ہمیں برا بھلا کہیں گی اور یہ ٹماٹر آپ کے پیٹ میں جا کے خوب اودھم مچائیں گے پھر۔ لہٰذا حق حلال کی کھائیں، سکھ چین کی نیند سوئیں۔ دعا گو!

نوٹ:۔ (مضمون کی تیاری میں دوسرے رسالوں سے کچھ مدد لی گئی ہے)

OO

سونگھ کر نسخہ تیار کرنا

خلیل بن احمد رحمہ اللہ انسانی تاریخ کے ذہین لوگوں میں سے ایک تھے، لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنکھ کی کسی خاص بیماری کی دوا بنانے والا طبیب انتقال کر گیا۔ لوگوں کو اس دوا کی بڑی ضرورت پڑی، خلیل رحمہ اللہ نے کہا ''کسی کے پاس اس دوا کا نسخہ ہے؟''

لوگوں نے کہا ''نہیں۔'' تو وہ برتن منگوایا جس میں دوا بنائی جاتی تھی۔ چنانچہ سونگھتے سونگھتے برتن سے اس دوا کا ایک ایک جز نکالتے رہے، یہاں تک کہ پندرہ اجزاء اس طرح نکال کر جمع کر دیے۔ ان پندرہ اجزاء کی تعیین کے بعد دوا بنائی اور حسبِ سابق لوگوں کو اس سے نفع ہوا۔ اتفاقاً بعد میں اس کا لکھا ہوا نسخہ اس طبیب کے کتب خانے سے مل گیا۔ دیکھا تو اس میں سولہ اجزاء تھے۔ خلیل رحمہ اللہ سے صرف ایک جز رہ گیا تھا۔

واقعاتِ صحابہ کے

165

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سے سواروں کی ایک جماعت گزری۔ اس جماعت میں ابن ملجم بھی تھا (یعنی آپ کا قاتل) آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے اس کا نام یا نسب پوچھا۔ اس نے اپنا نسب اپنے والد کے بجائے کسی اور سے جوڑ دیا، یعنی جھوٹ بول دیا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''تو نے جھوٹ بولا۔''

اب اس نے اپنے باپ کا نام درست بتا دیا۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! اب تو نے سچ کہا! خبردار تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے، اے علی تیرا قاتل، یہود جیسا ہوگا۔''

اور یہ ابن ملجم یہودی ہی تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''جا، چلا جا۔''

O

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انھوں نے فرمایا:

''میں اپنے اس مرض میں وفات نہیں پاؤں گا، کیونکہ مجھ سے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان شہید ہو کر مروں گا۔''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا تھا:

''مجھ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹکی کے ساتھ فرمایا تھا کہ تیرا آخری گھونٹ تو شۂ دنیا سے پانی ملا ہوا دودھ ہوگا۔''

یعنی اپنی زندگی کی آخری چیز جو تم پیو گے، وہ پانی ملا دودھ ہوگا، چنانچہ جنگ صفین میں یہ جنگ تو کر رہے تھے، لیکن کسی کو قتل نہیں کر رہے تھے۔ ایسی حالت میں انھیں دودھ پیش کیا گیا۔ انھوں نے دودھ کو پی لیا، پھر فرمایا: ''یہ آخری گھونٹ ہے، جسے میں نے اس دنیا میں پیا ہے۔''

اس کے بعد کھڑے ہوگئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

O

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیوی رونے لگی۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''تم کیوں رو رہی ہو۔''

وہ کہنے لگیں: ''میں اس لیے رو رہی ہوں کہ آپ کے کفن دفن کی مجھ میں طاقت نہیں، نہ میرے پاس کپڑا ہے، جس میں آپ کو کفن دیا جا سکے۔''

یہ سن کر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''روؤ نہیں! بے شک میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ اس چھوٹی سی جماعت سے فرما رہے تھے جس میں میں بھی تھا کہ بے شک تم میں سے ایک آدمی چٹیل میدان میں مرے گا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے جنازے پر حاضر ہوگی اور جس جماعت کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تھا، ان میں سے اب میرے علاوہ کوئی آدمی بھی زندہ نہیں رہ گیا۔ ان سب کی موت آبادیوں میں اور مسلمانوں کے درمیان میں ہوئی ہے اور میں ہی وہ شخص ہوں جو جنگل میں وفات پا رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ بولا اور نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔ تو راستے پر نظر ڈال۔''

یعنی راستے پر جا کر دیکھ لو، کوئی جماعت آ رہی ہوگی، اس پر ان کی بیوی نے کہا:

''حاجیوں کی آمد و رفت کا زمانہ ختم ہو چکا اور راستہ بند ہوگیا۔ کہاں سے کوئی آدمی آئے گا۔''

اس کے بعد یہ گھر سے نکل کر لوگوں کے آنے والے راستے کے ایک ٹیلے پر چڑھ جاتیں اور دور تک نظر دوڑاتیں۔ جب کوئی آتا نظر نہ آتیں تو واپس لوٹ آتیں۔ یہ ایسا ہی کرتی رہیں۔ آخر ایک دن انھوں نے ایک چھوٹی سی جماعت کو آتے دیکھا۔ وہ اپنی سواریوں پر تیزی سے چلے آ رہے تھے۔ وہ اپنے کجاووں میں بیٹھے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جو انھیں دیکھا تو کپڑا ہلانے لگیں۔ وہ سب ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور اپنا رخ ان کی طرف کر دیا۔ اس طرح جلد ہی وہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ اب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے کہا:

''مسلمانوں میں سے ایک آدمی مرنے کے قریب ہے۔ آپ لوگ اس کا کفن دفن کر دیں۔''

انھوں نے پوچھا: ''وہ کون ہیں؟''

بیوی نے بتایا: ''وہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔''

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام سن کر انھوں نے کہا: ''ہمارے ماں باپ ان پر قربان۔''

یہ کہ کر وہ اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''تم لوگ خوش خبری حاصل کرو۔''

اس کے بعد انھوں نے وہ حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی جماعت سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک شخص بیابان میں مرے گا اور اس کے کفن دفن کے لیے کچھ لوگ وہاں پہنچیں گے... یعنی آپ نے انھیں یہ خوش خبری سنائی کہ تم وہی لوگ ہو... اس کے بعد انھوں نے ان سے فرمایا:

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دو مسلمان میاں بیوی کے جب دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور یہ دونوں ثواب کی نیت سے صبر کر لیں تو یہ میاں بیوی جہنم میں نہیں جائیں گے (یعنی یہ

ہر صحابی دین کا شہباز ہے

مصطفیٰ ﷺ کا ہر صحابی دین کا شہباز ہے
سب صحابہ پر امام الانبیاء ﷺ کو ناز ہے
سب صحابہ گلستانِ مصطفیٰ کے پھول ہیں
اُن کی خوشبو ہر طرف ہر دم کرشمہ ساز ہے
جا بجا کرتا ہے قرآں خوبیاں ان کی بیاں
ہر صحابی ہر صفت میں کس قدر ممتاز ہے
ابوبکرؓ، فاروقؓ، و عثمانؓ و علیؓ حق چار یار
دینِ نبوی کی اشاعت سب کا ٹھہرا کاز ہے
صدق وعدل و جود و حکمت کیا عجب اوصاف ہیں
ان کی ہر خوبی نبی ﷺ کی بزم کا اعجاز ہے
سوئی تک قربان کر کے ٹاٹ اوڑھا جسم پر
عشقِ نبوی میں عجب صدیق کا انداز ہے
مسجدِ نبوی کے منبر پر کہا یا ساریہ
لے گئی فوراً ہوا فاروق کی آواز ہے
شاہِ بطحا ﷺ کے صحابہ کا ہے تو مدحت سرا
تجھ کو عباسی! ملا کتنا بڑا اعزاز ہے

مفتی جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاول پور

ہو نہیں سکتا کہ وہ جہنم میں جائیں) اور تم سن رہے ہو، میرے پاس اگر ایک کپڑا ہوتا جس میں کفن دینے کی گنجائش ہوتی تو میں اپنے اسی کپڑے میں کفن دیا جاتا اور اگر میری بیوی کے پاس کپڑا ہوتا جس میں مجھے کفن دیا جاسکتا تو مجھے اسی کپڑے میں کفن دیا جاتا۔ پس میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے مجھے کوئی ایسا آدمی کفن نہ دے جو حاکم رہا ہو یا قوم کا سردار رہا ہو، یا ان کا نگہبان یا ایلچی رہا ہو۔"

اس جماعت میں سے ہر شخص ایسا تھا جس نے ان میں سے کوئی کام کیا تھا مگر بس ایک انصاری نوجوان ایسا نہیں تھا، چنانچہ اس نے کہا:

"میں آپ کو کفن دوں گا، اس لیے کہ میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا، میں آپ کو اپنی اس چادر میں کفن دوں گا جو میرے اوپر ہے اور ان دو کپڑوں میں جو میری گٹھری میں ہیں۔ یہ میری ماں کی کمائی سے تیار ہوئی ہے، وہ اس نے بن کر مجھے دی تھی۔"

یہ سن کر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بس ٹھیک ہے، تم مجھے کفن دینا۔"

پھر جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ تو اس نوجوان نے اپنی چادر میں انھیں کفن دیا۔ یہ حضرات یمن کے رہنے والے تھے۔

○

ایک روایت کے مطابق جو چھوٹی سی جماعت وہاں پہنچی تھی، اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ عراق کے لوگوں کی اس چھوٹی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے گئے اور عمرے سے واپسی پر یہ جماعت اس طرف سے گزری تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے راستے میں رکھے جنازے کو دیکھا تو رک گئے۔ پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے غلام نے انھیں بتایا کہ یہ صحابیِ رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ ہماری ان کے کفن دفن میں مدد کریں۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ پھر فرمایا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا، ابوذر تو تنہا چلے گا اور تنہا وفات پائے گا اور تنہا اٹھایا جائے گا۔"

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سواری سے اتر پڑے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انھیں مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے ان کی شکایت کی تھی، تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا تھا اور یہ وہاں سے اپنی بیوی اور غلام کے ساتھ بیابان میں چلے آئے تھے۔ اس بیابان کا نام ربذہ تھا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ دراصل انتہا درجے کے متقی تھے اور لوگوں کو اسی درجے کا تقویٰ اختیار کرنے کے لیے کہتے رہتے تھے۔ لوگوں کو ان کی باتیں ناگوار گزرتی تھیں۔ بس اس بنیاد پر انھیں مدینہ منورہ سے چلے جانے کا حکم دیا گیا۔

○

ایک شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "اے ابو درداء تمہارا گھر جل گیا۔"

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نہیں جلا۔"

اس کے بعد ایک اور شخص آیا، اس نے بھی یہی کہا:

"اے ابودرداء تمہارا گھر جل گیا۔"

آپ نے اس سے بھی یہی فرمایا: "نہیں جلا۔"

پھر تیسرا آدمی آیا۔ اس نے کہا:

"اے ابو درداء آگ کے شعلے بہت بلند ہوئے، لیکن جب آپ کے گھر تک پہنچے تو بجھ گئے۔"

یہ سن کر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا۔"

اس پر کسی نے پوچھا: "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں، مجھے یقین تھا، میرا گھر نہیں جلے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کلمات سنے تھے اور آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا جو شخص صبح ہوتے ہی ان کلمات کو کہہ لے گا، اسے شام تک کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور وہ کلمات یہ ہیں۔"

"اے میرے اللہ! تو میرا پالنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ پر ہی میں نے بھروسہ کیا، تو بزرگ عرش کا رب ہے، جو اللہ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے، وہ نہیں ہوتا، گناہوں سے پھرنا اور عبادت کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ عزوجل کے بغیر ممکن نہیں (اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں) میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اے میرے اللہ! میں اپنے نفس کی شرارت سے اور ہر اس جاندار کی شرارت سے کہ تو اس کی پیشانی پکڑے ہوئے ہے، تیری پناہ چاہتا ہوں، بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔"

یعنی میں یہ کلمات ہر روز صبح کے وقت کہہ لیتا ہوں اور محفوظ رہتا ہوں۔

○

نبوت پہ قرباں حیاتِ صحابہ

نبوت پہ قرباں حیاتِ صحابہ
ہے عشقِ نبی ﷺ کائناتِ صحابہ
مثالی نمونہ صحابہ کی ہستی
کہ ہے مشعلِ راہ، ذاتِ صحابہ
لہو دے کے سینچا ہے باغِ نبی ﷺ کو
کہ رنگیں ہیں نیل و فراتِ صحابہ
فقط امرِ معروف اور نہی منکر
ہیں مشہور عالم، صفاتِ صحابہ
ہیں محتاطِ افراط و تفریطِ اسلام
کہ مشہور ہے احتیاطِ صحابہ
جو ہے بدگماں وہ ہے قرآں کا منکر
کہ منصوصِ قرآں نجاتِ صحابہ
شہادت دے بدر و احد کی شہادت
لہو آلہٗ نشریاتِ صحابہ
بنائیں بیابانِ ایماں کو بستی
بنیں صحابہ بناتِ صحابہ
اثرؔ جیتے جی محوِ مدحت ہے جب ہی
کہ محشر میں ہو التفاتِ صحابہ

اثر جونپوری

ایک بہت زیادہ بوڑھا آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ایک ایسا شخص جس نے غداری کی اور فسق و فجور کیا، اپنی ہر حاجت کو پورا کیا، یعنی کوئی ضرورت بھی پوری کیے بغیر نہیں چھوڑی۔ ضروریات پوری کرنے سے کبھی نہیں ہٹا۔ اگر اس کی خطائیں روئے زمین کے باشندوں پر تقسیم کی جائیں تو ان سب کو تباہ کر دیں، پس کیا ایسے شخص کے لیے بھی توبہ ہے۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے تمام زندگی ہر طرح کے گناہ کیے ہیں اور گناہ کرنے سے کبھی رکا نہیں، تو کیا ایسے شخص کے لیے بھی توبہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تو اسلام لے آیا ہے؟''

اس نے کہا: ''بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ پاک تیری غداریاں اور تیرا فسق و فجور معاف کرنے والا ہے اور تیری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا جب تک تو اس کے کلمے پر رہے گا۔''

یہ سن کر بوڑھے نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میری غداریاں اور میرے فسق و فجور!''

(یعنی سب معاف ہو جائیں گے)

آپ نے فرمایا: ''ہاں! تیری غداریاں اور تیرے فسق و فجور۔''

اس کے بعد وہ بوڑھا پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ وہ اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا جا رہا تھا۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، ان لوگوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''تم میں ایک ایسا آدمی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو لشکروں میں سے کسی لشکر میں تقسیم کر دے تو ان سارے لشکروں کے لیے وہ ایمان کافی ہو جائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس آدمی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مراد تھی۔

O

دو بھائی تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے اپنے اعمال کے حساب سے افضل تھا۔ اس افضل بھائی کا انتقال ہو گیا۔ دوسرے نے اس کے بعد ایک عمر گزاری، یعنی دوسرا بھائی کچھ مدت زندہ رہا، پھر اس کی بھی وفات ہو گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھائی کی دوسرے بھائی پر فضیلت کا ذکر کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا یہ دوسرا نماز نہیں پڑھتا تھا۔''

صحابہ کرام نے بتایا:

''بے شک وہ نماز پڑھتا تھا۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''تمہیں اس کے مقام کا کیا علم جہاں تک اس کی نماز نے اسے پہنچا دیا۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''نماز کی مثال کسی آدمی کے دروازے پر بہتی نہر کی سی ہے جس میں پانی بہت ہے اور شیریں ہے، اس میں ہر دن یہ آدمی پانچ مرتبہ غوطہ لگاتا ہے، پس کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ اس آدمی پر کچھ میل رہ جائے گا۔''

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ دوسرا بھائی جو بعد میں فوت ہوا، اس کی اپنے بھائی سے نمازیں کتنی زیادہ ہو گئیں۔ اس کی ہر روز کی پانچ نمازوں نے اس کے اجر کو کہاں پہنچا دیا۔

واقعات صحابہ کے

167

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

باغیوں نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیرے میں لیا تو آپ کی بیوی نے ان سے کہا:

''کیا تم ان کے قتل کا ارادہ کر رہے ہو، اگر تم نے انھیں قتل کر دیا یا انھیں چھوڑے رکھا تو تمہیں اختیار ہے، ان کی تو یہ حالت ہے کہ ساری رات ایک ہی رکعت میں گزار دیتے ہیں جس میں پورا قرآن پڑھ لیتے ہیں۔'' (یعنی تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو)

O

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ ایک طبیب نے ان سے کہا:

''میں آپ کی آنکھ کا علاج کر دیتا ہوں ... یعنی آپ دیکھنے کے قابل ہو جائیں گے ... لیکن آپ کو سات دن تک چت لیٹے رہنا پڑے گا اور نماز اس دوران اشاروں سے پڑھیں، یعنی رکوع اور سجدے اشاروں سے کرنا ہوں گے ... آپ کی آنکھ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ بھی کچھ صحابہ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا وہ ایسا کر لیں۔ ہر ایک نے یہی جواب دیا:

''اگر آپ سات دنوں میں سے کسی دن فوت ہو گئے تو نمازوں کا کیا کریں گے۔''

چنانچہ انھوں نے اپنی آنکھ کو اسی طرح رہنے دیا۔ علاج نہ کرایا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب ان سے یہ کہا گیا کہ آپ کو سات دن تک نماز چھوڑنی ہوگی تو آپ نے جواب دیا:

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جس آدمی نے نماز چھوڑ دی، وہ اللہ پاک سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ پاک اس سے ناراض ہوں گے۔''

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نفلی روزہ نہیں رکھتے تھے۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

''میں جب روزہ رکھتا ہوں تو کمزوری ہو جاتی ہے اور نماز پڑھنا میرے لیے مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ نماز مجھے روزے سے زیادہ محبوب ہے۔''

اسی لیے آپ نفلی روزہ رکھتے بھی تو مہینے میں تین دن روزہ رکھتے۔

مطلب یہ کہ چونکہ آپ نفلی روزے رکھنے سے کمزور ہو جاتے تھے اور نماز پڑھنے میں کمزوری محسوس کرتے تھے، اس لیے نہیں رکھتے تھے۔

O

ایک رات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عشاء کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے میں دیر کر دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا:

''تم کہاں تھیں۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم مسجد میں تھیں۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک صاحب کی قرأت سن رہی تھیں۔ ہم نے ان جیسی آواز نہیں سنی اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کی ایسی قرأت تھی۔''

یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آپ نے قرأت کی طرف کان لگا دیے۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''یہ سالم بن مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تمام تعریف ایسے اللہ کے لیے ہے جس نے میری امت میں اس جیسا بنایا۔''

یعنی اس جیسا قاری بنایا۔

O

حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ ایک مرتبہ سات روز تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ، ان کے خادم اور ان کی بیوی ایک دوسرے کے بعد تہائی تہائی رات میں عبادت کرتے رہے۔

O

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ باغ مدینہ منورہ کی ایک قولانمبر قفہ 6 میں واقع تھا۔ کھجوروں کا زمانہ تھا۔ درخت کھجوروں سے لدے ہوئے تھے اور جھکے پڑ رہے تھے۔ ان کی نظر پھل سے لدے درختوں پر پڑی تو انھیں بہت بھلا معلوم ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی نماز کی طرف توجہ کی تو پتا نہ چلا کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ اس پر انھوں نے اپنے آپ سے کہا:

''بے شک میرے مال کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔''

اس کے بعد یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت خلیفہ تھے، انھوں نے آپ سے کہا:

''میرا یہ باغ صدقہ ہے، آپ اسے خیر کے کام میں جہاں چاہیں، لگا دیں۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا اور اس مال کا نام خمسین رکھا گیا۔ (یعنی پچاسہ)

O

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک چت کبری چڑیا اڑی اور اس نے چکر لگانا شروع کیا۔ وہ نکلنے کا راستہ تلاش کر رہی تھی مگر راستا اسے مل نہیں رہا تھا۔ اس بات نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو تعجب میں ڈال دیا۔ یہ کچھ دیر کے لیے اس چڑیا پر نظر ڈال لیتے اور پھر نماز پڑھنے لگتے۔ ایسا کرنے کی وجہ سے انھیں یہ یاد نہ رہا کہ کتنی رکعت ہو گئیں۔ اپنے آپ سے کہنے لگے:

''اس مال نے مجھے فتنے میں ڈال دیا۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نماز میں جو پیش آیا تھا، بیان کیا، پھر انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! وہ باغ صدقہ ہے، جہاں چاہیں اسے خرچ فرمائیں۔''

O

ایک عورت مسجد سے کوڑا کباڑ اٹھایا کرتی تھی،

یعنی مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی۔ اس کی وفات ہوگئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی اطلاع نہ دی گئی تو آپ نے اس کے متعلق پوچھا کہ وہ صفائی کرنے والی عورت نہیں آرہی، تب آپ کو بتایا گیا کہ وہ تو فوت ہوگئی۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع دیا کرو۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا ہے۔''

یعنی مسجد کی صفائی کا اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بدلہ دیا ہے۔ اس عورت کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ کالے رنگ کی پاگل سی عورت تھی۔

O

ایک آدمی مسجد سے بہت زیادہ فاصلے پر رہتے تھے اور کوئی ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہتا تھا، لیکن اس سے کوئی نماز چھوٹنے نہیں پاتی تھی، کسی نے اس سے کہا:

''کاش! تم ایک گدھا خرید لیتے۔ تاریکی اور گرمی میں اس پر سوار ہو کر آتے۔'' اس آدمی نے کہا:

''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرا مکان مسجد کے پہلو میں ہو، میں تو چاہتا ہوں، میرا مسجد کی طرف چلنا اور مسجد سے لوٹ کر گھر تک جانا لکھا جائے۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ پاک نے تیرے لیے یہ کل کا کل (ثواب) جمع کردیا۔''

O

انصاری صحابہ میں سے ایک انصاری کا گھر مدینہ منورہ کے کنارے پر تھا، یعنی شہر کے سرے پر تھا، گویا اسے مسجد تک آنے کے لیے بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نماز نہیں چھوٹتی تھی، یعنی ہر نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی وجہ سے بہت درد محسوس ہوا۔ میں نے اس سے کہا:

''اے فلاں! کاش تو ایک گدھا خرید لیتا۔ جو تجھے گرمی سے بچاتا، زمین کے کیڑے مکوڑوں سے بچاتا۔''

یہ بات سن کر اس نے کہا:

''خبردار! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے گھر کی حد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے مل رہی ہو۔''

یہ سن کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور جو اس نے کہا تھا، اس کے بارے میں آپ کو بتایا۔ اس انصاری نے آپ کے سامنے بھی وہی بات کہی اور کہا:

''مجھے اپنے قدموں سے اجر کی امید ہے۔''

اس کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے لیے وہ ہے جس کی تم نے نیت کی۔''

مسجد کی طرف چل کر جانے کے سلسلے میں یہ روایت آئی ہے:

''آدمی کے لیے ہر اس قدم پر جو وہ مسجد کی طرف اٹھاتا ہے، ایک درجہ ہے۔'' یعنی ہر قدم پر ثواب ملے گا۔

(جاری ہے)

ماں کی نظر

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ اپنی ایک سیاہ فام خادمہ کو بلا کر اسے ایک خالص سونے کی اشرفی دی اور حکم دیا کہ ہماری سلطنت میں جو بچہ تمہیں سب سے زیادہ خوب صورت نظر آئے، اسے یہ اشرفی دے آؤ۔ وہ خادمہ اشرفی لے کر چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد لوٹ آئی، ہارون الرشید نے غصے سے کہا کہ ہم نے کہا تھا کہ پوری سلطنت میں سب سے زیادہ خوب صورت بچے کو اشرفی دینا، اور تم اتنی جلدی لوٹ آئی ہو، کیا تم نے ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کی؟ خادمہ نے سر جھکا کر ادب سے جواب دیا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کردی ہے، خلیفہ نے پوچھا، تم نے وہ اشرفی کس کو دی؟ خادمہ نے ادب سے جواب دیا کہ میں نے وہ اشرفی اپنے بیٹے کو دی ہے۔ خلیفہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اس نے کہا، مگر تمہارے بچے کو میں نے دیکھا ہے، اس کا رنگ سیاہ ہے، بری سی ناک ہے، چھوٹے چھوٹے کان اور لمبے لمبے دانت ہیں، وہ تو اس انعام کا قطعاً حق دار نہیں ہے، خادمہ نے ادب سے کہا کہ آپ کی نظر میں ہوسکتا ہے، میرا بچہ بدصورت ہو مگر میرے لیے وہ دنیا کا سب سے خوب صورت بچہ ہے، کیونکہ میں ایک ماں ہوں اور ایک ماں کی نظر میں اس کا اپنا بچہ سب سے خوب صورت ہوتا ہے۔ خلیفہ خادمہ کی بات سن کر بہت خوش ہوا اور اسے انعام سے نوازا۔

محمد انصر اقبال۔ سرگودھا

OO

جب تک آم ہے گا

سجا ٹھیلے پہ جب تلک آم ہے گا
مجھے آم کھانے سے بس کام ہے گا

ابھی تو ہے آمد ابھی فکرِ جامد
سو آغاز میں خوفِ انجام ہے گا

یہی آم ہے وجہِ صبحِ درخشاں
یہی باعث سرمئی شام ہے گا

ابھی اور قاشیں میں کھاؤں گا کیسے
ابھی تو ٹریفک بہت جام ہے گا

ترے کو خبر بھی ہے آموں کے دشمن
کہ میرے کو گرمی میں آرام ہے گا

اثر آم کھانے کو پیدا ہوا ہے
یہ میرے کو دشمن کا دشنام ہے گا

کرے جا ریا اے فقط آم کو خوش
اثر کو کوئی اور کب کام ہے گا

اثر جون پوری

168

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جارہے تھے۔ دونوں نماز کے ارادے سے جارہے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جانتے ہو، میں کس لیے قریب قریب قدم رکھ رہا ہوں؟''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔'' یعنی مجھے نہیں معلوم، آپ ایسا کس لیے کر رہے ہیں۔ صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا۔ یہی عرض کرتے تھے۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بندہ ہمیشہ نماز ہی میں رہتا ہے جب تک کہ وہ نماز کی طلب میں رہے۔''

مطلب یہ کہ چونکہ ہم نماز کے لیے جارہے ہیں، اس لیے ہمارا یہ چلنا بھی نماز کی حالت میں ہے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے قدم نماز کی طلب میں زیادہ ہوں۔''

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف نکلے تو انھوں نے قدم تیزی سے اٹھائے۔ ان کے ایسا کرنے پر ان سے پوچھا گیا:

''آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، یعنی اس قدر تیز تیز کیوں چل رہے ہیں، حالانکہ آپ ہی اس بات سے منع فرماتے ہیں۔''

یعنی آپ نے فرمایا ہے، مسجد کی طرف پرسکون انداز میں چلو اور اس وقت آپ تیز تیز چل رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس کوشش میں ہوں کہ نماز کا پہلا کنارا یعنی تکبیر اولیٰ حاصل کروں۔''

یعنی اس وقت وقت کم تھا، ایسی صورت میں آہستہ آہستہ نہیں چلا جاسکتا تھا، نہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر چلا جاسکتا تھا، کیونکہ مسئلہ تھا تکبیر اولیٰ حاصل کرنے کا اور تکبیر اولیٰ کا ثواب زیادہ ہے۔

O

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے شور سنا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کر لی تو دریافت فرمایا:

''کیا بات تھی۔ کیسا شور تھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا:

''ہم نے نماز کے لیے جلدی کی۔'' (یعنی نماز میں شامل ہونے کے لیے دوڑے تھے)

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''ایسا نہ کرو، تم میں سے ہر ایک وہ رکعت پڑھ لے جو مل جائے، جو پہلے ہو چکی ہے، اسے پورا کر لے۔''

O

ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پکار اٹھے:

''رک! رک!'' (یعنی یہ کیا کر رہا ہے، مسجد میں پیشاب کر رہا ہے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسے پیشاب کر لینے دو، اس کا پیشاب نہ روکو۔''

جب اس نے پیشاب کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا:

''یہ مسجدیں ہیں، ان میں پیشاب اور دوسری گندگی نہیں کی جاسکتی۔ یہ اللہ کا ذکر اور نماز اور تلاوت کے لیے ہیں۔''

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا، اس جگہ پانی بہا دو۔ ان صاحب نے پانی کا ایک ڈول اس جگہ پر ڈال دیا۔

O

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک جماعت دیکھی۔ آپ نے ان لوگوں سے پوچھا:

''تم لوگ یہاں کس لیے بیٹھے ہو؟''

انھوں نے بتایا:

''ہم بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، اس کی تعریف کر رہے ہیں۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''قسم کھا کر بتاؤ کیا تم اسی لیے یہاں بیٹھے ہو اور تمہارا کوئی اور مقصد نہیں ہے؟''

انھوں نے قسم کھا کر کہا:

''ہاں! ہم یہاں اسی لیے بیٹھے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں، اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، اس کی تعریف کر رہے ہیں، کیونکہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی۔ اسلام کے ساتھ ہم پر احسان کیا۔''

یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''پھر قسم کھا کر کہو۔''

انھوں نے پھر قسم کھا کر یہ بات کہی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے تم سے قسم کسی اور وجہ سے نہیں لی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک جماعت کو دیکھ کر اسی طرح پوچھا تھا (یعنی قسم دے کر) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ بے شک اللہ پاک تم لوگوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کر رہے ہیں۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایسے میں تین آدمی سامنے سے آئے۔ ان میں دو تو وہیں ٹھہر گئے، تیسرا چلا گیا۔ ان دو میں سے ایک صحابہ کرام کے حلقے میں بیٹھ گیا، کیونکہ اس کے لیے وہاں جگہ تھی۔ دوسرے کو جگہ نظر نہ آئی تو وہ حلقے کے پیچھے بیٹھ گئے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

''میں تمھیں ان تینوں کے بارے میں نہ بتا

دوں، ان میں سے ایک نے اللہ کی پناہ چاہی، اللہ نے اسے پناہ دے دی۔ دوسرے نے حیاء کی، اللہ نے بھی اس سے حیاء کا معاملہ کیا (یعنی جو پیچھے بیٹھ گیا تھا) لیکن تیسرا جو چلا گیا، اس نے منہ موڑا، بس اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔"

O

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم مسجد نبوی میں حلقہ بنائے بیٹھے بات چیت میں مصروف تھے۔ ایسے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک سے تشریف لائے۔ آپ نے مسجد میں بیٹھی مختلف جماعتوں کی طرف نظر کی، پھر آپ قرآنِ کریم پڑھنے والی جماعت میں بیٹھ گئے اور فرمایا:

"مجھے اس مجلس میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں آواز سنی۔ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور پڑھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"خوش خبری ہو، ان لوگوں کے لیے۔ ایسے لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔"

O

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے ایک بازار سے گزرے۔ یہ اس بازار میں کھڑے ہوگئے۔ پھر انھوں نے کہا:

"اے بازار والو! تم کیوں تنگ آ گئے؟"

لوگوں نے کہا:

"اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں موجود ہو۔ تم کیوں نہیں جا رہے، تم بھی جاؤ اور اپنا حصہ لے لو۔"

لوگوں نے پوچھا:

"میراث (وراثت) کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟"

انھوں نے فرمایا:

"مسجد میں۔"

یہ سنتے ہی لوگ مسجد کی طرف تیز تیز چلنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے رہے جب وہ لوگ واپس آ گئے تو آپ نے ان سے کہا:

"تم واپس کیوں آ گئے۔"

انھوں نے کہا:

"اے ابو ہریرہ! ہم سب مسجد میں پہنچے، لیکن ہم نے وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتے نہیں دیکھی۔"

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا تم نے مسجد میں کسی کو دیکھا؟"

انھوں نے بتایا:

"بے شک ہم نے وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ کچھ لوگوں کو دیکھا، وہ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگوں کو دیکھا، وہ حلال اور حرام پر مذاکرہ کر رہے تھے۔"

یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم پر بہت افسوس ہے! یہی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔"

(جاری ہے)

نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

صاحبانِ ادب نے اس نام کی عظمت کے عجیب وغریب نکتے بیان کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ حروف کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو حذف کیا جائے تو بقیہ لفظ کے معنی میں فرق آ جاتا ہے۔ مثلاً 'ظفر' کا پہلا حرف 'ظ' نکال دیا جائے تو 'فر' رہ جاتا ہے جس سے معنی میں سخت خلل واقع ہوتا ہے۔ طاہر کے معنی پاکیزہ کے ہیں۔ اگر 'ط' کو نکال دیا جائے تو 'اہر' بن جاتا ہے جس کا کوئی معنی نہیں، لیکن صرف دو لفظ اس کلیے سے الگ ہیں۔ ایک لفظ 'اللہ' اور دوسرا 'محمد'۔ اگر لفظ اللہ کا پہلا حرف 'ا' نکال دیا جائے تو 'للہ' رہ جاتا ہے جس کے معنی ہیں 'اللہ کے لیے' اگر دوسرا حرف 'ل' نکال دیا جائے تو 'لِہ' رہ جاتا ہے۔ اگر الف کو بھی الگ کر دیا جائے تو 'لہ' رہ جاتا ہے، یعنی 'اس کے لیے' اور اگر 'ل' بھی نکال دیا جائے تو 'ہ' رہ جاتا ہے یعنی (اللہ) 'وہی اللہ' اسی طرح اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تجزی کی جائے تو محمد کا پہلا حرف 'م' نکالنے سے حمد یعنی تعریف کا معنی باقی رہ جاتا ہے۔ اگر 'ح' کو بھی نکال دیا جائے تو 'مد' رہ جاتا ہے جس کا مطلب ہے 'دراز اور بلند' اگر م کو بھی نکال دیا جائے تو صرف 'د' رہ جاتا ہے اور 'دال' کے معنی ہیں دلالت کرنے والا۔ لفظ اللہ کے علاوہ یہ خوبی صرف اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے۔

حنا کنول صدیقی۔ پہاڑپور لیہ

مسکراہٹ کے پھول

ڈاکٹر نے دیہاتی مریض سے ای سی جی کرانے کے لیے کہا۔ وہ لیبارٹری پہنچا تو انگریزی لفظ بھول گیا۔ سوچ سوچ کر اس نے کہا:

"بھائی جان! میری سی این جی کر دیں۔" (صوفیہ نور۔ حیدر آباد)

O

ایک بادشاہ دربار میں نیا لباس پہن کر آیا۔ اس نے ایک دوسرے درباری سے کہا۔

"آج تم میری کیا قیمت لگاتے ہو۔"

اس نے جواب دیا:

"دو سو دس روپے! دو سو چغے کے، دس روپے آپ کے۔"

O

تین سال کے مسلسل تقاضوں کے بعد قرض خواہ نے مقروض کو لکھا کہ میں آدھا قرض معاف کرتا ہوں۔ باقی نصف ادا کر دو۔

مقروض نے جواب دیا:

"میں تین سال اور انتظار کر لیتا ہوں۔"

O

ایک طبیب سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟

طبیب: میں اپنی دوائیں خود نہیں پیتا۔

OO

واقعات صحابہ کے

169

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت ابن معاویہ کندی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام میں تھے۔ آپ نے ان سے لوگوں کا حال پوچھا اور فرمایا:

"کیا لوگ اس طرح مسجد میں داخل ہوتے ہیں جیسے بدکے ہوئے اونٹ ہوں اور اگر آدمی اپنی برادری کی مجلس دیکھتا ہے، انھیں پہچان لیتا ہے تو ان کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔" (یعنی وہاں ذوق وشوق سے بیٹھتا ہے اور مسجد میں بے دلی کے ساتھ بیٹھتا ہے)

حضرت ابن معاویہ کندی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ایسی بات نہیں، مختلف مجلسیں ہیں جن سے لوگ خیر سیکھنے کے لیے بیٹھے ہیں اور خیر کا تذکرہ کرتے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم ہمیشہ خیر پر رہو گے جب تک تم اس حال پر رہو گے۔"

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک آدمی کو اس طرح بیٹھے دیکھا کہ اس کے گھٹنے سینے سے لگے ہوئے تھے اور اس کے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آپ کے اشارے کو نہ سمجھا، تب آپ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو تشبیک نہ کرے، اس لیے کہ تشبیک شیطانی عمل ہے اور تم میں سے ہر ایک آدمی جب تک مسجد میں رہتا ہے، نماز ہی میں رہتا ہے، یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے۔"

تشبیک انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کو کہتے ہیں۔

○

ایک مرتبہ ایک صاحب نے مسجد میں اپنے گم شدہ اونٹ کا اعلان کیا، یعنی اس نے کہا: "کسی نے میرا سرخ اونٹ دیکھا ہو تو بتا دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "اللہ کرے کہ تیرا اونٹ نہ ملے۔ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں، یعنی اس قسم کے اعلانات کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں، بلکہ مسجدیں تو نماز، تلاوت اور اللہ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں۔"

○

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد میں اپنے گم شدہ مال کا اعلان کرتے دیکھا تو آپ نے اسے ڈانٹ دیا اور فرمایا:

"ہمیں اس کام سے منع کر دیا گیا ہے۔"

یعنی مسجد میں اس قسم کے اعلانات نہیں کیے جا سکتے۔

○

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے۔ اچانک انھیں ایک کنکر لگی۔ انھیں کنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماری تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"جاؤ! ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ۔"

یعنی آپ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے انھیں یہ حکم دیا۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

انھوں نے بتایا:

"ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔"

آپ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم دونوں اس شہر کے ہوتے تو میں تم دونوں کو دردناک سزا دیتا۔ تم دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔"

(مطلب یہ کہ وہ دونوں مسجد میں بلند آواز میں باتیں کر رہے تھے)

○

حضرت مُرّہ ہمدانی رحمہ اللہ نے اپنے جی میں سوچا کہ کوفے کی مسجد کے ہر ستون کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کروں۔ انھوں نے یہ کام شروع کر دیا۔ ایسے میں انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے سوچا، اپنے اس ارادے کے بارے میں ان سے پوچھا جائے، لیکن اس وقت تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے اس فعل کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا، یعنی کسی آدمی نے انھیں خبر کر دی تھی کہ یہ صاحب ایسا کر رہے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ستون کے پیچھے بھی ہیں اور ادنیٰ ستون کے پیچھے بھی تو ایسا نہ کرتے، یہاں تک کہ اپنی نماز پوری کر لیتے۔"

○

اسلام میں ابھی اذان شروع نہیں ہوئی تھی۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حکم

فرماتے اور وہ راستوں پر جا کر آواز لگاتے:

"الصلوٰۃ جامعۃ۔"

اس طرح لوگوں کو پتا چلتا، کچھ کو نہ چلتا۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا:

"نماز کا وقت ہو جائے تو جھنڈا لہرا دیا جائے۔ لوگ اس جھنڈے کو دیکھ کر آجایا کریں گے۔"

کسی نے کہا:

"بگل بجا دیا جایا کرے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا، کیونکہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد آپ کے سامنے ناقوس بجانے کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے اسے بھی ناپسند فرمایا اور فرمایا:

"یہ نصرانیوں کا طریقہ ہے۔"

اس طرح کوئی بات طے نہ ہو سکی، وہاں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ اٹھ کر اپنے گھر آگئے۔ یہ بھی اس سلسلے میں فکر مند تھے، نماز کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کا کیا طریقہ ہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فکر مند تھے۔ آپ گھر آکر سو گئے۔ رات کے آخری حصے میں آپ نے خواب میں ایک آدمی کو مسجد کی چھت پر کھڑا دیکھا۔ اس نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں داخل کیں اور اذان کے الفاظ کہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ ان کا خواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس طرح اذان دینے کا حکم فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے تو دوڑتے ہوئے مسجد میں آئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! مجھے بھی خواب میں یہی الفاظ سنائے گئے ہیں:

اس طرح اذان شروع ہوئی۔

حضرت ابو الوقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ پاک کے نزدیک مؤذنوں کا حصہ مجاہدین کے حصے جیسا ہوگا۔ مؤذن کی حالت اذان اور اقامت کے درمیان اس مجاہد فی سبیل اللہ جیسی ہے جو اپنے خون میں تڑپ رہا ہو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے اس بات کی پروا نہ ہوتی کہ میں نے حج نہیں کیا، عمرہ نہیں کیا، جہاد نہیں کیا۔" (یعنی اذان کا اتنا ثواب ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر میں مؤذن ہوتا تو میری بات مکمل ہو جاتی اور مجھے اس کی کوئی پروا نہ ہوتی کہ میں ساری رات عبادت میں کھڑا نہیں رہا اور دن میں میں نے روزہ نہیں رکھا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

"اے اللہ مؤذنین کی مغفرت فرما، اے اللہ مؤذنین کی مغفرت فرما۔"

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ نے ہم سب کو چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اذان کی اشاعت کے لیے تلوار کے ذریعے بہادری دکھاتے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خبردار اے عمر! بہت جلد لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اذان کمزور لوگوں کے لیے چھوڑ دی جائے گی، حالانکہ مؤذنوں پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔" (جاری ہے)

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا:

''تمہارا مؤذن کون ہے؟''

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہمارے غلام اور ہمارے موالی۔'' (یعنی غلام اور خادم لوگ مؤذن ہیں)

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''یہ تو تم لوگوں میں بہت بڑا نقص ہے، اگر میں حکومت کے کاموں سے فرصت پاتا تو ضرور اذان دیا کرتا۔''

یعنی یہ کام اتنا غیر اہم نہیں ہے کہ غلاموں سے اور خادموں سے لیا جائے، یہ بہت اہم کام ہے اور بڑے لوگوں کے کرنے کا ہے۔

○

ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''میں آپ کو اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔''

آپ نے اس سے فرمایا:

''لیکن میں اللہ کے لیے تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔''

اس نے حیران ہو کر پوچھا:

''یہ کس لیے؟''

آپ نے فرمایا:

''تو اپنی اذان میں گانے جیسی آواز نکالتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے۔''

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد کچھ لوگ اٹھ کر چلے گئے، کچھ وہیں بیٹھے رہ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بیٹھے دیکھ کر فرمایا:

''تمہارے رب نے ایک دروازہ آسمان کے دروازوں میں سے کھولا ہے، وہ فرشتوں پر فخر کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے، میرے بندوں نے ایک فریضہ ادا کر لیا اور وہ دوسرے فریضے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کا اتنا ثواب ہے۔

○

حضرت عمرو بن ام مکتوم نابینا تھے۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نابینا ہوں، مسجد سے میرا گھر دور ہے، کوئی مجھے پکڑ کر لانے والا بھی نہیں، ان حالات میں کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں گھر پر نماز پڑھ لیا کروں۔''

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟''

انھوں نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''پھر میں تمہارے لیے کوئی اجازت نہیں پاتا۔''

یعنی جماعت کے لیے آنا پڑے گا۔

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو نمازیوں کی تعداد کم تھی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں، تم میں سے کسی کو امام مقرر کر کے یہاں سے نکلوں اور دیکھوں کہ کون کون مسجد میں آنے سے رہ گیا ہے، ایسا کرنے والوں کے گھروں کو جلا دوں۔''

یعنی جو لوگ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے، ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات یہ تھے۔

○

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن لوگوں سے فرمایا:

''لوگو! جسے یہ بات پسند ہو کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اللہ پاک سے ملے تو ان نمازوں کی حفاظت وہاں کرو جہاں ان کے لیے اذان دی جاتی ہے (یعنی مسجد میں آ کر جماعت سے نماز ادا کرو) پس بے شک اللہ پاک نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدایت کے طریقے واضح کر دیے اور جماعت سے نمازیں ادا کرنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ہے اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو گے جس طرح کہ فلاں پیچھے رہ جاتا ہے اور اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی

کے طریقے کو چھوڑ دو گے اور اگر تم اپنے نبی کے طریقے کو چھوڑ دو گے تو ضرور گمراہ ہو جاؤ گے اور جب بھی کوئی شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے میں جسے وہ مسجد کی طرف اٹھاتا ہے، نیکی لکھتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ کم کرتا ہے اور بے شک ہم لوگوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ جماعت سے صرف وہ منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق ظاہر تھا۔

اس زمانے میں ایسا بھی دیکھنے میں آتا تھا کہ ایک شخص کو بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لے کر بھی مسجد میں آنا پڑتا تو بھی وہ مسجد میں آتا تھا، یہاں تک کہ اسے لا کر صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

O

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز میں نہ پایا۔ آپ صبح سویرے بازار کی طرف گئے، کیونکہ حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی رہائش بازار کے درمیان تھی۔ بازار سے گزر کر آپ حضرت سلیمان کی والدہ تک پہنچے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''آج صبح کی نماز میں میں نے سلیمان کو نہیں دیکھا۔''

ان کی والدہ نے عرض کیا:

''سلیمان نے ساری رات نماز میں گزاری۔ ساری رات نماز میں گزار کر وہ سو گئے اور صبح ان کی آنکھ نہ کھل سکی۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں صبح کی نماز میں حاضر ہوں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے، ساری رات نفل نماز پڑھنے سے۔''

O

شفا نامی ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں۔ ان کا تعلق بنی عدی بن کعب کے خاندان سے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''کیا وجہ ہے، آج میں نے آپ کے شوہر کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا۔''

شفا نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! اس نے رات بھر محنت کی، یعنی تمام رات عبادت کی۔ اس لیے صبح کی نماز میں نہیں آسکے، یعنی صبح کی نماز گھر پر پڑھ کر سو گئے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! ساری رات عبادت کرنے کے بجائے، وہ صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتے، یہ زیادہ بہتر تھا۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں آتے اور لوگ صفیں بنا چکے ہوتے تو آپ صفوں کو دیکھتے اور ان کے کندھے اور سینے برابر پاتے، یعنی صف بالکل سیدھی ہوتی یا کہیں کمی بیشی ہوتی تو آپ صف کو سیدھا کرتے اور فرماتے:

''آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دل بدل جائیں گے۔''

یعنی اگر نماز میں صفیں ٹیڑھی ہوں گی تو تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کے درمیان میں ایک جانب سے دوسری جانب تک گھستے۔ صحابہ کرام کے سینوں اور کندھوں پر ہاتھ پھیرتے، یعنی برابر کرتے اور فرماتے:

''آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔''

O

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم صفِ اول کو لازم پکڑو اور اس میں بھی دائیں طرف کے حصے کو اور تم اپنے آپ کو ستونوں کے درمیان صف بنانے سے بچاؤ۔''

مطلب یہ کہ پہلی صف میں زیادہ ثواب ہے اور پہلی صف میں بھی صف کے دائیں طرف سب سے زیادہ ثواب ہے۔

پہلی صف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

''اگر لوگ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے تو صفِ اول میں بلا قرعہ اندازی کے کھڑے نہ ہوتے۔''

یعنی اگر معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کتنا ثواب ہے تو اس میں کھڑے ہونے کے لیے قرعہ اندازی کیا کرتے۔ (جاری ہے)

ظلم کی بنیاد

جنگل میں ایران کے بادشاہ نوشیرواں کے لیے ہرن بھونا جا رہا تھا۔ ایسے میں نمک نہ ملا۔ ایک لڑکے کو نمک لانے کے لیے گاؤں بھیجا گیا۔ لڑکے نے نمک لا کر بادشاہ کو پیش کیا۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا کہ کیا اس نے اس کی قیمت ادا کر دی ہے۔ لڑکے نے کہا، جی نہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا:

''نمک کی قیمت ادا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ بات رواج پا جائے اور گاؤں تباہ ہو جائے۔''

پوچھا گیا کہ
اتنی چھوٹی چیز کی قیمت نہ دینے سے کیا نقصان ہو جائے گا، تب بادشاہ نے کہا:

''دنیا میں ظلم کی بنیاد چھوٹی تھی۔''

OO

محمد طاہر اسلم۔ جمن شاہ لیہ

بہترین پڑوسی

بغداد میں ابودلف شاعر کے ایک پڑوسی پر بہت زیادہ قرض ہو گیا۔ اس کی وجہ سے وہ اپنا گھر بیچنے پر مجبور ہو گیا، لوگوں نے اس سے مکان کی قیمت معلوم کی تو اس نے دو ہزار اشرفیاں مانگیں۔

لوگوں نے اس سے کہا کہ
تیرا مکان تو صرف 500 اشرفیوں کی قیمت کا ہے۔ اس نے کہا:

''مکان تو یقیناً 500 کی قیمت کا ہے، لیکن ابودلف شاعر کا پڑوس ایک ہزار پانچ سو کے برابر ہے۔ ابودلف کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اس کا قرض چکا دینے کا حکم دیا اور کہا:

''نہ تم اپنا گھر فروخت کرو اور نہ ہمارے پڑوس سے منتقل ہو۔'' (نخبۃ العرب)

OO

محمد صفدر۔ بہاول پور

عبداللہ فارانی

171

واقعات صحابہ

قدم بہ قدم

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدید ہوگیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کسی سے کہو جو لوگوں کو نماز پڑھادیں۔''

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی۔ ان کی آواز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے۔ ان کی آواز سنتے ہی آپ نے فرمایا:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ اللہ اور مسلمان اس بات سے انکار کرتے ہیں، اللہ اور مسلمان اس بات سے انکار کرتے ہیں۔''

یعنی اللہ اور مسلمان اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کوئی اور نماز پڑھائے، چنانچہ آدمی بھیج کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا۔ وہ جس وقت آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو نماز پڑھا چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پھر نماز پڑھائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوکر فرمایا:

''تجھ پر بڑا افسوس ہے اے ابن زمعہ! تو نے یہ کیا کیا، جب تم نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نماز پڑھادوں تو اللہ کی قسم میرا گمان یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کام کا حکم فرمایا ہے اور اگر میرا یہ گمان نہ ہوتا تو میں نماز نہ پڑھاتا۔''

اس پر حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے حکم نہیں دیا تھا، لیکن جب میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان میں سب سے زیادہ آپ ہی کو مستحق پایا، اس لیے میں نے آپ سے کہہ دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھادیں۔'' (ابوداؤد)

یہ روایت اس طرح بھی ملتی ہے۔

''جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو آپ نے اپنا سر مبارک اپنے حجرے سے نکالا اور پھر فرمایا:

''نہیں نہیں! لوگوں کو سوائے ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نماز نہ پڑھائے۔''

اور آپ نے یہ الفاظ ناراضی کے عالم میں فرمائے تھے۔ (ہدایہ)

O

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار نے کہا:

''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے۔''

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ انصار کے پاس گئے اور ان سے فرمایا:

''کیا آپ حضرات کو اس بات کا علم نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو وہ نماز پڑھائیں۔ تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے۔''

یہ سن کر سب نے کہا:

''ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں۔'' (جمع الفوائد)

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور بے شک اس وقت میں موجود تھا۔ میں غیر حاضر نہیں تھا اور مجھے کوئی بیماری بھی نہیں تھی، لہٰذا ہم اپنی دنیا کے لیے اس شخص سے راضی ہیں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا۔ (کنز)

O

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بارہ یا تیرہ صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے ان سے کہا:

''آگے آیئے اور نماز پڑھایئے۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہاری امامت نہیں کروں گا، کیونکہ بے شک اللہ پاک نے تمہاری بدولت ہمیں ہدایت دی ہے۔''

اس پر مسلمانوں میں سے ایک آگے بڑھے اور انھوں نے نماز پڑھائی۔

O

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بنی اسید کے غلام تھے۔ انھوں نے کھانا تیار کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوذر، حضرت حذیفہ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھم کو بلایا، یعنی کھانے کے لیے ان حضرات کو بلایا۔ ایسے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ (غالباً اس گھر میں ان کی دعوت تھی) نماز کا وقت آنے پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، تاکہ ان حضرات کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ کے پیچھے مالکِ مکان ہے جو امامت کا زیادہ حق دار ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''کیا بات اسی طرح ہے۔''

یعنی کیا مسئلہ اسی طرح ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! اسی طرح ہے۔''

اس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پیچھے سے آئے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان حضرات نے مجھے آگے کرایا، حالانکہ میں غلام تھا۔''

یعنی غلام ہوتے ہوئے ان لوگوں نے میری امامت میں نماز ادا کی۔

O

مدینہ منورہ کے ایک مقام پر نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس جگہ زمین تھی اور اس مسجد کا امام ایک غلام تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز کے لیے تشریف لائے تو غلام نے کہا:

''آگے آیئے اور نماز پڑھایئے۔''

اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اپنی مسجد میں نماز پڑھائیں۔''

چنانچہ انھی غلام نے نماز پڑھائی۔

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ابو عبدالرحمٰن! آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے، کیونکہ آپ عمر میں زیادہ ہیں۔''

ان کی بات کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ آپ آگے آیئے، کیونکہ ہم آپ کے مکان میں آئے ہیں اور آپ کی مسجد میں آئے ہیں۔ امامت کے آپ زیادہ حق دار ہیں۔''

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ سنت طریقہ یہی ہے کہ گھر والا نماز پڑھائے۔

O

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں سے ملنے کے لیے گئے۔ نماز کا وقت ہوا تو امام نے نماز پڑھائی۔ اس نے نماز لمبی کردی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم میں سے جو امام ہے، اسے چاہیے کہ رکوع اور سجود پورے کرے اور نماز ہلکی پڑھائے (یعنی لمبی قرأت نہ کرے) اس لیے کہ پیچھے چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی، مریض بھی ہوتے ہیں اور مسافر بھی اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔''

اس کے بعد پھر نماز کا وقت آیا تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ انھوں نے رکوع اور سجدے تو پورے کیے، لیکن نماز مختصر پڑھائی (یعنی قرأت مختصر کی) پھر فرمایا:

''اسی طرح ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان کی پہلی رات مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا، کہیں کوئی چھوٹی سی جماعت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی، یعنی عشاء کے بعد اس طرح لوگ تراویح کی نماز ادا کر رہے تھے اور ایک روایت کے مطابق الگ الگ جگہ پر دو اماموں کے پیچھے لوگ قرآن سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ان سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں۔''

پھر آپ نے اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا۔ دوسری رات میں آپ پھر مسجد میں تشریف لائے۔ لوگ ایک قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''یہ بہترین طریقہ ہے۔''

پھر آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان کی پہلی رات میں مسجد میں آئے تو قندیلیں روشن تھیں اور قرآن کی تلاوت کی جارہی تھی (یعنی تراویح میں قرآن پڑھا جارہا تھا) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''اے ابن خطاب! اللہ تیری قبر کو منور کردے جس طرح تونے اللہ کی مسجدوں کو قرآن سے منور کیا۔'' (جاری ہے)

واقعات صحابہ

172

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا:

"اے بلال! کس عمل کی وجہ سے تم مجھ سے پہلے جنت میں چلے گئے، کیونکہ میں گذشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو میں نے تمہارے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ اپنے آگے سنی۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جب کبھی کوئی گناہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور جب کبھی میرا وضو ٹوٹا تو میں نے اسی وقت وضو کرلیا اور دو رکعت نماز پڑھ لی۔"

اس نماز کو نمازِ توبہ کہتے ہیں۔

O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا باغبان (مالی) گرمی کے موسم میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پانی منگایا، وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس سے پوچھا:

"کچھ نظر آرہا ہے؟" (یعنی بارش کے آثار نظر آئے یا نہیں)

باغبان نے کہا:

"جی نہیں! کچھ نظر نہیں آرہا۔"

یہ سن کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اندر گئے۔ پھر نماز پڑھی اور باہر آکر باغبان سے پوچھا:

"کچھ نظر آرہا ہے۔"

اس نے جواب دیا:

"جی نہیں! کچھ نظر نہیں آرہا۔"

آپ پھر اندر گئے۔ نماز پڑھی اور باہر آکر پوچھا:

"کچھ نظر آرہا ہے؟"

اب اس نے کہا:

"میں چڑیا کے پر کے برابر ابر دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے پھر نماز پڑھی اور دیر تک دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ باغبان نے آکر بتایا:

"تمام آسمان پر ابر چھا گیا ہے اور برسنے لگا ہے۔"

آپ نے اس سے فرمایا:

"گھوڑے پر سوار ہوجا اور دیکھ کر آ، بارش کہاں تک ہوئی ہے۔"

وہ گھوڑے پر سوار ہوا، پھر آکر بتایا:

"بارش فلاں فلاں علاقے تک ہوئی ہے، اس سے آگے نہیں ہوئی۔"

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ درد میں مبتلا ہوئے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درد کے بارے میں بتایا۔ آپ نے انھیں اپنی جگہ پر بٹھایا۔

قدم بہ قدم

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ململ کا ایک کپڑا ڈال دیا اور خود کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اے ابوطالب کے بیٹے! تو نے مرض سے شفا پائی۔ اب تجھے کوئی خوف نہیں۔ میں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے مانگا، اسی جیسا تمہارے لیے مانگا اور جو کچھ میں نے اللہ پاک سے مانگا، اس نے مجھے عطا کیا، مگر بے شک مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تیرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ مرض نہ رہا۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی کنیت ابومعلق تھی۔ وہ اپنا اور دوسروں کا مال تجارت کے لیے لے جایا کرتے تھے۔ وہ حج بھی کیا کرتے تھے۔ تھے بھی پرہیزگار۔ ایک مرتبہ یہ اسی طرح سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں ایک چور ملا۔ وہ ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اس نے کہا:

"اپنا سامان یہاں ڈال دے، میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔"

انھوں نے کہا:

"مال یہ رہا! لے لے، لیکن تو مجھے قتل نہ کر۔" (یعنی تجھے غرض مال سے ہے۔ وہ تجھے مل گیا ہے۔ اب مجھے کیوں ناحق قتل کرنا چاہتا ہے)

اس نے جواب میں کہا:

"نہیں! میں تو تجھے قتل ہی کروں گا۔"

اس پر انھوں نے کہا:

"اچھا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دے۔"

چور نے کہا:

"جتنی جی چاہے، نماز پڑھ لے۔"

انھوں نے وضو کیا، پھر ان الفاظ میں دعا مانگی:

''اے بہت زیادہ دوست رکھنے والے، اے عرشِ بزرگ کے مالک، اے ہر اس چیز کے کرگزرنے والے جس کا ارادہ کرتا ہے، تجھ سے تیری ایسی عزت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور تیرے ایسے ملک کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور تیرے ایسے نور کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے عرش کے گوشے گوشے کو بھر رکھا ہے کہ اس چور کی شرارت سے تو میرے لیے کافی ہوجا۔ اے مدد کرنے والے میری فریادرسی کر۔''

انھوں نے یہ کلمات تین بار کہے، فوراً ہی انھوں نے ایک سوار دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، اس نے نیزہ اس طرح اٹھا رکھا تھا، گویا اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں مارنا چاہتا ہو، چنانچہ اس نے وہ نیزہ چور کو مارا۔ چور وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس کے بعد وہ سوار ان کی طرف متوجہ ہوا تو انھوں نے اس سے پوچھا:

''تو کون ہے، بے شک! اللہ پاک نے تیرے ذریعے میری امداد کی ہے۔''

سوار نے کہا:

''میں چوتھے آسمان کے فرشتوں میں سے ایک ہوں، جب تو نے دعا مانگی تو میں نے آسمان کے دروازوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی۔ پھر جب تو نے دوسری مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان کے بسنے والوں میں ایک شور سنا، پھر جب تو نے تیسری مرتبہ دعا مانگی تو کہا گیا۔

''ایک مصیبت زدہ نے دعا مانگی ہے۔''

میں نے اللہ پاک سے عرض کیا:

''مجھے اس چور کے قتل کی ذمے داری سونپ دے۔''

چنانچہ یہ اجازت مل گئی اور میں نے آکر اسے قتل کر دیا اور بشارت حاصل کرو اور جان لو، جس آدمی نے وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی اور انھی الفاظ کے ساتھ دعا مانگی، اس کی دعا قبول ہوگی۔ چاہے وہ مصیبت زدہ ہو یا مصیبت زدہ نہ ہو۔

O

حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (یعنی گوٹھ مار کر تشریف فرما تھے) انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں علم طلب کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

ان کی بات کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں، پھر بعض فرشتے سوار ہوتے ہیں، یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا ایسا کرنا علم کی محبت کی بنیاد پر ہوتا ہے جسے یہ طلب کر رہے ہیں۔

O

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے قبیصہ! کیسے آئے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، میری ہڈیاں پتلی پڑ گئی ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپ مجھے وہ بات سکھا دیں کہ اللہ اس کے ذریعے مجھے نفع دے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا گزر جس درخت اور پتھر اور جس مٹی پر ہوا، ان سب نے اے قبیصہ تمہارے لیے مغفرت طلب کی ہے۔ جب تم صبح کی نماز پڑھ لو تو تین مرتبہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ کہہ لیا کرو۔ تم کوڑھ اور فالج سے محفوظ رہو گے، اے قبیصہ کہہ:

'اے میرے اللہ! بے شک میں آپ سے اس چیز کا سوال کرتا ہوں جو آپ کے پاس ہے اور آپ مجھ پر اپنے فضل سے فیضان کر اور مجھ پر اپنی رحمت کو پھیلا دے اور مجھ پر اپنی برکتوں کو نازل فرما۔''

O

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ وہ کتاب اہلِ کتاب یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کی بعض کتابوں سے متعلق تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے ایک اچھی کتاب اہلِ کتاب کی بعض کتابوں سے حاصل کی ہے۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا۔ چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ نے فرمایا:

''اے ابنِ خطاب! کیا تم لوگوں کو اس دین کے بارے میں کوئی تحیر ہے (یعنی کوئی کمی محسوس ہوتی ہے) اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک یہ دین تمہارے پاس اس طرح آیا ہے کہ یہ سفید اور چمک دار ہے، تم اہلِ کتاب سے کچھ نہ پوچھو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے صحیح بیان کریں اور تم اسے جھٹلاؤ اور ہوسکتا ہے، وہ تم سے غلط بیان کریں اور تم ان کی تصدیق کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انھیں سوائے میری پیروی کے اور کسی بات کی گنجائش نہ ہوتی، یعنی انھیں بھی میری پیروی کرنا پڑتی۔'' (جاری ہے)

☆☆☆

قدم بہ قدم

حضرت شفیا اصبحی رحمہ اللہ

مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کے اردگرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ انھوں نے پوچھا:

''یہ کون صاحب ہیں؟''

لوگوں نے بتایا:

''یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔''

یہ سن کر حضرت شفیا رحمہ اللہ ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت بات کر رہے تھے۔ جب آپ خاموش ہوئے اور تنہائی ہوگئی تو انھوں نے ان سے کہا:

''میں آپ کو حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے ضرور ایسی حدیث بیان کریں جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور سمجھا ہو اور خوب جانا ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تم سے ایسی حدیث ضرور بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی اور میں نے اسے جانا اور سمجھا۔''

پھر آپ نے ایک سرد آہ بھری جس سے ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد انھیں ہوش آگیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی گھر میں بیان فرمائی تھی اور آپ اس گھر میں تھے اور ہمارے ساتھ کوئی اور نہیں تھا۔''

اس کے بعد آپ نے ایک سرد آہ بھری اور سخت بے ہوش ہوگئے اور ایک طرف کو گرنے لگے تو حضرت شفیا رحمہ اللہ نے انھیں سنبھال لیا، یہاں تک کہ آپ پھر ہوش میں آگئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا ہے، بے شک اللہ پاک قیامت کے دن بندوں کی طرف اتریں گے، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور ہر جماعت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی۔ پس سب سے پہلے جس آدمی کو بلایا جائے گا، اس نے قرآن یاد کیا ہوگا، ایک وہ شخص ہوگا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہوگا اور ایک وہ آدمی ہوگا جس کے پاس بہت مال تھا۔ پہلے قرآن کے قاری سے کہا جائے گا۔

''کیا میں نے تجھے اس چیز کا علم نہیں دیا تھا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا۔''

وہ کہے گا:

''بے شک! تو نے مجھے اس چیز کا علم دیا۔''

اللہ پاک فرمائیں گے:

''تو نے جس چیز کا علم حاصل کیا، اس پر کیا عمل کیا۔''

وہ کہے گا:

''میں اس کی دن اور رات کے اوقات میں تلاوت کیا کرتا تھا۔''

اللہ پاک اس سے فرمائیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

ملائکہ بھی اس سے کہیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے:

''اصل بات یہ ہے کہ تو نے چاہا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں گے، چنانچہ تجھے قاری کہا گیا، یعنی تیری خواہش تو یہ تھی کہ لوگ تجھے قاری کہیں اور ایسا ہوا۔ لوگوں نے تجھے قاری کہا۔''

اس کے بعد مال والے کو بلایا جائے گا۔ اللہ پاک اس سے فرمائیں گے:

''کیا میں نے تجھے اتنا مال نہیں دیا تھا کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رہنے دیا تھا۔''

وہ کہے گا:

''بے شک اے میرے رب!'' یعنی ایسا ہی ہے۔

اللہ پاک اس سے پوچھیں گے:

''تو نے اس مال میں کیا عمل کیا؟''

وہ کہے گا:

''میں صلہ رحمی کرتا تھا۔''

اللہ پاک اس سے فرمائیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

فرشتے بھی کہیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

پھر اللہ پاک فرمائیں گے:

''بلکہ تیری خواہش تو یہ تھی کہ لوگ تجھے سخی کہیں، چنانچہ تجھے سخی کہا گیا۔''

اس کے بعد اس شخص کو لایا جائے گا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہوگا۔ اللہ پاک اس سے فرمائیں گے:

''تو کس سلسلے میں مارا گیا؟''

وہ کہے گا:

''تیرے راستے میں مجھے جہاد کا حکم دیا گیا تو میں یہاں تک لڑا کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔''

اللہ پاک اس سے فرمائیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

فرشتے بھی اس سے کہیں گے:

''تو نے جھوٹ کہا۔''

اللہ پاک فرمائیں گے:

''بلکہ تو چاہتا تھا، لوگ کہیں بڑا بہادر ہے، چنانچہ تجھے بہادر کہا گیا۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! یہ تینوں اللہ کی مخلوق میں وہ پہلے آدمی ہوں گے جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔''

مطلب یہ کہ وہ تینوں ریاکار تھے۔ ان میں اخلاص نہیں تھا۔ انھوں نے نام و نمود کے لیے یہ سب کیا تھا، سو انھیں یہ سزا دی جائے گی۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے باتیں کیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چلے گئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور وہ اس وقت رو رہے تھے۔ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا:

''اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کیوں رو رہے ہیں۔''

انھوں نے کہا:

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے، جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا، اللہ اسے چہرے کے بل جہنم میں ڈالیں گے۔''

O

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو ان کے پاس موجود لوگ رونے لگے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''تم لوگ کیوں رورہے ہو۔''

انھوں نے جواب دیا:

''ہم اس علم کی وجہ سے رورہے ہیں جو آپ کی وفات کے بعد ہم سے چھوٹ جائے گا۔''

یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''علم اور ایمان کا قیام قیامت تک ہے اور جو ان دونوں کو تلاش کرے گا، کتاب وسنت میں پالے گا۔ اللہ کی کتاب پر ہر کلام پیش کرنا اور اللہ کی کتاب کو کسی کلام پر پیش نہ کرنا۔''

یعنی باتوں کی صحت اللہ کے کلام سے جانچنا اور اللہ کے کلام میں کسی کے قول کی تاویل نہ کرنا اور علم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تلاش کرنا اور اگر تم ان حضرات کو نہ پاؤ، یعنی یہ دنیا سے رخصت ہوجائیں تو علم کو ان کے پاس تلاش کرنا، عویمر، ابن مسعود، سلمان فارسی جو یہودیت کے بعد اسلام لائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، یہ جنت میں (بلاحساب) دس جانے والوں میں سے دسویں ہیں۔ عالم کی لغزش سے بچنا۔ حق کو جو کوئی بھی لے کر آئے، اس سے لے لینا اور باطل کو اس پر لوٹا دینا، خواہ باطل کا لانے والا کوئی بھی ہو۔''

O

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ رکوع اور سجود پورے نہیں کررہا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوگیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''تم کتنی مدت سے اس طرح نماز پڑھ رہے ہو؟''

اس نے کہا:

''چالیس سال سے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تو نے چالیس سال سے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم مرجاتے اور تمہاری نماز اسی طرح رہتی تو اس فطرت کے خلاف مرتے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیے گئے ہیں۔''

''پھر آپ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے نماز سکھانے لگے۔ آپ نے اس سے یہ بھی فرمایا:

''آدمی کو چاہیے، نماز ہلکی پڑھے، لیکن رکوع اور سجود پورے پڑھے۔'' (جاری ہے)

عجیب زمانہ

حافظ عبدالرزاق خان۔ ڈیرہ اسماعیل خان

''ہاں شہلا! ہے کوئی خوشی کی خبر؟'' افنان نے فون پر پوچھا۔

دوسری جانب سے بے زاری سے کہا گیا:

''کیسی خوشی بھیا! نہ جانے یہ بچیاں کب تمہارا پیچھا چھوڑیں گی۔''

افنان سمجھ گیا کہ خدا نے پانچویں بیٹی بھیجی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا۔

''بھیا! پھر لڑکی!'' اب نائلہ اس سے لپٹ کر رو پڑی تھی۔

''اری پاگل روتی کاہے کو ہے۔ خدا کی رحمت آئی ہے، کوئی مصیبت تو نازل نہیں ہوئی۔'' افنان نے اسے تسلی دینا چاہی تو وہ مزید رو پڑی۔

''مصیبت ہی سمجھو بھیا! ان بچیوں کے نصیب سے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

''ہاں تیرے جیسیوں کو بچیوں کے نصیب سے ہی ڈر لگتا ہے۔ تم بچوں کے مستقبل سے نہیں ڈرتیں۔ دیکھتی نہیں ہو خالہ نصیرن کے دو ہی بیٹے اور دونوں نشئی اور کام چور گدھے۔ خالہ کے دل سے تو پوچھو۔''

افنان قدرے تیز لہجے میں بولا تو نائلہ نے رونا بند کیا۔

''افسوس ہے تم پر، حالانکہ تم خود عورت ہو اور عورت ذات کی پیدائش پر رو رہی ہو۔''

نائلہ کی شاید بات سمجھ میں آگئی تھی۔ افنان سوچوں میں گم ہوگیا کہ اپنی اہلیہ شکیلہ اور اس کے میکے والوں کو کس کس انداز سے سمجھائے گا۔

O

''ابوجی! ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' حمزہ نے اپنے ابو کی توجہ چاہی۔

''کون سی بات بیٹا؟'' وہ اخبار سے نظر ہٹاتے ہوئے بولے۔

''یہی کہ شعیب انکل نے ایک پاگل عورت سے شادی کیوں کی؟'' حمزہ نے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''تمہارے ابو کی خاطر!'' مشہود صاحب مسکرا کر بولے۔

''کیا مطلب؟''

''میرے پیارے ہمارے زمانے میں لڑکیوں کی بڑی قدر تھی۔ تمہارے دادا نے جب تمہارے نانا سے میرا رشتہ مانگا تو انھوں نے شرط لگادی تھی کہ زینت کو بھی لو گے تو رفعت دوں گا، ورنہ کوئی اور گھر تلاش کیجیے۔''

''تو دادا کیوں کر مان گئے؟'' حمزہ حیران تھا۔

''اس لیے کہ رشتے آسانی سے نہیں ملتے تھے۔ بڑی منت کرنا پڑتی تھی لڑکی والوں کی، چنانچہ شعیب نے قربانی دی اور یوں تمہاری اماں اپنی پاگل بہن زینت کے ساتھ اس گھر کی زینت بنی۔'' ابو نے وضاحت کی تو حمزہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

''شاید اس زمانے میں لڑکیوں کی کمی ہوگی۔''

''کوئی کمی نہیں تھی بیٹا! عورتیں تو ہر زمانے میں مردوں کی نسبت تعداد میں زیادہ ہی رہی ہیں۔'' ابو نے یہ اشکال بھی دور کردیا۔

''کمال ہے بڑا عجیب زمانہ تھا وہ۔'' حمزہ کی حیرت دور نہیں ہو پارہی تھی۔

''ہونہہ! ہمارا زمانہ عجیب نہیں تھا، عجیب تو تیرا زمانہ ہے۔ جہاں بچیوں کی پیدائش پر لوگ منہ پھلا لیتے ہیں اور تیرے جیسے چھوکرے دو چار جماعت پڑھ جائیں تو اچھے اچھے رشتے تک ٹھکرا دیتے ہیں۔''

ابو کی بات سن کر حمزہ شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔

''اس عجیب زمانے کی ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ ہر جوان چاہتا ہے کہ اسے ایسی بیوی ملے جو کما کر کھلا سکے۔ اسی وجہ سے لوگ اپنی بچیوں کے نصیبوں سے ڈرتے ہیں کہ نہ جانے کس سے واسطہ پڑ جائے۔''

حمزہ زمین میں گڑا جارہا تھا۔

قدم بہ قدم

حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مصر میں حاکم تھے۔ ایک دن ان کے دربان نے آکر بتایا:

"ایک اعرابی اونٹ پر سوار ہے، دروازے پر کھڑا ہے۔ اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔"

حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے دربان سے کہا:

"ٹھیک ہے، اسے آنے دو۔"

اعرابی اندر آیا تو حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

انھوں نے بتایا:

"میں جابر بن عبداللہ انصاری ہوں۔ ایک حدیث کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور وہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اس حدیث کو آپ سے سنوں۔"

یہ سن کر حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مومن کے کسی عیب کی پردہ پوشی کی تو گویا اس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کیا۔" (یعنی یہ اتنا بڑا ثواب کا کام ہے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیث سن کر وہیں سے لوٹ گئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ حضرات کس طرح ایک ایک حدیث کے لیے سفر کیا کرتے تھے۔

O

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ کچھ لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک ان سے کہتا ہے، اتنی اتنی مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، اتنی اتنی مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، اور اتنی اتنی مرتبہ الحمدللہ کہو۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"تو کیا وہ لوگ ایسا کرتے ہیں؟"

اس شخص نے کہا:

"ہاں! وہ ایسا کرتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا:

"اب جب تم انھیں ایسا کرتے دیکھو تو مجھے بتانا۔"

پھر اس شخص نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ جمع ہیں اور ایسا کر رہے ہیں۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاس آئے۔ اس وقت ان کے سر پر گول لمبی ٹوپی تھی۔ آپ ان لوگوں کے پاس بیٹھ گئے اور جب سن لیا کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ تیز مزاج اور غصے والے تھے۔ آپ نے ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں عبداللہ بن مسعود ہوں (یعنی پہلے اپنا تعارف کرایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ بے شک تم لوگ زبردستی ایک بدعت لائے ہو، یعنی تم جو کام کر رہے ہو، ایسا کرنا بدعت ہے۔ تم نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر علم میں فضیلت دکھائی ہے۔"

ان میں سے ایک شخص حضرت معضد نے کہا:

"اللہ کی قسم! ہم کسی بدعت کو زبردستی نہیں لائے اور نہ ہم نے اپنے آپ کو علم میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہے۔"

پھر حضرت عمرو بن عتبہ نے عرض کیا:

"اے ابوعبدالرحمٰن! ہم اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔"

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم سنت کو لازم پکڑو، اسی پر جمے رہو۔ پس اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کر لیا تو بہت زیادہ سبقت لے جاؤ گے اور اگر تم نے دائیں بائیں کی راہ اختیار کی تو انتہا سے زیادہ گمراہ ہو جاؤ گے۔"

اس واقعے میں بدعت یہ ہے، انھوں نے ایک خاص انداز اختیار کیا تھا جب کہ نفل عبادت یا ذکر کرنے کے لیے کوئی خاص شکل اپنے طور پر مقرر نہیں کی جاسکتی۔ انھوں نے ایک خاص وقت بھی طے کیا تھا، یعنی ہر روز مغرب اور عشاء کے درمیان جمع ہوتے تھے۔

O

حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا:

"تم کہاں تھے؟"

حضرت عامر نے جواب دیا:

"میں نے کچھ لوگ دیکھے ہیں، اور میں نے ان سے بہتر لوگ نہیں دیکھے، وہ اللہ کا ذکر کرتے تھے تو ان میں سے ہر ایک کانپ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس پر اللہ کے خوف سے بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ وہیں سے آرہا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"آج کے بعد ان کے پاس نہ بیٹھنا۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے یہ بات کہہ تو دی، لیکن ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ ان کی بات کا بیٹے پر کوئی اثر نہیں ہوا، چنانچہ انھوں نے اپنی بات کی وضاحت ضروری سمجھی اور پھر ان سے فرمایا:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، دونوں قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ان حضرات کی تو یہ حالت کبھی نہیں ہوئی، کیا تم اس جماعت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا سمجھتے ہو۔"

اس وقت حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ کی سمجھ میں یہ بات آئی اور انھوں نے اس جماعت میں بیٹھنا بند کر دیا۔

O

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک مسجد کے پاس سے ہوا۔ اس مسجد میں کچھ لوگ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ رہے تھے۔ وہاں لوگوں کو اسی سلسلے میں جمع کیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں مسجد سے نکال دیا اور فرمایا:

"تم بدعتی ہو۔" (ردالمختار جلد 2 صفحہ 250)

O

بھول نہ پاؤں

نور حسین شاہ۔ کراچی

جب میں کلاس تھری میں پڑھتا تھا تو ہمارے اردو کے ٹیچر عثمان صاحب تھے۔ سفید بال، سفید ڈاڑھی، درمیانہ قد والے عثمان صاحب ہمیشہ علمائے کرام والا لباس پہنتے، بہت ہی نرم مزاج تھے۔ بچوں کو مارتے نہیں تھے، بلکہ ہمیں کہانیاں اور واقعات سنا کر سبق یاد کراتے تھے، جس دن ہم سنا دیتے اور ہوم ورک مکمل کرتے تو اس دن ہمیں خوب صورت کہانیاں، بزرگانِ دین کے واقعات سناتے تھے، جب ہم سبق نہ سناتے تو اس دن کہانی نہیں سناتے تھے، اس لیے تمام بچے کہانی سننے کے لیے سبق اچھی طرح یاد کرتے تھے۔

سکول میں ششماہی امتحان قریب تھے۔ ایک دن ٹیچر عثمان صاحب نے کہا:

''بچو! آپ لوگ کیوی کے بارے میں سنو گے؟''

تمام بچے ایک دم بول اٹھے۔

''سر ضرور سنیں گے۔'' ٹیچر نے کہا۔

''میں کیوی کے بارے میں آپ لوگوں کو اس وقت بتاؤں گا جب تمام بچے امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوں گے۔''

تمام بچے دن رات محنت کرنے لگے۔ اس دوران اچانک ٹیچر عثمان صاحب کئی دنوں سے کلاس میں نہ آئے تو ہم نے کلاس کے مانیٹر فیصل کو پرنسپل صاحب کے پاس ٹیچر عثمان کے بارے میں معلومات لینے کے لیے بھیجا۔ جب مانیٹر فیصل واپس آیا تو انھوں نے کہا کہ ہمارے ٹیچر عثمان صاحب بیمار ہیں، ہمارے سکول کے قریب جو مسجد ہے، اس مسجد کے ساتھ ان کا گھر ہے، چنانچہ ہم سب نے مشورہ کیا کہ شام کو اپنے اپنے والد کے ساتھ ٹیچر کی عیادت کرنے جائیں گے، چنانچہ شام کو ہم سب اپنے اپنے والد کے ساتھ ٹیچر کے گھر پہنچے۔ وہ بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے، ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، پھر انھوں نے ہم سب کے والدین سے مخاطب ہو کر کہا:

''بچوں کو دیکھتے ہی تقریباً آدھی بیماری ختم ہو گئی۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ بچوں میں استاد کا احساس ہے، محبت ہے۔'' پھر ہم سب سے مخاطب ہو کر کہا ''بچو! ان شاء اللہ میں بہت جلد صحت یاب ہو کر سکول آؤں گا۔''

چنانچہ امتحان شروع ہونے سے چند دن پہلے عثمان صاحب صحت یاب ہو کر سکول آ گئے۔ انھیں دیکھ کر ہم سب بہت خوش ہوئے۔ امتحان کے بعد جب رزلٹ آیا تو تمام بچے اچھے نمبروں سے پاس تھے۔ ٹیچر عثمان بھی بہت خوش تھے، چنانچہ حسب وعدہ انھوں نے بڑے پیار سے کیوی کا واقعہ اس طرح سنایا:

''بچو! کیوی ایک پرندہ ہے جو ہم سے بہت دور ایک ملک نیوزی لینڈ میں پایا جاتا ہے۔ یہ پرندہ جسامت میں مرغی کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی چونچ بہت لمبی اور پتلی ہوتی ہے اور ناک چونچ کے سرے پر ہوتی ہے۔ دم بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ کیوی کے بازو چھوٹے اور پروں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں جو بالوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے بازو اڑنے کے قابل نہیں ہوتے، اس لیے کیوی ایک ایسا پرندہ ہے جو اڑ نہیں سکتا۔ اس کی ٹانگیں مضبوط اور دوڑنے میں تیز ہوتی ہیں۔ یہ انسانوں سے ڈرتا ہے۔ دن میں چھپا رہتا ہے۔ رات کو خوراک کی تلاش کرتا ہے۔ اس کی غذا کیڑے مکوڑے ہیں۔ کیوی خرگوش کی طرح بلوں میں رہتا ہے۔ یہ سوتے وقت اپنے آپ کو گیند کی طرح گول کر لیتا ہے۔

نیوزی لینڈ کے رہنے والے کیوی کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں۔ اسی لیے دنیا میں کیوی بہت کم رہ گئے ہیں۔''

چنانچہ میں جب بھی جوتے پالش کرنے کے لیے پالش کا ڈبہ اٹھاتا ہوں تو اس ڈھکن پر چھپی ہوئی کیوی کی تصویر دیکھ کر ٹیچر عثمان صاحب کا کیوی کا واقعہ سنانے کا انداز اور ان کا پیار بھرا ایک ایک لفظ مجھے یاد آ جاتا ہے۔ شاید کہ آخری عمر تک میں بھول نہ پاؤں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''مجھ تک سلام بھیجنے والی کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے، اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا اسلام اسے نہ دینا۔''

(ترمذی)

O

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے حجرہ مبارک کے پاس بیٹھے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے دیکھا، کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے بارے میں بتایا تو آپ نے فرمایا:

''یہ بدعت ہے۔''

مطلب یہ کہ وہ لوگ اس وقت وہاں خاص چاشت کی نماز کے لیے جمع ہوئے تھے، اس لیے اسے بدعت فرمایا۔ یوں بھی نفل نمازیں گھر پر پڑھنے کا حکم ہے۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آخر عمر میں ایک شخص کے سہارے مسجد میں مغرب کے وقت داخل ہوئے۔ مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ ایسے میں کسی شخص نے کہا:

''آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف!''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا:

''مجھے یہاں سے لے چل! اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔''

یعنی اذان تو ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص کیوں کہہ رہا ہے آؤ نماز کی طرف! آؤ نماز کی طرف!

آپ وہاں سے نکل آئے اور وہاں نماز نہ پڑھی۔

O

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے چھینک ماری اور خود ہی کہا:

''الحمد للہ! والسلام علیٰ رسول اللہ!''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ! لیکن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ چھینک آنے پر الحمد للہ علیٰ کلِ حال کہا کریں۔'' (ترمذی) (جاری ہے)

واقعات صحابہؓ

175

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی آواز سنی تو آپ جلدی سے جھپٹے اور آواز کی سمت میں نکل گئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پیچھے باہر نکل آئیں۔ اچانک آپ نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ ترکی گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑے کی گردن سے ٹیک لگائے ہوئے تھا، پگڑی باندھے ہوئے تھا اور پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھا (شکل صورت کے اعتبار سے) وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہوا تھا، اس لیے انھوں نے خیال کیا کہ یہ دحیہ کلبی ہیں۔ پھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس پلٹے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا:

”اے اللہ کے رسول! میں بھی آپ کے پیچھے باہر نکلی تھی کہ دیکھوں، کون ہے، میں نے دیکھا، وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔“

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے عائشہ! تو نے انھیں دیکھا تھا؟“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”جی ہاں! اے اللہ کے رسول! میں نے انھیں دیکھا تھا۔“

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

”اے عائشہ وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نہیں، جبرئیل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنو قریظہ کی طرف نکلوں۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔

O

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ بوڑھے ہوگئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اب ان کی وفات ہوجائے، چنانچہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

”اے میرے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں۔ اب تو مجھے اٹھالے، یعنی موت دے دے۔“

ایک دن یہ دمشق کی مسجد میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نوجوان وہاں آیا۔ وہ بہت خوب صورت تھا۔ اس کے جسم پر سبز لباس تھا۔ اس نے آپ سے کہا:

”یہ کیا دعا ہے۔ جو تم مانگا کرتے ہو۔“

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

”اے نوجوان! تو پھر میں کیسے دعا مانگوں۔“

اس نے کہا:

”آپ یوں دعا مانگا کریں، اے میرے اللہ! میرے عمل کو اچھا کر اور مجھے اجل تک پہنچا دے۔“

یہ سن کر انھوں نے پوچھا:

”تم کون ہو۔“

اس نے کہا:

”میں ربیائیل فرشتہ ہوں جو مومنوں کے دلوں سے رنج دور کرتا ہے۔“

O

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک شخص کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت نزع کے عالم میں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے فرشتے! اس کے ساتھ نرمی کر۔“

اس شخص نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

”یہ فرشتہ کہہ رہا ہے کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔“

O

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے اصطبل میں ایک رات قرآن پڑھ رہے تھے۔ اچانک ان کے گھوڑے نے چکر لگانا اور بدکنا شروع کردیا۔ کچھ دیر کے لیے وہ تلاوت سے رک گئے تو گھوڑے نے بدکنا بند کردیا۔ انھوں نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ انھوں نے کئی بار ایسا کیا اور ہر بار ایسا ہی ہوا، یعنی جب وہ تلاوت روکتے تو گھوڑا رک جاتا، تلاوت شروع کرتے تو وہ بدکنے لگتا۔ اس پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ڈر گئے۔ یہ گھوڑے سے ایک طرف کو ہوکر کھڑے ہوگئے، اس وقت انھوں نے دیکھا، ان کے اوپر ایک سائبان ہے، اس میں چراغ جل رہے ہیں۔ پھر وہ سائبان اوپر چڑھ گیا، یہاں تک کہ نظر آنا بند ہوگیا۔

صبح ہونے پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اصطبل

غسل یا ایلیم سیپا

آ۔بنتِ حبیب الرحمان۔ملہوالی

اللہ رب العزت کی بیش بہا نعمتوں میں سے ایک نعمت پیاز کی صورت میں ہے۔اس کے بغیر نہ تو آپ سالن بنا سکتے ہیں نہ آملیٹ نہ کباب، یہ سالن کا لازمی جزو ہے۔مصالحے کو گاڑھا بناتا ہے۔یہ سرخ و سفید، عام پیاز، اور جنگلی پیاز کی قسموں میں ملتا ہے۔اس کا طبی نام عنسل اور نباتاتی نام ایلیم سیپا ہے۔پیاز کی تاریخ بہت قدیم ہے۔پہلے جنگلی پیاز خاصے زہریلے ہوا کرتے تھے۔پھر گزرتے وقت کے ساتھ حضرت انسان نے اس کو شہروں میں کاشت کیا۔یوں یہ غذا اور دوا کی صورت اختیار کر گیا۔پہلے وقتوں میں مصر کے لوگ پیاز کو دیوتا کی خوراک سمجھتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔(ایسے نادر اور عقل کو حیران کر دینے والے "نمونے" آج بھی پائے جاتے ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ وہ پیاز کی پوجا کرتے تھے۔یہ قبروں اور پتھروں کی) اسے بابرکت کھانا سمجھتے تھے، اس لیے اہرامِ مصر بنانے کے دوران مزدوروں کو غذا کے طور پر پیاز دی جاتی تھی۔جزائر غرب الہند میں لوگ مریض کی صحت یابی کے بعد اس کے کمرے کو پاک اور جراثیم سے صاف کرنے کے لیے پیاز کے ٹکڑے فرش پر بچھا دیتے اور کئی گھنٹے گزرنے کے بعد پیاز کے ٹکڑوں کو مریض کے بعض کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیتے۔ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح بیماری لوٹ کر نہیں آتی۔پیاز کا مزاج گرم ہے اور ہے یہ موسم سرما کی سبزی۔ اکتوبر سے نومبر تک کاشت کیا جاتا ہے۔کھانے کے علاوہ اس کو ادویات میں استعمال کیا جاتا ہے۔تقریباً تین ہزار ایسے امراض ہیں جن میں پیاز فائدہ مند ہے۔ماہرین طب کا کہنا ہے کہ اگر زمین سے ساری سبزیاں پودے ختم ہو جائیں، صرف پیاز رہ جائے تو بھی انسان فائدے میں رہے گا۔پیاز میں حیاتین، کاربوہائیڈریٹس، پروٹینز، کیلشیم، میگنیشیم، پوٹاشیم، فاسفورس، آئرن اور معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں۔ایک حکیم نے پیاز کو آواز کی خوب صورتی اور رنگ کو گورا کرنے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے مفید بتایا ہے۔آئرلینڈ میں لوگ پیاز کو نزلہ زکام اور کھانسی کی دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔پیاز کے بے انتہا فوائد ہیں۔پیاز کا جوشاندہ تقطیر البول (قطرہ قطرہ پیشاب آنا) میں بہت نفع مند ہے۔ آنکھوں کے امراض میں نفع مند ہے۔خون میں شکر کم کرتا ہے۔یرقان میں مفید ہے۔کھانسی اور معدے کی شکایت دور کرتا ہے۔مرگی کے مرض میں خون کی کمی کو دور کرنے کے لیے پیاز کا عرق مفید ہے۔پیٹ کا درد، گلے کی سوزش، مثانے کی پتھری میں پیاز کا مسلسل استعمال فائدہ مند ہے۔ہضم کرنے والی سبزی ہے۔اس کا رس کان میں ٹپکانے سے کان کا میل صاف ہو جاتا ہے، بچھو، بھڑ اور شہد کی مکھی وغیرہ کے کاٹنے کی جگہ پر پیاز کا پانی لگانے سے درد دور ہو جاتا ہے۔لو کے اثرات ختم کرنے کے لیے پیاز پاس رکھ کر سر ڈھانپ لیں۔ اللہ پاک کی شانِ رحمت کے کیا کہنے! ایک سبزی کے اندر کس قدر فوائد رکھ دیے۔ بس انسان ناشکرا ہے۔بھرا ہوا دسترخوان ہو، پھر بھی زبان پر الحمدللہ جاری نہیں ہوتا۔کیا لوگ تھے، روٹی پر پیاز رکھا، لسی کا گھونٹ لیا اور منہ پر ہاتھ پھیر کر الحمدللہ کہا۔یہی تو اصل زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی اور شکر گزاری کرتے ہوئے گزرے۔اللہ پاک ہمیں شکر ادا کرنے والی زبان عطا فرمائے۔آمین!

میں تلاوت شروع کی تو اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔"

آپ نے ان سے فرمایا:

"تم آج رات پھر اسی طرح پڑھنا۔"

انھوں نے اس رات پھر تلاوت کی تو گھوڑا اسی طرح بدکنے لگا اور انھیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں گھوڑا ان کے بیٹے یحییٰ کو نقصان نہ پہنچا دے۔

انھوں نے دوسری صبح پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"آج رات پھر پڑھنا۔"

انھوں نے اس رات پھر پڑھا اور وہی ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے ان سے پھر فرمایا کہ آج رات پھر پڑھنا، چنانچہ تیسری رات بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے اسید! یہ فرشتے تھے، تمہارا قرآن سننے آئے تھے۔اگر تم پڑھتے رہتے تو ملائکہ اسی حالت میں صبح کر دیتے اور سب انھیں دیکھتے۔وہ کسی سے چھپے نہ رہتے۔"

O

غزوہ احد کے دن حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنگ کر رہے تھے۔ایسے میں ان کے مقابلے پر حضرت ابو سفیان آ گئے۔(حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضرت حنظلہ حضرت ابو سفیان پر چھانے لگے۔ایک کافر شداد بن شعوب نے یہ دیکھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان پر غالب آ گئے ہیں تو اس نے پیچھے سے حضرت حنظلہ پر تلوار کا وار کیا، اس طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

ان کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔ان کے گھر والوں سے پوچھا جائے، کیا بات ہے۔"

ان کے گھر والوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا:

"انھوں نے غزوہ میں شرکت کا اعلان سنا تو فوراً ہی گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور جنابت کی حالت میں تھے (یعنی ان پر غسل واجب تھا) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

"اسی لیے فرشتے انھیں غسل دے رہے ہیں۔"

O

غزوہ خندق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو شدید زخم آیا۔زخم سے خون جاری ہو گیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے انھیں ایک عورت کے گھر میں لٹا دیا۔اس عورت کا نام رفیدہ تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور آپ اس قدر تیزی کے ساتھ چلے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو آپ کا ساتھ دینا مشکل ہو گیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ بہت زیادہ تیز چل رہے ہیں۔آپ نے تو ہمیں تھکا دیا۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی غسل دینے کے لیے فرشتے ہم سے پہلے نہ پہنچ جائیں جیسا کہ انھوں نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا ہے۔"

O

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد جب شہید کر دیے گئے تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتے اور انھیں دیکھ کر رونے لگتے۔یہ کپڑا ڈھانپ دیتے اور پھر ہٹاتے تو پھر رونے لگتے۔اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اپنے والد کو روؤ یا نہ روؤ۔فرشتے برابر ان پر سایہ کیے رہے، یہاں تک کہ تم نے انھیں اٹھالیا۔"

یعنی جب تک تم نے ان کے جنازے کو نہیں اٹھایا، فرشتے ان پر سایہ کیے رہے۔(جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ کے

176

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ ان کی وفات ہو چکی تھی۔ انھیں کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔ انھوں نے آپ کو دیکھا، آپ آہستہ آہستہ قدم رکھ رہے ہیں، یہ دیکھ کر وہ رُک گئے، آپ نے بھی انھیں ٹھہرنے کا اشارہ فرمایا۔ اس پر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ ﷺ ذرا دیر وہاں بیٹھے، پھر اس کے بعد باہر تشریف لے آئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں نے یہاں آپ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔ تو پھر آپ اس قدر سنبھل سنبھل کر کیوں قدم رکھ رہے تھے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"مجھے اس مجلس میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا جب تک کہ ایک فرشتے نے بازو نہیں سمیٹ لیا۔"

یعنی فرشتے نے سرک کر مجھے جگہ دی، تب میں بیٹھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اور اے ابو عمر! تمھارے لیے مبارک ہو، تمھارے لیے مبارک ہو، تمھارے لیے مبارک ہو۔"

ابو عمر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ستر ہزار فرشتے زمین پر اترے تھے اور انھوں نے بھی جنازہ اٹھایا تھا۔ اسی وجہ سے لوگوں کو ان کا جنازہ بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

○

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قتل کی نیت سے نکلے۔ آپ ﷺ اس وقت مکۂ معظمہ سے ہجرت کر رہے تھے اور راستے میں تھے۔ آپ کی تلاش میں نکلنے سے پہلے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے تیر سے فال نکالی تھی۔ یہ اس دور کا طریقہ تھا۔ اس سے یہ جانا جاتا تھا کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ انھوں نے تین بار تیر سے فال نکالی۔ تینوں مرتبہ یہ نکلا کہ یہ کام نہ کیا جائے۔ اس کے باوجود یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اس راستے پر چل پڑے جس پر حضور ﷺ روانہ ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

جونہی یہ قریب پہنچے، ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ انھوں نے پکار کر کہا:

"اے محمد! (ﷺ) اللہ سے میرے لیے دعا کریں کہ میرا گھوڑا چھوڑ دیا جائے، میں آپ کی تلاش میں آنے والوں کو واپس کر دوں گا۔"

اس پر حضور ﷺ نے دعا کی:

"اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس کے گھوڑے کے پاؤں نکل آئیں۔"

ادھر آپ نے دعا کی، اُدھر اس کے پیر زمین سے نکل آئے۔ گھوڑے کے آزاد ہوتے ہی اس نے پھر آپ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا، جونہی اس نے یہ ارادہ کیا، گھوڑے کے پیر پھر زمین میں دھنس گئے۔ اس نے پھر پکار کر کہا:

"اے دونوں آدمیو! آپ میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، اب اس ارادے سے آپ کی طرف نہیں بڑھوں گا۔"

دونوں حضرات نے پھر دعا کی، اس کے گھوڑے کے پیر پھر زمین سے نکل آئے۔ اس نے پھر آپ پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑے کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو اس کے پیر پھر زمین میں دھنس گئے۔ اب پھر اس نے کہا:

"اللہ سے میرے لیے دعا کریں، میں آپ دونوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب اس ارادے سے آپ کی طرف نہیں بڑھوں گا، بلکہ میں یہیں سے واپس لوٹ جاؤں گا اور جو لوگ آپ کی تلاش میں اس راستے پر آ رہے ہوں گے، انھیں بھی واپس کر دوں گا۔"

اس پر آپ نے پھر دعا فرمائی اور حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے رہائی پائی اور واپس لوٹ گئے۔ راستے میں انھیں کچھ اور لوگ ملے جو آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے تھے۔ انھوں نے ان سے کہا:

"لوٹ جاؤ! میں آگے دیکھ آیا ہوں، تم جانتے ہو، میں قدموں کے نشانات پہچاننے میں کتنا ماہر ہوں۔ وہ اس طرف سے نہیں گئے۔"

اس پر وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ یہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

○

جب بدر کی لڑائی ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا:

"آپ ایک مٹھی کنکریوں کی لیں اور کافروں پر پھینکیں۔ آپ ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

"یہ چہرے ذلیل ہو جائیں۔"

اس کے بعد کفار شکست کھا گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

"جب آپ نے پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔"

یعنی یہ مٹھی آپ نے نہیں، ہم نے پھینکی تھی۔ مطلب یہ کہ ان تھوڑی سی کنکریوں کو تمام کافروں کی

صحابہ کرام کا فرشتوں کی باتیں سننا

زکریا خان، یحییٰ خان۔ لاہور

ایک روز حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں مسجد میں جاؤں گا اور اللہ کی ایسی تعریف کروں گا کہ ویسی کسی نے نہیں کی ہوگی، چنانچہ جب وہ نماز پڑھ کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے لیے بیٹھے تو انھوں نے اچانک اپنے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی، کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے:

"اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں اور ساری بادشاہت تیری ہے اور ساری خبریں تیرے ہاتھ میں ہیں اور سارے چھپے اور پوشیدہ امور تیری طرف ہی لوٹتے ہیں۔ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میرے پچھلے سارے گناہ معاف فرما اور آئندہ زندگی میں ہر گناہ اور ناگواری سے میری حفاظت فرما اور اُن پاکیزہ اعمال کی مجھے توفیق عطا فرما جن سے تو مجھ سے راضی ہو جائے اور میری توبہ قبول فرما۔" حضرت ابی بن کعب نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا، یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ (بحوالہ: حیاۃ الصحابہ حصہ سوم)

آنکھوں میں ڈال دینا ہمارا کام تھا، کیونکہ کافروں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں کنکریاں نہ گری ہوں۔

O

غزوہ احد کے دن ایک کافر نے یہ الفاظ کہے:

''اے اللہ! اگر محمد حق پر ہوں تو مجھے زمین میں دھنسا دے۔''

وہ آدمی اسی وقت زمین میں دھنس گیا۔
(بیہقی 122/6)

O

غزوہ بدر میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ آنکھوں کی پتلی لٹک کر رخسار پر آ گئی۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اسے کاٹ دیں۔ جب کہ کچھ نے کہا۔

''ایسا نہ کریں، پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا:

''ایسا نہ کرو۔''

اس کے بعد آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ آپ نے اپنی ہتھیلی مبارک اس آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ دی اور اسے دبا دیا۔ آنکھ کا ڈھیلا اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔
اس کے بعد کوئی آدمی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

O

غزوہ بدر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس آنکھ میں لگا دیا۔ آنکھ اسی وقت ٹھیک ہو گئی اور دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔

O

رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے دن تیر لگا۔ اس تیر نے ان کی آنکھ پھوڑ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی تو ان کی آنکھ بالکل درست ہو گئی اور اس میں کوئی تکلیف نہ رہی۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس لشکر پر امیر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے بلند آواز میں فرمایا:

''اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔''

اس کے بعد اس لشکر کی طرف سے قاصد مدینہ منورہ پہنچا۔ اس نے بتایا:

''اے امیر المومنین! ہم شکست کھانے کے قریب تھے کہ ہم نے تین مرتبہ یہ آواز سنی۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف اپنے لشکر کو ملا دے، چنانچہ ہم نے اپنے لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف کر دی۔ اس طرح اللہ پاک نے انھیں شکست دے دی۔''

اس روایت کی وضاحت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین بار یہ جملہ فرمایا تو لوگ بہت حیران ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ خود ہی اس کی وضاحت کریں گے۔''

''جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات تھی۔ آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا، اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں خطبہ دے رہا تھا۔ ایسے میں مجھے محسوس ہوا۔ مسلمانوں کو شکست ہونے والی ہے۔ اب مشرکین پہاڑ کی طرف بھاگیں گے۔ اگر مسلمان ان سے پہلے پہاڑ کی طرف آ جائیں تو انھیں ایک طرف ہو کر لڑنا پڑے گا اور اگر پہاڑ سے ہٹ گئے تو شکست کھا جائیں گے۔ بس میرے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ یا ساریہ الجبل! یا ساریہ الجبل! یا ساریہ الجبل! تم لوگوں نے بھی اس کلمے کو سن لیا۔''

''ایک ماہ بعد قاصد نے آ کر بتایا کہ انھوں نے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی تھی اور پہاڑ کی طرف سمٹ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح نصیب فرمائی تھی۔'' (الاصابہ: 2/3) (جاری ہے)

خوش نصیب صحابی

وہ خوش نصیب صحابی جنھیں سجدہ کرنے کے لیے عرش اور کرسی سے بھی افضل جگہ ملی۔

عبدالماجد عامی۔ ساہیوال

حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ خواب ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور فرمایا: لو اپنا خواب پورا کر لو، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کر لیا۔
(بکھرے موتی صفحہ 52)

اس ہفتے کی بات

زندگی ناخوش گواریوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ آپ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ:
ناخوش گواریوں کو بھلا کر اپنی
زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔

نور الھدیٰ۔ رینالہ خورد

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

177

رومیوں نے حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ ہر روز جب نماز کا وقت ہوتا عسقلان شہر کی چاردیواری پر چڑھتے اور پکار کر کہتے:

"اے فلاں (یعنی بیٹے کا نام لے کر) نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

ان کا بیٹا ان کی آواز سن لیتا تھا، حالانکہ وہ روم میں گرفتار تھا۔

O

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کس طرح دیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ایک نے ایک غیبی آواز سنی۔ وہ آواز ان سے کہہ رہی تھی:

"اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن ہی میں غسل دو۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے پیراہن ہی میں غسل دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق، غیبی آواز میں یہ الفاظ کہے گئے تھے:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح غسل دو کہ آپ کے کپڑے آپ پر ہوں۔"

O

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شہر کا امیر مقرر فرمایا۔ اس لشکر کو سمندر میں سفر کرنا تھا۔ رات کے وقت ان کا سمندر میں سفر جاری تھا کہ کسی پکارنے والے نے کہا:

"کیا میں تمہیں وہ فیصلہ نہ سنا دوں جس کے ساتھ اللہ نے اپنے لیے فیصلہ کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اللہ کے لیے گرمی کے دنوں میں پیاسا رہے گا (یعنی روزہ رکھے گا) اللہ پر حق ہے کہ بڑی پیاس کے دن یعنی قیامت کے دن اسے سیراب کرے گا۔"

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی روزہ رکھتے تھے۔

O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طائف میں وفات ہو گئی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک چڑیا آئی اور اس جیسی چڑیا انھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ چڑیا ان کی لاش میں داخل ہو گئی۔ ان حضرات نے غور کیا اور انتظار کرنے لگے کہ کب وہ چڑیا نکلتی ہے، لیکن ان حضرات نے چڑیا کو نکلتے نہیں دیکھا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو آپ کی قبر کے پر کسی نے یہ آیت پڑھی:

"اے اطمینان والی روح! اپنے پروردگار کے رحمت والے ٹھکانے کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر ادھر چل کر تو میرے خالص بندوں میں شامل ہو جا کہ یہ بھی روحانی نعمت ہے اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

یعنی بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب اس چڑیا کو تلاش کیا گیا اور وہ نہ ملی تو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا تم سب احمق ہو گئے ہو جو اس پرندے کو تلاش کر رہے ہو، یہ تو ان کی وہ بینائی ہے جس کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ ان پر ان کی وفات کے دن لوٹا دی جائے گی۔"

O

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو بتا نہ دوں کہ میرے اسلام کی ابتدا کیسے ہوئی، یعنی کیسے مسلمان ہوا تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ضرور بتاؤ!"

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بتایا:

"میں اپنے جانوروں کی تلاش میں تھا، مجھے ان کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ اسی تلاش میں مجھے ابرق عراق میں (جگہ کا نام) رات ہو گئی تو میں نے بلند آواز میں پکار کر کہا، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عادت تھی۔ میں اس کی قوم کے کمینوں سے اس وادی کے سردار کی پناہ چاہتا ہوں۔"

یعنی ایسے موقعوں پر یہ آواز لگائی جاتی تھی۔ جونہی میں نے یہ کہا، ایک غیبی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"تجھ پر افسوس ہے، اللہ کی پناہ طلب کر جو جلال اور بزرگی والا اور نعمتوں اور فضیلتوں والا ہے

قدم بہ قدم

اور سورۂ انفال کی آیتیں پڑھ اور اللہ کی توحید بیان کر اور کچھ پروا نہ کر اور بے شک اللہ کے رسول بڑی بھلائیوں والے ہیں۔ یثرب میں لوگوں کو بھلائیوں کی طرف بلا رہے ہیں۔ لوگوں کو نماز روزے کا حکم دے رہے ہیں اور لوگوں کو بری عادت سے روک رہے ہیں (یعنی شرک سے)۔"

یہ باتیں سن کر میں نے پوچھا:

"تو کون ہے؟"

اس پر جواب ملا: "میں عمرو بن آثال ہوں، میں نجد کے مسلمان جنوں پر حاکم ہوں۔ تو اپنے جانوروں کی طرف سے بے فکر ہو جا اور اپنے گھر پہنچ جا۔"

چنانچہ میں جمعے کے دن مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ملاقات

جواہرات سے قیمتی

- O جس کام کو کرنے کی طاقت نہ ہو، اسے اپنے ذمے نہ لیں۔
- O ہر ایک کی سنو مگر اپنا فیصلہ محفوظ رکھو۔
- O ہماری غلطیاں ہمیں وہ سبق سکھاتی ہیں جو کسی مکتب میں نہیں ملتا۔
- O غصے کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی غلطی کی سزا خود کو دینا۔
- O یہ ممکن نہیں جس کی صحبت میں بیٹھو، ویسے نہ ہو۔
- O خامیوں کا احساس کامیابیوں کی کنجی ہے۔
- O کردار انسان کا وہ حسن ہے جسے زوال نہیں۔
- O زندگی میں خوشیاں ملتی نہیں، تلاش کرنی پڑتی ہیں۔
- O دوسروں پر انحصار کرنے والوں کو منزل نہیں ملتی۔
- O برائی کے کام کریں، برائی کی آرزو نہ کریں۔
- O خواہشات کی یلغار انسان کو کمزور کر دیتی ہے۔

ارسال کرنے والے: انصر علی وہاڑی۔ خنسا محمود گوجرانوالہ
غلام قادر ہراج خانیوال۔ ایم مامون مروت۔ حافظ محمد طلحہ حنیف
حافظ محمد الیس حنیف۔ حافظ عبید الرحمٰن، حافظ عبد الرؤف حاصل پور

کی اور انھوں نے کہا:

"اندر آ جاؤ! اللہ تم پر رحم فرمائے، ہمیں تمہارے اسلام لانے کی خبر ہو چکی ہے۔"

میں نے ان سے کہا، مجھے وضو کرنا نہیں آتا۔ مجھے سکھا دیں، چنانچہ وضو کے بعد میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما ہیں اور گویا آپ چودھویں کا چاند ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرما رہے تھے:

"جب کوئی مسلمان وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر نماز کو پوری حفاظت اور پوری سمجھ کے ساتھ پڑھے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔"

یہ تمام قصہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

"اس بات پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔"

اس پر حضرت عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس بات کی گواہی دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گواہی قبول فرمائی۔

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بدر کے کنارے چلے جا رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا۔ اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی:

"اے عبداللہ! مجھے پانی پلا، اللہ کے بندے مجھے پانی پلا، اے عبداللہ مجھے پانی پلا۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ بات نہ سمجھ سکے کہ وہ قبر سے نکلنے والا شخص ان کا نام جانتا تھا، اس لیے عبداللہ کہہ کر پکار رہا تھا یا ان کے نام کے بجائے وہ انھیں اللہ کے بندے کہہ کر پکار رہا تھا، کیونکہ عرب میں لوگ جس کا نام نہیں جانتے، اسے عبداللہ کہہ کر پکارتے ہیں، یعنی اے اللہ کے بندے۔

ایسے میں اسی قبر سے ایک اور آدمی نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا، اس نے حضرت عبداللہ کو آواز دی اور کہا:

"اے عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے۔"

پھر اس نے اسے کوڑے سے مارا اور وہ اپنی قبر میں لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم نے واقعی ایسا دیکھا ہے؟"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی ہاں!"

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ اللہ کا دشمن ابوجہل ہے اور قیامت تک اس کا یہی عذاب ہے۔" (حیاۃ الصحابہ جلد سوم صفحہ 668، ہیثمی 81/6)

O

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ انھیں ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ ایسے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے ان کے سینے سے اٹھتی ایک آواز سنی، یعنی انھوں نے کلام کیا۔

یعنی مرنے کے بعد لوگوں نے انھیں کلام کرتے سنا۔ (بیہقی)

(جاری ہے)

مواخاتِ مہاجرین و انصار

مہاجرین جب مکہ سے اللہ کے لیے اپنے اہل وعیال، رشتے دار اور قریبی لوگ گھر بار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو بالکل بے آسرا تھے۔ اس موقعے پر یعنی ہجرت کے پانچ ماہ بعد پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار کے درمیان حضرت انس ؓ کے مکان پر آپ ﷺ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا۔ (فتح الباری ج 7)

جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکر صدیق ؓ	حضرت خارجہ بن زید ؓ
حضرت عمر فاروق ؓ	حضرت عتبان بن مالک ؓ
حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح ؓ	حضرت سعد بن معاذ ؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ	حضرت سعد بن ربیع ؓ
حضرت زبیر بن عوام ؓ	حضرت سلامہ بن سلامہ ؓ
حضرت عثمان بن عفان ؓ	حضرت اوس بن ثابت ؓ
حضرت طلحہ بن عبیداللہ ؓ	حضرت کعب بن مالک ؓ
حضرت سعید بن زید بن عمرو ؓ	حضرت ابی بن کعب ؓ
حضرت مصعب بن عمیر ؓ	حضرت ابوایوب خالد بن زید ؓ
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ ؓ	حضرت عباد بن بشر ؓ
حضرت عمار بن یاسر ؓ	حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ
حضرت ابوذر غفاری ؓ	حضرت منذر بن عمرو ؓ
حضرت سلمان فارسی ؓ	حضرت ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ ؓ
حضرت بلال حبشی ؓ	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ؓ
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ	حضرت عویم بن ساعدہ ؓ
حضرت ابومرثد ؓ	حضرت عبادہ بن صامت ؓ
حضرت عبداللہ بن جحش ؓ	حضرت عاصم بن ثابت ؓ
حضرت عتبہ بن غزوان ؓ	حضرت ابودجانہ ؓ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد ؓ	حضرت سعد بن خثیمہ ؓ
حضرت عثمان بن مظعون ؓ	حضرت ابوالہیثم بن تیہان ؓ
حضرت عبیدۃ بن الحارث ؓ	حضرت عمیر بن الحمام ؓ
حضرت طفیل بن الحارث ؓ	حضرت سفیان نسر خزرج ؓ
حضرت صفوان بن بیضاء ؓ	حضرت رافع بن معلیٰ ؓ
حضرت مقداد ؓ	حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ
حضرت ذوالشمالین ؓ	حضرت یزید بن الحارث ؓ
حضرت ارقم ؓ	حضرت طلحہ بن زید ؓ
حضرت زید بن الخطاب ؓ	حضرت معن بن عدی ؓ
حضرت عمرو بن سراقہ ؓ	حضرت سعد بن زید ؓ
حضرت عاقل بن بکیر ؓ	حضرت مبشر بن عبدالمنذر ؓ
حضرت خنیس بن حذافہ ؓ	حضرت منذر بن محمد ؓ
حضرت سبرۃ بن ابی رہم ؓ	عبادۃ بن الخشخاس ؓ
حضرت مسطح بن اثاثہ ؓ	حضرت زید بن المزین ؓ
حضرت عکاشہ بن محصن ؓ	حضرت مجذر بن ذیاد ؓ
حضرت عامر بن فہیرہ ؓ	حضرت حارث بن صمۃ ؓ
حضرت مہجع مولیٰ عمر ؓ	حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ ؓ

(بحوالہ: سیرۃ المصطفیٰ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

ابوبکر صدیق۔ لانڈھی کراچی

واقعات صحابہ کے 178

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ایک انصاری نوجوان کی وفات ہوگئی۔ اس پر کپڑا ڈال دیا گیا۔ کسی نے اس کی ماں سے کہا:

"صبر کر اور ثواب کی نیت کر۔"

یہ سن کر اس کی ماں نے کہا:

"کیا وہ مر گیا ہے؟"

بڑھیا کو بتایا گیا:

"ہاں! اس کی وفات ہوگئی۔"

بڑھیا نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہنے لگی:

"اے میرے اللہ! میں تجھ پر ایمان لائی اور میں نے تیرے رسول کی طرف ہجرت کی، جب بھی کوئی مصیبت مجھ پر اتری، میں نے تجھ سے دعا کی۔ تو نے وہ مصیبت دور کر دی تو میں تجھ سے اے میرے اللہ سوال کرتی ہوں، یہ مصیبت مجھ پر نہ ڈال۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس موقعے پر موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا، اس لڑکے نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا، یعنی زندہ ہوگیا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ کھایا پیا۔

اس لڑکے کی ماں امِ سائب رضی اللہ عنہا بوڑھی اور نابینا تھیں۔ ان کا بیٹا اس کے بعد اتنی مدت زندہ رہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور اس نوجوان کی والدہ امِ سائب رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا، یعنی اپنی والدہ کی وفات کے بعد اس کی وفات ہوئی۔ (البدایہ:154/6)

O

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کل احد کی لڑائی میں میرا خیال ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کی طرف سے شہید ہونے والوں میں سے میں پہلا شہید ہوں گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے اس دنیا میں تم سب سے زیادہ عزیز ہو اور مجھ پر قرض ہے، میری طرف سے میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔"

دوسری صبح جب لڑائی شروع ہوئی تو سب سے پہلے وہی شہید ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک دوسرے شہید کے ساتھ دفن کر دیا، یعنی ایک ہی قبر میں دو شہیدوں کو دفن کر دیا۔ چھ ماہ گزرے ہوں گے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا، کیوں نہ میں اپنے والد کو الگ قبر میں دفن کر دوں۔ اس خیال کے آنے پر انھوں نے اپنے والد کی قبر کو کھودا اور انھیں اس میں سے نکالا۔ انھوں نے دیکھا، وہ بالکل اسی حالت میں تھے جس میں دفن کیے گئے تھے، بس ان کا ایک کان کچھ خراب ہوگیا تھا۔ (حاکم، طبقات ابن سعد 563/3)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مجھے ان کی کوئی چیز بدلی ہوئی نظر نہ آئی، بس ڈاڑھی کے چند بال زمین سے ملے تھے۔ (بخاری)

O

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک نہر نکالنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ نے اعلان فرما دیا کہ غزوہ احد کے شہدا کو ان کی قبروں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کر دیا جائے، چنانچہ چالیس سال بعد وہاں سے شہدا کو نکالا گیا تو ان کے جسم اتنے نرم تھے کہ ہاتھ پیر موڑے جا سکتے تھے اور سب کے سب بالکل اسی طرح تر و تازہ تھے جس طرح دفن کے وقت تھے۔ (ابن ابی شیبہ، کنز العمال 274/5)

O

حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری سلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن جموح انصاری سلمی رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید ہوئے تھے۔ ان دونوں حضرات کو میدانِ احد میں دفن کیا گیا تھا۔ جب اس جگہ سے نہر نکالنے کا فیصلہ ہوا تو انھیں قبر سے نکالا گیا۔ انھیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ دونوں حضرات کے جسم اس طرح پائے گئے کہ ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی کل ہی انھیں دفن کیا گیا ہو۔ ان میں سے ایک نے شہادت کے وقت اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا اور انھیں اسی حالت میں دفن کر دیا گیا تھا۔ ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹایا گیا تو وہاں سے خون بہنے لگا۔ ہاتھ کو چھوڑا گیا تو ہاتھ پھر وہیں زخم پر چلا گیا اور خون بند ہوگیا۔ (ابن سعد)

اور ایسا غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد ہوا۔

O

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب میدانِ احد سے نہر نکالنے کا فیصلہ فرمایا تو اعلان فرمایا:

”اپنے شہدا کو قبروں سے نکال لو۔“

قبروں سے نکالتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پیر پر کدال جا لگی۔ پیر سے خون جاری ہوگیا۔

○

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے ساتھ ایسا تین بار ہوا۔ پہلی مرتبہ غزوہ احد کے چھ ماہ بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ انھیں الگ قبر میں دفن کردیں، تب انھوں نے اپنے والد کی نعش کو نکالا، وہ بالکل تر و تازہ تھے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلان کے وقت ایسا کیا گیا اور اس کے چھ سال بعد اس لیے انھیں تیسری بار قبر سے نکالا گیا کہ اس میں نہر کا پانی داخل ہوگیا تھا۔ (شیخ سمہودی)

○

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی گئی۔ جب مٹھی کھولی گئی تو اس میں سے مشک جیسی مہک آرہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے اس وقت سبحان اللہ سبحان اللہ نکلا۔ اس کا مطلب ہے، وہ مہک آپ کے ناک مبارک تک پہنچی تھی۔

○

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی جاسوسی کے لیے بھیجا اور تنہا ہی بھیجا، یعنی ان کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ یہ چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں مکّے کے مشرکین نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دی تھی۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش ابھی تک سولی پر ہی تھی اور مشرکین میں سے کچھ لوگ وہاں پہرہ بھی دے رہے تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ ان پہرے داروں کی نظر بچا کر سولی تک پہنچ گئے۔ ڈر بھی رہے تھے کہ کہیں مشرکین انھیں دیکھ نہ لیں۔ انھوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کھولا تو وہ زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر تک حضرت عمرو دم سادھے کھڑے رہے۔ جب انھوں نے دیکھ لیا کہ مشرک اس طرف نہیں دیکھ رہے تو یہ اس جگہ پر جھکے جہاں لاش گری تھی، لیکن انھیں وہاں لاش نظر نہ آئی۔ (بیہقی)

گویا زمین نے ان کی لاش کو نگل لیا تھا۔

○

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ انھوں نے سمندر کا سفر کیا۔ سفر کے دوران ان کی کشتی ٹوٹ گئی۔ یہ ایک تختے پر بیٹھ گئے۔ تختے نے انھیں ایک ایسی جھاڑی میں لا ڈالا جس میں شیر موجود تھا۔ شیر ان کی طرف لپکا تو انھوں نے کہا:

”اے ابو حارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔“

یہ سن کر شیر نے اپنا سر جھکا لیا اور انھیں اشارہ کیا کہ میری کمر پر بیٹھ جائیں۔ اس طرح یہ شیر کی کمر پر بیٹھ گئے۔ شیر انھیں لے کر چلا اور انھیں راستے پر لا ڈالا۔ پھر شیر نے منہ سے آواز نکالی اور چلا گیا۔ اس کے آواز نکالنے سے حضرت سفینہ نے جان لیا کہ انھیں رخصت کر رہا تھا۔ (حاکم)

○

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک سفر پر تھے۔ راستے میں ایک جگہ آپ نے لوگوں کو رکے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا:

”یہ لوگ کیوں رک گئے ہیں۔“

انھوں نے بتایا: ”ایک شیر راستے میں کھڑا ہے، لوگ اس سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔“

یہ اپنی سواری سے اترے اور اس شیر کے پاس گئے۔ آپ نے اس کا کان پکڑ کر ملا، پھر اس کی گردن پر ایک ہاتھ مارا اور اسے راستے سے ہٹا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے بارے میں جھوٹ نہیں فرمایا، میں نے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، یہ ابن آدم پر اسی وقت مسلط کیا جاتا ہے جب ابن آدم اس سے ڈرتا ہے، اگر ابن آدم صرف اللہ سے ڈرے تو اس پر اللہ کا غیر مسلط نہیں کیا جاتا۔“

(جاری ہے)

صحت کے اصول

کائنات فرید۔ شادن لنڈ

☆ اپنے جسم اور دماغ پر اتنا بوجھ ڈالیں جتنا وہ برداشت کر سکے۔

☆ کھانا مناسب مقدار میں کھائیں، تاکہ معدے کو زیادہ زحمت نہ ہو، معدے کا فساد پورے جسم کو متاثر کرتا ہے۔

☆ روزانہ سیر کو معمول بنائیں، روزانہ پیدل چلنے کو ترجیح دیں، سیر کا وقت نماز فجر کی ادائیگی کے بعد یا نماز مغرب پڑھ کر رکھا جائے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں کھڑا ہونے سے منع فرمایا۔

☆ نیند میں اعتدال پیدا کریں، نہ اتنا کم سوئیں کہ جسم کو پوری طرح آرام نہ ملے اور نہ اتنا زیادہ سوئیں کہ سستی ساتھ نہ چھوڑے، چھ گھنٹے نیند کے لیے بہت ہیں۔

☆ بری صحبت سے ہر ممکن طریقے سے بچیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ آنکھوں کا زنا بد نگاہی اور زبان کا زنا بے حیائی کی گفتگو ہے۔

☆ کھانا ہمیشہ اطمینان و سکون سے کھایئے۔ غصے، پریشانی، رنج اور گھبراہٹ میں کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کھانے کا آغاز بسم اللہ سے کریں اور کھا کر اللہ کا شکر ادا کریں۔

☆ آنکھوں کی تیز روشنی، دھول اور اندھیرے میں پڑھنے سے حفاظت کریں، سرمہ لگانے سے نگاہ تیز اور آنکھیں صاف رہتی ہیں۔

☆ دانتوں کی صفائی روزانہ دو بار ضرور کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ بیدار ہو کر ہمیشہ مسواک سے منہ صاف کرتے اور نماز سے پہلے بھی وضو کے دوران استعمال فرماتے تھے۔ (مہلک عادات، نبوی طریقے اور جدید سائنس)

واقعات صحابہؓ 179

عبداللہ فارانی

حضرت عوف بن مالک بار ریحا کے گرجے میں لیٹے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا اور وہ گرجا ان دنوں مسجد تھا۔ اس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ یہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو انھوں نے دیکھا، مسجد میں ایک شیر ہے اور وہ ان کی طرف آرہا ہے۔ یہ گھبرا گئے اور اپنی تلوار کی طرف لپکے۔ اس پر شیر نے کہا:

"ٹھہریں! مجھے تو آپ کی طرف پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، تاکہ آپ اس پیغام کو آگے پہنچا دیں۔"

یہ سن کر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تمھیں کس نے بھیجا ہے؟"

شیر نے جواب دیا:

"مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے، تاکہ آپ کوچ کرنے والے معاویہ رضی اللہ عنہ کو جان لیں کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔"

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے شیر سے پوچھا: "کون معاویہ؟"

شیر نے جواب دیا: "ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے۔" (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

O

ایک بھیڑیا ایک بکری پر جھپٹا اور اس نے بکری کو پکڑ لیا۔ چرواہا اس کی تلاش میں نکلا اور اس نے بکری کو بھیڑیے سے چھین لیا۔ بھیڑیا اپنی دم زمین پر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "تو اللہ سے نہیں ڈرتا، تو نے میرا رزق چھین لیا، جو اللہ نے مجھے دیا تھا۔"

یہ سن کر چرواہے نے کہا: "اے لوگو! بہت تعجب کی بات ہے، یہ بھیڑیا مجھ سے انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے۔"

اس پر بھیڑیے نے کہا:

"سن! اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں ہیں جو لوگوں کو ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔"

اس کی بات سن کر چرواہے نے اپنی بکریوں کو ہنکایا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اس نے بکریوں کو ایک طرف کھڑا کیا اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہوگیا۔ سب نماز کے لیے مسجد میں آگئے۔ تب آپ نے اس چرواہے سے فرمایا:

"تم ان سب کو یہ واقعہ سنا دو۔"

اس نے واقعہ سنا دیا۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس نے سچ کہا ہے، قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درندے انسانوں سے کلام نہ کرلیں اور انسان سے اس کے کوڑے کا تسمہ کلام نہ کرلے اور اس کے جوتے کا تسمہ کلام نہ کرلے اور اس کی ران اسے ان

قدم بہ قدم

باتوں کی خبر نہ دے دے جو اس کے گھر والوں نے اس کی عدم موجودگی میں کی ہوں گی، یعنی ایسا ہوگا۔ قیامت سے پہلے ایسی باتیں دیکھنے میں آئیں گی۔"

چنانچہ آج باتیں ریکارڈ ہو جاتی ہیں اور بعد میں سن لی جاتی ہیں۔ اسی طرح ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ چھڑی میں نصب کر دیے جاتے ہیں، جوتوں میں لگا دیے جاتے ہیں۔

O

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو ان کے پاس اہلِ مصر اس مہینے میں آئے جسے ان کی زبان میں بونہ کہتے تھے۔ بونہ عجمی زبان کا لفظ ہے اور یہ ایک مہینے کا نام ہے۔ انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: "اے امیر! ہمارے اس دریائے نیل کے سلسلے میں ایک طریقہ ہے۔ اس میں اس طریقے کے بغیر پانی نہیں رہتا۔"

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"وہ کیا طریقہ ہے؟"

انھوں نے بتایا:

"جب اس مہینے کی 12 ویں رات گزر جاتی ہے، ہم ایک ایسی کنواری لڑکی لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوتی ہے، ہم اس کے ماں باپ کو راضی کر لیتے ہیں، پھر اسے اچھا لباس اور زیور وغیرہ پہناتے ہیں، یعنی اسے دلہن کی طرح سجاتے ہیں، پھر ہم اس لڑکی کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔"

یہ بات سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "اسلام میں تو ایسا نہیں کیا جا سکتا، اسلام تو ہر غلط رسم کو ختم کر دیتا ہے۔"

اس پر ان لوگوں نے یہ رسم نہ کی، یعنی لڑکی دریا میں نہ گرائی تو دریائے نیل کا پانی اتر گیا۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے اس علاقے کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو

آپ نے یہ ساری تفصیل حضرت عمر ؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمر ؓ کی طرف سے انھیں یہ جواب ملا:

"تم نے یہ بالکل ٹھیک کہا کہ اسلام ایسی تمام رسموں کو مٹا دیتا ہے۔ میں تمھیں یہ رقعہ بھیج رہا ہوں۔ جب یہ تمہارے پاس پہنچے تو اس رقعے کو دریائے نیل میں گرا دینا۔"

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے اس رقعے کو کھول کر پڑھا، اس پر صرف یہ لکھا تھا:

"اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اہلِ مصر کے دریائے نیل کے لیے اما بعد اگر تو اپنی طرف سے جاری ہوتا ہے (یعنی اپنی مرضی سے) تو مت جاری ہو اور اگر تو اللہ واحد قہار نے تجھے جاری کیا تھا تو ہم اللہ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے جاری کردے۔"

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے یہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ادھر اہلِ مصر مصر سے چلے جانے کی ٹھان چکے تھے، کیونکہ پانی کے بغیر ان کا کام کیسے چل سکتا تھا۔

یہ رقعہ اسی دن ڈالا گیا جس دن لڑکی کو ڈالا جاتا تھا۔ لوگ بیدار ہوئے تو انھوں نے اللہ کی قدرت دیکھی۔ دریائے نیل کا پانی سولہ ہاتھ بلند ہو چکا تھا۔

اس طرح یہ بری رسم مصر سے ختم ہوگئی اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک کبھی بھی دریائے نیل کا پانی خشک نہیں ہوا۔

(کنز العمال 4/380)

O

حضرت ابو ریحانہ ؓ سمندر کے سفر پر نکلے۔ یہ سلائی کا کام کرتے تھے۔ ایسے میں ان کی سوئی سمندر میں گر گئی۔ انھوں نے کہا:

"اے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو میری سوئی ضرور واپس کردے۔"

اس پر وہ سوئی سطحِ سمندر پر ظاہر ہوئی اور انھوں نے اسے پکڑ لیا۔

O

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علا بن حضرمی ؓ اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ کو بحرین بھیجا تو حضرت ابوہریرہ ؓ بھی ان کے پیچھے گئے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے ان میں تین باتیں دیکھیں۔ وہ تینوں باتیں انھیں عجیب لگیں، لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان میں سے کون سی بات زیادہ عجیب ہے۔ ان تین میں سے پہلی بات یہ تھی کہ جب وہ سمندر کے کنارے پہنچے تو انھوں نے کہا:

"اللہ کا نام لو اور سمندر میں داخل ہو جاؤ۔"

چنانچہ ان سب نے اللہ کا نام لیا اور سمندر میں داخل ہوگئے اور اس کے پار پہنچ گئے، لیکن ان کے اونٹوں کے اوپر والے حصے تک تر نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد جب یہ لوگ واپس لوٹے تو انھوں نے ایک جنگل میں قیام کیا۔ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ ساتھیوں نے پانی نہ ہونے کی شکایت حضرت علا بن حضرمی ؓ سے کی۔ انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اس کے بعد دعا کی تو اچانک ڈھال کے برابر ابر نمودار ہوا اور وہ ابر خوب برسا۔ ان حضرات نے پانی اپنے اونٹوں کو پلایا، بھر بھی لیا۔

اس کے بعد حضرت علا بن حضرمی ؓ کی وفات ہوگئی۔ ساتھیوں نے انھیں ریت میں دفن کر دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ اس وقت انھیں خیال آیا کہ درندے آئیں گے اور انھیں ریت میں سے نکال کر کھا لیں گے۔ یہ سوچ کر یہ سب حضرات واپس آئے اور اس جگہ انھیں تلاش کیا، لیکن ان کی لاش انھیں نہ مل سکی۔

حضرت علا بن حضرمی ؓ کو بحرین کے مرتد لوگوں سے جہاد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ (جاری ہے)

کراچی جواب میں نہ دیکھا

یہ شہر کراچی کی نواحی بستی ہے۔ یہاں کی تباہ حال گلیاں اور ادھڑی سڑکیں دیکھ کر اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ زلزلے نے یہاں خوب تباہی مچائی ہے تو آپ کا اندازہ سو فیصد غلط ہے۔ ان سڑکوں کا حال جگہ جگہ، گھر گھر، ہونے والی بورنگ کے باعث ابتر ہوا ہے، ورنہ یہ اونچے نیچے، کچے پکے گڑھے بھی کبھی سڑکیں کہلانے کے قابل تھیں۔ اب یہاں چوری چکاری کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ سب کو پانی کی پڑی ہے۔ ہاں آپ کو اپنے پانی کے کین اور بوتلوں کی حفاظت خود کرنی ہوگی۔ گداگری کی شرح بہت کم ہوگئی ہے۔ لوگ عاجزی اور مسکینی سے ایک دوسرے سے پانی مانگتے نظر آتے ہیں۔ میٹھے اور کھارے پانی کی اصطلاح بھلا کراچی والوں سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ یہاں کا بچہ بچہ اس کی تشریح کر سکتا ہے۔

اگر آپ نے 6 لٹر والی میٹھے پانی کی بوتل عیدی میں دی تو گویا آپ نے سخاوت میں حاتم طائی کو شکست دی۔

کراچی عروس البلاد اور روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا اور اب بھی ہے۔ ہر گھر میں 100 واٹ کے بلب پیلی زرد روشنی سر شام بکھیرنے لگتے ہیں۔ بل کی پروا بھلا کسے ہے؟ کنڈہ سسٹم زندہ باد۔ بجلی چوری کے ایسے ایسے طریقے ایجاد اور دریافت ہو چکے ہیں کہ آئن سٹائن بھی دانتوں تلے انگلیاں دبا لے۔ نیوٹن شاگردی اختیار کر لے۔

ہمارے ہاں جفاکشی میں چیونٹی کی مثال دی جاتی ہے کہ اپنے سے کئی گنا بوجھ کو اٹھا کر لے جاتی ہے مگر جفاکشی میں کراچی کے بچوں نے چیونٹی کو بھی مات دے دی ہے۔ تین چار سال کا بچہ بھی آپ کو دور دور سے پانی کی بوتلیں بھر کر لاتا دکھائی دے گا، اس کے لیے کسی محدب عدسے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہمارے ہاں بجلی کے کاٹنے پر ادا شدہ بل دکھایا جاتا ہے، تاکہ بجلی بحال ہو سکے۔ یہی سوچتے ہوئے ہم نے ایک بار پانی کے لیے قطار میں کھڑے خواتین و حضرات سے کہا کہ آپ پانی کے ادا شدہ بل واٹر بورڈ کے دفتر لے جائیں، تاکہ آپ کے علاقے کا پانی بحال ہو سکے۔ انھوں نے حیرت سے ہمیں سر سے پاؤں تک گھورا اور جواباً کہا:

"پانی کا بل ادا کون کرتا ہے؟" یہ سن کر ہم تو شرم سے پانی پانی ہوگئے۔

سچ تو یہ ہے کہ کراچی آکر بڑے سے بڑا طرم خاں بھی پانی بھرنے پر مجبور ہو جائے۔

عشرت جہاں۔ لاہور

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہرشیر میں ٹھہرے... دریا پار کرنے کے لیے انھوں نے کشتیاں مہیا کرنے کا حکم دیا... لیکن کشتیاں دستیاب نہ ہوسکیں... آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ مدت وہاں ٹھہرے رہے... آخر لشکر میں موجود کچھ لوگوں نے کہا:

"کیوں نہ ہم دریا تیر کر پار کرلیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا خیال کرتے ہوئے کہ اس طرح ان سب کو تکلیف ہوگی، اس بات سے انکار کردیا... یعنی انھی کی تکلیف کے خیال سے آپ نے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی... اس پر انھیں بتایا گیا:

"یہاں ایک حصہ ایسا ہے جس میں تیر کر پار ہوا جاسکتا ہے۔"

یہ سن کر بھی آپ نے اجازت نہ دی۔ آخر آپ نے ایک خواب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر پانی میں گھسا اور پار ہوگیا۔

اب آپ نے لشکر کے سامنے تقریر کی اور فرمایا:

"تمہارے دشمن نے اس سمندر کی وجہ سے پناہ پکڑی ہے... یعنی سمندر کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے تمہارا دشمن محفوظ ہے... تم ان تک نہیں پہنچ سکتے لیکن وہ جب چاہیں اپنی کشتیوں کے ذریعے تم تک پہنچ سکتے ہیں... جب کہ میں ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرچکا ہوں۔"

اس پر سارے لشکر نے ایک زبان ہوکر کہا:

"اللہ ہمارے لیے اور آپ کے لیے بھلائی کے ساتھ اس ارادے کو پورا کرے۔ آپ ایسا کریں۔"

اب آپ نے لوگوں کو پانی میں اترنے کا حکم دیا اور فرمایا:

"تم میں سے کون ابتدا کرتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ تیار ہوگئے۔ ان کے بعد چھ سو اور مجاہدین تیار ہوگئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سب پر حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ انھیں ساتھ لے کر چلے، یہاں تک کہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔ دریائے دجلہ اس وقت جوش مار رہا تھا، یعنی خوب چڑھا ہوا تھا۔ یہ حضرات اللہ کا نام لے کر اس میں اتر گئے اور آپس میں اس طرح باتیں کرتے رہے جس طرح عام حالات میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔

جب فارس کے لوگوں نے انھیں اس طرح آتے دیکھا تو مارے حیرت اور خوف کے وہ گھبرا گئے... انھوں نے ایسے لوگ کب دیکھے تھے جو اس طرح بپھرے ہوئے دریا میں کود پڑیں... وہ اس حد تک گھبرائے کہ بھاگ کھڑے ہوئے... اس طرح مسلمانوں کو بغیر جنگ کے فتح نصیب ہوئی... تقریباً ایک ارب کا خزانہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا... بلکہ تاریخ طبری میں تو تین ارب کا خزانہ لکھا ہے...

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے... جو پانی میں اترے تھے... اور حضرت سعد اس وقت یہ پڑھ رہے تھے...

"حسبنا اللہ ونعم الوکیل! خدا کی قسم! اللہ اپنے ولی کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے دشمن کو ضرور شکست دے گا۔"

جو حضرات دریا میں اترے، ان میں سے کسی کی کوئی چیز گم نہیں ہوئی اور نہ کوئی پانی میں ڈوبا۔

○

ان میں صرف ایک ساتھی ایسے تھے جن کا پیالہ پانی میں گر گیا تھا۔ دوسرے ساتھیوں نے ہنسی کے طور پر ان سے کہا:

"اور تو کسی کی کوئی چیز پانی میں نہیں گری۔ تمہارا پیالہ کیوں گرا۔"

اس پر پیالے کے مالک نے کہا:

"اللہ کی قسم! مجھے پکا یقین ہے کہ اس پورے لشکر میں سے اللہ پاک میرے پیالے کو نہیں لیں گے۔"

جب یہ حضرات دریا پار کرکے دوسرے کنارے پر پہنچے تو وہاں گھاٹ کی حفاظت پر موجود شخص کے ہاتھ میں وہ پیالہ موجود تھا۔ پانی کی موجوں نے اور ہواؤں نے اس پیالے کو وہاں پہنچا دیا تھا۔ وہ خود اس پیالے کو لشکر کی طرف لایا اور ایک ایک سے پوچھنے لگا۔ یہ پیالہ کس کا ہے۔ آخر پیالہ اس تک پہنچ گیا جس کا وہ تھا۔

جب یہ حضرات دریا سے نکل کر دوسرے کنارے پہنچے تو فارس کے لوگ یہ کہتے

ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔
"دیو آگئے او دیو آگئے۔"

○

حضرت معاویہ بن حرمل رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے انھیں کھانے کی دعوت دی۔ اس طرح حضرت معاویہ بن حرمل حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔ ایسے میں ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے فرمایا:
"حرہ کے مقام سے ایک آگ نکلی ہے، کھڑے ہو جائیں اور اس آگ کو بھگا دیں۔"
یہ سن کر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
"اے امیر المومنین! میں کون اور کس لائق ہوں۔"
یعنی انھوں نے اپنی عاجزی ظاہر کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:
"آپ اٹھیں اور اس آگ کو یہاں سے بھگا دیں۔"
انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ بھلا میں کون ہوں کہ اس آگ کو بھگا سکوں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اٹھنا پڑا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آگ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت معاویہ بن حرمل رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔
آگ کے نزدیک پہنچ کر ان دونوں نے اپنے ہاتھوں سے آگ کو آگے بھگانا شروع کیا، گویا وہ آگ کو دھکیل رہے تھے۔ آگ وہاں سے ہٹنے لگی۔ ہٹتی چلی گئی، یہاں تک وہ آگ ایک گھاٹی میں داخل ہو گئی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ آگ کو بالکل ہی گھاٹی کے اندر تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"نہ دیکھنے والا اس جیسا نہیں، جس نے دیکھا ہے۔"
یعنی یہ منظر صرف ہم لوگوں نے دیکھا ہے۔ دوسرے ہم جیسے نہیں ہو سکتے، کیونکہ انھوں نے یہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

○

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشا کی نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کود کر آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے۔ جب آپ اپنا سر اٹھاتے تو پیچھے سے نرمی کے ساتھ ان دونوں کو پکڑتے اور اپنی پشت پر سے اتار دیتے۔ جب آپ دوبارہ سجدے میں جاتے تو یہ دونوں پھر وہی کرتے، یہاں تک کہ آپ نے اپنی نماز پوری کی اور ان دونوں کو اپنی ران مبارک پر بٹھا لیا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا:
"اے اللہ کے رسول! میں ان دونوں کو گھر چھوڑ آؤں؟"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی اور اس وقت بہت زیادہ اندھیرا تھا۔ جونہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انھیں لے کر چلے، اچانک بجلی چمکی اور اس کی روشنی اس وقت تک رہی جب تک کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے

جواہرات سرقیمتی

- ○ اچھے الفاظ مایوس دلوں کو روشنی دیتے ہیں۔
- ○ اپنا عمل خالص کر لیں، تھوڑا سا بھی کافی ہو جائے گا۔
- ○ جنگل کے پھول کسی مالی کے محتاج نہیں ہوتے۔
- ○ اپنے منہ سے اپنی تعریف دوسروں سے بھیک مانگنے کے برابر ہے۔
- ○ آنسو روکنا، آنسو بہانے سے زیادہ مشکل ہے۔
- ○ نصیحتوں کو قبول کرو، یہ دل کی حیات ہیں۔
- ○ شرافت عقل اور ادب سے ہے، مال اور نسب سے نہیں۔
- ○ دھوکا دینے والا خود دھوکے میں ہوتا ہے۔
- ○ تمھاری زندگی کا ہر دن تمھاری تاریخ کا ایک حصہ ہے۔
- ○ ہر مشکل کے آسان ہونے کا نبوی طریقہ کثرت سے توبہ استغفار کرنا ہے۔

ارسال کرنے والے: محمد زبیر اسلم بی۔ نوران اسلم بلوچ کوٹ سلطان۔ بنت محمد اشرف گوجرانوالہ۔ سویرا چودھری۔ محمد ابوبکر صدیق شور کوٹ۔ حافظ محمد اشرف حاصل پور۔

انھیں گھر تک پہنچا دیا، یعنی ان کے گھر پہنچنے پر وہ روشنی غائب ہوئی۔ (احمد)

○

آسمان پر بہت زبردست ابر تھا۔ ایسے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز کے لیے نکلے۔ ایسے میں بجلی چمکی۔ اس کی چمک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا:
"اے قتادہ! کیسے آنا ہوا؟"
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
"اے اللہ کے رسول! میں نے سوچا، اس وقت نماز میں آنے والے کم ہوں گے (خراب موسم اور تاریکی کی وجہ سے) تو میں نے اچھا سمجھا کہ نماز کے لیے حاضر ہو جاؤں۔"
یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جب تم نماز پڑھ چکو تو ٹھہر جانا، یہاں تک کہ میں تمھارے پاس آ جاؤں۔"
جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو کھجور کی ایک ٹیڑھی ٹہنی دی اور فرمایا:
"یہ لو، یہ تمھارے آگے دس ہاتھ کے فاصلے تک روشنی ڈالے گی، دس ہاتھ کے فاصلے تک تمھارے پیچھے روشنی ڈالے گی اور جب تم گھر میں داخل ہو گے اور ایک سیاہ چیز کونے میں دیکھنا تو اسے بات کرنے سے پہلے مار دینا، کیونکہ وہ شیطان ہے۔"
چنانچہ اسی طرح ہوا، یعنی وہ چھڑی روشن ہو گئی تھی۔ اس کی روشنی میں انھوں نے گھر کے کونے میں ایک کیڑا دیکھا اور اس چھڑی سے اسے مارا۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

181

واقعات صحابہ کے

دو صحابی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ دونوں جانے کے لیے اُٹھے تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ دو روشنیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلنے لگیں، یعنی رات تاریک تھی، وہ دو روشنیاں انھیں راستہ دکھانے لگیں۔ جب ان دونوں حضرات کے راستے الگ ہوئے اور وہ اپنے اپنے راستے پر چلنے لگے تو دونوں روشنیاں بھی الگ الگ ہوگئیں، یعنی ایک روشنی ایک صحابی ؓ کے ساتھ چلنے لگی اور دوسری روشنی دوسرے صحابی ؓ کے ساتھ چلنے لگی۔ سبحان اللہ! (بخاری۔ حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

O

حضرت اسید بن حضیر انصاری ؓ اور ایک دوسرے انصاری صحابی ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہ اپنی کسی ضرورت کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ کافی وقت گزر گیا اور وہ رات اندھیری تھی۔ اب یہ دونوں حضرات آپ ﷺ سے رخصت ہو کر باہر نکلے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک چھڑی تھی۔ جونہی یہ باہر نکلے، ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہوگئی (یعنی چھڑی کے سر سرے سے روشنی پھوٹ نکلی) دونوں اس روشنی میں چلتے رہے، جب دونوں کا راستہ جدا ہوا تو دوسرے صحابی ؓ کی چھڑی بھی روشن ہوگئی۔ اب باقی راستہ دونوں نے اپنی اپنی چھڑی کی روشنی میں طے کیا۔ سبحان اللہ! (ابن اسحاق۔ حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

O

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی ؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام ؓ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب یہ وہاں سے رخصت ہوئے تو رات تو اندھیری تھی ہی، ایسے میں آندھی بھی آگئی، یعنی اب اس قدر اندھیرا ہو گیا کہ کچھ بھی بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس وقت حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی ؓ کی انگلیاں روشن ہوگئیں، یعنی ان سے روشنی پھوٹنے لگی۔ دونوں نے اس روشنی میں اپنے جانور اکٹھے کیے۔ آندھی کی وجہ سے کچھ جانور ادھر اُدھر ہو گئے تھے، انھیں بھی جمع کیا۔ کچھ ہلاک بھی ہوئے تھے، یعنی ان حضرات نے اپنے یہ سارے کام کیے اور اس دوران حضرت حمزہ بن عمرو ؓ کی انگلیاں برابر روشن رہیں اور یہ کام ان حضرات نے اس روشنی میں کیے۔ سبحان اللہ! (البدایہ 6/152، حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

O

حضرت مقداد بن اسود، حضرت عمرو بن عبسہ اور شافع بن حبیب ؓ ایک مقام

پر تھے۔ حضرت کعب ؓ کے غلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک روز حضرت عمرو بن عبسہ ؓ جانوروں کو چرانے کے لیے گئے۔ دوپہر ہوگئی تو حضرت کعب ؓ کے غلام انھیں تلاش کرنے کے لیے نکلے۔ انھوں نے ایک جگہ انھیں دیکھا اور یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے ان پر سایہ کر رکھا تھا۔ یہ اس جگہ سو گئے تھے۔ ایسے میں ابر نے ان پر سایہ کیے رکھا۔ حضرت کعب ؓ کے غلام نے

قدم بہ قدم

انھیں جگایا اور اس ابر کے بارے میں بتایا۔ حضرت عمرو بن عبسہ ؓ نے جب اس ابر کو اپنے اوپر سایہ کیے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ابر ان کے اوپر سے ہٹ نہیں رہا تھا، یعنی برابر سایہ کیے تھا تو انھوں نے حضرت کعب ؓ کے غلام سے فرمایا:

''تم اس بات کا ذکر ہرگز کسی سے نہ کرنا، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

جب تک حضرت عمرو بن عبسہ ؓ کی وفات نہیں ہوگئی، حضرت کعب ؓ کے غلام نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ (الاصابہ حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

O

جمعے کا دن تھا، ایسے میں ایک صاحب مسجدِ نبوی کے اس دروازے سے اندر داخل ہوئے جو منبر کے سامنے تھا۔ اس وقت حضور نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور اسی حالت میں عرض کرنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! جانور ہلاک ہو گئے اور راستے بند ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش کر دیں۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور کہنے لگے:

''اے میرے اللہ! ہمیں بارش دے، اے میرے اللہ ہمیں بارش دے، اے میرے اللہ ہمیں بارش دے۔''

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! اس وقت آسمان پر دور دور تک ابر کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا، نہ ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی مکان تھا، یعنی ہم یہاں سے وہاں تک دیکھ سکتے تھے۔ پھر اچانک سلع پہاڑی کے پیچھے سے ڈھال کی مانند ایک ابر ظاہر ہوا، جب وہ آسمان کے بیچوں بیچ پہنچ گیا تو برسنے لگا اور اس قدر تیز بارش ہوئی کہ جل تھل ہو گیا۔ ہم نے چھ دن تک سورج نہیں دیکھا، یعنی اسی حالت میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ ساتویں دن یعنی پھر جمعے کے دن وہی صاحب اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوئے اور آپ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ (اس وقت بھی خطبہ دے رہے تھے) وہ کہنے لگے:

شکر کے سکے

عشرت جہاں۔ لاہور

رات کی رانی کی بھینی بھینی خوشبو نے چھوٹے سے صحن کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ ہوا کے جھونکوں سے تلسی کا پودا بھی ہلکورے لینے لگا۔ موتیا نے اپنی باڑھ سے یہ منظر دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ دلاور حسین نے بے خیالی میں تلسی کی نرم ملائم پتیوں کو چھوا۔ پتیوں نے جواباً خوشبو کا تحفہ انھیں تھما دیا۔ انھوں نے اپنا ہاتھ ناک کے پاس لا کر سونگھا اور خوشبو کو پھیپھڑوں میں اتار لیا۔ 'واہ کیا منظر ہے۔ کیا فرصت ہے۔' انھوں نے سوچا 'مگر اب ان حسین مناظر اور فرصت کے ان لمحات سے لطف اندوز ہونے کے لیے زیادہ وقت بھی تو نہیں رہا۔' اگلے ہی پل مایوسی نے انھیں دبوچ لیا۔

ضمیر نے دلاور حسین کے چہرے کے اترتے چڑھتے جذبات کو پڑھ لیا۔

'اب پھر ماضی میں بھٹک رہے ہو دلاور حسین۔' بہ ظاہر لاپروائی سے کہا گیا۔

'بھائی زندگی کی شام ہو گئی۔' ان کا لہجہ عجیب بے کسی لیے ہوئے تھا۔

'گھبرا گئے۔' ہلکی سی مسکراہٹ سے پوچھا گیا۔

'نہ پہلے وقت تھا اور نہ اب۔'

'دلاور حسین یہی تو تمہارا مسئلہ رہا ہے۔ ماضی کے شکوے مستقبل کا غم اور حال کی نفی۔'

'کڑی محنت کی ہے میں نے۔ تین تین جگہ نوکریاں کیں۔ جان کو جان نہیں سمجھا۔ وقت کو وقت نہیں سمجھا۔' انھوں نے گویا جتایا۔ 'کیوں۔' سوال کیا گیا۔

'اپنی اولاد کے لیے، انھیں معاشرے میں بلند مقام دینے کے لیے، ان کی آسائشوں کے لیے مگر آج وہ کہتے ہیں، ہمارے لیے، کیا ہی کیا؟ آپ نے کچھ کیا ہوتا تو ہم شان و شوکت سے رہ رہے ہوتے، یوں نوکریاں نہ کر رہے ہوتے۔'

'یہی تو تم بھی کہتے تھے۔' انھوں نے اپنی بات پر زور دیا۔ شکوہ، شکایات کی پوٹلی تو کھول دی مگر شکر کی نقدی غائب۔ کبھی ان نعمتوں کا حساب بھی کیا جو رب نے دیں۔ بے شک بے حساب کام کیا مگر اس کے لیے جو عزم، حوصلہ، صحت ملی، اس پر اپنے رب کا شکر بھی ادا کیا۔ ملنے والی نعمتوں پر محرومیوں کا پردہ ڈالے رکھا۔ ماضی پہ نالاں، مستقبل کا خوف مگر حال کے کسی لمحے سے لطف نہ اٹھایا۔ پھولوں اور قوس و قزح کے رنگ دیکھنے، پرندوں کی بولیاں اور بارش کی جلترنگ سننے کا وقت ہی نہ تھا تمہارے پاس۔ خود کو رزق کا ذمہ دار سمجھ لیا، مشین بنائے رکھا، گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ زندگی کا سفر گزار دیا اور ملا کیا؟' ضمیر نے حساب کتاب کیا۔ 'وہی شکوے شکایات۔'

'مگر اب مداوا کیسے ہو؟' دلاور حسین نے گھبرا کر سوال کیا۔ 'کیسے لاؤں گزرا وقت۔ وقت کو کسی بھی قیمت پر لوٹایا نہیں جا سکتا۔' انھوں نے افسردگی سے کہا۔

'شکر کے سکے کام آئیں گے اب۔ شکر کے سکے۔' ضمیر نے جواب دیا۔

کچھ دیر تک انھوں نے ضمیر کی بات پر غور کیا اور پھر سر ہلا دیا۔ موتیا نے بھی جھوم کر تصدیق کی۔ اس کی خوشبو ہوا کے دوش پر سوار ہو کر صحن میں چکرانے لگی۔

☆☆☆

"اے اللہ کے رسول! مال ہلاک ہو گئے (یعنی جانور) راستہ بند ہو گیا۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ بارش رک جائے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے اور کہنے لگے:

"اے اللہ! ہمارے پاس بارش نہ ہو، ٹیلوں پر ہو، پہاڑوں پر ہو، درختوں کے اگنے کی جگہوں پر ہو۔"

ادھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی، اُدھر بارش رُک گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد سے نکلے تو دھوپ میں چل رہے تھے، یعنی آپ ﷺ کی اس دعا کے بعد بارش مدینہ منورہ پر نہیں ہو رہی تھی، دور دراز جگہوں پر ہو رہی تھی۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بار سخت قحط پڑا۔ آپ لوگوں کو لے کر باہر میدان میں آئے۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی (یعنی نمازِ استسقا) پھر آپ نے اپنی چادر کو پلٹا۔ دایاں حصہ بائیں پر لیا اور بایاں حصہ دائیں پر۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور کہا:

"اے میرے اللہ! ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں۔"

ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ ابھی بارش جاری تھی کہ دیہات سے کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے بتایا:

"اے امیر المومنین! ہم فلاں دن فلاں جگہ پر تھے کہ اچانک ہمارے اوپر ایک ابر آ گیا، ہم نے اس ابر میں سے آواز سنی:

"اے ابوحفص مدد آ گئی، اے ابوحفص مدد آ گئی۔"

ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ (کنز العمال 4/290۔ حیاۃ الصحابہ جلد سوم)

O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے باغ کا کاشت کار گرمی کے موسم میں آیا۔ اس نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پانی منگایا، اس سے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اس شخص سے پوچھا، کیا تجھے کچھ نظر آیا۔ اس نے کہا: "نہیں کچھ نظر نہیں آیا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اندر گئے، پھر نماز پڑھی اور باہر آ کر اس سے پوچھا:

"کچھ نظر آیا۔"

اس نے بتایا:

"کچھ نظر نہیں آیا۔"

آپ پھر اندر گئے، نماز پڑھی اور باہر آ کر اس سے پوچھا:

"کچھ نظر آیا۔"

یعنی اس طرح تین یا چار بار ہوا، تب اس شخص نے کہا:

"میں پرندے کے پر کے برابر ابر دیکھ رہا ہوں۔"

آپ نے پھر نماز شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ کارندہ اندر آیا اور اس نے کہا:

"سارے آسمان پر ابر آ گیا ہے اور بارش شروع ہو گئی ہے۔"

آپ نے اس سے فرمایا:

"گھوڑے پر سوار ہو جا اور دیکھ کر آ کہ بارش کہاں تک ہوئی ہے۔"

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے کہا:

"بارش بس ہماری زمینوں پر ہوئی ہے۔" (ابن سعد 7/21۔ حیاۃ الصحابہ جلد سوم) (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

182

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

جب حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی تو منصرف کے مقام پر انھیں شام ہوگئی۔ انھیں وہاں پہنچنے سے پہلے ہی پیاس لگ رہی تھی اور ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ یہ تھیں بھی روزے سے۔ اب پیاس کی وجہ سے پریشان تھیں، کیونکہ روزہ کھلنے کا وقت ہو چلا تھا۔ سوچ رہی تھیں، اب پانی کا انتظام کیسے ہوگا۔

ایسے میں ان کے لیے آسمان سے پانی کا ایک ڈول سفید رسی سے بندھا لٹکایا گیا۔ انھوں نے اس میں سے پانی لے لیا اور اپنی پیاس بجھائی۔ فرمایا کرتی تھیں:

"اس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی، یہاں تک کہ میں شدید گرمی کے موسم میں روزے رکھتی تھی، تب بھی پیاس نہیں لگتی تھی۔"

O

ایک سفر میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پانی نہیں تھا۔ انھوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا، لیکن پانی نہ ملا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کسی برتن میں تھوڑا بہت پانی بچا ہوا ہے تو لے آؤ۔"

ایک برتن میں ذرا سا پانی مل گیا۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس پانی میں رکھ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وضو کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں میں جوش مار رہا تھا، یعنی ابل رہا تھا۔ پھر تمام صحابہ نے اس پانی سے وضو کرلیا۔

(حیاۃ الصحابہ۔ بخاری، مسلم، ترمذی)

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 80 یا اس سے زیادہ تھی۔ تعداد تین سو بھی آئی ہے۔ ہوسکتا ہے، ایسے دو مختلف واقعات ہوں۔ ایک میں تعداد تین سو رہی ہو اور دوسرے میں 80 کے قریب۔

O

صلح حدیبیہ کے موقعے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 1400 تھی۔ جس مقام پر یہ صلح ہوئی، وہاں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کا نام حدیبیہ تھا۔ اسی نسبت سے اس جگہ کو حدیبیہ کہا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں قیام کے دوران اس کنویں سے پانی لینا شروع کیا، یہاں تک کہ کنویں میں پانی بالکل ختم ہوگیا۔

یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کو بتائی گئی۔ آپ کنویں کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کی منڈیر پر بیٹھ کر آپ نے تھوڑا سا پانی لانے کا حکم فرمایا۔ پانی لایا گیا، تب آپ نے ایک گھونٹ بھری اور کنویں میں اس پانی کی کلی کر دی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کنواں پانی سے بھر گیا۔ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پانی پیا۔ اپنے جانوروں کو پلایا، یہاں تک کہ سب کے سب سیراب ہوگئے۔ (حیاۃ الصحابہ۔ بخاری)

O

ایک سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پانی ختم ہوگیا۔ آپ ﷺ کو یہ بات بتائی گئی۔ آپ نے فرمایا:

"کسی برتن میں تھوڑا بہت پانی ہو تو لے آؤ۔"

ایک برتن میں کچھ پانی مل گیا۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اس پانی کو ایک بڑے برتن میں الٹا اور اپنا ہاتھ اس میں رکھا تو پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان جوش مارنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے آواز دی:

"سنو! وضو اور اللہ کی برکت کی طرف آؤ۔"

سب آپ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ سب نے وضو کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے بھی اس پانی کو زیادہ سے زیادہ پینے کی کوشش میں جلدی کی، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا، اللہ کی برکت کی طرف آؤ۔" (حیاۃ الصحابہ۔ بخاری)

O

حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں انھوں نے دیکھا، ایک شخص اپنا کنواں کھود رہا ہے۔ اس شخص کا نام ابن مطیع تھا۔ اس نے آپ سے عرض کیا:

"میں بہت مدت سے اس کنویں پر محنت کر رہا ہوں، لیکن اس میں سے پانی نہیں نکلتا۔ ڈول ڈالتا ہوں تو ڈول پورا نہیں بھرتا۔ کاش آپ ہمارے لیے دعا کریں۔"

حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

"اس کنویں کا پانی لے آؤ۔"

وہ ڈول میں پانی لے آیا۔ آپ نے اس ڈول سے پانی پیا۔ پھر اس میں کلی کی اور اس پانی کو کنویں میں ڈلوا دیا۔ آپ کے ایسا کرنے سے اس کنویں کا پانی بڑھ گیا اور میٹھا بھی ہوگیا۔

(حیاۃ الصحابہ۔ ابن سعد)

O

ایک سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس خوراک کا ذخیرہ ختم ہوگیا، یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک ستانے لگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

گائے

دکھائے لاکھ اپنی جان گائے
کریں گے ہم بھی اب قربان گائے

میں خود ہو جاؤں گا قربان گائے
جو رکھ دے مجھ پہ اپنی ران گائے

فدا ہونا خدا پر ہم سے سیکھو
کیا کرتی ہے یہ اعلان گائے

بہت ہیں اونٹ دنبے بھیڑ بکرے
نرالی سب سے تیری شان گائے

تجھے ہم ڈھونڈتے ہیں بیس دن سے
ترا ملنا نہیں آسان گائے

ہے تیرے اسم سے موسوم سورۃ
تجھے بقرہ کہے قرآن گائے

جیے تو دودھ دے مر جائے تو گوشت
نہیں دیتی کبھی نقصان گائے

تجھے پوجیں گے وہ ماتا سمجھ کر
چلی جانا نہ ہندوستان گائے

نہیں کھاتی ہے گائے آدمی کو
مگر کھا جاتا ہے انسان گائے

ہے تیرا عشقِ حق کس درجہ صادق
اثر کی عقل ہے حیران گائے

اثر جونپوری

پودینہ

ڈاکٹر محسن۔ کراچی

پودینہ ہمارے عام طور پر کھانوں کو خوش ذائقہ اور خوشبو دار بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پودینہ کی چٹنی کو بطور ہاضم ولذت جب کہ موسم گرما میں بطور سالن استعمال کیا جاتا ہے۔

پودینہ ہضم سے متعلقہ امراض میں مفید ہے۔ غذا کو ہضم کرتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ پیٹ پھولنا درد ہونا، کھٹی ڈکاریں آنا، متلانا اور قے آنا میں مفید ہے۔ پودینہ الرجی میں بہت مؤثر ہے۔ جسم میں کسی جگہ یا کئی جگہ خارش ہوتی ہے، پھر سرخ دھبے بن جاتے ہیں۔ جو تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاتے ہیں، اس تکلیف میں پودینہ سبز دس پتے ایک کپ پانی میں جوش دے کر چھان کر روزآنہ رات کو سونے سے پہلے لیں۔ بیس یوم تک پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔ پودینہ خون سے فاسد مواد کو خارج کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یرقان میں بھی استعمال کرایا جاتا ہے جن لوگوں کو جی متلانے یا قے آنے کی شکایت ہو، جگر کا فعل سست ہو اور اس کے سبب بھوک اچھی طرح نہ لگتی ہو، رنگت زرد رہتی ہو یا خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہو، ان کے لیے پودینے کا جوشاندہ بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اسہال اور ہیضہ میں پودینہ کے پتوں پر نمک لگا کر کھانا یا اس کی چٹنی کا استعمال مفید ہے۔ بچھو چوہے وغیرہ کے کاٹے پر پودینہ پیس کر لیپ کیا جاتا ہے۔

پودینہ بلغم کو پتلا کرتا ہے۔ معدے کی خرابی میں بہت مفید ہے۔ اسے زبان پر رکھنے سے ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ بدہضمی کے لیے استعمال کروایا جاتا ہے۔ سگار، سگریٹ نوشی ترک کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سگریٹ نوشی کے لیے یہ ایک اہم تدبیر ہے۔

"اے اللہ کے رسول! بھوک نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ آپ ہمیں اجازت دیں، ہم اپنی سواریوں کے کچھ جانور ذبح کر لیں، اللہ تعالیٰ ہمیں کم سواریوں سے بھی منزل پر پہنچا دے گا۔"

اس موقعے پر حضرت عمر ؓ بھی موجود تھے، آپ نے محسوس کر لیا کہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی اجازت دینے والے ہیں، چنانچہ آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارا اس وقت کیا ہوگا، کل جب ہم بھوکے اور پیدل دشمن سے لڑیں گے۔"

آپ کا مطلب تھا، ہم دشمن سے لڑنے کے لیے جا رہے ہیں۔ سواریوں کے جانور اگر ذبح کر دیے گئے تو ہم میں سے بہت سوں کو پیدل سفر کرنا پڑے گا اور اسی حالت میں دشمن سے جنگ کرنی پڑے گی، اس وقت ہمارے لیے مشکلات ہوں گی۔ بہتر ہوگا کہ آپ ہمارے پاس جو بچی کھچی کھانے کی چیزیں ہیں، آپ ان کو ایک جگہ جمع فرما کر ان میں برکت کی دعا فرما دیں، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی دعا سے برکت اتارے گا۔"

آپ نے اس بات کو پسند فرمایا۔ تمام بچی کھچی چیزیں ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ لوگ اپنی اپنی چیزیں لانے لگے، کوئی تلاش کر کے ایک دانہ لایا، کوئی چند دانے لایا، پورے لشکر میں صرف ایک آدمی ایسا تھا جو ایک ڈیڑھ کلو کے قریب کھجوریں لایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان سب چیزوں کو جمع فرمایا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور دعا فرمائی، پھر آپ نے لشکر کو حکم دیا کہ آجاؤ اور اپنے اپنے برتن لے آؤ۔ مٹھی مٹھی کر کے ان برتنوں میں ڈالنا شروع کرو۔

سب نے ایسا ہی کیا، مٹھی مٹھی کر کے اپنے برتنوں میں وہ چیزیں ڈالنا شروع کیں، یہاں تک کہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور وہ چیزیں اسی طرح موجود رہیں، ابھی اتنی ہی مقدار میں باقی رہیں جتنی کہ شروع میں تھیں۔ اس پر آپ ہنس پڑے، یہاں تک ہنسے کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ پھر آپ نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

اور فرمایا:

"جب بھی کوئی بندہ ان دو کلمات پر ایمان لائے گا اور اللہ سے ملے گا، یعنی انھی دو کلمات پر فوت ہوگا اور اللہ سے ملاقات کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نجات دیں گے۔" (حیاۃ الصحابہ۔ نسائی)

یہ واقعہ غزوہ تبوک کے موقعے پر پیش آیا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ لایا گیا۔ اس میں ثرید تھا۔ آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں سے ثرید کھایا، یہاں تک کہ لوگ آتے رہے، اس میں سے کھاتے رہے۔ لوگوں کی ایک جماعت آتی اور کھا کر چلی جاتی، پھر دوسری آتی اور کھا کر چلی جاتی۔ اس طرح ظہر کا وقت ہو گیا۔ کسی نے حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے پوچھا:

"کیا اس کھانے میں اضافہ کیا جاتا تھا، یعنی اس برتن میں اور کھانا ڈالا جاتا تھا۔"

انھوں نے فرمایا:

"زمین سے کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا تھا مگر آسمان سے اس میں اضافہ ہو رہا تھا (یعنی اگر زمین سے اس میں اور کھانا شامل کیا جا رہا ہوتا تو پھر حیرت کی کیا بات تھی)۔" (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہ کے

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی روز سے فاقہ تھا، جب آپ کی پریشانی بڑھی تو آپ نے اپنی ازواج کے مکانوں کا چکر لگایا۔ ان میں سے بھی کسی گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ اب آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کے پاس تشریف لے گئے۔

آپ نے ان سے فرمایا:

''اے میری چھوٹی بیٹی! تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے، اس لیے کہ میں بھوکا ہوں۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا:

''اے ابا جان! گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بھی چلے آئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد پڑوس کی ایک عورت نے دو روٹیاں اور تھوڑا سا گوشت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کو بھیجا۔ آپ اپنے آپ سے کہنے لگیں:

''میں اپنے آپ پر اور اپنے بچوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دوں گی۔'' یعنی ہم لوگ یہ کھانا نہیں کھائیں گے، بلکہ یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھائیں گے، حالانکہ اس روز آپ اور آپ کے بچے بھی بھوکے تھے۔ آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنھما کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا اور تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ تشریف لے آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے کچھ بھیجا ہے، وہ میں نے آپ کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری بیٹی! وہ چیز لے آؤ۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا اس پیالے کو آپ کی خدمت میں لے آئیں۔ آپ نے پوچھا:

''اے میری بیٹی! یہ کہاں سے آیا۔''

انھوں نے کہا:

''اے ابا جان! یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔''

آپ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا:

''تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تمھیں بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار کے جیسا پیدا کیا ہے۔ جب اسے کچھ رزق دیا جاتا تھا تو اور اس سے اس رزق کے بارے میں پوچھا جاتا تھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تو وہ کہا کرتی تھی۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے کسی کو بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے آئیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے تو آپ نے سب گھر والوں کے ساتھ وہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا اور پیالے میں کھانا اسی طرح باقی رہا جیسا کہ پہلے تھا۔ اس کے بعد وہ کھانا آس پاس تمام لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اللہ پاک نے اس میں اس قدر برکت عطا فرمائی۔ (حیاۃ الصحابہ عربی 1/82)

O

امِ شریک رضی اللہ عنھا قبیلہ اوس سے تھیں۔ یہ رمضان المبارک میں مسلمان ہوئیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو راستے میں انھیں ایک یہودی کے ہاں ٹھہرنا پڑا۔ روزہ کھولنے کے لیے پانی نہیں تھا۔ انھوں نے اس یہودی سے پانی مانگا تو اس نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا:

''یہودی ہو جاؤ۔ پانی مل جائے گا۔''

انھوں نے انکار کیا اور پیاس کی حالت میں سو گئیں۔ خواب میں ایک شخص نے انھیں پانی پلایا۔ جب یہ بیدار ہوئیں تو انھوں نے پیاس کا کوئی اثر محسوس نہ کیا۔ پھر جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اپنی ساری کہانی سنائی۔

آپ نے ان سے فرمایا:

''اگر تم پسند کرو تو میں تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔''

یہ سن کر انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کے قابل نہیں۔ ہاں! آپ جس سے چاہیں، میری شادی کر دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کر دی۔ آپ نے انھیں تیس صاع گندم بھی دی اور فرمایا:

''اس میں سے کھاتے رہو، لیکن اسے ناپنا مت۔'' (یعنی یہ نہ دیکھنا کہ ابھی کتنی گندم باقی ہے)

حضرت امِ شریک نے بھی جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرنا چاہا۔ ان کے پاس ایک کپی میں گھی تھا۔ انھوں نے اپنی خادمہ سے کہا:

''یہ کپی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے

کہاں سے لاؤ گے

اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کرام کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا میں اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں تم وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو آپ کے انوار سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار آپ کے چہرے سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی خوشبو نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو آپ کی ہمراہی میں زخمی ہوئے؟ تم وہ زمانہ کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں دونوں جہاں کی سعادت کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر دیے جاتے اور تشنہ کامانِ محبت ''ھل من مزید'' کا نعرہ لگاتے تھے۔ تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو تڑپا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟

محمد اسماعیل میلسوی

جاؤ۔''

وہ گئی اور کپی کے گھی کو کسی خالی برتن میں انڈیل کر خالی کپی واپس لے آئی اور اسے گھر میں کسی چیز سے لٹکا دیا۔

حضرت امِ شریک کی نظر اس کپی پر پڑی تو وہ گھی سے بھری ہوئی تھی۔ انھوں نے خادمہ سے کہا:

''میں نے تم سے کہا تھا، اس کپی کا گھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے آؤ۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔''

خادمہ نے جواب دیا:

''میں وہ گھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر دے آئی تھی اور خالی کپی واپس لائی تھی۔''

حضرت امِ شریک سمجھ گئیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے، کیونکہ اس میں اتنا ہی تھا جتنا کہ پہلے تھا۔ ادھر یہ اس گندم میں سے کھاتے تھے، لیکن گندم کم نہیں ہوتی تھی۔

O

ایک صاحب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کھانے کو کچھ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وسق میں سے کچھ غلہ اسے دے دیا۔ وسق 60 صاع کے برابر ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے۔ آپ تین کلو سمجھ لیں۔ وہ شخص وہ غلہ لے گیا۔ دونوں میاں بیوی اس غلے سے کھاتے رہے، کچھ مہمان آجاتے تو انھیں بھی کھلا دیتے۔ اس طرح کافی مدت گزر گئی۔ ایک روز انھیں خیال آیا کہ دیکھیں تو سہی، کتنا غلہ باقی رہ گیا ہے۔ بس انھوں نے غلے کو ناپ لیا، اسی روز سے وہ برکت ختم ہو گئی۔ اس شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات بتائی تو آپ نے ان سے فرمایا:

''اگر تم اس غلے کو نہ ناپتے اور اسی طرح اس میں سے کھاتے رہتے تو وہ تمہارے لیے باقی رہتا، ختم نہ ہوتا۔'' (البدایہ)

O

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے ان کا نکاح کرا دیا اور انھیں کچھ دینے کے لیے اپنے پاس تلاش کیا، لیکن کچھ نہ ملا۔ آپ نے اپنی زرہ حضرت ابو رافع اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہما کو دے کر فرمایا، یہ کسی یہودی کے پاس رہن رکھ آؤ۔ یہ حضرات اس زرہ کو ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے میں رہن رکھ آئے اور وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے۔ وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ کو دے دیے۔ یہ دونوں میاں بیوی اس میں سے 6 ماہ تک کھاتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے اس گندم کو ناپ لیا تو وہ اتنے ہی تھے جتنے کہ انھیں ملے تھے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا:

''اگر تم اس غلے کو نہ ناپتے تو ساری عمر اس میں سے کھاتے رہتے۔''

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھوڑے سے جو تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ جو ایک مشکیزے میں تھے۔ آپ اس میں سے نکال کر کھاتی رہیں۔ اس طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ انھیں خیال آیا، اس غلے کو ناپ کر تو دیکھنا چاہیے، آپ نے ناپ لیا۔ اس کے بعد غلہ ختم ہو گیا، یعنی ناپنے کے بعد ان کی وہ برکت ختم ہو گئی۔ (جاری ہے)

دُعا

راہ کے سنگ سب ہٹا مولیٰ
میری بگڑی بھی اب بنا مولیٰ

بے اثر ہے ہر اک دوا مولیٰ
تو جو چاہے ملے شفا مولیٰ

تجھ کو ستار کہتی ہے دنیا
میرے عیبوں کو بھی چھپا مولیٰ

کس کو آواز دوں سوا تیرے
میرے داتا مرے خدا مولیٰ

سارا عالم ہے بے وفا ہرجائی
ایک تو ہی ہے باوفا مولیٰ

کام میرے بنے ہیں سب کے سب
نام جب بھی ترا لیا مولیٰ

میری حالت پہ رحم فرما دے
تیری رحمت کا واسطہ مولیٰ

میرے ظاہر کو میرے باطن کو
نورِ سنت سے اب سجا مولیٰ

تجھ سے غفلت ہے موت سے بدتر
ذکر تیرا مری غذا مولیٰ

تیرے عاصی کو جگ میں چین نہیں
میں یہ کہتا ہوں برملا مولیٰ

تجھ سے دوری عذاب ہے یارب
تیری قربت ہے بامزہ مولیٰ

اثر جونپوری

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد انتقال کر گئے اور ان کے ذمے قرض تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! میرا والد اپنے اوپر قرض چھوڑ گیا ہے اور میرے پاس وہی ہے جو ان کی کھجوروں سے پیداوار ہوگی اور سال میں جتنی پیداوار ہوگی، اس سے قرض نہیں اترے گا، اس لیے آپ میرے ساتھ چلیے، تاکہ ان قرض خواہوں پر کچھ اثر پڑے۔''

یہ سن کر آپ ان کے ساتھ چل پڑے۔ ان کی کھجوروں کے ایک ڈھیر کے کنارے پر پھرے، پھر دعا فرمائی، دوسرے ڈھیر کے پاس جا کر بھی آپ نے ایسا ہی کیا، پھر اس پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''ان کھجوروں میں سے تم اپنا حصہ نکال لو۔''

انھوں نے اپنا حصہ نکال لیا۔ اب آپ نے ان کے قرض داروں کو ان کے قرض کے مطابق کھجوریں دینا شروع کیں، یہاں تک کہ تمام قرض خواہوں کو پوری پوری کھجوریں دے دیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس دوران برابر آپ کی طرف اور اس ڈھیر کی طرف دیکھتے رہے، جس میں سے آپ قرض ادا کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا، تمام قرض خواہوں کو کھجوریں دے دینے کے بعد بھی اتنی ہی کھجوریں باقی تھیں جتنی کہ شروع میں تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا، گویا ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی ہو۔

O

قدم بہ قدم

حضرت عمرہ بن رواحہ رضی اللہ عنہا نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن کو بلایا اور ایک لپ کھجوریں ان کے کپڑے میں ڈال دیں۔ پھر ان سے فرمایا:

''اے میری بیٹی! تم یہ کھجوریں اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے صبح کے کھانے کے لیے لے جاؤ۔''

یہ ان کھجوروں کو لے کر چلیں تو ان کا گزر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آؤ بیٹی! اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

انھوں نے بتایا:

''اے اللہ کے رسول! یہ کھجوریں ہیں۔ جو میری ماں نے مجھے میرے والد اور میرے ماموں کے صبح کے کھانے کے لیے بھیجی ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''ادھر لاؤ۔''

انھوں نے وہ کھجوریں آپ کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ آپ کی دونوں ہتھیلیاں ان کھجوروں سے نہ بھریں، یعنی وہ اتنی سی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا:

''ایک کپڑا بچھایا جائے۔''

پھر آپ نے ان کھجوروں کو اس کپڑے پر پھیلا دیا۔ وہ الگ الگ اس کپڑے پر رکھی گئیں۔ پھر آپ نے اپنے قریب موجود ایک شخص سے کہا:

''جو لوگ خندق کھود رہے ہیں، انھیں آواز دو کہ آؤ صبح کے کھانے کی طرف۔''

سو تمام اہل خندق جمع ہو گئے۔ سب نے ان کھجوروں میں سے کھانا شروع کیا اور وہ کھجوریں زیادہ ہوتی چلی گئیں، یہاں تک کہ خندق کھودنے والے تمام حضرات کھا کر واپس لوٹ گئے اور وہ کھجوریں اس کپڑے کے کناروں سے گر رہی تھیں۔

O

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر رہا کرتے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہرے داری کرنا ان کے ذمے تھا۔ یہ ڈیوٹی سفر میں بھی جاری رہتی تھی۔

ایک روز حضرت عرباض اور چند دوسرے صحابہ کو کسی کام سے جانا پڑا۔ یہ حضرات واپس لوٹے۔ اس وقت تک آپ اور آپ کے باقی صحابہ عشا کا کھانا کھا چکے تھے، یعنی ان کے کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟''

کسی کے پاس کوئی چیز نہ ملی، اب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور پوچھا، کھانے کی کوئی چیز ہے۔ انھوں نے اپنی چمڑے کی تھیلی جھاڑی تو اس میں سے سات کھجوریں نکل آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک بڑے برتن

استنبول کی مشہور تاریخی مسجد ''جامع مسجد سلمانیہ'' اپنی وسعت کے لحاظ سے استنبول کی سب سے بڑی مسجد ہے اور فن تعمیر کے لحاظ سے دنیا کی گنی چنی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ یہ مشہور عثمانی خلیفہ ''سلیمان اعظم'' کے دور میں تعمیر ہوئی جو ترکی کی خلافت کا انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور کے شہرہ آفاق معمار ''زینان'' نے اس کی تعمیر میں اپنے فن کی تمام صلاحیتیں صرف کر دی تھیں۔ اس کا نام سول انجینئرنگ کے میدان میں آج بھی مشہور و معروف ہے۔ یہ مسجد دسویں صدی ہجری میں تعمیر ہوئی۔ تعمیر کے دوران یورپ کے کسی ملک (غالباً اٹلی) کے ایک کلیسا نے اپنے ملک کے سرخ سنگ مرمر کی ایک بہترین سل تحفے میں بھیجی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ سل اس مسجد کے محراب میں لگائی جائے۔ جب یہ سل پہنچی تو ''زینان'' نے سلیمان اعظم سے کہا کہ میں یہ سل محراب میں لگانا مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر آپ فرمائیں تو اسے مسجد کے ایک دروازے کی دہلیز میں لگا دیا جائے۔ سلیمان نے اس رائے کو پسند فرمایا اور وہ پتھر دہلیز میں لگا دیا گیا۔ زینان کو یہ شبہ بھی تھا کہ ان اہل کلیسا نے اس پتھر میں کوئی شرارت نہ کی ہو، چنانچہ اس نے ایک روز امتحاناً اس پتھر کو ایک خاص مسالے سے گھس کر دیکھا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ گھسنے کے بعد اس پتھر کے اندر سے سیاہ رنگ کی ایک صلیب نمودار ہوئی۔ یہ پتھر آج بھی دروازے کی دہلیز میں نصب ہے اور اس میں صلیب کا نشان آج بھی نظر آتا ہے جو اب قدرے دھندلا گیا ہے، لیکن پھر بھی خاصا واضح ہے جو ان اہل کلیسا کے مکر و فریب اور ایک معمار کی فراست و بصیرت کی گواہی دے رہا ہے۔

میں رکھا اور اس برتن پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''لو، اس میں سے کھاؤ۔''

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ نے 54 کھجوریں کھائیں۔ ان کے ساتھیوں نے بھی تقریباً 50، 50 کھجوریں کھائیں۔ جب ان حضرات نے اپنے ہاتھ روکے تو برتن میں ساتوں کھجوریں موجود تھیں۔

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر سمندر کی طرف روانہ فرمایا۔ اس لشکر پر آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ اس میں کل تین سو آدمی تھے۔ ان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو حکم دیا:

''اپنا اپنا توشہ جمع کر لیں۔''

سارے لشکر نے اپنا اپنا توشہ (کھانے کا سامان) ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا ان سب حضرات کو دیتے رہے، یہاں تک کہ توشہ ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک ایک کھجور سب کو ملنے لگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس ایک ایک کھجور کی قدر بھی اس وقت معلوم ہوئی جب وہ بھی ختم ہو گئیں۔

اور اسی لیے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سب کا توشہ لے کر ایک جگہ جمع کیا تھا... انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ خوراک کم پڑ جائے گی... ان کی حکمت عملی سے اس خوراک سے کافی دن نکل گئے... لیکن آخر کار وہ ختم ہو گئی... پھر یہ حضرات سمندر کے کنارے پہنچے تو اچانک پانی میں ایک مچھلی کسی پہاڑ کی مانند نظر آئی... اتنی بڑی مچھلی انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی... ان حضرات نے اس مچھلی کو شکار کیا اور اسے کھانا شروع کیا... لشکر نے اسے اٹھارہ دن تک کھایا... یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کی پسلیاں کتنی بڑی ہیں... حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیوں کو کمان کی طرح زمین پر رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد ایک اونٹنی پر کجاوہ کسا گیا اور اس اونٹ کو اس کے نیچے سے گزارا گیا... اونٹ گزر گیا... اس نے پسلی کو نہ چھوا...

یعنی وہ پسلیاں اتنی بڑی تھیں۔ اس مچھلی کا نام عنبر تھا۔ لشکر نے اس کی چربی کو تیل کے طور پر بہت دنوں تک استعمال کیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ حضرات تین سو تھے۔ انھوں نے ایک ماہ تک اس مچھلی کو کھایا۔ مچھلی کے گوشت کے پارچے بنا بنا کر کھانے لگے۔ جب یہ حضرات واپس مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مچھلی کا ذکر کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا:

''یہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سمندر سے نکالا تھا۔ کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ گوشت بچا ہوا ہے کہ میں بھی اس سے کھا سکوں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے گوشت کا ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسے نوش فرمایا۔

O

ایک شخص اپنے گھر آیا۔ گھر میں تنگی دیکھ کر وہ جنگل میں چلا گیا۔ اس کی بیوی نے یہ بات محسوس کر لی کہ اس کا خاوند پریشان ہو کر چلا گیا ہے۔ وہ اٹھ کر آٹا پیسنے والی چکی کے پاس گئی۔ اس نے چکی پاس رکھ لی۔ تنور میں آگ دہکا دی۔ اس کے بعد اس نے یہ الفاظ کہے: ''اے میرے اللہ! ہمیں رزق دے۔''

اس دعا کے بعد چکی خود بخود چلنے لگی۔ وہ آٹے سے بھرتی چلی گئی۔ پھر وہ تنور کی طرف آئی تو وہ بھی روٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر اس کا شوہر واپس آیا تو اس نے پوچھا:

''یہ سب کیسے ملا۔''

اس نے جواب دیا: ''یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔''

اس سارے رزق کو دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا:

''اگر تم لوگ چکی کو نہ اٹھاتے تو وہ قیامت تک چلتی رہتی۔'' (جاری ہے)

واقعاتِ صحابہؓ

185

عبداللہ فارانی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے نکلے۔ دونوں حضرات عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلے کے پاس پہنچے۔ آپ نے وہاں ایک گھر علیحدہ دیکھا، یعنی اس کے آس پاس اور مکانات نہیں تھے۔ آپ نے اسی کا رخ کرلیا۔

اس گھر میں صرف ایک عورت تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی اس کے گھر کے سامنے آٹھہرا ہے تو اس نے کہا:

''اے اللہ کے بندو! میں عورت ہوں اور میرے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ تمھیں چاہیے کہ قبیلے کے بڑے آدمی کے پاس چلے جاؤ، اگر تمہارا ارادہ دعوت کھانے کا ہو۔'' یعنی میں تو عورت ہوں، غریب ہوں، تمہاری کیا خدمت کرسکتی ہوں، اس لیے تم قبیلے کے کسی بڑے آدمی کے ہاں چلے جاؤ جو تمھیں کھلا پلا بھی سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ وقت شام کا تھا۔ اتنے میں اس عورت کا لڑکا اپنی بکریاں ہنکاتا وہاں آپہنچا۔ اب اس عورت نے کہا:

''بیٹے! کوئی بکری اور چھری ان دو آدمیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ میری ماں کہتی ہے، بکری ذبح کرلو اور کھالو اور ہمیں بھی کھلاؤ۔''

وہ لڑکا چھری اور بکری لیے آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''یہ چھری واپس لے جاؤ اور کوئی بڑا برتن لے آؤ۔''

یہ سن کر اس نے کہا:

''اس بکری کا دودھ سوکھ چکا ہے، اس میں دودھ نہیں ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم جاؤ! برتن لے آؤ۔''

وہ گیا اور برتن لے آیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کا ایسا کرنا تھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے ان سے دودھ دوہا، یہاں تک کہ وہ برتن بھر گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''یہ دودھ اپنی ماں کو پلا دو۔''

وہ گیا اور دودھ پلا کر واپس آیا۔

اب آپ نے فرمایا:

''کوئی اور بکری لے آؤ۔''

وہ گیا اور دوسری بکری لے آیا۔ آپ نے اس کے تھنوں پر بھی ہاتھ پھیرا اور دودھ دوہا۔ وہ برتن پھر بھر گیا۔ اس سے آپ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیا۔ وہ رات آپ دونوں نے وہیں بسر کی۔ صبح وہاں سے روانہ ہوئے۔ اس واقعے کے بعد اس عورت کی بکریاں بے تحاشہ ہوگئیں، یعنی ان میں بہت برکت ہوگئی۔ ایک مرتبہ یہ عورت اپنے لڑکے کے ساتھ اور اپنی بکریوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو ان کے بیٹے نے آپ کو پہچان لیا۔ اس نے فوراً اپنی ماں سے کہا:

''اے ماں! یہ تو وہی شخص ہے جو مبارک کے ساتھ تھا۔''

اس کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک رکھ دیا تھا، یعنی اپنے طور پر آپ کو مبارک کہنے لگے تھے۔

بیٹے کی بات سن کر عورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے آگئی اور بولی:

''اے اللہ کے بندے! اس دن جو آدمی تمہارے ساتھ تھا۔ وہ کہاں ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم جانتی ہو، وہ کون ہیں؟''

اس نے جواب دیا:

''نہیں، مجھے معلوم نہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''وہ ہمارے اللہ کے رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

اس نے فوراً کہا:

''تب پھر آپ ہمیں ان کے پاس لے چلیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ ان کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئے۔ انھیں کھانا کھلایا۔ آپ نے انھیں کچھ ہدیے بھی دیے۔

پھر وہ عورت مسلمان ہوگئی۔

○

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپ ابھی بچے تھے۔ ایک دن آپ کے پاس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اے لڑکے! کیا ان بکریوں میں دودھ ہے۔''

قدم بہ قدم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''دودھ تو ہے، لیکن یہ دودھ امانت ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''کیا ان میں کوئی ایسی بکری ہے جو ابھی تک ماں نہ بنی ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''ایسی بکری تو ہے، لیکن آپ اس کا کیا کریں گے۔ ظاہر ہے، ایسی بکری تو دودھ نہیں دیتی۔''

آپ نے فرمایا: ''تم وہ بکری لے آؤ۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بکری کو لے آئے۔ آپ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ آپ نے اس دودھ کو دوہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا اور خود بھی پیا۔ اس کے بعد آپ نے تھن سے فرمایا: ''سکڑ جا۔''

تھن سکڑ گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''بے شک تم جاننے والے اور سکھانے والے ہوگے۔''

آپ کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت بڑے فقیہ بنے۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

''دین کی کوئی بات پوچھنی ہو تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔''

○

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ رضی اللہ عنہما کو کسی کام سے بھیجا۔ جانے سے پہلے انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''تم کوئی مشک لے آؤ۔''

وہ ایک مشک لے آئے۔ آپ نے اس میں پانی

آ تجھ کو بتاتا ہوں

خدیجہ اکمل حسن ۔ کوئٹہ

اس اندھیری رات میں ہُو کا عالم تھا۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ سکوت کا یہ عالم تھا کہ ہم لوگ دل کی دھڑکن کی آواز بھی صاف سن رہے تھے۔ جب کبھی کوئی سرد ہوا کا جھونکا درختوں کے پتوں سے ٹکراتا تو اس کی سرسراہٹ کی آواز سے ہی سب کی ریڑھ کی ہڈیوں میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ جاتی۔ تین چار بیل گاڑیوں پر سوار یہ چھوٹا سا قافلہ اس سرد رات میں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے ایک شور اُٹھا اور ہم سب کے کلیجے منہ کو آگئے۔ آنکھوں کے سامنے موت صاف نظر آنے لگی۔

☆

یہ اس وقت کی بات ہے جب پاکستان آزاد نہیں ہوا تھا۔ ہمارا ایک چھوٹا سا پُرامن گاؤں بھارت کے شمالی جانب واقع تھا۔ اس میں ہندو، مسلمان اور سکھ آبادی مل جل کر رہتی تھی، لیکن جب پاکستان آزاد ہوا تو یہ پُرامن گاؤں بھی فساد کی لپیٹ سے نہ بچ سکا اور یہاں بھی مسلمانوں کا قتلِ عام ہونے لگا۔ میں اس وقت چودہ پندرہ برس کا لڑکا تھا۔ ایک رات ابو نے خاموشی سے سامان باندھا اور ہمیں لے کر نکل پڑے، اس ارضِ پاک کی طرف جس کی بنیادوں میں لاکھوں لوگوں کا خون تھا۔

☆

میں سردیوں کی ایک شام میں لان میں بیٹھا گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور قدرت کی کاری گری دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں میرے دونوں پوتوں کی آواز پڑی:

”جندب یار! تم نے کل عاطف اسلم کا نیا گانا سنا ہے۔ کیا زبردست میوزک ہے اس کا۔“ یہ بڑا بھائی عظیم تھا، دسویں جماعت کا طالب علم۔ چھوٹا بھائی جندب آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ جلدی سے بولا:

”ہاں بھائی!“ ”میں تو بڑا ہو کر اسی کی طرح راک اسٹار بنوں گا، کیونکہ مجھے اس کے گٹار بجانے کا اسٹائل بہت پسند ہے۔“

اس سے آگے میں کچھ نہ سن سکا، کیونکہ ایک منظر میری آنکھوں کے آگے دھند لانے لگا تھا۔

☆

شور کی آواز سن کر سب کو یقین ہو گیا کہ یہ سکھوں یا ہندوؤں کی کوئی جماعت ہے۔ جو ہر پاکستان جانے والے قافلے کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیتی تھی اور یہ شک درست نکلا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ہمیں ہندوؤں اور سکھوں کی ایک جماعت نظر آئی جو ہاتھوں میں نیزے لیے ہماری ہی جانب بڑھ رہے تھے۔ ہم سب نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ بچے سہم کر ماؤں کے سینوں سے لپٹ گئے۔ مرد حضرات آگے بڑھے تو مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، مگر وطن کی خاطر جان تو دے سکتے تھے۔ اچانک منظر پلٹ گیا۔ دوسری جانب سے ایک خوبرو طاقت ور نوجوان نکلا۔ جو بیس بائیس سال کا لگ رہا تھا۔ چہرے پر سجی سنتِ رسول اس کو اور بھی خوب صورت بنا رہی تھی۔ آتے ہی وہ شاہین کی طرح کافروں کی جماعت پر جھپٹ پڑا۔ ایک ہندو کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اس نے سب کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ سب جہنم واصل ہو چکے تھے۔ پھر پاکستان کی سرحد تک وہ ہمارے ساتھ آیا۔ سب کے دل سے اس کے لیے دعائیں نکلی۔ وہ پلٹ کر واپس جانے لگا۔ تو بڑے بزرگوں نے اس سے پوچھا:

”بیٹا! تم پاکستان نہیں آؤ گے۔ تو اس نے کہا، نہیں! ابھی نہیں، ابھی مجھے اپنے وطن کی خاطر بہت سے فرائض سرانجام دینے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ تو پلٹ گیا مگر ہم سب اس کے جذبے کو رشک سے سراہنے لگے۔ خاص طور پر میں تو اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔

☆

آج جب موجودہ پاکستان میں، میں نے اپنے دونوں پوتوں کی بات سنی تو یہ سارا منظر ذہن کے پردے پر نمودار ہو گیا اور یہ سوال میرے ذہن میں اُٹھنے لگا کہ ہماری نسل اس قابل نہیں کہ عالم اسلام کی خاطر اپنے فرائض سرانجام دے سکے اور فلسطین، برما اور کشمیر کو کافروں کے پنجے سے چھڑا سکے۔ کافروں نے یہ منصوبہ بہت پہلے بنا لیا تھا کہ ان کی نسلوں میں سے ایمانی غیرت اور جذبہ جہاد کو نکال دو۔ یہ خود بخود شکست کھا جائیں گے۔ کیا یہ ہماری قوم کے زوال کا وقت ہے؟ شاید اسی لیے شاعرِ مشرق نے یہ شعر کہا تھا:

آ تجھ کو بتاتا ہوں! تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

بھرنے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے اسے پانی سے بھر لیا۔ اب آپ نے مشک کے منہ کو تسمے سے باندھ دیا، پھر ان سے فرمایا: ”تم دونوں جاؤ اور فلاں فلاں جگہ تک پہنچو، اللہ تعالیٰ تم دونوں کو رزق دے گا۔“

یہ دونوں حضرات روانہ ہو گئے۔ یہ جہاں بھی گئے، ان مشکیزوں سے دودھ اور مکھن نکلتا رہا۔ یہ اس میں سے کھاتے اور پیتے رہے، یعنی انھیں خوراک کی کوئی کمی نہ ہوئی۔

O

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب بلوائیوں نے گھیر لیا تو ایک روز آپ سے ملاقات کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن سالم رضی اللہ عنہ آئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

”اے میرے بھائی! خوش آمدید۔“

پھر آپ نے انھیں بتایا:

”میں نے آج رات اس دریچے میں خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔“

آپ فرما رہے تھے:

”اے عثمان! ان لوگوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے اور تمہارا پانی روک رکھا ہے۔“

میں نے عرض کیا:

”ہاں! اے اللہ کے رسول!“

اس پر آپ نے اس دریچے میں سے ایک ڈول لٹکایا۔ اس میں پانی تھا۔ میں نے اس میں سے پانی پیا، یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا اور میں اب تک اس پانی کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے عثمان! اگر تم پسند کرو تو ان لوگوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جائے اور اگر تم چاہو تو آج روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا۔“

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ افطار کرنے کو اختیار کیا۔ آپ اسی روز شام کے وقت شہید کر دیے گئے۔ (جاری ہے)

واقعات صحابہ کے

186

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ بھی تھے۔ یہ حضرات ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں پانی تھا، اب انھیں اس پانی کو عبور کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی سے نیچے اترے۔ آپ نے اپنے موزے اتار کر کندھے پر رکھ لیے، اونٹنی کی لگام پکڑی اور پانی میں داخل ہوگئے۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! آپ خود اپنے پیروں سے موزے اتارتے ہیں، ان کو اپنے کندھے پر رکھتے ہیں، خود اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر پانی میں گھستے ہیں، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس شہر کے لوگ آپ کو یہ سب کرتے دیکھیں۔''

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم دوسروں کے ملک جا رہے ہیں۔ آپ مسلمانوں کے امیر المومنین ہیں۔ ایسے کام اپنے ہاتھوں سے نہ کریں۔ وہ لوگ کیا کہیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''اے ابو عبیدہ! اگر یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی تو میں اسے ایسی سزا دیتا کہ تمام امتِ محمدیہ کو اس سے عبرت ہوتی۔ ہم قوم کے اعتبار سے سب سے زیادہ کمزور تھے۔ ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت دی۔ ہم جب بھی عزت کو اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے تلاش کریں گے جس کے ساتھ اللہ نے ہمیں عزت دی تو اللہ ہمیں ذلیل کرے گا۔''

آپ ملک شام تشریف لائے تھے۔ وہاں اسلامی لشکر موجود تھا۔ اس وقت جب آپ شام میں داخل ہوئے تو آپ کے بدن پر ایک تہہ بند تھا۔ پیروں میں موزے تھے، سر پر ایک عمامہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے یہ الفاظ آپ سے کہے تھے۔

''اے امیر المومنین! آپ سے اسلامی لشکر ملے گا اور ملک شام کے سپہ سالار ملیں گے اور حالت آپ کی یہ ہے۔''

اس پر آپ نے جواب میں فرمایا:

''ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت دی۔ ہم کسی اور ذریعے سے یعنی اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعے سے عزت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔''

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت ملک شام میں داخل ہوئے، اس وقت آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! بہتر ہوتا کہ آپ ترکی گھوڑے پر سوار ہو جاتے، یہاں کے بڑے لوگ اور سردار آپ سے ملیں گے۔''

آپ نے یہ سن کر فرمایا: ''میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔''

ایک روایت کے مطابق اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ لال رنگ کے اونٹ پر سوار تھے۔ ان کے سر کا وہ حصہ جہاں سے بال اڑ گئے تھے، دھوپ کی وجہ سے چمک رہا تھا، نہ اس پر ٹوپی تھی، نہ پگڑی۔ ان کے دونوں پاؤں اونٹنی کے دونوں جانب لٹک رہے تھے، یعنی رکاب میں نہیں تھے۔ آپ کے نیچے جو گدا تھا، وہ موٹے اون والے کمبل کا تھا۔ جب آپ سوار ہوتے تو یہی کمبل آپ کا گدا ہوتا تھا اور نیچے اترتے تو یہی آپ کا بستر ہوتا تھا۔ آپ کے پیچھے جو گدی تھی، یعنی جس سے کمر لگاتے تھے، وہ کھجور کی چھال کی تھی۔ سوار ہوتے تو یہی ان کا گدا ہوتا تھا اور لیٹتے تو یہی ان کا تکیہ ہوتا تھا۔ جب اترتے تو کھدر کا ایک کرتا پہنے ہوتے تھے جو پرانا ہو چکا تھا اور دونوں طرف سے پھٹ چکا تھا۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا:

''میرے پاس اس قوم کے بڑے آدمی کو لاؤ۔''

لوگ آپ کے پاس جلومس پادری کو لے آئے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''میرے کرتے کو دھو دو، اسے سی دو اور اتنی دیر کے لیے کوئی کرتہ مجھے ادھار دے دو۔''

وہ کتان کا کرتہ لے آیا۔ آپ نے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

کسی نے بتایا: ''کتان ہے۔''

آپ نے پوچھا: ''کتان کیا چیز ہے؟''

لوگوں نے کتان کے بارے میں بتایا تو آپ نے اپنا کرتہ اتار دیا۔ اس نے آپ کا کرتہ دھویا اور پھٹی ہوئی جگہوں کو سی دیا۔ پھر آپ کے پاس لایا۔ آپ نے اس کا کرتہ اتار دیا اور اپنا کرتہ پہن لیا۔ اس وقت جلومس نے آپ سے کہا:

''آپ عرب کے بادشاہ ہیں اور اس شہر میں اونٹ پر سواری مناسب نہیں ہے۔ کپڑے بھی آپ ان کے علاوہ کوئی اور پہن لیں۔ ترکی گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ یہ بات رومیوں کے لیے قدر کے قابل ہوگی۔''

اس کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت دی ہے۔ ہم اللہ کی دی ہوئی عزت کے مقابلے میں کسی اور عزت کو تلاش کرنے والے نہیں ہیں۔''

جب آپ کے پاس سواری کے لیے ترکی گھوڑا لایا گیا تو آپ نے اس پر بغیر رکاب کے چادر ڈالی اور اس پر سوار ہوگئے۔ پھر فرمایا:

''روکو! روکو! میں اس پر سواری نہیں کروں گا۔''

آپ کے پاس آپ کی اونٹنی لائی گئی۔ آپ اسی پر سوار ہوئے۔

یہ ان دنوں کی تفصیل ہے جب اسلامی لشکر نے بیت المقدس پر چڑھائی کی تھی اور اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ عیسائی قلعے میں بند ہو کر لڑتے رہے۔ آخر انھوں نے ہمت ہار کر یہ پیغام بھیجا:

''مسلمانوں کے امیر اگر خود یہاں آئیں تو ہم شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے، یعنی صلح کا معاہدہ ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے گا۔''

اس وقت اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ پیغام بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقعے پر مشورہ دیا:

''عیسائی ہمت ہار چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست نہ مانیں تو اور ذلیل ہوں گے اور یہ خیال کر کے کہ مسلمان ان کو حقیر سمجھتے ہیں، ہتھیار ڈال دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا۔

''آپ کو وہاں جانا چاہیے۔''

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کو

خطرناک

نویدہ صدیقی۔ احمد پور شرقیہ

’’مما! وہ دیکھیں! ٹو اینگل۔‘‘

’’بیٹا! کہاں ہیں؟‘‘ ماں نے پوچھا۔

’’وہ دیکھیں! بہت اوپر فلائی کر رہے ہیں۔‘‘ بچے نے ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

ماں بڑی خوش ہو رہی تھی کہ ماشاء اللہ میرا بچہ بڑا لائق فائق ہے۔ ابھی دوسرا سال ہے سکول بھیجے کو، اتنی جلدی انگریزی کے الفاظ بولنا سیکھ گیا ہے۔

لیکن بچے کی دوسری بات سن کر ماں شش و پنج میں پڑ گئی کہ خوشی کا اظہار کرے یا دکھ کا، کیونکہ بچے نے پوچھا تھا: ’’مما! ٹو اینگل! یہ تو انگلش میں ہے، اُردو میں اس کو کیا کہیں گے؟‘‘

ماں ابھی ہق دق بیٹھی تھی کہ چھوٹے سپوت نے توجہ اپنی طرف مبذول کرالی، وہ اردو لغت کی کتاب کا سبق یاد کر رہا تھا۔

’’ب سے برگر: ب سے منکی (بندر)۔‘‘

’’ب سے بالٹی: ب سے برِنجل (بینگن)۔‘‘

O

’’ایمن! مریم نہیں آرہی، کیونکہ وہ تم سے ناراض ہے۔‘‘

’’کیوں ناراض ہے؟‘‘ ایمن نے پوچھا۔

’’پتا نہیں! اس نے مجھے یہ نہیں بتایا۔‘‘ پیغام رساں بچی نے جواب دیا۔

’’اچھا ذرا رکو! یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اسے دے دینا۔‘‘ ایمن نے کہا۔

ایمن بھی ایک نیا ستارہ ہے۔ جو ابھی مڈل تک بھی نہیں پہنچا، لیکن جو خط اس نے لکھا ہے۔ وہ انگریزی میں ہے۔ ’’وجہ؟‘‘ وہی! کہ اردو آتی تو ہے پَر اتنی اچھی نہیں کہ خط لکھا جا سکتا۔

بہر حال خط مریم تک پہنچتا ہے۔ مریم انگریزی سے نابلد۔ خط پڑھ نہیں پاتی۔ مجبوراً اپنی ناراضی پسِ پشت ڈال کر ایمن کو بلوا بھیجتی ہے کہ ’’آکر اپنا خط خود ہی پڑھ کر سنا دو، میں نہیں پڑھ سکتی۔‘‘

O

عبدالمقیت کی کہانی شائع ہوئی تو اس نے بڑی خوشی سے اپنے خالہ زاد کو بتایا:

’’ریحان! میری کہانی چھپی ہے، لو پڑھ لو۔‘‘

ریحان نے رسالہ ہاتھ میں تو پکڑ لیا، لیکن عنوان تک نہ دیکھا۔ پہلے پوچھا:

’’ہارَر (ڈراؤنی) ہے؟‘‘

عبدالمقیت نے کہا: ’’نہیں۔‘‘

’’ٹریجک (المیہ) ہے؟‘‘ اس نے دوبارہ پوچھا۔

’’نہیں تو۔‘‘ عبدالمقیت بولا۔

’’پھر ایموشنل (جذباتی) ہوگی؟‘‘

’’ہاں! کہہ سکتے ہیں۔‘‘ عبدالمقیت بے زاری سے بولا۔

’’تم نصابی کتب کے علاوہ اور کیا پڑھتے ہو؟‘‘ عبدالمقیت نے جب دیکھا کہ اس کی دلچسپی پڑھنے میں صفر ہے۔ تو اس نے پوچھا۔

’’اُردو کا میں کچھ نہیں پڑھتا، بس انگلش بکس پڑھتا ہوں۔‘‘ ریحان نے بتایا۔

’’تمہارے گھر میں تو بہت اچھی اچھی کتابیں ہیں، میں نے دیکھ رکھی ہیں، پھر وہ کون پڑھتا ہے؟‘‘ عبدالمقیت نے پوچھا۔

’’وہ تو ابو پڑھتے ہیں، میرے لیے تو وہ انگلش ناول لاتے ہیں لائبریری سے۔ میں وہ پڑھتا ہوں۔‘‘ شانِ بے نیازی سے جواب آیا۔

O

چھوٹی بہن کے سکول میں پڑھائی کے سلسلے میں میٹنگ تھی۔ امی جان نہیں گئیں تو دوسری بہن چلی گئی۔ واپسی پر اس نے رزلٹ کا بعد میں بتایا۔ پہلے جو اس نے بات بتائی، اس نے ہم سب کو بھی بہت افسردہ کر دیا۔

اس نے بتایا۔ میں کلاس میں گئی تو تھوڑی دیر بعد ایک خاتون کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ دیکھنے میں ہی بہت سادہ مزاج لگ رہی تھیں۔ ٹیچر نے ان خاتون سے کہا: ’’ہیو آ سیٹ پلیز۔‘‘

وہ خاتون بڑی شرمندہ ہو کر بولیں: ’’میں نہیں سمجھی۔ آپ نے کیا کہا؟‘‘

ٹیچر نے پہلے تو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ جیسے کوئی خلائی مخلوق دیکھ لی ہو، پھر بولیں: ’’آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔‘‘

اور یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ نوٹ کی گئی کہ زیادہ اہمیت انھی خواتین کو دی گئی جو بڑھ چڑھ کر انگریزی بول رہی تھیں۔

O

ہمارا بارہ سالہ کزن سیڑھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا:

’’اُف گاڈ، کتنی خطرے ناک لیڈرز (سیڑھیاں) ہیں!‘‘

اغیار کی زبان سے اتنی واقفیت، اور اپنی زبان سے اتنی غیریت، پتا ہی نہیں کہ اصل لفظ کیا ہے؟ پھر فوراً میں نے اپنی سوچ کو جھٹکا اور کزن کے چہرے پر مزاح کا عنصر تلاش کرنا چاہا۔ پَر وہاں تو سنجیدگی کی گہری تہہ تھی۔ میں نے اس کی بڑی بہن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے وضاحت کی:

’’میرے بھائی کی اردو بہت ویک ہے۔‘‘

جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں اور چلے ہیں انگریز دان بننے۔ اپنی ناک کٹنے کے انھیں سو خطرے لاحق ہیں اور یہاں ہماری پیاری زبان اردو (جس کی دھوم سارے زمانے میں ہے) خطرے میں ہے۔

ان حالات میں عوام کے لیے صرف یہی گزارش ہے کہ انگریزی پڑھنے سے منع کرنا مقصود نہیں، لیکن بولنے میں پہلا حق ہماری زبان کا ہے اور حکمرانوں کو بھی چاہیے کہ وہ اردو کو سرکاری و دفتری زبان قرار دے دیں، تاکہ انگریزی کے آسیب سے چھٹکارا نصیب ہو اور یہ زبان اپنوں میں روتی ہوئی واپس جائے۔

نوٹ:۔ عدالت نے اردو زبان کو سرکاری زبان بنانے کا حکم دے دیا ہے۔

پسند فرمایا اور اس طرح آپ نے ملک شام کا یہ سفر کیا اور آپ اسی حالت میں بیت المقدس داخل ہوئے۔

O

مصر کے فتح ہونے میں جب دیر لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کے سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

’’مصر کی فتح میں اتنی دیر لگ گئی، میں تمہارے پاس چار آدمی بھیج رہا ہوں، ان میں سے ہر ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو لوگوں کو خطبہ دینا اور انھیں دشمنوں سے لڑائی پر ابھارنا۔ انھیں صبر اور اخلاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان چاروں کو آگے رکھنا۔ پھر سب یک وقت ٹوٹ کر حملہ کرنا۔ یہ حملہ جمعے کے دن زوال کے وقت ہونا چاہیے۔ یہ ایسی گھڑی ہے کہ اس میں رحمت اترتی ہے اور قبولیت کی گھڑی ہے اور چاہیے کہ تمام لوگ اللہ کے آگے گڑگڑائیں اور دشمن کے خلاف مدد مانگیں۔‘‘

اس خط کی ہدایات پر عمل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی۔